کالے جادو کی کالی نگری کی داستان ہوشربا

جلتی راکھ

ایم اے راحت

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

پتہ نہیں شاعر کا تجربہ کیا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ عشق و محبت کی لاتعداد داستانیں کائنات کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان کے متاثرین ان داستانوں کو آج بھی عقیدت سے دوہراتے ہیں۔ قصوں کہانیوں کی شکل میں، فلموں اور ڈراموں کی شکل میں، کچھ اپنے آپ پر تجربے کر ڈالتے ہیں۔ اخبارات میں ان کی المناک تصویریں نظر آجاتی ہیں۔ وغیرہ۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ کے بیشتر صفحات آج بھی ان داستانوں کے لئے خالی ہیں اور پڑھنے والے اب بھی ذوق و شوق سے ان کہانیوں کو پڑھتے ہیں۔ زیر نگاہ داستان بھی ایک عشق بلاخیز کی داستان ہے۔ ہاں یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آپ کے دور کا ایک انوکھا ادیب جس کا نام "ایم اے راحت" ہے جب بھی سوچتا ہے دوسروں سے مختلف سوچتا ہے۔ اس کی یہ حقیقت اس کہانی میں بھی موجود ہے۔ پراسرار کہانیوں میں بہت سے کردار آتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسی لڑکیوں کا تذکرہ بھی آجاتا ہے جن پر جن زادے عاشق ہو جاتے ہیں اور پھر یہ آتشی مخلوق اشرف المخلوقات سے جنگ کرتی ہے۔ اس داستان میں ایک جن زادی اور آدم زادے کے عشق کی کہانی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اشرف کا معیار بہت بلند ہے اور زیر نگاہ داستان میں ایک ایسے ہی نوجوان کا کردار ہے جس نے اپنی شدید ترین محبت کو انسان کے ماتھے کا جھومر بنا دیا ہے۔ محبت کی منزل انسان کو بلندیاں دیتی ہے اور کردار ان کی بلندیوں کو روشن کردیتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس ضخیم کتاب کو شروع کرنے کے بعد آپ پلکیں جھپکانا بھول جائیں گے اور یہی ایم اے راحت کے قلم کا کمال ہے۔

ادارہ

شیخوپورہ سے کوئی اٹھارہ کلومیٹر مشرق میں ہماری بستی جھومر کے نام سے پکاری جاتی ہے' اگر آپ کبھی ادھر سے گزرے ہوں اور آپ نے سبز پتوں میں نارنجی ستارے ٹکے ہوئے دیکھے ہوں تو بس سمجھیں کہ جھومر کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔ پاکستان بھر میں سب سے بڑے اور سب سے میٹھے کینو کے باغات ہمارے ہی تھے۔ والدصاحب کے زمانے میں درختوں کے کینو آخری فصل میں اتارے جاتے تھے اور جاتی فصل میں سب سے شاندار اور میٹھے کینوؤں کا سیلاب پورے پاکستان میں آجاتا تھا۔ حالانکہ بے شمار ایکسپورٹ کے ادارے ان کینوؤں کا والدصاحب سے سودا کرنے پر تیار تھے لیکن بات یہ تھی کہ اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ موجود تھا۔ کینوؤں کے یہ باغات تو والد صاحب نے بستی جھومر کی سجاوٹ کے لئے لگائے تھے۔ ورنہ ہماری بے شمار زمینیں اور شہری جائدادیں تھیں جن کی آمدنی سے ہماری بہترین زندگی گزر رہی تھی۔ والدصاحب نے ان اداروں کو مکمل طور سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا کہ بھائی جو کچھ اللہ کا دیا ہے اہلِ وطن کے لئے ہے۔ سب کھائیں گے' سب کو مزہ آئے گا۔ باہر بھیج کر تھوڑے سے پیسے زیادہ آجائیں گے نا۔ یہ کوئی اچھی بات ہے کہ گھر کو بھوکا مارو اور باہر کا پیٹ بھرو۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں۔

بہت مناسب قیمت پر یہ کینو پاکستان کے ہر شہر میں پہنچا دیئے جاتے تھے۔ یہ والدصاحب کی سوچ تھی۔ بہرحال بہن بھائیوں کا تذکرہ بعد میں کروں گا۔ اپنے بارے میں یہ بتادوں کہ سب سے چھوٹا تھا اور سب سے کھوٹا تھا لیکن والدصاحب کا لاڈلا اس لئے کہ میرے بعد والدہ اس دنیا میں نہیں رہی تھیں اور والدصاحب نے اپنی آغوش میں مجھے پروان چڑھایا تھا۔ اس سے پہلے ان کے بارے میں یہ سنا جاتا تھا کہ وہ گھر سے بالکل لاپرواہ آدمی تھے۔ کتنے بچے ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ ذرا کم ہی توجہ دیتے تھے لیکن والدہ کی موت کے بعد شاید ان کی آخری نشانی سے انہیں کچھ زیادہ ہی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ میری پرورش بڑے لاڈ سے ہو رہی تھی اور مجھ سے بڑے بھائی شروع ہی سے میرے مخالف ہو گئے تھے۔ میری فطرت میں بے پناہ شرارت تھی اور ہوش سنبھالنے سے پہلے جو

لوگ میری اس شرارت کی گواہی دیتے تھے وہ یہی کہتے تھے کہ شیطان سے میرا براہِ راست واسطہ ہے۔ ایسی ایسی شرارتیں کرتا کہ سب لوگ عاجز آجاتے تھے۔ کیونکہ زمیندار صاحب کا منظورِ نظر اور سب سے چھوٹا سب سے کھوٹا تھا۔ اس لئے لوگ بھی مجھے برداشت کر لیا کرتے تھے۔ کیا نہیں کیا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد کی باتیں تو مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایسی ایسی شرارتیں کرتا تھا کہ بس دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے تھے۔ مولوی چچا میرے دستِ راست تھے۔ وہ بڑے اچھے آدمی تھے اور مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے اور میری در پردہ خواہشیں وہی پوری کرتے تھے۔ مثلاً آتش بازی کا حصول' بیچارے میلوں پیدل چل کر جاتے تھے اور میرے لئے آتش بازی خرید کر لاتے تھے اور آتش بازی میرے ہاتھ لگ جائے پھر بھلا بستی والوں کی شامت کیوں نہ آجائے۔ بھینس کی دُم میں پٹاخے باندھ کر ان میں آگ لگا دینا اور پھر بھینس کی پھیلائی ہوئی تباہی سے لطف اندوز ہونا۔ مالی بابا کی چارپائی میں دھماکے والے بم باندھ دینا اور فلیتے میں آگ لگا کر بھاگ آنا اور اس کے بعد مالی بابا کا رقص۔ غرضیکہ ان ساری شرارتوں کے عقب میں میرا ہی ہاتھ ہوتا تھا اور مولوی چچا میرے سرپرست ہوا کرتے تھے۔ ان کی ذہانت نے مجھے منظرِ عام پر آنے سے ہمیشہ بچایا تھا۔ ویسے میرے ساتھیوں کی ٹولی یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ ان شرارتوں کے پسِ پشت کون ہے۔ ویسے جاننے والے تو اور بھی بہت سے ہوں گے' لیکن کسی نے جا کر والد صاحب سے شکایت نہیں کی تھی۔ البتہ بھائی اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح میرا گراف گرا دیں۔ خیر یہ تو ہوئیں بچپن کی شرارتوں کی باتیں۔ میں اس رات کی آنکھ مچولی کا ذکر کروں گا' جب چودھویں کا چاند آسمان پر کھلا ہوا تھا اور زمین پر چاندنی کا راج تھا۔ رات کی تاریکی میں حویلی سے باہر نکلنے کا راستہ میں اچھی طرح جانتا تھا اور یہ راستہ میری ذاتی دریافت تھی۔ بڑی حویلی کے عقبی حصے میں پرانی حویلی تھی جو کئی جگہ سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ دیواروں میں کئی جگہ سوراخ ہو گئے تھے لیکن باہر جانے کا وہ سوراخ میں نے اینٹیں ہٹا کر خود ہی تیار کیا تھا۔ سوراخ تو خیر قدرتی تھا لیکن اس میں صفائی کر کے اپنے بدن کو باہر نکالنے کی جگہ میں نے ہی بنائی تھی اور بعد میں باہر سے اس طرح اینٹوں سے ڈھک دیا تھا کہ بس چار اینٹیں ہٹانی پڑتی تھیں اور میرے باہر جانے کا راستہ بن جاتا تھا۔ بھلا چاندنی کے اس کھیت میں رمضان' شعیب اور دوسرے لڑکوں کے ساتھ کینوؤں کے باغ میں آنکھ مچولی کھیلنے سے بہترین مشغلہ اور کون سا ہو سکتا تھا۔ کینوؤں کے درختوں کے اوپری پتوں سے چھننے والی روشنی کے دھبے مجھے بڑے حسین لگتے تھے اور میرا دل چاہتا تھا کہ ان سارے ستاروں کو سمیٹ کر میں کسی صندوق میں

چھپا دوں اور جب دل چاہے انہیں نکال کر زمین پر بکھیر دوں لیکن یہ ستارے ہاتھ نہیں آتے تھے۔ یہ تو چاند کا عکس تھے۔ یہ خواہش نہ جانے کب سے میرے دل میں جنم لے رہی تھی لیکن اس کی تکمیل ظاہر ہے ممکن نہیں تھی۔

بہرحال ان تمام لڑکوں کو معلوم تھا کہ چودھویں کا چاند ہو۔ آسمان سے روشنی کی بارش ہو رہی ہو اور میں گھر میں رہ جاؤں۔ ملنے کی جگہ بھی انہیں معلوم تھی۔ چنانچہ ہم سب وہیں پر آکر مل گئے اور اس کے بعد کھیل شروع ہو گیا۔ بس ایک دلچسپ بات تھی۔ اگر کبھی اس کھیل کا پتہ چل بھی جاتا تھا اور مالی بابا کہیں جا کر شکایت بھی کرتا تھا تو آج تک تو ایسا ہی ہوا تھا کہ ہم لوگ پکڑے نہیں گئے تھے۔

اس رات بھی ایسا ہی ہوا کہ جب ہم لوگ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے تو مالی بابا کی آنکھ کھل گئی۔ حالانکہ کئی بار ہم نے ایسا بھی کیا تھا کہ مالی بابا چارپائی پر سو رہا ہوتا تھا اور ہمیں آنکھ مچولی کھیلنی ہوتی تھی تو ہم سب خاموشی سے آتے اور رسی سے مالی بابا کو چارپائی سے باندھ دیتے۔ دو تین بار ایسا ہی ہوا تھا لیکن اس کے بعد مالی بابا نے اس چارپائی پر سونا چھوڑ دیا تھا اور اپنی جھونپڑی ہی میں کنڈی لگا کر سویا کرتا تھا۔ چنانچہ ہمارا راستہ صاف ہو گیا تھا لیکن اس دن نہ جانے کیسے مالی بابا اپنی کوٹھری کھول کر باہر نکل آیا۔ اصل میں وجہ یہ تھی کہ کینو پک رہے تھے بلکہ پک چکے تھے اور بستی کے آوارہ لڑکے ان کینوؤں کو اچھی خاصی تعداد میں صاف کر دیا کرتے تھے۔ بہرحال یہ مالی بابا کی ذمے داری تھی کہ وہ ان کینوؤں کی صحیح طور پر حفاظت کرے۔ اسی لئے وہ باہر نکل آیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ ہم تمام لڑکوں کو بھاگنا پڑا' اب بھلا اتنا خوبصورت ماحول چھوڑ کر گھر کو کون واپس جاتا' ہم سب درختوں پر چڑھ گئے۔ میں خود بھی ایک درخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ مالی بابا نیچے سے گزر رہا تھا اور چوروں کی طرح تاک تاک کر قدم رکھ رہا تھا تاکہ اس کے قدموں کی آہٹ نہ ہو اور وہ ہم میں سے کسی لڑکے کو پکڑ لے۔ مالی بابا ایک درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اچانک ہی شعیب کے بری طرح چیخنے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد وہ دھپ سے مالی بابا کے اوپر گر پڑا۔ شعیب تو خیر شرارت سے چیخا ہو یا کسی خاص وجہ سے لیکن چونکہ مالی بابا کے اوپر گرا تھا اور مالی بابا خود اس کے نیچے زمین پر گرا تھا مالی بابا کی چیخیں شعیب سے زیادہ زور دار تھیں۔ ہم سب بڑی حیرتوں میں مبتلا ہو گئے۔ اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ شعیب بدستور چیخ رہا تھا اور اس کے حلق سے ڈری ڈری آوازیں نکل رہی تھیں۔ مالی بابا نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کے نیچے سے نکال لیا۔ شکر ہے کہ اس وقت وہ لالٹین ہاتھ میں لئے ہوئے نہیں تھا۔ ورنہ شاید لالٹین بھی ٹوٹ جاتی اور

شعیب زخمی ہو جاتا' بہرحال اب مجبوری تھی۔ جب مالی بابا نے چاندنی میں شعیب کو دیکھا تو مالی بابا ایک بار پھر بری طرح چیخنے لگا تھا۔ نتیجے میں ہم سب کو درختوں سے نیچے آنا پڑا اور اس کے بعد ہم نے قریب آکر جو منظر دیکھا وہ بڑا دردناک تھا۔ شعیب پر غشی سی طاری ہوتی جا رہی تھی اور وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا لیکن سب سے حیران کن بات جو تھی وہ یہ تھی کہ اس کا پورا جسم خون میں تربتر تھا۔ اس کے ہاتھ خون میں لتھڑے ہوئے تھے اور کپڑوں سے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اسے ذبح کر دیا گیا ہو۔

میں نے بقرعید پر اپنے ہاں قربانی ہوتے ہوئے دیکھی تھی اور اس قربانی کا خون جس طرح چاروں طرف پھیل جاتا تھا اسی طرح اس وقت شعیب کے پورے جسم پر بھی خون پھیلا ہوا تھا۔ ہم سب دہشت زدہ ہو گئے۔ مالی بابا بھی خوف سے چیخ رہا تھا۔ اس نے ہم سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تو سہی۔ دیکھو تو سہی۔ کیا ہو گیا ہے اسے۔ ارے کیا ہو گیا ہے اسے۔" ہم نے قریب سے شعیب کو دیکھا' وہ بے ہوش ہو چکا تھا لیکن یہ خون اس کے جسم کے کسی حصے سے نہیں نکلا تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ شعیب بالکل زخمی نہیں ہے۔ یہ خون کہیں اور سے اس کے جسم اور چہرے پر لگا ہے۔ بڑی حیرت کی بات تھی۔ مالی بابا نے ہمت کر کے کہا۔

"اگر یہ زخمی نہیں ہے تو پھر ہوا کیا ہے؟"

"ہو سکتا ہے مالی بابا کوئی درخت پر موجود ہو جو زخمی ہو۔"

"ہیں۔ تم لوگ ذرا یہاں ٹھہرو۔ میں لالٹین جلا کر لے آؤں۔"

مالی بابا کی ذمے داری تھی۔ بہرحال مالی بابا خود اکیلا نہیں آیا تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کے دو بیٹے بھی آئے تھے جو اچھے خاصے جوان تھے۔ انہوں نے ہاتھوں میں لاٹھیاں پکڑی ہوئی تھیں اور نہ جانے کس خیال کے تحت وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ پھر ان میں سے ایک درخت پر چڑھا تھا اور اس کے بعد اس کے چیخنے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے نیچے تک آیا تھا۔ مالی بابا نے خوف اور حیرت سے اسے دیکھا تو اس کے جسم پر بھی خون لگا ہوا تھا۔

"ارے یہ کیا ہے۔ کیا ہے یہ سب کچھ؟"

"بابا پورا درخت خون میں نہایا ہوا ہے۔"

مالی بابا کے لڑکے نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

"ہیں!"

"ہاں بابا! ہر شاخ پر خون ہے ذرا دیکھو تو سہی اوپر چڑھ کر۔"

"ارے..... مم..... میں' میں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟"

"تم دیکھو۔ میں نے کئی شاخوں میں دیکھا' میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کسی نے کسی کو مار کر لاش اوپر کسی اونچی شاخ پر لٹکا دی ہو اور اس سے خون ٹپک رہا ہو مگر یہاں تو چاروں طرف ہی شاخوں پر خون پھیلا ہوا ہے۔ بابا دیکھو تو سہی....."

"چل چل..... یہاں سے چلو' لڑکو! چلو تم بھی بھاگو' ارے اس کا کیا کریں۔ چلو اسے جھونپڑی میں اٹھا کر لے چلو۔"

بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن تجسس جو میری شرارت کا ایک حصہ تھا بری طرح جاگ اٹھا تھا لیکن اس وقت بہرحال صورتِ حال سنگین ہو گئی تھی۔ شعیب کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے' اس لئے اپنے تجسس کو دبا کر کر مالی بابا کی جھونپڑی میں پہنچا اور مالی بابا اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر شعیب کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد شعیب کو ہوش آ گیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے اس کے علاوہ کچھ نہ کہا کہ وہ درخت پر چھپا ہوا تھا کہ اسے لگا جیسے اوپر سے بارش ہونے لگی ہو۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ شاید بوندیں پڑ رہی ہیں اور وہ بھیگ رہا ہے' لیکن اچانک ہی اسے یاد آیا کہ چاندنی تو نکلی ہوئی ہے۔ چاندنی میں بھلا بارش کیسے ہو سکتی ہے۔ پھر چاندنی کی چمکتی ہوئی روشنی میں اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو ان پر خون نظر آیا اور اس کے بعد گیلی شاخوں کی چپچپاہٹ نے اسے یہ احساس دلا دیا کہ درخت پر خون ہی خون بکھرا ہوا ہے' اس وجہ سے وہ چیخنے لگا تھا۔ مالی بابا کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے بھی خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ وہ کہنے لگا۔

"وہ درخت آسیب زدہ ہے۔ پہلے بھی اس میں یہ سب کچھ دیکھا جا چکا ہے یعنی یہ کہ اس میں عجیب و غریب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

مالی بابا کو یہ بات معلوم تھی کہ وہ درخت آسیب زدہ ہے اس لئے وہ رات کو اس طرف نہیں جاتا تھا۔ اس کے بیٹے کو بھی خوف سے بخار چڑھ آیا تھا۔ پھر شعیب کے کپڑے وغیرہ دھوئے گئے اور آدھی رات تک یہ ہنگامہ رہا اور اس کے بعد میں حویلی کے سوراخ سے اندر آ گیا۔ میرے ذہن میں خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا' بس ایک تجسس تھا کہ ذرا میں بھی تو اس درخت پر چڑھ کر دیکھوں کہ اس پر خون کہاں سے آیا تھا۔

دوسرے دن کوئی گیارہ بجے میں مالی بابا کے پاس پہنچ گیا۔ مالی بابا کا بیٹا بدستور بخار میں مبتلا تھا۔ مالی بابا نے مجھے دیکھا تو بولا۔

"کہو۔ چھوٹے سرکار۔ کیسے آنا ہوا کوئی کام ہے ہم سے؟"

"مالی بابا! بھیا کو دیکھنے آیا تھا۔ بخار چڑھا ہوا ہے نا انہیں۔"

"اللہ سے دعا مانگو۔ اللہ میرے بیٹے کو ٹھیک کر دے۔"

"مگر مالی بابا۔ آپ کہہ رہے تھے کہ اس درخت پر آسیب ہے۔"

"ہاں بیٹا۔ کیا بتائیں' یہ بات تو سرکار کو بھی معلوم ہے کہ وہ درخت آسیب زدہ ہے' مگر پھل خوب دیتا ہے۔ سارے درختوں سے زیادہ پھل آتے ہیں اس پر۔ مگر یہ بات ہم جانتے ہیں۔ سرکار تو ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مالی بابا اب تم بوڑھے ہو چکے ہو' اپنے بیٹوں کو اس کام پر لگاؤ۔ اب تمہیں آسیب نظر آنے لگے ہیں۔ پر بات وہی ہے کہ ہماری بات کوئی مانتا نہیں ہے لیکن خیر۔ ان آسیبوں نے آج تک کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہمیں' یہی ان کی بڑی مہربانی ہے۔ مگر بیٹا! اب اس درخت کی طرف کبھی مت جانا۔"

بچے کی فطرت میں ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی چیز کے لئے منع کر دیا جائے تو اس کے ذہن میں تجسس کا طوفان ابھر آتا ہے۔ بھلا اس رات مجھے اس آسیب زدہ درخت کی تحقیق سے کون روک سکتا تھا۔

کوئی ساڑھے بارہ یا ایک بجے کا وقت ہو گا' میں چپ چاپ باہر نکل آیا اور اس کے بعد باہر تک کا فاصلہ طے کرنے میں بھلا مجھے کیا دقت ہو سکتی تھی۔ ہاں چونکہ پچھلی رات ایک خوفناک واقعہ پیش آچکا تھا اس لئے میں یہ بات جانتا تھا کہ آج کی رات کم از کم کوئی لڑکا میرے ساتھ نہیں آئے گا اور پھر میں ویسے بھی اس درخت کو اکیلا ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ مالی بابا اپنے جھونپڑے میں تھا۔ میں فاصلے طے کرتا ہوا درخت تک پہنچ گیا۔ بے شک آج چودھویں رات نہیں تھی لیکن پندرہویں کا چاند بھی چودھویں کے چاند سے کم نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ ایک نوزائیدہ بچہ اک دو دن کا ہو جاتا ہے تو اس کے اندر توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی توانائی آج کے چاند میں تھی۔ درخت کے قریب پہنچ کر مجھے اس سے منسوب روایتیں یاد آئیں' لیکن یقینی طور پر یہ بچپن تھا جس نے مجھے خوفزدہ نہیں ہونے دیا۔ ناواقفیت اور ناآگہی بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔

کچھ دیر کے بعد میں درخت کے تنے پر بندر کی طرح چڑھتا ہوا پہلی شاخ' پھر دوسری شاخ اور پھر تیسری شاخ تک پہنچ گیا۔ میں درخت پر خون تلاش کر رہا تھا لیکن اس وقت تو خون کی کوئی ایک بوند بھی وہاں نہیں تھی۔ ایک شاخ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا یہ

سوچ کر کہ ممکن ہے چند لمحات کے بعد خون کی بارش شروع ہو جائے۔

تاحدِ نظر ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ پُراسرار چاندنی میں نہ جانے کیسے کیسے نقش بن رہے تھے۔ کبھی لگ رہا تھا جیسے دھویں کے مرغولے انسانی شکل اختیار کر کے رقص کر رہے ہوں' کبھی لگ رہا تھا جیسے زمین پر سانپ رینگ رہے ہوں لیکن اب بھی میرے دل میں خوف کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ میں تو بس یہ دیکھ رہا تھا کہ کب خون کی بارش ہوتی ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ خون آخر کہاں سے آتا ہے۔ خاصی دیر گزر گئی اور میں سوچتا رہا۔ دفعتاً ہی کوئی چیز دھپ سے میرے سر پر پڑی اور مجھے ایک ہلکی سی نمی کا احساس ہوا۔ میں نے دلچسپی سے اوپر دیکھا کہ شاید خون برس رہا ہے لیکن جو چیز میرے سر پر گری تھی وہ بڑے سائز کا ایک پکا ہوا کینو تھا جو میرے سر پر گر کر پھٹ گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے ایک اتنی خوبصورت ہنسی کی آواز سنائی دی کہ میں دنگ رہ گیا۔ یہ کسی بچے کی ہنسی تھی جو کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا یا ہنس پڑی تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ آٹھ یا نو سال کی بچی تھی وہ۔ یہ میرا کچا اندازہ تھا' عمر اوپر نیچے ہو سکتی لیکن کیا وہ انسان کی بچی تھی۔ اس نے ایک حسین فراک پہنی ہوئی تھی۔ اس کے بال سونے کی رنگت کے تھے اور اس کا پورا وجود چاندی کا بنا ہوا محسوس ہوتا تھا' جو ایک بچکانہ تصور تھا میرے ذہن میں' کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس قدر حسین اس قدر خوبصورت تھی وہ کہ اگر اسے خوابوں میں بھی دیکھا جائے تو شاید ممکن نہ ہو۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ غالباً کینو جو میرے سر پر پڑا تھا اور پھٹ گیا تھا اور جس طرح میں اس سے چونکا تھا اس پر اسے ہنسی آگئی تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"قسم لے لو' میں نے نہیں مارا یہ تو اوپر سے گرا ہے۔"

میں نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔ "تو پھر ہنس کیوں رہی ہو؟"

"تم ڈر گئے تھے نا؟"

"جی نہیں' میں ڈرتا نہیں ہوں۔"

"ڈر تو گئے تھے جھوٹ نہ بولو۔"

"تم مجھے آزما کر دیکھ لو میں بے حد بہادر ہوں' بالکل نہیں ڈرتا میں۔"

"اچھا تو ایسے ہی پڑے تھے۔"

"تم نے مجھے کینو مارا تھا نا؟"

"دیکھو' میں جھوٹ نہیں بول رہی' وہ تو اوپر سے گرا ہے' میں تو ادھر بیٹھی ہوئی ہوں' اگر میں مارنا بھی چاہوں تو کیسے مار سکتی ہوں۔"

"مگر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں بیٹھی ہوئی ہوں۔"

"درخت پر چڑھ کر، تم خود درخت پر چڑھی ہو یا تمہیں کسی نے اوپر چڑھایا ہے؟"

"نہیں میں خود چڑھی ہوں۔"

"اچھا یہ بتاؤ تم نے خون کی بارش دیکھی؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"پتہ ہے کل کیا ہوا تھا؟"

"کیا ہوا تھا؟"

"ہم سب یہاں کھیل رہے تھے کہ شعیب درخت پر چڑھا اور پھر ایسا چیخا اور اس طرح نیچے گرا کہ مزہ ہی آگیا، مالی بابا کی تو گردن کی ہڈی ہی ٹوٹ گئی ہو گی، مگر وہ برداشت کر گیا۔"

"میں نے کل دیکھا تھا۔"

"تم کل تھیں یہاں؟"

"ہاں۔"

"کہاں تھیں؟"

"اسی درخت پر۔"

"ارے یہ تو تم نے بتایا نہیں کہ تم ہو کون؟"

"تم مجھے نہیں جانتے، میں شعاع ہوں۔"

"میں نے تو بالکل پہلی بار دیکھا ہے تمہیں۔"

"حالانکہ میں کئی بار تمہیں دیکھ چکی ہوں، مگر میرے بابا مجھے تم لوگوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ میں نے کہا تھا کہ بابا تھوڑی دیر کے لئے میں اگر ان کے ساتھ کھیل لوں تو کیا ہرج ہے۔ مگر بابا نے منع کر دیا۔"

"کون ہیں تمہارے بابا؟"

"ان کا نام ناظم ارسلان ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"ہماری ہی بستی کے رہنے والے ہیں کیا؟"

"ہاں! یہیں رہتے ہیں ہم لوگ۔"

"مگر میں نے تو نہ پہلے تمہیں کبھی دیکھا اور نہ تمہارے بابا کا نام سنا۔ خیر چھوڑو آؤ نیچے آؤ، نیچے کھیلتے ہیں۔ کھیلو گی میرے ساتھ؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"پھر نیچے آجاؤ۔"

"مگر اب تو میری واپسی کا وقت ہو گیا ہے، پتہ ہے چاند کی روشنی ختم ہونے سے پہلے مجھے گھر واپس جانا ہوتا ہے، بابا کا یہی حکم ہے اور بابا بہت سخت مزاج ہیں۔"

"مگر تمہارا گھر کہاں ہے؟" میں نے پوچھا اور وہ مجھے دیکھنے لگی، پھر بولی۔ "چلو گے میرے گھر.....؟"

"چلو چلتے ہیں، میں تو صبح تک فارغ ہوں، صبح وجاؤں گا، سوراخ سے اندر داخل ہو کر اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤں گا، مجھے کوئی جگاتا نہیں ہے جب تک کہ میں خود نہ جاگوں کبھی کبھی تو سوتے ہوئے سارا دن گزر جاتا ہے۔" وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا مجھے، تمہارا نام کیا ہے؟"

"ارے ہاں، نہ تم نے میرا نام پوچھا اور نہ میں نے بتایا میرا نام شازل امیر ہے۔"

"اچھا بہت امیر ہو کیا؟" وہ ہنس کر بولی۔

"امیر تو ہوں میں لیکن میرے باپ کا نام امیر امین ہے اس طرح میرا نام شازل امیر ہے۔"

"تو پھر میرا نام ہوا شعاع ارسلان یہی ہوا نا؟"

"ہاں ایسا ہی کہتے ہیں۔"

"چلو گے میرے گھر.....؟"

"زیادہ دور تو نہیں ہے تمہارا گھر.....؟"

"نہیں، تم آؤ، بہت زیادہ دور بھی نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اس کے بعد ہم دونوں درخت سے نیچے اتر آئے۔ بہت پیاری لگ رہی تھی وہ چلتی ہوئی۔ اس کا لباس بے حد حسین تھا اور رات میں ستاروں کی طرح چمک رہا تھا۔ اس طرح اس کے سنہرے بال بھی سونے کے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ان میں خوبصورت ربن بندھے ہوئے تھے، اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"کئی بار میں نے تمہیں دیکھا تھا، میرا دل چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ کھیلوں، مگر بابا کی اجازت نہیں تھی میں چھپ چھپا کر آ ہی جاتی تھی۔ یہاں ایک بار بابا نے مجھے ڈانٹا بھی تھا کہنے لگے، چاند ڈھلنے سے پہلے واپس آجایا کرو اور ویسے بھی راتوں میں نکلنا ٹھیک نہیں ہے مگر میرا دل تو چاہتا ہے نا کہ میں چاندنی راتوں میں گھوموں، اکثر جب چاند پورا ہوتا ہے نا تو میں بابا سے اجازت لئے بغیر آجاتی ہوں۔" وہ پھر ہنسی اور بولی۔ "مگر بابا بھی جانتے ہیں

بابا بہت چالاک ہیں۔"

ہم آگے بڑھتے رہے' پھر کافی فاصلہ طے کرکے درختوں اور باغوں سے بہت دور آگئے۔ میں اس سے باتیں کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میں نے کتنا فاصلہ طے کرلیا ہے' لیکن پھر اچانک ہی میں چونکا' مجھے احساس ہوا کہ میں تو آبادی سے بھی بہت دور نکل آیا ہوں' میں رکا تو وہ بولی۔

"بس وہ سامنے ہماری گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔"

مجھے سامنے ہی روشنیاں نظر آئیں' یہ روشنیاں شاید کسی گھوڑا گاڑی میں نصب تھیں اور ان کی روشنی میں مجھے سفید رنگ کے گھوڑے نظر آرہے تھے۔ قریب پہنچتے ہی میرا خیال درست ثابت ہوا' وہ ایک خوبصورت گاڑی تھی جس میں سفید رنگ کے چار خوبصورت گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور ان پر چاندی کا ساز سجا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کوچوان بھی عجیب سے لباس میں ملبوس کھڑا ہوا تھا جس نے دور سے ہمیں دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ایک چوکی نکال کر نیچے رکھ دی۔

میں ان تمام چیزوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے چوکی پر چڑھ کر گاڑی میں داخل ہونے کا اشارہ کیا اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا' وہ بھی میرے ساتھ ہی اندر آگئی تھی۔ کیا ہی خوبصورت گاڑی تھی اور کیا شاندار انداز..... ایسا تو ہماری حویلی میں بھی نہیں تھا حالانکہ ہم لوگ بہت امیر تھے' گاڑی کی سیٹ پر بیٹھ کر مجھے احساس ہوا جیسے پروں کے ڈھیر میں دھنس گیا ہوں۔ نہایت ملائم اور آرام دہ سیٹیں تھیں۔

کوچوان نے پہلے گاڑی کے اردگرد کے پردے گرائے اور پھر شاید گھوڑوں کی لگامیں تھام لیں' گاڑی کو جنبش ہوئی اور گھوڑوں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی مترنم آوازیں گونجنے لگیں' میں شعاع کے ساتھ خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔

"اگر یہ پردے ہٹا دیئے جائیں تو ہم باہر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ویسے شعاع میں بہت زیادہ دیر تمہارے گھر پر نہیں رہوں گا اور کیا تم اپنے ابو اور امی کو یہ بات بتاؤ گی کہ میں کون ہوں۔"

"بتا دیں گے چھوڑو' تم میرے گھر چل کر تو دیکھو اتنا اچھا لگے گا تمہیں"

گھوڑے اب برق رفتاری سے دوڑنے لگے' باہر کے مناظر میری نگاہوں سے گم تھے لیکن میں شعاع کو دیکھ رہا تھا' میں نے کہا۔

"شعاع تم بہت خوبصورت ہو' میں نے اتنی خوبصورت لڑکی پہلے کبھی نہیں

دیکھی۔"

"اچھی لگی ہوں نا تمہیں؟"

"ہاں' ہم دوستی کرلیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں چودھویں کی رات کو ہمیشہ تمہارے پاس آیا کروں گی' وہ درخت بہت اچھی جگہ ہے ہم لوگ وہیں ملیں گے اور اگر وہاں نہ مل سکے تو تم اس کی فکر نہ کرنا' بس جب بھی چودھویں کا چاند کھلے کسی کھلی جگہ میں آجانا جہاں میں آسانی سے تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔"

میں خاموش ہوگیا۔ وہ واقعی مجھے بہت اچھی لگی تھی اور میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ اب میں ہمیشہ چودھویں کی رات کو اس کا انتظار کیا کروں گا' خاص طور سے اس باغ میں آجایا کروں گا اور اس رات اپنے دوستوں کو ساتھ نہیں لایا کروں گا۔

پھر گھوڑا گاڑی رکی اور وہی چوکی نیچے رکھ دی گئی' میں اور شعاع نیچے اتر آئے' میں نے زمین پر قدم رکھا' سبز گھاس تھی' حالانکہ رات کا وقت تھا لیکن یہاں چاند کی روشنی کے علاوہ بھی لاتعداد رنگین روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ روشنیاں رنگین مشعلوں کی تھیں اور میں حیران تھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے رنگین مشعلیں نہیں دیکھی تھیں۔ کبھی کبھی ہماری بستی میں رقص ہوا کرتا تھا اور ناچنے والے مشعلیں جلا کر جگہ جگہ نصب کر دیا کرتے تھے۔ ان مشعلوں کی روشنی میں بھنگڑا ڈالا جاتا تھا اور دوسرے رقص بھی پیش کئے جاتے تھے۔ بس کچھ جشن ہوا کرتے تھے لیکن رنگین مشعلیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان سے اٹھتے ہوئے رنگین شعلے بڑے حسین نظر آرہے تھے اور اس کے بعد میری نگاہیں اس عظیم الشان عمارت کی طرف اٹھ گئیں جو پرانے طرز کی تھی۔ اس میں لاتعداد گنبد تھے جو چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ پتہ نہیں ان کے چمکنے کا راز کیا تھا لیکن ان میں ہلکی ہلکی سبز روشنی ہو رہی تھی۔ شعاع نے مجھے آگے چلنے کے لئے کہا اور میں حیران حیران سا اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ عمارت کو دیکھ کر یہ احساس ہو رہا تھا کہ ہماری حویلی سے کہیں زیادہ شاندار ہے' یہ تو پورے کا پورا محل معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے محلوں کی کہانیاں سنی تھیں لیکن ان کہانیوں میں کوئی حقیقت بھی ہوگی یہ میرے تصور میں بھی نہیں تھا لیکن اس وقت میں ایک محل ہی میں داخل ہو رہا تھا' سامنے سنگِ مرمر سے بنی ہوئی سیڑھیاں تھیں اور اس کے بعد سنگِ مرمر ہی کی ایک راہ داری جس میں موٹا قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں میں بڑے بڑے پتھر تھے جو روشن تھے اور جن سے راہ داری جگمگا رہی تھی۔ میری حیرتیں عروج پر تھیں اور اب میں شعاع سے بھی کوئی

بات نہیں کر رہا تھا' میں بس ان تمام مناظر کو دیکھتا ہوا' حیران حیران سا آگے بڑھ رہا تھا پھر شعاع مجھے ایک بڑے سے کمرے میں لے آئی یہاں انتہائی قدیم طرز کے حسین صوفے' مسہری اور نہ جانے کیا کیا سامان تھا۔ بہت اونچی چھت میں عظیم الشان فانوس لٹکے ہوئے تھے جن میں رنگین روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور یہ ماحول مجھ پر سحر طاری کئے دے رہا تھا' شعاع کہنے لگی۔

"یہ میرا کمرہ ہے' یہاں رکیں یا آؤ میں تمہیں اپنا باغ دکھاؤں۔"

میری تو آواز ہی بند ہو گئی تھی' میں شعاع کے ساتھ پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ یہ باغ کمرے کے عقبی حصے میں تھا اور بہت دور تک پھیلا ہوا تھا اور اس میں جو حسین پھول لگے ہوئے تھے وہ میں نے اس رُوئے زمین پر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ نہ جانے یہ کون سی دنیا ہے' نہ جانے کیا ہے یہ سب کچھ' تب ہم نے ان دونوں کو دیکھا جو سفید لباس میں ملبوس چہل قدمی کر رہے تھے اور روشنی میں بہت عجیب لگ رہے تھے۔ شعاع ایک دم ٹھٹکی اور بولی۔

"میری امی اور میرے ابو' آؤ واپس پلٹیں ورنہ.....!"

"شعاع ادھر آؤ۔" مرد کی آواز سنائی دی اور شعاع ٹھٹک گئی' پھر سرگوشی کے انداز میں مجھ سے بولی۔ "ہمت سے کام لینا اور جھوٹ بالکل نہ بولنا۔ انہیں جھوٹ سے نفرت ہے۔"

"مم مگر.....!"

"آجاؤ آجاؤ۔ انہوں نے بلایا ہے' ایک لمحے میں نہ پہنچے تو ناراض ہو جائیں گے۔"

خیر مجھے ڈر نام کی کسی شے سے تو کوئی واقفیت ہی نہیں تھی' بس ایسے ہی اس وقت ذرا دوسری کیفیت کا شکار تھا اس لئے تھوڑی سی جھجک پیدا ہو گئی تھی' چنانچہ میں شعاع کے ساتھ آگے بڑھا اور ان لوگوں کے نزدیک پہنچ گیا۔

دونوں نے سپاٹ سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر شعاع کی طرف۔ شعاع کہنے لگی۔

"ابو یہ شازل امیر ہیں' مجھے باغ میں ملے تھے وہ باغ جہاں بڑے بڑے کینو لگے ہوئے ہیں انہی کا ہے۔"

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے' لیکن بیٹے' آپ انہیں کیوں ساتھ لے آئی ہیں۔"

"ابو' میری ان سے دوستی ہو گئی ہے۔" شعاع نے کہا اور بزرگ شخص نے اپنے ساتھ چلنے والی عورت کو دیکھا۔ عورت نے نرمی سے کہا۔

"بیٹے دوستی اچھی بات ہے' لیکن اتنی رات گئے دوستوں کو اس طرح پریشان نہیں

کرنا چاہئے۔"

"تو پھر کیا ہو گیا اس میں۔" شعاع بولی۔

"نہیں بیٹا ایسی بات نہیں کہتے اور شازل..... یہی نام ہے نا تمہارا.....؟"

"جی....." میں نے کہا۔

"شازل بیٹے راتوں کو اس طرح نہیں جاتے' امی اور ابو سے پوچھے بغیر' بُری بات ہوتی ہے' کبھی کوئی واقعہ ہو جائے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو دیکھو نا تمہارے امی اور ابو کو تو پتہ بھی نہیں ہو گا کہ تمہارے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے کتنے پریشان ہوں گے وہ' ہیں ٹھیک ہے نا' چلو راتوں کو باہر نہیں گھومتے' جاؤ انہیں چھوڑ آؤ۔"

"امی تھوڑی دیر۔" شعاع نے کہا۔

"ضد نہیں کرتے۔" خاتون نے کہا اور میرے نزدیک پہنچ گئیں۔

"کیا نام ہے تمہارا بیٹے' شازل ہے نا تمہارا نام؟"

"جی....." میں نے کہا۔

"بہت پیارے ہو تم۔" خاتون بولیں اور انہوں نے اپنے لباس کا ایک بڑا حصہ میرے چہرے پر ڈال دیا اور اس طرح مجھے اپنے قریب کیا جیسے مجھے لپٹا کر پیار کرنا چاہتی ہوں۔ ایک لمحہ بس ایک لمحہ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے میرا ذہن سو سا گیا ہو اور اس کے بعد وہ چادر یا کپڑا میرے چہرے پر سے ہٹ گیا لیکن جو کچھ تھا وہ ناقابلِ یقین تھا' سمجھ میں نہ آنے والا' میں وہیں باغ میں اس درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر درخت کے تنے کو گھونسے سے پیٹ پیٹ کر دیکھا میرے ہاتھ میں ہی چوٹ لگی تھی لیکن یہ سب ہوا کیا ہے' یہ سب ناقابلِ یقین تھا' بھلا جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھتا ہے۔ یہ خواب نہیں تھا بلکہ ساری کی ساری حقیقت تھی۔ وہ سب کچھ تھا جو میں سوچ سکتا تھا' دیکھ سکتا تھا کیا ہے یہ سب کچھ' ایک عجیب وحشت میرے اوپر سوار ہو گئی اور اس کے بعد میں ان درختوں کے درمیان بہت دیر تک بھاگا بھاگا پھرا اور وہ راستہ تلاش نہ کر سکا جس سے گزر کر میں شعاع کے ساتھ گیا تھا' کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو' دل چاہتا تھا کہ پاگل ہو جاؤں' چیخیں نکالوں اپنے حلق سے' لوگوں کو پکاروں' مالی بابا کو بلا کر لاؤں انہیں اپنی ساری داستان سناؤں' لیکن دل تو بے شک یہ چاہ رہا تھا لیکن کر نہیں پایا تھا' میں حیران حیران' کھویا کھویا سا وہاں سے واپس چل پڑا۔ طبیعت پر ایک نڈھال سا اثر تھا' بستر پر لیٹ کر بھی نہ جانے کتنی دیر تک میں یہ سوچتا رہا تھا کہ یہ سب کیا ہوا' ناممکن ہی ہے جو ہوا ہے' جو

سامنے آیا ہے وہ ناممکن ہے لیکن سب کچھ یہ ہوا کیسے' اور اس کا جواب مجھے بہت عرصے تک نہیں مل سکا تھا' کافی دن سے دوستوں کے ساتھ آنکھ مچولی بھی نہیں کھیلا تھا' نہ جانے کیوں ذہن پر ایک برا اثر پڑا تھا اکیلا وہاں جاتا تھا اور مایوس واپس آتا تھا بعض اوقات کسی کو بھولنا بھی کتنا مشکل کام ہوتا ہے لیکن پھر دس بارہ دن کے بعد شعاع بہرحال میرے ذہن میں مدھم پڑ گئی۔ البتہ ایک تبدیلی میرے اندر نمودار ہو گئی تھی۔ میرا دل شرارتوں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہی دوست تھے' وہی باغ تھے' وہی راتیں تھیں لیکن اب نہ تو مالی بابا کو پریشان کرنے کو دل چاہتا تھا نہ مولوی چاچا سے نئی شرارتیں سیکھتا تھا۔ چاند کی کئی چودھویں راتوں کو اس درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا تھا لیکن شعاع پھر وہاں نہیں آئی تھی۔ اب میں نے باغ میں جانا بھی چھوڑ دیا تھا لیکن لاکھ میں شعاع کو بھول گیا تھا مگر چاند کی چودھویں کو دل میں جو بے چینی پیدا ہو جاتی تھی اسے کسی طرح دور نہیں کر سکتا تھا۔ آج بھی چاند کی چودھویں تھی۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر پھیلی چاندنی کو دیکھ رہا تھا کہ دور پرانی حویلی کے بوڑھے درختوں کے پاس روشنی سی نظر آئی وہاں کوئی تھا لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون ہے۔

وہی تجسس..... فطرت تو نہیں بدل جاتی..... باہر نکلا..... پھر اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ تھی' شعاع ہی تھی۔ میں بے اختیار اس کی طرف لپکا۔

"شعاع....." میں نے اسے پکارا اور اس نے اداس نظروں سے مجھے دیکھا۔

"تم ضرور مجھ سے ناراض ہو گے شازل۔"

"بہت زیادہ اور اب میں تمہیں بھول چکا ہوں۔ میں نے باغ جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"تمہارے دوست بھی وہاں نہیں جاتے۔"

"کوئی نہیں جاتا۔"

"کیوں؟"

"میں جو نہیں جاتا۔"

"شازل۔ ابو مجھے یہاں نہیں آنے دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم لوگ اچھے نہیں ہوتے۔"

"کیا مطلب.....!"

"مطلب یہ کہ تمہارے جیسے انسان اچھے نہیں ہوتے۔ شازل تم بھی انسان ہونا.....!"

"تو تم کیا جانور ہو۔"

"نہیں مطلب یہ نہیں۔ بس ابو کہتے ہیں انسان اچھے نہیں ہوتے۔ وہ مطلبی' فریبی۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں ان سے نہیں ملنا چاہئے۔"

"پھر کیوں آئی ہو؟"

"تمہیں ایک بات بتانے۔"

"بتاؤ۔"

"میں تمہیں برا نہیں سمجھتی۔ میں تم سے ضرور ملوں گی۔ بابا نہیں آنے دیں گے تو چھپ کر آؤں گی۔ چودھویں کو تم ہمیشہ کھلی جگہ رہا کرو..... تاکہ مجھے دقت نہ ہو۔"

"تمہارے ابو بہت برے ہیں شعاع۔ وہ تمہیں بہکاتے ہیں' بتاؤ میں نے کیا برائی کی ہے؟"

"ہاں ابو بہت برے ہیں لیکن اگر وہ مجھے روکیں گے تو میں کیسے آسکتی ہوں۔ میں تم سے معافی مانگتی ہوں شازل' مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"کون سی غلطی۔"

"اصل میں تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر نہیں لے جانا چاہئے تھا مجھے۔ خاموشی سے باغ میں آتی رہتی' تم سے ملتی رہتی۔ وہ اچھا ہوتا..... خیر چھوڑو ایک بات بتاؤ۔"

"ہوں۔"

"تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"ہاں..... کیونکہ تم وعدہ خلاف ہو۔ میں بہت بار باغ میں گیا اور پھر مجھے باغ سے نفرت ہو گئی۔"

"اب بھی ناراض ہو؟"

"پتہ نہیں۔"

"میرے بتانے کے باوجود۔"

"میں نے کہا نا پتہ نہیں..... اور پھر کیا فائدہ۔ تمہارے ابو تمہیں میرے پاس نہیں آنے دیں گے اور میں تمہیں یاد کرتا رہوں گا۔ کوئی فائدہ نہیں تم سے دوستی کا.....!"

وہ اداس آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی' پھر بولی۔ "ٹھیک ہے لیکن ہر چاند کی چودھویں کو کھلی جگہ ضرور آنا۔" پھر وہ واپس مڑی اور ایک درخت کے پیچھے چلی گئی۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ مجھے خیال تھا کہ وہ واپس آئے گی۔ شاید درخت کے پیچھے

کھڑی وہ رو رہی ہو لیکن جب بہت دیر ہو گئی اور وہ واپس نہ آئی تو میں حیران سا آگے بڑھا اور درخت کے پیچھے آگیا۔ وہاں کچھ نہ تھا۔ اس کا کہیں پتا نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے پورا باغ چھان مارا' لیکن وہ نظر نہیں آئی تھی۔ چنانچہ میں بھی واپس آگیا لیکن ایک بار پھر وہ میرے لئے الجھن بن گئی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اسے بھولا نہیں تھا' بس بچپن زیادہ گہرائیوں کا حامل نہیں ہوتا' اتنی سی بات تھی۔

پورے ایک مہینے انتظار کیا میں نے..... اسے یاد کرتا رہا۔ چودھویں کی رات میں نے جس کرب کے عالم میں گزاری' شاید اتنے کرب سے کبھی نہیں گزری تھی۔ نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا' پھر چاند ڈوبے واپس آیا تھا اور مایوسی سے سو گیا تھا۔ دوسرے دن سخت بخار میں مبتلا ہو گیا۔ شاید صدمے سے بخار آگیا تھا۔ آٹھ دن علاج ہوتا رہا۔ والد صاحب کا چہیتا تھا اس لئے سارا گھر تشویش کا شکار ہو گیا۔ بخار تو اتر گیا' کمزوری بہت ہو گئی تھی۔ اس دن بھی آنکھیں بند کئے لیٹا تھا کہ والد صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ مولوی چچا بھی تھے۔

"بہت کمزور ہو گئے ہیں۔" مولوی چچا کی آواز ابھری۔ میں نے آنکھیں بند رکھی تھیں۔

"خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔ اب تو شرارتیں بھی ترک کر دی ہیں۔"

"کئی ماہ سے یہ کیفیت ہے۔" مولوی چچا بولے۔

"کوئی مشورہ دیں کیا کروں..... میں تو بہت پریشان ہوں۔" والد صاحب نے کہا۔

"آپ پسند کریں تو میرے ساتھ مسان گڑھی چلیں وہاں مولوی بشیر احمد صاحب سے مل لیں۔ شازل کو بھی ساتھ لے لیں۔"

"مولوی بشیر احمد کون ہیں؟"

"بزرگ ہیں۔ بہت نیک اور دیندار آدمی ہیں۔ اللہ کے کلام سے لوگوں کی مشکلوں کا مداوا کرتے ہیں۔"

مسان گڑھی کی ایک مسجد کے حجرے میں مولوی بشیر سے ملاقات ہوئی۔ کوئی سو سال کے قریب عمر ہو گی۔ بڑے منکسر المزاج تھے' کہنے لگے۔

"عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ بندوں کو اپنے کلام کی روشنی میں اس نے جو عطا فرمایا ہے میں اسی تک محدود ہوں۔ بچے کے بارے میں کوشش کرتا ہوں۔ اللہ کا کلام پڑھ کر اس سے رہنمائی طلب کرتا ہوں۔ کامیابی ہو سکی تو عرض کر دوں گا۔ آپ لوگ

ایک رات مسجد میں قیام کریں۔"

والد صاحب تیار ہو گئے تھے۔ رات ہم نے مسجد میں گزاری تھی۔ دوسری صبح مولوی بشیر احمد کے ہاں سے ناشتہ آیا اور دن کو گیارہ بجے مولوی صاحب نے حجرے میں طلب کر لیا۔

"یہ ایک تعویذ لکھا ہے ہم نے..... یوں سمجھ لیں اسے احتیاط سے رکھنا ضروری ہے۔ یہ حال نہیں مستقبل کے لئے ہے' بہت سے عوامل گڈ مڈ ہیں جو بہتر نہیں ہیں' صدقہ دے دیجئے گا۔"

"کچھ اور بتائیے مولوی صاحب....." والد صاحب نے کہا۔

"بخدا وضاحت نہیں ہو سکی' بہت کوشش کی۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا..... لیکن پریشانیاں ضرور ہوں گی' اللہ خیر کرے گا۔"

واپسی میں والد صاحب نے کہا۔ "کچھ ہوا نہیں مولوی..... کچھ بتایا ہی نہیں انہوں نے۔"

"آپ تعویذ ان کے گلے میں ڈالیں' باقی اللہ مالک ہے۔"

وقت گزرنے لگا۔ طبیعت کی تبدیلی دور نہ ہو سکی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ شعاع تھی جو اس کے بعد کسی چودھویں کو نہیں آئی تھی اور میں انتظار کر کر کے تھک گیا تھا..... البتہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مجھے اس سے عشق ہو گیا ہے۔ بچپن کی اس عمر میں اس احساس کی تمیز بھی نہیں تھی۔ بس طبیعت پر ایک اثر سا پڑا تھا اور وہ جولانی باقی نہ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ دوسرے عوامل غالب آتے گئے۔ والد صاحب بھی میرے لئے کچھ زیادہ سنجیدہ ہو گئے تھے خاص طور سے مولوی بشیر احمد کے ان الفاظ نے انہیں الجھا دیا تھا کہ میں پریشان رہوں گا۔

حویلی' جائداد' زمینوں کا کاروبار چل رہا تھا۔ دونوں بھائی والد صاحب کے دست راست تھے اور تمام ذمہ داریاں سنبھالتے جا رہے تھے لیکن چونکہ والد صاحب چھوٹے ہونے کی حیثیت سے مجھ سے زیادہ انسیت رکھتے تھے اس لئے دونوں بھائیوں کے دلوں میں میرے لئے کچھ کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک دن بڑے بھائی اطہر امیر الدین نے مجھ سے کسی کام کے لئے کہا میرا موڈ نہیں تھا اس لئے میں نے منع کر دیا۔

"تمہیں حرام خوری کی عادت پڑ گئی ہے۔ کوئی کام نہیں ہوتا تم سے۔ اٹھو جو میں نے کہا ہے وہ کر دو۔"

"میں نہیں جاتا۔"

"کیسے نہیں جائے گا..... اٹھ....."

"نہیں جاتا....." میں نے کہا اور بھائی نے میرے گال پر تھپڑ مار دیا۔ عین اسی وقت والد صاحب آگئے۔ انہوں نے یہ منظر دیکھ لیا تھا۔ غصے سے پاگل ہو گئے۔ اطہر بھائی کو مار مار کر بے ہوش کر دیا تھا انہوں نے۔ بات تو ختم ہو گئی لیکن اب اطہر اور اظہر دونوں میرے دشمن بن گئے تھے۔ وہ یکجا ہوتے اور مجھے الگ کر دیتے۔ والد صاحب یہ سب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے لاہور بھیجنے کا فیصلہ کر لیا اور آخر کار میں لاہور آگیا۔ یہاں میری تعلیم کے ساتھ ہاسٹل میں میری رہائش کا بندوبست بھی کر دیا گیا۔

یہاں آنے سے میرے اندر ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ کچھ نئے دوست بن گئے تھے۔ ان کے ساتھ سیر و تفریح بھی رہتی تھی۔ پھر تعلیم سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ پڑھ بھی رہا تھا۔ والد صاحب آتے رہتے تھے میری آسائش کے سارے بندوبست کر دیئے تھے انہوں نے۔ دوستوں کے ساتھ ایک دن راوی جانکلا۔ مون سون چل رہا تھا۔ بارشیں ہو رہی تھیں راوی شباب پر تھا۔ دوست رنگ رلیاں منانے لگے۔ میں ٹہلتا ہوا ایک سنسان گوشے کی طرف جانکلا تھا۔ یہاں درخت لگے ہوئے تھے۔ بادلوں کی چھاؤں میں یہ درخت بے حد پُراسرار لگ رہے تھے۔ میں ایک درخت کے تنے سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ذہن میں عجیب و غریب خیالات آرہے تھے۔ دوست بہت دور تھے یہاں ایک پُرسکون خاموشی طاری تھی۔ اچانک مجھے "شی.....شی" کی آواز سنائی دی جیسے کوئی مخاطب کرتا ہے۔ میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک مترنم آواز ابھری۔

"ادھر.....اوپر....."

میری نگاہ اوپر اٹھ گئی۔ ایک درخت کی موٹی شاخ میں دو آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ دو حسین پُرسحر آنکھیں، اتنی خوبصورت اتنی پُرکشش کہ انسان سے اس کے حواس چھین لیں۔ میں انہیں دیکھنے لگا۔ پھر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کیا یہ درخت کی آنکھیں ہیں۔ ان آنکھوں کے اس جگہ ہونے کا کوئی محل نہیں تھا۔ درخت کی شاخ سیدھی چلی گئی تھی۔ کوئی انسان اس سے اس ڈائریکشن میں نہیں چپک سکتا تھا کہ اس کی آنکھیں اس طرح نظر آسکیں آواز پھر آئی۔

"شازل.....! مجھے نہیں پہچانے۔"

"کون.....کون.....؟" نہ جانے کس طرح میرے منہ سے نکلا۔

"نہیں پہچانے۔" آواز میں آنسو گندھے ہوئے تھے۔ "بھول گئے؟"

"کون ہو تم.....؟"

"شعاع۔" آواز ابھری اور میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ "شازل مجھے بے بس کر دیا گیا ہے، سزا دی گئی ہے مجھے.....!"

"سزا.....؟" میری سرسراتی آواز ابھری۔

"ہاں۔ میرا جسم مجھ سے چھین لیا گیا ہے۔ میرے جسم کو قید کر دیا گیا ہے۔"

"کس نے کیا ہے.....کیوں کیا ہے؟" میں نے کھوئی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میرے ماں باپ نے، وہ نہیں چاہتے ہیں کہ میں تم سے ملوں انہوں نے مجھ پر بے حد سختیاں کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں وعدے کے باوجود تمہارے پاس نہیں آسکی۔"

"میں کیا کروں شعاع۔ میں تمہارے لئے کیا کروں۔"

"شازل.....میں تم سے صرف ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں مجھے یاد رکھنا۔ بھولنا نہیں مجھے۔ ایک نہ ایک دن میں انہیں راضی کر لوں گی۔ میں انہیں یہ یقین دلا دوں گی کہ تم میرے بہترین دوست ہو۔ بہت اچھے ساتھی ہو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر خوش نہیں رہ سکتے۔ ہمیں ایک دوسرے سے دور نہ کیا جائے۔"

"لیکن شعاع..... میں تمہیں بہت یاد کرتا ہوں۔ میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"بہت وقت لگے گا اس میں شازل۔ صبر و سکون سے میرا انتظار کرنا۔ شازل میں....."

درخت کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور میں سحر زدہ انہیں دیکھنے لگا لیکن اسی وقت مجھے اپنے عقب میں آہٹیں سنائی دیں اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے سہمی ہوئی نظروں سے پلٹ کر دیکھا۔

کچھ لمحے تو اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ لمبے سائے کس کے ہیں۔ پھر جب عقل کی بینائی بحال ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ سائے چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ آخر کار میں نے انہیں پہچان لیا۔ وہ میرے دوست تھے جو میرے ساتھ راوی کی سیر کو آئے تھے۔ ویسے تو یہ سبھی اچھے تھے لیکن ساجد بہت ہی اچھا تھا۔ میرا ہمدرد مجھ سے مخلص ایک غریب گھرانے کا لڑکا تھا۔ گڑھی شاہو میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا۔ نہ جانے اسے کیا احساس ہوا میرے قریب پہنچ کر بولا۔ "کیا بات ہے شازل؟ کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"یار میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔ تم لوگ اگر محسوس نہ کرو تو میں ہاسٹل واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"کمال ہے' ابھی تو چاند پورا کھلا نہیں ہے اور تم چاندنی کو بیوہ کر رہے ہو۔" میرے ایک دوست نے کہا۔

"ایسا کرو تم راوی کنارے بیٹھ کر شاعری کرو مجھے جانے دو۔"

"چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" ساجد نے کہا۔ راستے میں ساجد مجھ سے میری طبیعت کی خرابی کے بارے میں پوچھتا رہا تھا۔ میں نے اسے اطمینان دلایا اور کہا کہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں۔ بس کبھی کبھی سر میں چکر آ جاتا ہے۔ کیا بتاتا اسے چنانچہ ساجد بھی خاموش ہو گیا۔ پھر وہ مجھے ہاسٹل چھوڑ کر چلا گیا لیکن اپنے بستر پر لیٹ کر میرے ذہن پر جو سوچیں حملہ آور ہوئیں تو انہوں نے مجھے نڈھال کر کے رکھ دیا۔ بچپن تو خیر معصوم ہوتا ہے۔ سوچ کی گہرائیاں کچھ بھی نہیں ہوتیں۔ میں نے بارہا شعاع کے بارے میں سوچا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میرے ذہن میں عجیب سی کسک بن گئی تھی اور کئی بار میں نے اس کے بارے میں ذرا عجیب سے انداز میں سوچا تھا لیکن آج جو کچھ ہوا تھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ درخت کی آنکھیں اور شعاع کی کہانی اگر کسی کو سناتا تو وہ میری دماغی حالت پر شبہ کرنے لگتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو کچھ دیکھا جاگتی آنکھوں سے دیکھا۔ صبح تک پلکیں نہیں جڑی تھیں۔ دماغ سناٹے کا شکار تھا۔ آخر کار میں نے خود کو سنبھالا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل نے تھوڑی سی بہتری پیدا کی اور اس کے بعد میں اپنے مشاغل میں مصروف ہو گیا لیکن چھ یا سات دن تک یہ سحر مجھ پر طاری رہا تھا اور میں ماضی میں ہونے والے واقعات کا تجزیہ کرتا رہا تھا۔ انسان کیسی ہی مشکل کا شکار ہو' اسے بہت کچھ بھولنا پڑتا ہے اور پھر میں تو ویسے بھی بہت سے مسائل میں مبتلا تھا۔ بھائیوں نے سگے ہونے کے باوجود میرے لئے جو مشکلات پیدا کر دی تھیں مجھے ان کا پورا پورا احساس تھا۔ بہت سے عزیز و اقارب تھے اور سب کے سب مجھ سے ملتے رہتے تھے۔ خصوصاً اس وقت جب میں کچھ دن کے لئے بستی واپس جاتا۔ نہ جانے کیا کیا کہانیاں سنائی جاتی تھیں مجھے' لیکن میں نے ان کہانیوں پر کبھی کان نہیں دھرے تھے۔ البتہ ذہن تھوڑا سا منتشر ضرور ہوتا تھا۔ پچھلی بار جب جھومر گیا تھا تو والد صاحب کی طبیعت اچھی خاصی خراب تھی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ بہت زیادہ کمزور ہو گئے ہوں۔ حالانکہ اپنے دور میں وہ بہت توانا مشہور تھے۔ میرے دونوں بھائی تمام جائداد وغیرہ کے نگراں تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ محنت بھی کرتے تھے۔ انہیں مجھ سے اختلاف تھا لیکن مجھے ان سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ بہن سے محروم تھے ہم بلکہ بڑی عجیب بات تھی کہ بالکل قریب کے رشتے داروں میں بھی کوئی لڑکی نہیں تھی۔ چنانچہ ۔۔۔ بھائیوں کی شادیاں غیر گھرانوں

میں کی گئیں اور میں نے یہ بات بہت اچھی طرح محسوس کر لی کہ گھر کا ماحول میرے لئے اجنبی اجنبی سا ہو گیا ہے۔ بھابیاں شہروں سے آئی تھیں۔ پڑھی لکھی تھیں اور گھر میں انہوں نے سارا نظام سنبھال لیا تھا۔ بہرحال اس دوران بہت سے واقعات ہوئے مگر میں انہیں نظر انداز کرتا رہا۔ اپنی تعلیم کے آخری امتحان دینے کے بعد انسان کو جو خوشی ہوتی ہے اسے الفاظ میں نہیں تراشا جا سکتا۔ پچھلے دنوں والد صاحب بیمار تھے۔ ایک دو بار اس بارے میں اطلاع ملی تھی لیکن خود والد صاحب نے کہا تھا کہ ان کی ساری بیماری اس وقت دور ہو جائے گی جب میں اپنا آخری امتحان کامیابی سے دے کر بستی واپس آؤں گا۔ اس دوران میں ذرا بھی تردد نہ کروں اور امتحان کی تیاریوں میں پورا پورا وقت صرف کروں۔ چنانچہ اپنا یہ کام مکمل کرنے کے بعد میں والد صاحب کو سرپرائز دینے کا تہیہ کر کے بستی واپس چل پڑا۔ بستی کے اس چھوٹے راستے پر جہاں لاہور سے چلنے والی بس جھومر کے لوگوں کو اتارتی تھی میں اترا تو بس اڈے پر صرف تین تانگے کھڑے ہوئے تھے اور انہی میں چوہدری امام دین کا تانگہ بھی تھا۔ چوہدری امام ہماری بستی کے ایک معزز آدمی تھے۔ ان کے دو بیٹے 1965ء کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے اور چوہدری امام نے اپنی بوڑھی ہڈیوں کو پھر سے جوان کر لیا تھا۔ چوہدری کسی لالچ کا شکار نہیں ہوئے۔ چوہدری امام نے حکومت کی مراعات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا اور جو پیسے ان کے پاس جمع تھے ان سے ایک تانگہ خرید لیا تھا۔ بس یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ اس وقت بھی وہ بس کے اڈے پر موجود تھے۔ جی ٹی روڈ سے گزرنے والی بس جھومر کے مسافروں کو اتار کر آگے بڑھ گئی اور میں چوہدری امام کی طرف آیا' میں نے سلام کیا تو وہ مجھے دیکھنے لگے پھر چونک کر تانگے سے نیچے اتر آئے۔

"ارے شازل بیٹا تم!" ان کی آواز کچھ عجیب سی تھی اس میں ایک ہلکی سی لرزش تھی جسے میں ان کی عمر کا تقاضا سمجھا۔ سلام دعا کے بعد میں تانگے پر بیٹھ گیا تو چوہدری صاحب نے کہا۔ "ابھی آ رہے ہو کسی نے خبر دی تھی؟" چوہدری امام کے الفاظ پر میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کیسی خبر امام چچا؟"

"ایں!" چوہدری امام نے حیرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر جیسے لرز سے گئے۔

"کیسی خبر چوہدری صاحب؟ آپ مجھے بتائیں گے نہیں۔"

"شازل' شازل بیٹے۔ تو کیا تمہیں تمہارے بھائیوں نے کوئی خبر نہیں دی۔"

"تانگہ روکئے۔ کیسی خبر، مجھے بتایئے کیا ہو گیا سب خیریت تو ہے ناں؟"

چوہدری امام نے گردن جھکا لی اور بولے۔ "برا زمانہ آگیا ہے بیٹے تمہیں آج تک کسی نے بتایا ہی نہیں۔"

"دیکھئے آپ غلط کر رہے ہیں چوہدری چچا۔ کیا بات ہے مجھے بتایئے تو سہی۔"

"تمہارے والد امیرالدین....."

"ہاں کیا ہوا انہیں۔"

"اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب تو کافی دن ہو گئے ہیں۔ شاید ایک مہینے سے زیادہ۔"

میرا دل و دماغ تاریک ہو گیا پورا بدن سائیں سائیں کرنے لگا۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ حلق بند ہو گیا کوشش کے باوجود آواز نہیں نکل سکی۔ چوہدری امام آہستہ آہستہ تانگہ چلاتے رہے۔ وہ بھی کچھ نہیں بولے۔ کافی فاصلہ طے کرنے بعد میں نے کہا۔

"مجھے کسی نے خبر ہی نہیں دی۔ اپنے یا پرائے کسی نے بھی نہیں۔"

چوہدری امام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد میں نے پھر پوچھا۔

"مگر وہ تو بہت تندرست تھے۔ کیا ہو گیا تھا انہیں۔"

"تندرست تو نہیں تھے۔ کافی دن سے بیمار تھے۔ ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔"

خیر بہرحال خدا خدا کر کے بستی پہنچا۔ پھر حویلی کے پرانے ملازم مجھے دیکھ کر رونے لگ گئے۔ بڑے بھائی موجود تھے اور انہوں نے میرے قریب پہنچ کر اداکاری کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے دونوں ہاتھ سیدھے کر لئے۔

"ایک منٹ۔ ان تمام باتوں کی ضرورت نہیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا ابو کے انتقال کو؟"

"ایک مہینہ پانچ دن۔" اطہرالدین نے بتایا۔

"مجھے اطلاع کیوں نہیں دی گئی؟"

"یہ اباجی کا ہی حکم تھا کہ جب تک تمہارے امتحان نہ ہو جائیں تمہیں اطلاع نہ دی جائے۔"

"آپ لوگوں نے ان کی یہ بات مان لی۔ یہ نہیں سوچا کہ مجھ پر کیا بیتے گی؟ وہ تو اس دنیا سے جا رہے تھے لیکن مجھے تو آپ کے ساتھ اسی دنیا میں رہنا تھا۔"

"دیکھو ہم ان کی بات کو نہیں ٹال سکتے تھے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

وہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے تھے میں نے ان کے کئے میں شرکت نہیں کی۔ میرے

دل میں دھواں بھر گیا تھا۔ بھائیوں نے جان بوجھ کر مجھے میرے باپ کے آخری دیدار سے محروم رکھا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امیرالدین صاحب ایسے باپ تھے جن کی مثال مشکل ہی سے دی جا سکتی ہے۔ ان کے بغیر یہ ساری حویلی اجنبی اجنبی لگ رہی تھی۔ اندر سے دل کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس حویلی سے اب میرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ بھائی اور بھابیاں پہلے بھی کبھی دل میں نہیں اترے تھے۔ میں خود اس قدر برا نہیں تھا جتنے برے وہ لوگ تھے۔ ان کی شادی کے بعد کئی بار گھر آیا تھا لیکن بھابیوں سے ایسے ملاقات ہوتی جیسے پڑوسیوں سے۔ ایک لمحے کیلئے بھی ہم گھل مل نہیں سکے تھے اور بھابیوں نے کبھی مجھے وہ اپنائیت نہیں دی تھی جو بھابیوں اور دیوروں کے درمیان ہوتی ہے اب بھی یہی کیفیت تھی۔ میں اپنے کمرے میں بند ہو گیا مہمان اب بھی آتے رہتے تھے۔ مجھے پوچھتے تھے میں ان سے واجبی سی ہی بات کرتا۔ بھائی بھی کچھ چور چور سے بنے رہے تھے۔ بہرحال کافی وقت گزر گیا۔ پھر ایک دن حیدر بیگ شہر سے آئے۔ یہ ہمارے قانونی مشیر تھے اور بہت بے تکلف تھے۔ والد صاحب سے بے حد تعلقات تھے۔ مجھ سے ملاقات کی اور بولے۔ "مجھے اطہرالدین نے بلایا ہے کچھ حساب کتاب کرنے ہیں تمہاری شرکت بھی ضروری ہے۔ اصل میں اطہرالدین چاہتے ہیں کہ سارے معاملات صاف ستھرے ہو جائیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تمہیں ابھی صورتِ حال معلوم نہیں ہے بعد میں کبھی اپنے دل میں یہ بات نہ سوچو کہ جائداد وغیرہ میں کوئی ڈنڈی ماری گئی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد ساری تفصیلات تمہیں سمجھا دی جائیں گی۔" پھر ہم سب جمع ہو گئے۔ اطہرالدین اور اظہرالدین موجود تھے۔ کاغذات نکال لئے گئے اظہر بھائی نے کہا۔

"شاید تمہیں اندازہ نہ ہو شازل کہ بہت عرصے سے ہم پریشانیوں کا شکار ہیں۔ ہم پر اتنا قرض ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سارے باغ گروی رکھے ہوئے ہیں۔ بہت سی زمینیں فروخت ہو چکی ہیں۔ کئی لوگوں کو سود کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے اور حالات بڑے پریشان کن ہیں۔"

میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بھائیوں کو دیکھا اور کہا۔ "کیوں؟"

"بس اسی کیوں کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔ ابو کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اپنے معاملات کسی کو نہیں بتاتے تھے۔ بس احکامات دیا کرتے تھے اور ہم ان احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔"

"مگر ہمارے پاس تو بہت کچھ تھا۔" میں نے کہا۔

"لیکن تھا اور ہے میں فرق ہوتا ہے۔" اظہر بھائی نے کہا۔

"مجھے کبھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔"

"یہی شکایت تھی ہمیں ابو سے۔ تم اتنے چھوٹے تو نہیں تھے۔ بڑے ہونے کے بعد تو تمہیں ساری معلومات حاصل ہونی چاہئیں تھیں۔"

"بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"سمجھایا جا رہا ہے تمہیں سمجھ لو۔" اظہرالدین کے لہجے میں کچھ تلخی سی پیدا ہو گئی اور پھر وہ کاغذات نکال کر دکھانے لگے۔ اطہرالدین نے کہا۔

"لوگوں کو بہت سے شوق ہوتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ابو کو مقدمہ بازی کا شوق تھا۔ نہ جانے کس کس سے جھگڑے چل رہے تھے۔ لاکھوں روپیہ اس کوشش میں صرف ہو رہا تھا لیکن ہم لوگ روک بھی تو نہیں سکتے تھے مجبوری تھی۔ یہ تمام حسابات حیدر بیگ صاحب تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں بعد میں کہیں یہ نہ کہو کہ بھائی تمہارا حصہ ہڑپ کر گئے۔ دیکھ لو سوچ لو۔"

"دیکھئے۔ آپ لوگ اگر مجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اب ہمارے پاس دولت نہیں رہی ہے' تو میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں وہ قرض اتاروں جو میرے حصے میں آرہا ہے تو جانے دیجئے ان باتوں کو۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور حیدر بیگ صاحب یہ تمام فضول چیزیں مجھے نہ دکھایئے گا۔"

میں وہاں سے اٹھ گیا لیکن ساری رات مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ یہ سب کچھ ناقابلِ یقین تھا۔ ہمارے ہاں تو دولت کی ریل پیل تھی۔ ہمارے خاندان کی مالی حالت پر کبھی شک نہیں کیا گیا تھا۔ ہمارے ایک رشتے کے چچا رہا کرتے تھے۔ بستی جھومر کے آخری سرے پر۔ غریب آدمی تھے اور غریبوں سے رشتے بے جان سے ہوا کرتے تھے لیکن ابتدا میں بھی ان سے مانوس تھا اور بعد میں بھی ان سے آکر ملتا تھا۔ خاص طور سے رقیہ سے میری دوستی تھی۔ رقیہ باجی عمر میں مجھ سے دو سال بڑی تھیں لیکن جب بھی میں جاتا وہ بڑوں کی طرح مجھ سے ملتیں۔ ابھی تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اور اس کی وجہ ان کی معمولی سی شکل و صورت تھی۔ رنگ سانولا تھا' نقوش ذرا بھدے اور موٹے۔ بہرحال میں حفیظ الدین چچا کے پاس پہنچ گیا اور حفیظ الدین چچا نے ہمیشہ کی طرح میرا پُر محبت استقبال کیا۔ میں نے حفیظ الدین چچا سے کہا۔

"چچا۔ آپ نے بھی مجھے نہیں بتایا۔ کسی نے بھی مجھے اطلاع نہیں دی۔"

"تمہارا امتحان تھا بیٹے۔"

"امتحان تو زندگی بھر کے لئے شروع ہو گیا ہے۔ ابو کی شکل دیکھ لیتا۔ ممکن ہے وہ مجھ سے کچھ کہتے۔" حفیظ الدین چچا نے گردن جھکا لی۔ دیر تک خاموش رہے اور اس کے بعد گردن اٹھا کر بولے۔

"اگر میں ایسا کرتا بیٹے تو ہو سکتا ہے کہ اس گھرانے کی قربت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا۔"

"کیوں آخر کیوں؟"

"افسوس! اس کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور اگر تم مجبور کر رہے ہو تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق دیا جاتا ہے۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ مجھے رشتے داروں میں شمار کر لیا جاتا ہے لیکن ان رشتے داروں میں نہیں جو گھریلو معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔"

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ کسی سے کیا شکایت کرتا۔ دل بے چین تھا نہ جانے کیوں عجیب عجیب سے خیالات دل میں آنے لگے تھے۔ پھر کوئی بارہ پندرہ دن گزرے ہوں گے کہ ماموں افتخار احمد آگئے۔ اصل میں والدہ کی موت کے بعد بہت سے رشتے منتشر ہو گئے تھے۔ ماموں افتخار احمد میرے سگے ماموں تھے لیکن والد صاحب سے ان کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ پاس کی آبادی میں رہتے تھے۔ اس دن اپنی شاندار لینڈ کروزر میں آئے تھے اور مجھے پا کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"تمہیں تو اس خاندان سے ایسے نکال دیا گیا شازل جیسے تمہارا اس خاندان سے تعلق ہی نہ ہو۔ مجھے پہچانتے ہو نا۔"

"آپ کی ناراضگی بجا ہے ماموں جان لیکن آپ خود کہہ چکے ہیں جو مجھے کہنا چاہئے تھا۔ بزرگ ہی راستے متعین کرتے ہیں' میں کیا کہوں۔"

"کبھی ہماری طرف بھی آؤ۔ بچیاں خاص طور سے تم سب کو یاد کرتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ تین تین بھائی ہیں لیکن کبھی کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے۔"

"میں حاضری دوں گا۔" میں نے کہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بھائیوں سے یہ امید تھی کہ مجھے سنبھالیں گے' میرے لئے مستقبل کے راستے متعین کریں گے لیکن یہاں تو معاملہ ہی بالکل مختلف ہو گیا تھا۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ لوگ میرے خلاف متحدہ محاذ بنا چکے ہوں اور مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کے خواہشمند ہوں۔ اس رات کی خصوصی میٹنگ میں دونوں بھابیاں بھی شریک تھیں۔ بھائی

اطہرالدین نے خاص طور سے مجھے بلوایا تھا۔ کمرے کا ماحول دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا
یقینی طور پر کوئی خاص بات ہے۔ بہرحال میں ان کے درمیان جا بیٹھا۔ بھابیوں کے چہر
سکڑے ہوئے تھے۔ چھوٹے بھائی اظہرالدین نے کہا۔

"بڑی پریشان کن صورتِ حال ہے شازل۔ تم اس دن کے بعد اس طرح رو
سے گئے ہو جیسے تمہیں ہماری نیتوں پر شک ہو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ حقیقتوں کا سا
تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ تمہیں ان تمام حقیقتوں کا سامنا کرنا ہو گا۔ ان دونوں نے بھی یہی
کیا ہے کہ سچائیوں کے سامنے جا کر ہر وہم کو دل سے مٹا دیا جائے۔ ورنہ سو دوست
دشمن۔ نہ جانے کون کس طرح تمہارے کان بھرے گا۔"

"تو اور کیا؟ زمیندار صاحب نے شان تو ایسی دکھا رکھی تھی کہ جیسے زمین و آ
بھی انہی کے ہیں۔ دنیا سے گئے تو قرضوں کے انبار چھوڑ گئے۔ سوچا تو یہ تھا کہ زند
آرام سے گزرے گی لیکن اب بھائیوں میں قرضے تقسیم ہوں گے۔ کون کیا دے گا
حساب کتاب تو ہو جائے۔" بڑی بھابی نے کہا۔

"تمہیں بکواس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم لوگ بات کر رہے ہیں۔ میں مرد
کے معاملے میں عورتوں کا بولنا پسند نہیں کرتا۔" اطہرالدین نے انہیں ڈانٹ دیا۔

"رہنے دیجئے رہنے دیجئے۔ کنیز بن کر نہیں آئی ہوں اس گھر کی۔ ماں باپ نے
کچھ دیا ہے اللہ کے فضل سے۔ یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ بیٹی بہت بڑے گھر جا رہی ہے۔ را
کرے گی راج۔ یہاں عزت بچانا مشکل ہے۔ کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے۔ آپ لوگوں
زیادہ تعلیم یافتہ ہوں۔ خاموش نہیں رہ سکتی۔ کیا اسی قرضوں کے انبار کو گھر کہتے ہیں؟"

"میں کہتا ہوں آپ خاموش رہیں۔"

"کیسے خاموش رہوں؟ یہ بتائیے آخر وہ دولت کہاں چلی گئی۔ کیسے گزرے گی؟"

"یہ آپ نہیں جانتیں، ہم جانتے ہیں۔"

"ایک منٹ۔"

میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور سب میری طرف دیکھنے لگے۔

"جو گفتگو ہو رہی ہے اس میں میری مداخلت ہر لحاظ سے نقصان دہ ہو گی۔ خو
خاموش بھی نہیں رکھ سکتا اور آپ لوگوں کی فضول باتیں بھی برداشت کرنا میرے
مشکل ہے۔ میرے باپ کا نام اگر ذرا بھی بے احترامی سے لیا گیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں
گا۔ آپ لوگ اس کو ذہن نشین کر لیجئے۔"

پھر میں وہاں سے نکل آیا اور اس کے بعد ماموں افتخار احمد کے ہاں جانے کا فیص

کیا۔ بسیں چلتی تھیں۔ بس اڈے پر پہنچ کر میں بس میں بیٹھا اور چل پڑا۔ زندگی میں دو
تین بار ہی بس میں وہاں گیا تھا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ بچپن کی عمر میں گیا تھا۔
ہوش و حواس میں تو دنیا ہی چھن گئی تھی۔ اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔
ماموں افتخار کے گھر پہنچا تو سب سے پہلی ملاقات ماموں افتخار سے ہوئی۔ بہت اچھی حیثیت
کے مالک تھے بہت شاندار مکان تھا۔ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ وہاں بھی زمینداریاں
ہیں۔ بہرحال ماموں افتخار کا گھرانہ مجھے دیکھ کر بے پناہ خوش ہوا۔ دو بیٹیاں تھیں ان کی
ایک بیٹا تھا۔ ممانی جان تھیں۔ بہت اچھی طرح وہ سب مجھ سے پیش آئے۔ بہت خوش
ہوئے اور اس کے بعد میری خاطر مدارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ماموں صاحب میرے
سامنے بچھے جا رہے تھے۔ رات کو دسترخوان پر خوب ہنگامہ خیزیاں رہیں۔ ماموں جان کی
دونوں بیٹیاں سمن اور جہاں آراء نوجوان تھیں اچھی شکل و صورت کی مالک تھیں۔ مگر
ہم لوگ کبھی بے تکلف نہیں ہوئے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد ماموں صاحب کے
ساتھ نشست جمی اور میں نے کہا۔

"ماموں صاحب، والدہ صاحبہ کی شکل و صورت تو مجھے یاد نہیں لیکن والدہ کی موت
کے بعد آپ سے ملنا جلنا بہت کم رہا۔ کیا ابو کے تعلقات بہتر نہیں تھے؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس کچھ حالات ہی ایسے رہے کہ بہت زیادہ ملاقاتیں
نہیں ہو سکیں اور پھر بہن کی موت کے بعد تو ملنا جلنا اور بھی کم ہو گیا۔ میں خاصے عرصے
ملک سے باہر رہا۔ دوریاں رشتوں میں خلا پیدا کرتی ہیں۔ ہم اسی کا شکار رہے۔"

"اصل میں میں یہ سوال ایک خاص وجہ سے کرنا چاہتا تھا۔" میں نے کہا۔ ماموں
صاحب نے ممانی صاحبہ کی صورت دیکھی اور بولے۔ "اگر مناسب سمجھو تو پوچھو۔"

"ماموں صاحب کیا ہمارے حالات اچانک بہت خراب ہو گئے تھے؟"

"کسی کو کسی کے خلاف بھڑکانا شرافت کی بات نہیں ہوتی لیکن تم نے یہ سوال کیا
ہے تو جواب دینا ضروری ہے۔ جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس بات کا انکشاف ہو چکا
ہے کہ ہم لوگ وہاں بہت کم جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ کہ وہاں ہماری پذیرائی ہی نہیں
ہوتی تھی۔ خاص طور سے اطہر اور اظہر کی شادی کے بعد تو وہاں کی فضا بہت عجیب سی ہو
گئی تھی۔ میں ایک بار پھر کہوں گا کہ ان دونوں بچوں سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔
خدا کی قسم میں نے کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ میری دونوں بچیاں اس گھر میں چلی جائیں۔ یہ
تو تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں۔ بچوں کی جہاں قسمت ہوتی ہے وہیں رشتہ ہوتا ہے۔ کہنے
کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں تو بے لوث اور بے غرض انسان تھا۔ اگر بے غرضی سے

ملاقاتیں ہوتی رہتیں تو کوئی ہرج نہیں تھا لیکن کچھ ایسا محسوس کیا میں نے جیسے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا ہو۔ تم خود دیکھ لو خدا کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس۔ باجی صاحبہ کی زندگی تک حالات بہت اچھے رہے۔ میرے بغیر کچھ نہیں ہوتا تھا لیکن ان کے کے بعد بس کچھ عجیب سے معاملات پیدا ہو گئے تھے۔ خیر چھوڑو۔ یہ بات مجھے کسی نے بتائی تھی۔ نام نہیں لوں گا کیونکہ غیبت ہو جائے گی کہ تمہارے سلسلے میں کچھ سازشیں ہو رہی ہیں اور وہ لوگ میرا مطلب ہے تمہارے دونوں بھائی اور خاص طور سے بھابیاں تمہارے حصے کی جائیداد ہڑپ کرنے کی فکر میں ہیں۔ بہرحال اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔ حالات کی بدتری کے بارے میں کبھی کسی سے نہیں سنا۔ چنانچہ اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"وہاں ابو کے نام پر نہ جانے کیا کیا باتیں کی جا رہی ہیں۔ دولت کے لئے وہ لوگ سارے رشتے بھول گئے ہیں۔ کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے۔" میں نے ماموں صاحب کو تفصیل بتائی تو وہ بولے۔

"حیدر بیگ کے بارے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ بڑے لالچی اور زمانہ ساز آدمی ہیں۔ تم دیکھ لو غور کر لو۔ میری مدد کی ضرورت ہے تو مجھے بتا دینا۔"

"جی!" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ماموں صاحب کے گھر کا ماحول بہت اچھا تھا۔ ذرا آزاد خیال لوگ تھے۔ ممانی صاحبہ گو ایک اچھے گھر سے تعلق رکھتی تھیں لیکن چونکہ ماموں صاحب باہر کی دنیا میں رہ کر آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک بہترین ماحول بنا لیا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی مجھ سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں۔ دو تین دن کے بعد میں نے واپسی کی اجازت مانگی تو ماموں صاحب کہنے لگے۔

"کیوں؟ کہاں جاؤ گے؟"

"ماموں صاحب گھر ہی واپس جاؤں گا۔ بتا کر بھی نہیں آیا ہوں کسی کو۔ سارے معاملات اپنی جگہ پر بہرحال وہ میرا گھر ہے۔ میرے ماں باپ کا گھر ہے۔ ان لوگوں سے پوچھوں گا کہ سب کچھ کیا ہے' جاہل نہیں ہوں۔ آپ کو اندازہ ہے اگر اپنی سی پر آ جاؤں تو ناکوں چنے چبوا دوں گا انہیں۔ مگر بھائیوں کا احترام دل میں ہے۔ بھابیوں کو تو میں کیا کہوں۔"

"رکو۔ کچھ وقت یہاں رکو۔ جلدی کیا ہے جانے کی۔" بہرحال انہوں نے مجھے روک لیا۔ بے کلی اور بے کسی مجھ پر عجیب سے اثرات مرتب کر رہی تھی۔ مستقبل کے لئے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ دو تین دن مزید گزر گئے اور اس رات بس کچھ ذہنی

بحران سا تھا۔ باہر چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ بہت دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر جب نیند کسی طرح نہ آئی تو اپنی جگہ سے اٹھا۔ جس کمرے میں میرا قیام تھا وہاں سامنے کی راہداری میں ماموں اور ممانی کی خوابگاہ تھی۔ اس میں روشنی ہو رہی تھی۔ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ میرے کانوں میں اپنا نام پڑا تو میرے قدم رک گئے۔ حالانکہ زندگی میں کبھی ایسی جاہلانہ حرکت نہیں کی تھی۔ اس وقت دل میں نہ جانے کیوں یہ تجسس پیدا ہو گیا کہ ان کی باتیں سنوں۔ رات کے سناٹے میں آواز بھی صاف آ رہی تھی۔ ماموں صاحب کہہ رہے تھے۔

"سونے کی مرغی ہے وہ۔ اطہر اور اظہر اپنے آپ کو زمینداری کی چالوں میں ماہر سمجھتے ہیں۔ حیدر بیگ کے ذریعے یقینی طور پر کروڑوں کے جعلی کاغذات بنوائے گئے ہوں گے۔ سارا کیا دھرا سامنے لے آؤں گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس بات کی امید ہو جائے کہ ہماری کوئی بیٹی ٹھکانے لگ جائے گی۔"

"آپ دیکھ لیجئے کوشش کر کے بلکہ کھل کر ہی بات کر لیجئے۔"

"اصل میں یہ باتیں مردوں کے کرنے کی نہیں ہوتیں۔ تم آخر کس کام آؤ گی ذرا اس کا دل ٹٹولو' ہماری دونوں بیٹیوں سے کسی ایک کو وہ پسند کر لے تو میں بخوشی اس کے ساتھ رشتہ کرنے کو تیار ہوں۔ پھر رہ جائے گا جائیداد کا مسئلہ..... تو تم کیا سمجھتی ہو میں نے بھی یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے۔"

ایک بار پھر طبیعت پر ایک عجیب سا بوجھ سوار ہو گیا۔ کیا اس دنیا میں کوئی لالچ سے خالی ہے۔ ہر شخص کے سوچنے کا ایک ہی انداز ہے۔ ماموں صاحب بے شک بیٹیوں کے باپ ہیں۔ وہ مجھے صرف یہ حیثیت دے سکتے ہیں کہ میں بقول ان کے سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں بے حیثیت ہی ہوتا۔ اس کے بعد جائیدادوں کے جھگڑے چلیں گے۔ نہ جانے کیا کیا ہو گا۔ کچھ بھی تھا حویلی میرے باپ کی تھی اور میں اپنے باپ کی عزت کو اس طرح نیلام ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مزید وحشت سوار ہو گئی اور میں ماموں صاحب کی خوبصورت کوٹھی کے لان پر نکل آیا۔ اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ چاندنی کچھ زیادہ ہی تیز پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخیں یاد رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں یہ بالکل نہیں جانتا تھا کہ چاند کی آج کون سی تاریخ ہے لیکن پورا چاند اور کھلی کھلی چاندنی دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ ممکن ہے آج چاند کی چودہ تاریخ ہو۔ بس ایک عجیب سا بے اختیار احساس تھا۔ میری نگاہیں کسی کو تلاش کرنے لگیں اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ انسان کسی شے کے بارے میں سوچے اور وہ نگاہوں کے سامنے آ جائے۔ سامنے پھولوں

کے جھنڈ کے پاس چھوٹے سے سنگِ مرمر کے ایک حوض کے ایک گوشے پر ایک انسانی وجود موجود تھا۔ اس کے پشت میری جانب تھی۔ لمبے لمبے حسین بال زمین پر پہنچ رہے تھے۔ رخ بدلا ہوا تھا اور وہ جو بھی تھا ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ بدن کی بے اختیار لرزشوں کو سنبھالتا ہوا دبے قدموں اس کے نزدیک پہنچا۔ دل و دماغ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھے۔ نہ جانے کسی طرح منہ سے لرزتی آواز نکلی۔

"شعاع۔" سنگِ مرمر پر بیٹھے ہوئے نسوانی وجود نے گردن گھمائی اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ شعاع نہیں سمن تھی۔ میری ماموں زاد بہن لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک سبک سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں..... میرا دل لرز کر رہ گیا۔ سارے نقوش سمن کے تھے سارا وجود سمن کا تھا لیکن آنکھیں شعاع کی تھیں۔

سمن میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ اس چند روزہ قیام کے دوران درجنوں بار میں نے اسے دیکھا تھا۔ جاذب نگاہ نقوش کی مالک تھی۔ آنکھیں بھی خوبصورت تھیں لیکن اس وقت جو آنکھیں میرے سامنے تھیں وہ سمن کی نہیں تھیں جبکہ چہرہ اور چہرے کے تمام نقوش سمن کے تھے۔ یہ آنکھیں اشتیاق بھرے انداز میں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ہونٹ بھی اس طرح مسکرا رہے تھے جیسے خود پر کوئی حسین کہانی سجائے ہوئے ہوں اور جو آواز ان ہونٹوں سے نکلی تھی اس کا ترنم سمن کی آواز کا ترنم نہیں تھا۔ اس آواز کو میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ یہ شعاع کی آواز تھی۔ اس نے کہا۔

"اتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی شازل۔ یاد نہیں رکھتے ہو نا مجھے۔"

"سمن یہ تم....."

"نہیں سمن نہیں شعاع۔" وہ بولی۔ میں سحرزدہ سا ہو گیا۔ تب اس نے کہا۔

"میں سمن نہیں شعاع ہوں۔ شازل' مجبوریاں ابھی تک دامن گیر ہیں۔ سارا وجود بندھنوں میں جکڑا ہوا ہے۔ کچھ لوگ دنیا میں خواہ مخواہ تقدیروں کے مالک بن جاتے ہیں۔ ماں باپ بے شک اولاد پر سارے حقوق رکھتے ہیں لیکن بے اختیار جذبوں پر پابندی لگانا تو اچھی بات نہیں ہے۔ میرے والد نے ایسا ہی کیا ہے انہوں نے میرے وجود کو اپنی انا کا سوال بنا لیا ہے۔ حالانکہ بزرگوں نے کہا کہ ناظم ارسلان' بچوں پر ظلم نہیں کرتے۔ ماں باپ زندگی بھر اولاد کو اپنا ہر احساس دیتے ہیں۔ ہر خوشی اس پر قربان کر دیتے ہیں۔ جذبوں میں کھوٹ نہ ہو تو بے مقصد پابندیاں نہیں لگانی چاہئیں۔ بچی کو اتنی آزادی دو کہ وہ اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کر سکے لیکن ابو نہیں مانتے۔"

"تو تم..... سمن تم کیا کہہ رہی ہو جانتی ہو؟"

"دیکھو۔ بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں سمن نہیں شعاع ہوں۔ بتا چکی ہوں تمہیں کہ مجھ سے میرا بدن چھین لیا گیا ہے۔ میرا بدن قیدی ہے لیکن میری روح آزاد ہے۔ مجبوریاں انسان سے نہ جانے کیا کیا کرا دیتی ہیں۔ میں جس طرح بھی تمہارے پاس آتی ہوں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ تم آزاد ہو۔ سکون سے زندگی بسر کر رہے ہو۔ وقتی پریشانیاں تو زندگی میں آتی ہی ہیں لیکن مجھے دیکھو۔ زندگی میں سب کچھ مل جاتا ہے لیکن محبت کی حفاظت کائنات کا سب سے مشکل کام ہے شازل' اس کام میں میری مدد کرو۔ مجھے تمہاری محبت کا سہارا چاہئے۔ وقت کتنا ہی برا ہو آخر کار ٹل جاتا ہے اور راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم محبت کی شمع یونہی روشن کئے رہے تو ممکن ہے مخالفت کرنے والوں کے دل پگھل جائیں اور ہمارے راستے ہموار ہو جائیں۔ شازل میرا ساتھ دو' میرا ساتھ دو۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ سمن کے روپ میں تھی لیکن کتنی خوفناک بات تھی یہ۔ کتنا ہولناک عمل تھا۔ ماموں افتخار اگر ہمیں اس عالم میں دیکھ لیتے تو نہ جانے کیا سوچتے..... اور ایسا ہی ہو گیا۔ قدموں کی بے اختیار چاپ سنائی دی تھی اور میں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ ماموں اور ممانی دونوں ہی تھے۔ ماموں صاحب عجیب سے انداز میں کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا۔

"سمن اندر جاؤ۔" میں نے سمن کی جانب دیکھا اور ایک بار پھر میرا دل دھک سے ہو گیا۔ اب پورا چہرہ سمن کا چہرہ تھا۔ وہ آنکھیں گم ہو چکی تھیں۔ شعاع چلی گئی تھی۔ سمن اپنی جگہ سے اٹھی اور نڈھال قدموں سے اندر چلی گئی۔ ماموں صاحب خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"بچوں اور بزرگوں کے درمیان اعتماد کے رشتے ہونے چاہئیں شازل۔ سمن اگر تمہارے لئے باعثِ کشش ہے تو اپنی شرافت کو داغدار نہ کرو۔ مجھ سے کہو اس کے بارے میں۔ کیا چاہتے ہو؟ کیا خواہش ہے تمہارے دل میں۔ یہ سب کچھ مناسب نہیں تھا۔ خیر مجھے کم از کم تمہاری پسند کا علم ہو گیا۔ میں تمہیں اطمینان دلاتا ہوں کہ اس بارے میں سوچوں گا۔ جاؤ آرام کرو اور میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی غیر شریفانہ عمل نہیں کرو گے۔"

ماموں جان اور ممانی جان واپس چلے گئے لیکن میرے بدن میں چنگاریاں دوڑنے لگیں۔ کتنے پارسا بن رہے تھے ماموں جان۔ اس دنیا میں کوئی بھی غرض سے خالی نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے کھیل میں مصروف ہیں۔ کوئی کچھ چاہتا ہے اور کوئی کچھ۔ شعاع کی

وجہ سے ماموں جان غلط فہمیوں کا شکار ہو کر اپنے مقصد کے حصول سے قریب ہونے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں اس خود غرض دنیا پر لعنت بھیجتا تھا۔ ہر شخص اپنی غرض کا بندہ ہے۔ کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ تمام باتیں سوچتا رہا۔ دل و دماغ پر دھند سی چھا گئی تھی۔ آخر کار میں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے چلا ہی جاؤں۔ ماموں جان وغیرہ آرام سے سو گئے تھے۔ میرے پاس تھا ہی کیا جسے سمیٹنے کی کوشش کرتا۔ اپنے کپڑوں سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ ہاں! ایک چیک بک ضرور تھی لیکن یہ بھی لاہور کی ہی تھی۔ وہاں میرا اکاؤنٹ تھا اور اس میں تھوڑی سی رقم پڑی ہوئی تھی۔ اسے میں نے احتیاط سے پرس میں رکھا۔ لاہور کے علاوہ اور کون سی ایسی جگہ تھی جہاں جاتا۔ خاموشی سے ماموں جان کے گھر سے نکل آیا اور اس کے بعد خاصا طویل فاصلہ طے کر کے ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت سوار تھی۔ خوب وحشت زدہ ہو رہا تھا۔ کوئی ٹکٹ نہیں لیا۔ لاہور جانے والی ایک ٹرین ایک منٹ کے لئے رکی۔ ایئر کنڈیشنڈ ڈبے میں چڑھ گیا۔ اس ٹرین میں کبھی رش نہیں ہوتا اور یہ ذرا روایتی قسم کی ٹرین تھی لیکن میں نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ کمپارٹمنٹ میں کتنے افراد ہیں۔ میں تو بس اپنی آگ میں جلتا ہوا یہاں سے جا رہا تھا۔ غرض یہ کہ ٹرین چل پڑی اور میں خالی ڈبے کی ایک سیٹ پر بیٹھا اونگھتا رہا۔ میں نے اِدھر اُدھر اب بھی نہیں دیکھا تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر جب ہجومِ یاس سے نجات مل گئی تو میں نے اس پُراسرار خاموشی کا جائزہ لیا۔ پورا کمپارٹمنٹ خالی تھا۔ کسی ذی روح کا وہاں پتہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا ایئر کنڈیشنڈ ڈبہ ہے اور ان علاقوں میں سفر کرنے والے لوگ بہت غریب غربا ہوتے ہیں۔ اکانومی کلاس بھری ہوئی ہو گی۔ اتنی رقم میرے پاس تھی کہ ٹکٹ کلکٹر آ جائے تو میں لاہور تک کا ٹکٹ بنوا لوں۔ زندگی کم از کم مالی طور پر بڑی عیش و آرام میں گزاری تھی۔ اس لئے اس بات کی پروا اس وقت بھی نہیں ہوئی کہ اے سی کا ٹکٹ کتنے کا ہو گا۔ میں بیٹھا ہوا یونہی سوچتا رہا غور کرتا رہا۔ کتنی حیران کن بات تھی۔ شعاع ذہن میں آ گئی۔ خیر اس کا اندازہ تو مجھے ہو گیا تھا کہ شعاع ایک پُراسرار وجود ہے۔ شروع سے اب تک جو مجھے یاد آتا تھا اس سے کم از کم اب ہوش کی دنیا میں آ کر مکمل واقفیت ہو چکی تھی لیکن آپ کو ایک حیران کن بات یہ بھی بتاؤں کہ آج تک میں نے شعاع سے اتنی ملاقاتوں کے باوجود اس کی اصلیت نہیں پوچھی تھی۔ شروع میں تو یہی سمجھا تھا میں کہ وہ بھی میری ہی طرح ایک عام سی لڑکی ہے لیکن ہوش حواس جاگے اور سوچوں میں پختگی پیدا ہوئی تو اندازہ ہو گیا کہ شعاع مجھ جیسی نہیں ہے۔ البتہ آج تک میں اس سے اس بارے میں نہیں پوچھ

سکا تھا اور یہ جان بُوجھ کر نہیں کیا تھا میں نے بلکہ جب اور جس شکل میں بھی وہ میرے سامنے آتی میں یہ سوال ہی بھول جاتا۔ ویسے وہ بیچاری اپنے بارے میں جو کچھ بتا چکی تھی اس سے یہ علم ہو گیا کہ میری وجہ سے وہ زیرِ عتاب ہے۔ یہاں تک کہ اس سے اس کا جسم بھی چھین لیا گیا ہے۔ اس کی مافوق الفطرت شخصیت کا یہی پہلو کون سا کم تھا کہ وہ اب مختلف شکلوں میں آ کر مجھ سے مخاطب ہو لیا کرتی تھی۔ نیند کا آنکھوں میں شبہ بھی نہیں تھا اس وقت۔ میں انہی سوچوں میں غرق تھا کہ ایک ہلکی سی کھانسی کی آواز اُبھری اور میں چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔ اب تک تو کسی کو نہیں دیکھا تھا اس کمپارٹمنٹ میں، لیکن کھانسی کی آواز ہوش و حواس کے عالم میں سنی تھی پھر میرے عین سامنے دو پاؤں لٹکتے ہوئے نظر آئے اور ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خوف جاگ اٹھا۔ ہلتے ہوئے پاؤں تھوڑے سے اور نیچے اترے اور اس کے بعد کوئی اوپر کی طرف سے کود کر نیچے آ گیا۔ میں نے اس شخص کو دیکھا۔ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ سفید قمیض سفید شلوار پہنی ہوئی تھی۔ سفید داڑھی تھی اور شانوں پر ایک بہت ہی قیمتی سفید شال لپٹی ہوئی تھی۔ سر پر ٹوپی تھی۔ چہرہ بھی بس عجیب و غریب صفات کا حامل تھا۔ اس کی آنکھیں بے حد جاندار تھیں۔ وہ سامنے سیٹ پر بیٹھ گیا اور میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ برتھ سے نیچے اترا تھا۔ میں نے برتھوں پر غور نہیں کیا تھا ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کوئی اور برتھ پر ہو۔ یہ سوچ ذہن سے گزر رہی تھی کہ ایک گونج دار آواز ابھری۔

"نہیں۔ اس وقت اس ڈبے میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔ میں تم سے مخاطب ہونا چاہتا ہوں۔" میں نے اس انوکھے شخص کو دیکھا تو وہ بولا۔ "میرا نام غلام سبحان ہے لیکن کسی اور کا غلام نہیں ہوں میں۔ صرف اپنے آقا ناظم ارسلان کا غلام ہوں..... اور ناظم ارسلان کا نام تمہارے لئے اجنبی نہیں ہو گا۔ نوجوان لڑکے، تمہیں زندگی کے ایسے عذاب سے گزرنا پڑتا تو تم صرف اور صرف باپ کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے۔ تمہارے پورے بدن میں کیڑے ڈال دیئے جاتے۔ تمہیں ضعف میں مبتلا کر دیا جاتا۔ تمہاری آنکھیں بے نور کر دی جاتیں۔ تمہارے ہاتھ تراش دیئے جاتے۔ تمہارے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹ دی جاتیں اور دیکھنے والے تم سے گھن کھاتے۔ ایسا ہی ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا..... کہ آقا ناظم ارسلان منصف شخص ہے۔ وہ انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ البتہ وہ یہ بات ضرور کہتا ہے کہ تم اگر چاہو تو اس کی مشکل کا حل بن سکتے ہو۔ مجھ سے پوچھو اس کی مشکل کیا ہے۔" میں جو اب تک اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اب ذرا سنبھلا اور میں نے کہا۔ "آپ کون ہیں؟"

"جتنا بتا چکا ہوں اسے کافی سمجھو اور جو سمجھ سکے ہو وہی سچ ہے۔ ناظم ارسلان کا نام پہلی بار تمہارے سامنے نہیں آیا۔ تم اس سے بخوبی واقف ہو سمجھے۔ اب اگر نہیں سمجھے تو مجھے ہدایت ہے کہ تمہیں تمہاری ضرورت کے مطابق سمجھا دوں۔ بات آقا زادی شعاع کی ہے۔"

میں نے گہری سانس لی اور کہا۔ "ہاں! بولو!"

"دیکھو بچیاں معصوم ہوتی ہیں لیکن والدین کی عزت اس کائنات میں سب سے زیادہ قیمتی شے ہے اور پھر تمہارے اور اس کے درمیان آگ اور مٹی کا فاصلہ ہے۔ سمجھ میں آئے تو سمجھو اس سے زیادہ بتانے کی اجازت نہیں۔ آتش زادی کو مٹی کی مخلوق سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ برادری بھی ایک چیز ہوتی ہے اور برادری والوں کو جواب بھی دینا ہوتا ہے اور پھر یہ سب کسی طور ممکن نہیں ہے۔ سو تم یوں کرو کہ اسے اپنے آپ سے برگشتہ کرو۔ دور کردو اس کے ذہن کو اپنے ذہن سے۔ اسے احساس دلا دو کہ مٹی کی تخلیق بے وفا ہوتی ہے۔ اس سے وفا کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ تمہیں یہی کرنا ہے اور نہ کرو گے تو جو ہوگا تمہاری اپنی خواہش پر ہوگا۔ یہ اطلاع میں تمہیں دے رہا ہوں اور سمجھا رہا ہوں کہ اس کے بعد فوری عتاب شروع ہوگا اور ناظم ارسلان کے عتاب کو تم برداشت نہیں کرسکو گے۔ ہرچند کہ وہ منصف ہے لیکن ایک بیٹی کا باپ بھی ہے۔ بس اس سے آگے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اپنی ذمے داری سمجھ چکے ہو گے۔"

اچانک وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ میں یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ شیشوں سے رات بھاگ رہی تھی لیکن وہ دروازے کے قریب پہنچا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ بے اختیار میں بھی دروازہ کھول کر باہر کی سمت پر لپکا۔ وہ چھوٹی سی جگہ پر موجود تھا۔ جہاں ٹرین سے باہر جانے کے دو طرفہ راستے ہوتے ہیں لیکن اس نے جو کچھ کیا وہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اچانک اس نے نیچے اترنے والا دروازہ کھول لیا اور ریل کا بھیانک شور اندر گھس آیا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دروازے سے باہر کود گیا اور میرے حلق سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔ میں نے جلدی سے دروازہ دوبارہ کھولا اور پیچھے کی سمت جھانکنے لگا لیکن باہر صرف اندھیروں کا سفر جاری تھا۔ ٹرین برق رفتاری سے جارہی تھی کسی انسانی وجود کا پتہ نہیں تھا۔ مرگیا ہوگا ہڈیاں چُور چُور ہوگئی ہوں گی۔ میں نے دل میں سوچا اور یہ بھی سوچا کہ زنجیر کھینچ کر ٹرین روکوں اور عملے کو بتاؤں کہ کیا واقعہ ہوا ہے لیکن عقل نے دماغ پر دستک دی اور مجھے ایک دم احساس ہوا کہ جو ٹرین سے باہر کودا ہے وہ انسان تھا ہی نہیں۔ بے شک وہ انسان نہیں تھا۔ اب اس

احساس سے گریز کیا جائے۔ اس کے بارے میں سوچنا حماقت کے سوا اور کچھ نہیں تھا لیکن جو کچھ اس نے کہا تھا۔ کیا وہ میرے بس میں ہے۔ میں تھکے تھکے قدموں سے واپس اپنی سیٹ پر آگیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہئے مجھے۔ کیا کرنا چاہئے۔ اگر شعاع کے بارے میں مجھ سے کوئی ایسی فرمائش کی جاتی ہے تو وہ بھی میرے لئے قابلِ قبول نہیں تھی۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ جو کچھ بھی ہو جائے۔ آنکھیں چھین لی جائیں گی نا میری۔ میرے جسم پر کوڑھ پیدا کردیا جائے گا' میرے بدن میں کیڑے پڑ جائیں گے بس یا اور کچھ۔ جہاں تک شعاع کا معاملہ ہے۔ بے شک اس کا حصول میرے لئے ناممکن ہے اور نہ میں اس سے کوئی فریب کر سکتا ہوں لیکن بچپن کے اس پیار کو نہ دل سے جدا کرسکتا ہوں نہ اپنی محبوب کو یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ سے نفرت کرے کیونکہ میرے دل میں کسی اور کا بسیرا ہے۔ ٹھیک ہے غلام سمبان یا ناظم ارسلان اگر امتحان ہی مقصود ہے تو میں ایک بے لوث امتحان کیلئے تیار ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ امتحان سخت ہوگا لیکن میری بے لوثی بھی مسلم تھی۔ بھلا محبت کے سوا میں شعاع سے اور کیا مانگ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ جس شخص کی زندگی سے سب کچھ رخصت ہوچکا ہوں۔ نہ گھر نہ بار نہ کوئی محبت کرنے والا۔ اس کے پاس اگر صرف کسی محبوب کی محبت ہو تو وہ اس سے بھی کیسے منحرف ہو سکتا ہے۔ بڑے اعتماد کے ساتھ خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کرلیا۔ لاہور پہنچنے کے بعد ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ ہوسٹل کے معاملات اب تقریباً ختم ہو گئے تھے۔ یہ سوچ کر گھر پہنچا تھا کہ والد صاحب سے گفتگو کروں گا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ پھر واپس آکر ہوسٹل کے تمام واجبات ادا کروں گا۔ دوستوں سے ملوں گا۔ والد صاحب جو بھی کہیں گے اس پر عمل کروں گا لیکن سارے منصوبے ختم ہو گئے تھے اور میں ایک لٹے پٹے انسان کی حیثیت سے یہاں آیا تھا۔ دوستوں کے واجبات تو خیر ادا کرنے ہی تھے لیکن اپنے بارے میں بھی بہت کچھ سوچنا تھا۔ ویسے تو تمام لوگوں سے میری شناسائی تھی لیکن ساجد کا تذکرہ میں پہلے کرچکا ہوں۔ وہ بہت ہی مخلص اور بڑا ہی جاں نثار شخص تھا۔ چنانچہ بڑے اعتماد کے ساتھ اس کے گھر کی جانب رخ کیا۔ وہ روایتیں ذہن میں آرہی تھیں جو دوستوں سے متعلق ہوتی ہیں۔ یعنی یہ کہ برے وقت میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے ساجد بھی تمام حقیقتوں کو جاننے کے بعد مجھ سے معذرت کرلے لیکن ساجد نے تمام حقیقتوں کو جاننے کے بعد فوراً ہی میرے لئے اپنے چھوٹے سے گھر کے ایک کمرے میں بندوبست کیا۔ اس کے والدین بھی بہت اچھی شخصیت کے مالک تھے۔ ساجد کے والد ماجد علی صاحب سرکاری ملازم تھے اور ساجد جس گھر میں رہتا تھا وہ بھی سرکاری گھر ہی تھا لیکن خاصی بہتر حالت

میں۔ جس کمرے میں میرا قیام تھا وہ زیادہ کشادہ نہیں تھا لیکن بڑی نفاست سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک بستر اور دو کرسیاں' رائٹنگ ٹیبل' ایک کھڑکی' دیواروں پر لگی ہوئی کچھ تصویریں۔ یہ اس کمرے کی کل کائنات تھی۔ ساجد نے بڑی دلسوزی سے کہا تھا۔

"شازل! ہم غریب لوگ ہیں لیکن تم نے ہماری غربت کو جو عزت بخشی ہے میں اس کے لئے تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"شاید تم نے وہ تمام باتیں نہیں سنیں جو میں نے تمہیں اپنے بارے میں بتائی ہیں۔ اب میں ایک مفلوک الحال شخص ہوں اور میری حیثیت....."

"دیکھو بڑے پیار اور خلوص سے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ اس کی توہین نہ کرو۔ تمہارا احسان ہو گا مجھ پر۔" ساجد نے بہت عاجزی سے کہا۔ اچھا انسان تھا۔ رات کو بہت دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا تھا میری دلجوئی کرتا رہا تھا۔ سمجھاتا رہا تھا کہ ہر مشکل کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے۔ ہم لوگ جوان ہیں مضبوط ہیں' حالات کو اپنے ماحول کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ اپنی قوتِ بازو سے اپنے لئے ایک مقام بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ پریشانی کی کیا بات ہے؟ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ ساجد کے رویے اور اس کی باتوں سے مجھے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبا رہا تھا اور پھر آنکھیں نیم غنودہ ہو گئی تھیں۔ نہ جانے کتنی دیر تک اس نیم غنودہ کیفیت کا شکار رہا تھا کہ اچانک شی شی کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی مخاطب کر رہا ہو۔ آواز نہایت واضح اور تیز تھی۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ کھڑکی بھی بند تھی۔ یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔ دوسری یا تیسری بار بھی آواز سنائی دی تو میری نگاہ اس پینٹنگ پر پڑی جو ایک بھکارن لڑکی کی تھی۔ ایک افلاس زدہ چہرہ' بکھرے ہوئے بال' سوکھے ہونٹ' پچکے گال۔ ایک نوجوان بھکارن کی تصویر جسے میں نے دن میں دیکھا تھا اور جس کی آنکھیں غربت اور افلاس کی کہانی سنا رہی تھیں لیکن اس وقت یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں۔ یہ شعاع کی آنکھیں تھیں۔ چہرہ وہی تھا۔ صرف آنکھیں بول رہی تھیں اور میں چونک کر بیٹھ گیا۔ تب بھکارن کے سوکھے ہونٹ مسکرا اٹھے۔ لکیریں بول رہی تھیں۔ نقش زندگی پا گئے تھے۔ میں سحر زدہ سا ان آنکھوں کی جانب دیکھنے لگا۔

پھر ان ہونٹوں سے جو آواز نکلی' وہ شعاع کے علاوہ کسی اور کی نہ تھی۔ آنکھوں میں اس وقت شوخی یا شگفتگی نہیں بلکہ آنسوؤں کی نمی تھی۔ اس نے کہا۔

"اور وہ ہم سے سب کچھ چھین لینے پر تُلے ہوئے ہیں' میں نہیں جانتی شازل کہ

محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے لیکن ہم نے تو شروع سے ہی دکھ اٹھائے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کو چاہنا اس کائنات کا سب سے بڑا جرم ہے' اگر یوں ہے شازل تو پھر محبت کے پودے دلوں میں کیوں پھوٹتے ہیں' دل تو خدا کا گھر ہوتا ہے' خدا کے گھر اُگ آنے والے پودے' ان میں کھلنے والے پودے برے تو نہیں ہوتے' ہم تو بس بچپن سے ایک دوسرے سے ملنے' ہنسنے اور بولنے کے آرزو مند رہے ہیں' کیا یہ اتنی ہی بری بات ہے' اگر ایسا ہے تو شازل تو....." وہ خاموش ہو گئی اور اچانک ہی میں نے تصویر سے اس کے ہونٹ مٹتے ہوئے دیکھے' میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس چہرے کو دیکھنے لگا' اس کے ہونٹ تصویر سے غائب ہو گئے تھے اور پھر اس کی آنکھوں سے سرخ سیال بہنے لگا اور آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں' میں دہشت بھرے انداز میں تصویر کا بگڑتا حلیہ دیکھ رہا تھا' رفتہ رفتہ اس کے نقش فریم سے مٹتے چلے گئے اور چند لمحوں کے بعد فریم سادہ ہو گیا۔ آہ! یہ اس کے ساتھ ظلم ہو رہا تھا' اس پر سختی ہو رہی تھی اور اسے نقصان پہنچایا جا رہا تھا' مجھ سے مخاطب ہونے کی سزا دی جا رہی تھی لیکن کچھ ہی لمحوں بعد لکیریں پھر نمودار ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ ان لکیروں نے ایک شکل اختیار کرنا شروع کر دی' میرے ذہن میں یہ تصور تھا کہ وہ دوبارہ اس تصویر میں ابھرے گی لیکن اس بار جو چہرہ فریم میں نمودار ہوا' وہ شعاع کا چہرہ نہیں تھا بلکہ اس چہرے کو میں نے پہچان لیا تھا' یہ غلام سمبان کا چہرہ تھا' اس کی آنکھوں میں غضب کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں' چند لمحات وہ مجھے گھورتا رہا' مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں نے مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لیا ہو پھر اس کی غراہٹ ابھری۔

"اور تم مسلسل انحراف کر رہے ہو' تم اپنی زندگی کے لئے بدترین راستے منتخب کر رہے ہو' کہا گیا تھا تمہیں کہ اسے نفرت پر مجبور کرو' اسے اپنی بے وفائی کا احساس دلاؤ' یہ کہا گیا تھا تمہیں۔"

نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک نفرت سی جاگ اٹھی اور میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "غلام سمبان! غلام تو ہے میں نہیں' تو ہو یا تیرا آقا ناظم ارسلان ..... کون ہوتے ہو تم لوگ مجھے میری مرضی کے خلاف مجبور کرنے والے' کیا حق پہنچتا ہے تمہیں اس بات کا کہ تم مجھ سے اپنی خواہشوں کا احترام کرانے کی کوشش کرو' ناممکن ہے' سمجھ رہے ہو ناممکن ہے' جو کچھ تم سے کیا جائے کر لو' دھمکیاں دے دے کر خود شرمندہ ہو رہے ہو' جاؤ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ میں کبھی نہیں کروں گا جو وہ کہے گا' چاہے اس کے لئے مجھے کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے۔"

سمبان نے بدستور غضب ناک نگاہوں سے مجھے دیکھا' اس کے بعد یہ لکیریں

خاموشی سے مٹ گئیں اور اس کی جگہ بھکارن کی وہی تصویر ابھر آئی جو پہلے موجود تھی۔
یہ عجب و غریب ڈرامہ ساجد کے گھر ہو رہا تھا' اس بے چارے کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن میں جانتا تھا کہ بعد میں بھی اسے کوئی اندازہ نہیں ہو گا' اس کے بعد میں رات بھر جاگتا رہا تھا' ساجد جیسے دوست اگر اس دنیا میں نہ ہوں تو دوستی کا نام آہستہ آہستہ ختم ہو جائے' قدرت نے اپنے دیئے ہوئے پیار اور اصولوں کی حفاظت خود کی ہے' ہر نیکی کے ساتھ بدی کا تصور ہوتا ہے اور بدی کے ساتھ نیکیاں ظہور میں آتی ہیں چنانچہ ساجد بہت محبت سے میرے ساتھ پیش آ رہا تھا' اس رات کے بعد پھر نہ تو مجھے شعاع کسی اور شکل میں نظر آئی تھی اور نہ ہی کوئی ایسا عمل ہوا تھا جسے میں ناظم ارسلان یا اس کے ہرکارے غلام سمبان کی طرف سے کسی کارروائی کو محسوس کر سکوں البتہ میرے مسائل بڑھتے جا رہے تھے' مجھے ساجد کے ساتھ رہتے' کھاتے پیتے شرم آنے لگی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ ساجد اور اس کے والدین ایسے وضع دار لوگ ہیں جو خود بھوکے رہ کر مہمان کو کھلاتے ہیں' ابھی ساجد کی کوئی آمدنی نہیں تھی' وہ ملازمت تلاش کر رہا تھا لیکن باپ یا بیٹے نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں کب تک ان کے ساتھ رہوں گا' میں اس بات کا حل سوچ رہا تھا کہ ساجد کو ملازمت مل گئی' اس دن گھر بڑی خوشیاں منائی گئی تھیں اور مٹھائی کا اہتمام کیا گیا تھا' رات کا کھانا بھی اہتمام سے پکایا گیا تھا۔ ساجد بتا رہا تھا۔

"بہت سے لوگ انٹرویو دے رہے تھے' یہاں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مالکوں کو فوری طور پر ملازم کی ضرورت تھی' میں نے ان سے کہا کہ میں صرف انٹر پاس ہوں اور انہوں نے ایک دم سے مجھے کلرک کی ملازمت دے دی' اس سے پہلے تین بی ایڈ اور ایم اے انٹرویو دے چکے تھے اور مالکان نے انہیں مسترد کر دیا تھا' یار! کیا تعلیم اتنی ہی بے وقعت چیز ہو گئی ہے کہ اگر زیادہ ہو جائے تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔"

میں پھیکی سی ہنسی کے ساتھ خاموش ہو گیا پھر میں نے کہا۔ "ویسے مجھے تم سے شکایت ہے ساجد....."

"کیا شکایت ہے بھائی؟"

"تم نے اپنی نوکری کا بندوبست تو کر لیا' میرے لئے کیا سوچا ہے؟"

"تمہارے لئے ابھی کچھ نہیں سوچا' آرام کرو' کیا کلرکی کرو گے تم میری طرح.....؟"

"کیوں.....؟" میں نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"تم کلرک نہیں ہو سمجھے' تم ایک بہت بڑے زمیندار ہو۔"

"اگر یہ کہہ کر تم میرا مذاق اڑانا چاہتے ہو تو مجھے تم سے ایسی امید نہیں ہے۔"

"تمہارا مذاق اڑا سکتا ہوں میں' بتاؤ.....؟"

"تو پھر مجھے اس غلیظ نام سے کیوں مخاطب کرتے ہو؟ جس سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا یعنی زمیندار..... زمینداری جن لوگوں کے لئے تھی' ان لوگوں کے پاس رہ گئی لیکن شکر ہے کہ میں ایسا غاصب انسان نہیں ہوں جو دوسروں کے حقوق مارے' میں اپنی دنیا میں مست ہوں' اب تم یوں کرو میرے دوست کہ میرے لئے بھی ملازمت تلاش کرو' کیا سمجھے اور اب اگر تم نے تکلف کا اظہار کیا یا ان باتوں کو دوبارہ کبھی ذکر کیا تو سمجھ لو کہ میں خاموشی سے یہاں سے نکل بھاگوں گا۔"

ساجد ہنسنے لگا پھر اسی رات کھانے پر اس کے والد نے بھی مجھے سمجھایا اور کہا کہ ابھی میں آرام کروں تو میں نے ان سے کہا۔

"آپ مجھے بتایئے چچا جان کہ میں کیوں آرام کروں' مضبوط ہوں' ساجد کی طرح تعلیم یافتہ ہوں' کہیں نہ کہیں مجھے بھی نوکری مل جائے گی' مل جل کر اس گھر کو چلائیں گے' اب آپ نے مجھے اپنے سر مسلط کر ہی لیا ہے تو خاصے عرصے تک آپ کو پریشان کروں گا۔"

"زندگی بھر' زندگی بھر..... مجھے تو خوشی ہو گی کہ میرے ایک کی بجائے دو بیٹے ہیں' کیا سمجھے۔"

بڑے مخلص دوست تھے' ہر لمحہ میرے دل میں ان کا احترام بڑھتا ہی جا رہا تھا لیکن بہرحال اس دن سے میں نے ملازمت کی تلاش انتہائی سنجیدگی سے شروع کر دی' میں اب کوئی معیار نہیں رکھنا چاہتا تھا' جو فیصلہ ساجد نے کیا تھا' یہی فیصلہ میں خود بھی کرنا چاہتا تھا' کافی عرصے سے شعاع یا ناظم ارسلان کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی' شعاع مسلسل میرے دل میں رقصاں تھی اور میں اسے خواب میں بھی نہیں بھول سکتا تھا ہاں! یہ الگ بات ہے کہ اسے دیکھنے یا اس سے ملنے کی کوئی آرزو اس سے پہلے کبھی ابھری تھی اور نہ ہی اب اس کی کوئی امید تھی' جب تک کہ شعاع خود ہی معمول کے مطابق مجھ سے رجوع نہ کرے' اس دوران زندگی کو بالکل بے حقیقت بنا کر اپنی اور ان مخلص لوگوں کی بے قدری نہیں کرنا چاہتا تھا' ملازمت کے حصول کے لئے جو طریقہ کار ہوتا ہے' میں اسی طریقہ کار پر عمل کر رہا تھا' اخبارات میں اشتہار دیکھتا اور درخواست ڈال دیتا' ہر جگہ کوشش کر رہا تھا' امید تھی کہ کہیں نہ کہیں سے تو جواب ملے گا پھر ایک دن ماجد چچا نے مجھے ایک لفافہ دیا' میں تعجب سے اس لفافے کو دیکھنے لگا تو ماجد چچا مسکرا کر بولے۔

"انٹرویو لیٹر ہے' ہو سکتا ہے تقدیر کے دروازے کھل جائیں۔" دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے لفافہ پھاڑ کر اس میں سے لیٹر نکالا' کوئی آٹھ دس دن پہلے میں نے یہ درخواست روانہ کی تھی' اس کے جواب میں مجھے طلب کیا گیا تھا' طلب کرنے والے نے اپنا پتہ بھی لکھا تھا جبکہ درخواست پوسٹ بکس کی معرفت تھی۔ بہرحال ماجد چچا مجھے دعائیں دیتے رہے' میں خوشی سے پھولا نہ سمایا' بات صرف ایک ملازمت کے حصول کی نہیں تھی' ابھی تو صرف درخواست کا جواب آیا تھا' ضروری نہیں تھا کہ ملازمت مجھے مل جائے' اصل میں جو زندگی میں گزار رہا تھا' وہ نہ تو پسند کی زندگی تھی اور نہ ہی اس میں کوئی عزت تھی' اگر مصروف ہو جاؤں گا تو بہت سے وسوسے ذہن سے نکل جائیں گے بہرحال دوسرے دن میں اس پتے پر چل پڑا۔ یہ بات نہ صرف ماجد چچا بلکہ ساجد نے بھی مجھ سے کہی تھی کہ جگہ بہت عجیب ہے' فاصلہ کافی ہے لیکن پھر بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے' ویگن جاتی ہے؛ سڑک پر چھوڑ دے گی' تھوڑا سا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑے گا۔ جس علاقے میں' میں ویگن سے اترا' وہ بالکل ہی مختلف قسم کا علاقہ تھا' آبادی بے شک تھی لیکن مکانات ابھی تعمیر ہو رہے تھے' کبھی پرانی آبادی بھی یہاں ہو گی کیونکہ بعض جگہ قدیم عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں' میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا کر کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کی جو مجھے اس عمارت کا پتہ بتا دے' کافی فاصلے پر ایک شخص بھینسوں کو لے جاتا ہوا نظر آیا' اب وہ تو خیر میری طرف کیا متوجہ ہوتا' میں خود ہی برق رفتاری سے اس کی جانب لپکا اور اشارہ کر کے اسے روکا' وہ رک کر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا تھا۔

"یہ گھر نمبر718 کس طرف ہے بھائی؟"

"718 ہمیں نہیں معلوم صاحب۔"

"یار تمہارے علاوہ اور کوئی یہاں ہے بھی نہیں' دیکھو یہ پیچھے جو گھر مجھے نظر آیا تھا' یہ 614 ہے۔"

"صاحب ادھر تو دور دور تک کوئی نہیں رہتا' پہلے یہ زمینیں آباد تھیں' یہاں کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں لیکن اب یہ کوٹھیاں کبھی کی ختم ہو چکی ہیں' نئی کوٹھیاں بن رہی ہیں مگر وہ اس طرف بن رہی ہیں۔"

"وہ جو عمارت نظر آ رہی ہے' اس کا کیا نمبر ہے۔" میں نے دور نظر آنے والی ایک عمارت کو اشارہ کر کے پوچھا اور پھر خود ہی چونک پڑا۔ یہاں سے اس عمارت کی دیوار پر 718 لکھا نظر آ رہا تھا' غالباً کسی نے کالے رنگ سے بہت بڑا بڑا 718 نمبر لکھ دیا تھا' میں نے

مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"چلو میری مشکل حل ہو گئی۔"

"ایں.....!" وہ تعجب سے بولا۔

"ہاں! میری مشکل حل ہو گئی' اس عمارت پر 718 نمبر لکھا نظر آ رہا ہے۔"

"وہ جو سامنے نظر آ رہی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں....."

"صاحب جی دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا' وہاں تو برسوں سے کوئی نہیں رہتا۔"

"تمہیں کیسے معلوم....."

"لو جی! اس پار کے رہنے والے ہیں ہم' دریا پار مگر ہم تمہیں کیا بتائیں کوئی بارہ پندرہ سال سے تو ہم ادھر سے گزرتے ہیں' کبھی کوئی چڑیا کا بچہ بھی نظر نہیں آتا۔"

"تم نے صرف چڑیا کے بچے تلاش کئے ہوں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی کی بات کی تردید کرے لیکن 718 مجھے مل گیا تھا' لفافے پر یہی نمبر لکھا ہوا تھا' علاقہ ویسے عجیب و غریب تھا' دور دور تک گلی' سڑک یا بازار نظر نہیں آتا تھا' مین روڈ سے کافی دور ہٹ کر جگہ تھی' چلو کچھ بھی ہے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے' میں اس عمارت کے قریب پہنچ گیا' دیواروں پر بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے تھے جبکہ گیٹ ٹوٹا پڑا ہوا تھا' اندر عمارت کے دروازے ٹوٹے گیٹ سے نظر آ رہے تھے' بات کچھ عجیب و غریب سی تھی۔ بہرحال مجھے خاصی پریشانی محسوس ہو رہی تھی' اس عمارت کی یہ شکل دیکھ کر امیدوں پر اوس پڑتی نظر آ رہی تھی' ہو سکتا ہے کسی نے مذاق کیا ہو' یہ تو کوئی اچھی بات نہیں تھی لیکن ابھی سے مایوس ہونا مناسب نہیں' میں آگے بڑھا اور میں نے عمارت کے دروازے پر کوئی کال بیل وغیرہ تلاش کی غالباً جس زمانے میں یہ عمارت بنی تھی' اس زمانے میں دروازے پر گھنٹیاں لگانے کا رواج ہی نہیں ہو گا لیکن اوپر سے جھانکتی ہوئی ایک بیل کے سوکھے پتوں کے نیچے سے مجھے ایک پتھر کی پلیٹ نظر آئی جس پر کالے رنگ کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں رضا شیخ کا نام نظر آ رہا تھا یہی نام لفافے پر لکھا ہوا تھا' میں نے ایک گہری سانس لی کہ بے وقوف بھینسوں والا مجھ سے مذاق ہی کر کے گیا ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ اندر جا کر کوشش کرنی چاہئے چنانچہ میں چند قدم آگے بڑھ گیا' ویسے عمارت میں رہنے والوں کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی جا سکتی تھی' کچھ دقیانوسی قسم کے لوگ تھے' ہو سکتا ہے غربت کے مارے ہوئے بھی ہوں' عمارت بالکل بوسیدہ تھی لیکن تعجب کی بات ہے کہ ان غربت کے ماروں

نے مجھے ملازمت کے لئے طلب کیا تھا۔ بہرحال میں آگے بڑھ کر اس دروازے کے قریب پہنچ گیا جو اندر سے بند تھا' میں نے دروازے پر دستک دی اور مٹی کی موٹی تہہ نیچے کھسکنے لگی' دوسری دستک پر مجھے اندر سے آہٹیں سنائی دیں پھر انتہائی تیز چڑ چڑ..... چڑ چڑ چوں چوں کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا اور جو شخص مجھے سب سے پہلے نظر آیا' اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل کو ایک خوف کا سا احساس ہوا' ضرورت سے زیادہ لمبا قد تھا ضرورت سے زیادہ دبلا تھا' چہرے کی جھریاں اس طرح لٹکی ہوئی تھیں جیسے بل ڈاگ کے دونوں سائیڈ ٹھوڑیوں سے کھال لٹک جاتی ہے۔ آنکھیں کھنچی کھنچی سی تھیں اور ناک ٹیڑھی ..... چوڑی بدنما ٹھوڑی جس پر گھاس کی مانند بال اُگے ہوئے تھے' موٹے موٹے ہونٹ..... اس شخص کا چہرہ بڑا لرزا دینے والا تھا پھر اس کی آواز ابھری اور انتہائی بدتمیزی سے اس نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا ہے؟"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا' اپنے ذہن پر قابو رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے' ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات ہو ہی جائے میں نے کہا۔ "میں رضا شیخ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں.....؟" لہجے کی کرختگی پہلے کی مانند ہی تھی۔

"انہوں نے مجھے نوکری کے لئے بلایا ہے' یہ دیکھو ان کا لفافہ میرے پاس ہے۔" میں نے جیب سے لفافہ نکال کر اس کے سامنے کر دیا' اس نے لفافے پر نگاہ بھی نہیں ڈالی تھی اور اسی طرح اپنا منحوس چہرہ لئے پیچھے ہٹ گیا تھا' پتہ نہیں کیا چیز ہے یہ شخص..... لیکن بہرحال آخری وقت تک ہمت نہیں ہارنی چاہئے' میں آگے نہیں بڑھا کیونکہ دروازہ اس نے اندر سے بند کر دیا تھا' میں رک کر اس کا انتظار کرنے لگا تو اس نے کہا۔

"منہ اٹھائے کیوں کھڑے ہو' سیدھے چلے جاؤ' شیخ صاحب آخری کمرے میں ہوں گے۔"

"جی جی..... بہت بہت شکریہ۔" میں آگے بڑھ گیا۔ عمارت کے اندر راہداری میں چلتے ہوئے مجھے بہت سی بکھری ہوئی اینٹوں کا سامنا کرنا پڑا' وہ کمرہ جسے اس نے آخری کمرہ کہا تھا' راہداری کے آخری سرے پر ہی تھا' اس کا دروازہ بھی بند تھا اور سامنے سے خاصا بہتر نظر آ رہا تھا' دھڑکتے دل کے ساتھ میں دروازے کے قریب پہنچا اور پھر میں نے دروازے پر ہلکا سا دھکا دیا' دروازہ اندر کو دب گیا تھا لیکن میں نے وہیں رک کر کہا۔

"یہاں کوئی ہے' کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

"آیئے آیئے....." اندر سے ایک نرم آواز ابھری اور میری ہمت بڑھ گئی

چنانچہ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا دروازے سے اندر داخل ہو گیا' اندر کا ماحول باہر کے ماحول سے بالکل مختلف تھا' صاف ستھرا کشادہ کمرہ' فرش پر قالین بچھا ہوا' اچھی خاصی روشنی' دیواروں پر تصویریں آویزاں' ایک طرف کچھ آرام کرسیاں..... انہی آرام کرسیوں میں سے ایک آرام کرسی پر ایک بھاری بدن کا آدمی بیٹھا ہوا تھا' سفید شلوار قمیض' آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا' اس نے میرا جائزہ لیا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ شازل ہیں۔"

"جی.....!" میں نے جواب دیا۔

"اسے میری جادوگری نہ سمجھیں بلکہ آپ کی درخواست کے جواب میں' میں نے آپ کو خط بھیجا تھا اور آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس جگہ کی طرف کم لوگ ہی متوجہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ عام آبادی سے الگ تھلگ ہے' میرے اشتہار کے جواب میں آپ واحد شخص ہیں جس نے مجھے درخواست بھیجی تھی۔"

"لیکن جناب آپ نے تو اشتہار میں پوسٹ بکس لکھا تھا۔"

"ہاں! میں یہ الفاظ کہہ کر اصل میں آپ کی فراست اور ذہانت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا مسٹر شازل..... آپ نے فوراً ہی میری بات کے جواب میں مجھ سے ایک عمدہ سوال کیا' اصل میں ذہانت بالکل الگ چیز ہوتی ہے' خیر چھوڑیئے ان باتوں کو' اب آپ ہی بتایئے کہ کیا آپ اس ویران اور اجاڑ جگہ نوکری کر سکتے ہیں؟"

"نوکری کی نوعیت اور تنخواہ کا علم ہو تو میں آپ سے عرض کروں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے لیکن پہلے تو ایک خوشخبری سنئے' نوکری یہاں نہیں کرنی ہو گی آپ کو بلکہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک اور آبادی میں جانا ہو گا یوں سمجھئے کہ لاہور کی نواحی آبادی ہی کہی جا سکتی ہے' ہر چند کہ شہر کا نام ذرا مختلف ہے۔"

"میں نے کہا نا پہلے دوسرے معاملات طے ہو جائیں اس کے بعد میں آپ کو بتا دوں گا۔"

"بہت خوب..... ویسے میرا خیال ہے کہ آپ وہاں بہت خوش رہیں گے' کوئی خاص کام بھی نہیں کرنا ہو گا' میرے ایک بہت ہی قریبی عزیز ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کا نام شیخ حیات ہے' آپ کو ان کے خاندان میں شامل ہو کر رہنا ہو گا' اب براہِ کرم یہ نہ پوچھیں کہ شیخ حیات سے میرا کیا تعلق ہے اور انہوں نے براہِ راست اس ملازمت کے لئے اپنا نام و پتہ استعمال کرنے کی بجائے مجھ سے رابطہ کیوں قائم کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں کچھ نہیں پوچھوں گا' آپ مجھے یہ بتایئے کہ معاوضہ کیا ملے گا؟"

"آٹھ ہزار روپے ماہوار' کھانا پینا' رہائش اور اگر کوئی اتفاقی اخراجات نکل آئیں تو وہ بھی۔" میں ایک لمحے تک سوچ میں پڑ گیا' اتنی مناسب تنخواہ اور اتنی شاندار آفر..... پتہ نہیں کیا قصہ ہو' کیا واقعہ پیش آئے میرے ساتھ' کہیں کوئی فراڈ نہ ہو لیکن سامنے جو شخص بیٹھا ہوا تھا' خاصی شاندار شخصیت کا مالک تھا' عمر کے لحاظ سے بھی اور دیکھنے میں بھی اس کے انداز میں کہیں کوئی فریب کاری نظر نہیں آتی تھی بہرحال مجھے فیصلہ کرنا تھا' کچھ لمحے خاموشی رہی پھر میں نے کہا۔

"اگر میں آپ کو اس سلسلے میں کل جواب دوں تو....." وہ شخص سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن کل دو ہی صورتیں بہتر رہیں گی یا تو تم یہاں آ کر مجھ سے یہ کہہ دو کہ تمہیں یہ ملازمت منظور نہیں یا پھر تیاریاں کر کے آ جاؤ اور یہاں سے سیدھے روانہ ہو جاؤ بلکہ ایسا کرو اگر تمہیں یہ نوکری منظور نہ ہو تو خاموشی اختیار کر لینا تکلیف نہ کرنا ورنہ میں کل بارہ بجے تک تمہارا انتظار کروں گا۔"

"یہ زیادہ مناسب ہے۔" بہرحال دل میں بہت سے خیالات لئے ہوئے میں واپس آیا اور پھر ماجد چچا اور ساجد کو تمام صورتِ حال بتائی' دونوں سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ ساجد نے چند لمحات کے بعد کہا۔

"میری رائے ہے کہ اس چکر میں نہ پڑو' اگر یہاں لاہور میں کوئی ڈھنگ کی نوکری ہو تو کر لینا ورنہ اب تو میری ملازمت بھی لگ گئی ہے' تمہاری بھی کہیں نہ کہیں لگ ہی جائے گی۔"

میں نے ماجد چچا سے کہا۔ "ماجد چچا! میں جن حالات سے گزرا ہوں' اب وہ سب آپ کے علم میں ہیں' میں چاہتا ہوں کہ خود بھی باعمل ہو جاؤں' کچھ دن نوکری کر کے دیکھ لیتا ہوں' اگر کوئی الجھن یا دقت پیش آئی تو چھوڑ دوں گا' بھلا چھوڑنا کیا مشکل ہے۔"

"بھئی میں اس سلسلے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا جس کا فیصلہ تم کر رہے ہو۔"

بعد میں ساجد کو سمجھا لیا گیا تھا۔ ساجد بھی میری مشکل جانتا تھا' اسے علم تھا کہ میرا سینہ داغدار ہے' بھلا ایک چھوٹی سے ملازمت میرے لئے کیا حیثیت رکھتی تھی' میرے اپنے گھر میں مجھ سے کہیں زیادہ تنخواہ دار ملازم تھے' میں نے ساجد کو یہ سمجھایا بھی تھا کہ ساجد مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے' جس شخص کے تم جیسے دوست ہوں' اسے کوئی مشکل نہیں ہوتی لیکن مجھے بے غیرت نہ ہونے دو' تمہارا گھر ہے' بہت سے دوسرے افراد ہیں' میرا تو کچھ بھی نہیں ہے تمہارے سوا..... میرا کیا ہے بس دل لگانے کا بہانہ مل جائے گا' اگر

اسی طرح بیکار پھرتا رہا تو ذہن اور دل منتشر رہیں گے' کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ مختصر یہ کہ ان لوگوں کو سمجھانے بجھانے کے بعد میں نے تمام مراحل طے کئے۔ رضا شیخ نے مجھے ساری تفصیلات بتائیں اور میں وہاں سے روانہ ہو گیا' بسوں کا جال بچھا ہوا تھا اور مجھے لاہور سے کوئی 80 کلومیٹر دور ایک آبادی میں پہنچنا تھا' یہ آبادی قدیم تھی اور اس کے بارے میں مجھے کچھ معلومات حاصل تھیں' وہاں پہنچنے کے بعد تانگے میں بیٹھ کر چل پڑا اور آخر کار اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ حویلی موجود تھی جس کا پتہ بتایا گیا تھا' ایک چوڑی پتھریلی پگڈنڈی' دونوں طرف خوبصورت کھیت پھیلے ہوئے تھے' کھیتوں کے کنارے کنارے نالے بنے ہوئے تھے جن میں پانی رواں دواں تھا' یہیں سے راستہ حویلی تک جاتا تھا لیکن اس حویلی کو دیکھ کر بھی میرے ذہن پر برا تاثر پڑا تھا' یہ بھی اسی طرح بوسیدہ' بدرونق اور بھیانک نظر آتی تھی' ٹوٹا ہوا گیٹ' پکی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی' صحن میں پیپل کا درخت جس کے پیلے سوکھے پتے دور دور تک اڑتے پھر رہے تھے' عمارت بالکل بے رونق تھی لیکن پھر دوسرا ذہنی جھٹکا برداشت کرنا پڑا' وہی بدشکل اور بدنما شخص نمودار ہوا تھا جو مجھے رضا شیخ کی ٹوٹی حویلی پر ملا تھا' اسی انداز میں میری طرف آ رہا تھا' حیرت کا شدید جھٹکا میرے ذہن کو لگا تھا' یہ یہاں کہاں سے آ مرا..... میں نے اسے دیکھا' اس کے منحوس چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا' آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں' پھر وہی پھٹی پھٹی آواز ابھری۔

"کیا ہے.....؟"

میں نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا' نہ جانے کیوں دل میں نفرت کا یہ تاثر ابھر آیا تھا' پھر میں نے اس سے کہا۔ "تم یہاں کہاں سے آ مرے؟" اس کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر نہیں پیدا ہوا' خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا اور بولا۔ "کس سے ملنا ہے؟"

"شیخ حیات سے....."

"یہ حصہ پیچھے کا ہے' گھوم کر دوسری سمت چلے جاؤ' یہ پرانی حویلی ہے' شیخ صاحب نئی حویلی میں ملیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بدبخت تیری صورت پر لعنت ہے' اگر مجھے یہیں شیخ صاحب سے ملنا ہوتا تو میں صرف تیری وجہ سے اس نوکری پر لعنت بھیج دیتا۔ بہرحال وہاں سے واپس پلٹا اور پھر اس کھنڈر نما حویلی کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا آخری حصے کی طرف پہنچ گیا' زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑا تھا' ادھر آ کر طبیعت کو کچھ سکون سا ہوا' یہ جگہ کم از کم اس طرح بدنما نہیں تھی' گیٹ خالی پڑا ہوا تھا' میں ہمت کر کے اس کی کھلی کھڑکی سے اندر داخل ہو گیا' باہر سے اچھی نظر آنے والی یہ عمارت اندر سے بہت خوبصورت تھی' بالکل صاف ستھری اور شاندار ..... گھاس اور پھولوں پر

نہایت نفاست سے محنت کی گئی تھی' پتھروں سے بنی ہوئی ایک چوڑی روش گیٹ تک گئی تھی اور اس کے دونوں طرف خوبصورت پھولوں کے جھاڑ پھیلے ہوئے تھے۔ پھر میں صدر گیٹ تک پہنچا ہی تھا کہ اچانک کوئی نکل کر میرے سامنے آگیا اور اس نے حلق سے آواز نکال کر مجھے ڈرانے کی کوشش کی' میں نے چونک کر اسے دیکھا اور میری آنکھوں میں روشنی پھیل گئی۔ دودھ جیسا سفید چہرہ' لمبے لمبے بال' جینز پہنے ہوئے' بدن پر خوبصورت چار خانے کی قمیض' سنہرے بالوں والی یہ لڑکی بہت دلکش تھی' وہ بے اختیار ہنس رہی تھی اور اس کے رخساروں میں گڑھے پڑے ہوئے تھے جو اس کی دلکشی میں اور اضافہ کر دیتے تھے۔ چہرہ سرخ۔ میں نے اس حسین چہرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پذیرائی کے انداز میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

"آپ نے ڈرا دیا تھا مجھے۔"

"ڈر گئے نا' مزہ آیا مزہ....."

"چلئے آپ کو خوشی ہوئی' میں بھی اس میں خوش ہوں اور اب آپ مجھے بتائیے کہ شیخ حیات صاحب سے کیسے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"پہلے مجھ سے تو مل لیجئے' میں شیخ نوشین ہوں۔" اس نے کہا۔

"شیخ نوشین....." میں نے کسی قدر تعجب سے کہا تو وہ پھر ہنس پڑی' بہت زیادہ ہنسنے کی عادی معلوم ہوتی تھی پھر اس نے کہا۔ "اور آپ جناب شازل صاحب ہیں۔"

"ارے آپ کو کیسے معلوم ہوا' اس بارے میں؟"

"دیکھ لیجئے جناب! ہم سب بہت ذہین ہیں' آپ کو یہاں بہت سارے ذہین لوگوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"خیر..... ذہین لوگوں کے ساتھ رہ کر سنا ہے خود بھی انسان ذہین ہو جاتا ہے' آپ کا کیا خیال ہے؟"

"پتہ نہیں' ویسے آپ خوب ڈرے' مجھے تو بہت مزہ آیا۔"

"تو آپ شیخ نوشین صاحبہ' صاحبہ کہوں یا صاحب.....؟"

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے' آیئے۔"

وہ بولی اور میں اس کے ساتھ چل پڑا' بڑی عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا' لڑکی اچھی خاصی جوان تھی' اس کے وجود میں نسوانیت کی وہ تمام دلکشی موجود تھی' جو دلوں کی دھڑکن بن جاتی ہے لیکن اس کی معصومیت اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ اسے شاید خود بھی اپنی عمر کا اندازہ نہیں ہے' پاگلوں کی طرح بات بات پر ہنسنے لگتی تھی' میں اس کے

ساتھ داخل ہوا' ایک راہداری سے گزر کر وہ ایک کمرے کے سامنے پہنچ گئی' اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھتے ہوئے کسی سے بولی۔

"لیجئے جناب اپنے مہمان کو وصول کیجئے' انہیں شیخ حیات سے ملنا ہے۔" میری نگاہ سامنے اٹھی لیکن اب یہ شدید ذہنی جھٹکے میرا مقدر بن گئے تھے' جو کچھ میں نے سامنے دیکھا' وہ ناقابلِ یقین تھا' ایک لمحے کے لئے ذہن کو چکرا دینے والا..... جو شخص میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا' یہ شیخ حیات نہیں بلکہ رضا شیخ ہی تھا' وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"ہیلو! جوان آدمی' آؤ اندر آ جاؤ۔" میں آہستہ قدموں سے اس کے قریب پہنچ گیا' اس نے بدستور مسکراتی نگاہوں سے مجھے اور اس لڑکی کو دیکھا اور بولا۔ "اگر نوشین نے تمہیں تنگ نہیں کیا تو تم سمجھو کہ تم دنیا کے خوش نصیب ترین انسان ہو۔"

"اور اگر نوشین کسی کو تنگ نہ کرے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ نوشین ہی نہیں ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔

"گویا تم اپنا کام دکھا چکی ہو۔"

"آپ اپنا کام دکھائیں گے' مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔"

"بالکل نہیں' تمہاری موجودگی میں کوئی کام کی بات ہو ہی نہیں سکتی۔"

"بس تو ٹھیک ہے آپ نے اس سے پہلے زندگی میں کون سی کام کی بات کی ہے۔" لڑکی شاید اپنے باپ سے بہت زیادہ بے تکلف معلوم ہوتی تھی' وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور بولی۔ "آپ سمجھ لیجئے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے' آیئے شازل! براہِ کرم بیٹھئے آپ کو یقینی طور پر اس بات پر حیرت ہو رہی ہو گی کہ میں رضا شیخ کا ہم شکل ہوں۔"

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں جناب کہ آپ شیخ صاحب کے ہم شکل ہیں یا خود رضا شیخ ہیں۔"

"بہت سے لوگ جو ہم دونوں جڑواں بھائیوں کو نہیں جانتے' یہی سوچتے اور کہتے ہیں لیکن میرا خیال ہے اس کے بعد آپ کو یہ بات سوچ لینی چاہئے کیونکہ میں کہہ رہا ہوں اور یہ کوئی موضوع نہیں ہے' آپ کے خیال میں اگر میں رضا شیخ بھی ہوں تو یہ کوئی ایسی بھیانک بات تو نہیں۔"

"جی....." میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اصل میں رضا نے مجھے ساری باتیں بتا دی ہیں' آپ کے بارے میں شازل

..... سارے معاملات بھی طے ہو گئے ہیں' اگر کوئی ایسی مشکل نہیں ہے تو بس آپ آج سے یہاں کام کیجئے' جو مسائل ہمیں درپیش ہیں' آپ کو سمجھا دیئے جائیں گے' کسی الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔"

"جی بہت بہتر....."

"آپ کو یہاں رہنے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"نہیں مجھے بتا دیا گیا ہے۔"

"مجھے اعتراض ہے ڈیڈی....."

"جی فرمایئے۔" شیخ حیات نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں یہ کس مزاج کے انسان ہیں' ابھی تک تو کھل کر مسکرائے بھی نہیں ہیں' جو شخص مسکراتا بھی نہ ہو' آپ بتایئے میں اس کے ساتھ کیسے رہ سکوں گی۔"

"تو تم انہیں مسکرانا سکھا دینا' اس سلسلے میں تم سے اچھا استاد اور کون ہو سکتا ہے۔"

"ہاں! کوشش کروں گی' ویسے آدمی خوش شکل ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ جو شخص اچھی شکل و صورت کا مالک ہوتا ہے' وہ اچھی طبیعت کا مالک بھی ہوتا ہے کیونکہ اس کی اندرونی کیفیات ہی اس کے چہرے پر جھلکتی ہیں۔" میں نے ایک نگاہ لڑکی کو دیکھا' بات بڑی سمجھداری کی تھی اس نے لیکن یہ کوئی ایسی اہم بات بھی نہیں تھی' بہت سی شوخیاں عمر کا تقاضہ ہوتی ہیں اور اس کی عمر شوخیوں کی عمر ہی تھی۔ پھر شیخ حیات نے کہا۔ "تو بس پھر یہ سمجھ لو کہ باقی ذمہ داریاں تمہاری ہیں۔"

"آیئے جناب میں اپنی ذمہ داریاں پوری کروں۔" وہ اٹھی اور میرے ساتھ باہر نکل آئی' میں نے اپنا چھوٹا سا اٹیچی اٹھا لیا تھا' وہ ایک شوخ' شریر لڑکی تھی اور شاید اس سے زیادہ کچھ نہیں' میں آگے بڑھ گیا' پوری حویلی انتہائی خوبصورت تھی' میرے لئے جس کمرے کا بندوبست کیا گیا تھا' وہ بھی قیمتی فرنیچر سے سجا ہوا تھا بہرحال یہ ساری چیزیں میرے لئے اجنبی نہیں تھیں' میں خود بھی ایک ایسی جگہ کا باشندہ تھا جہاں اس سے کہیں زیادہ قیمتی اشیاء موجود تھیں' لڑکی مجھے کمرے کی تمام تفصیلات بتانے لگی تھی۔ وہ بولی۔

"اصل میں بات یہ ہے کہ ہمیں نہ تو کسی ہاؤس کیپر کی ضرورت ہے نہ گھر میں کسی ملازم کی' بس وہ کم بخت بطخ کا بچہ یہاں کافی ہے' آپ یہ سمجھ لیجئے مسٹر شازل کہ وہ ایک کمپیوٹر ہے' سارے کام خود بخود کر لیتا ہے مگر میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا تھا کہ مجھے کمپیوٹر نہیں کسی انسان کی ضرورت ہے' آپ سمجھ رہے ہیں نا..... میں تنہائی سے گھبراتی ہوں اس

لئے انہوں نے آپ کو صرف میرے لئے ملازم رکھا ہے' جب تک انہیں آپ سے کوئی کام نہیں ہو گا' آپ میرے ساتھ رہیں گے' یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ آپ کو پریشان نہیں کروں گی البتہ ہم لوگ مختلف قسم کے کھیل کھیلیں گے' آپ کو رنگین تتلیوں سے کوئی دلچسپی ہے؟"

"تتلیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔"

"مجھے تتلیاں پکڑنے کا شوق ہے۔"

"تتلیاں پکڑنے سے مرجاتی ہیں۔"

"تو مرجائیں' آخر وہ اتنی خوبصورت کیوں ہوتی ہیں۔"

"پھر بھی اتنی حسین چیزوں کو ختم کر دینا اچھی بات تو نہیں۔" میں نے کہا تو نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک اداسی سی آ گئی' وہ تیزی سے واپس مڑی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ایک بار پھر میں سر کھجا کر رہ گیا تھا۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو ذہن کو پریشان کر رہی تھیں' فرض کیا کہ رضا شیخ' شیخ حیات کا بھائی تھا' دونوں جڑواں تھے مگر وہ منحوس صورت ملازم..... وہ کیا چیز تھا' کیا وہ بھی جڑواں تھا' پتہ نہیں کیوں اس کے اندر کوئی ایسی بات تھی جس سے نفرت کا احساس ہوتا تھا لیکن میں نے دل میں سوچا کہ اب جب میں اپنے آپ کو تبدیل کر رہا ہوں اور ایک بالکل ہی نئی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو پھر ان تمام باتوں پر غور کرنا بے معنی ہے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور پھر ایک آرام کرسی پر دراز ہو کر اس پُراسرار حویلی کے خوبصورت ماحول پر غور کرنے لگا' اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے' اس سنسان ماحول میں ایک دلکشی تھی' ایک سکون تھا' ابھی تک میں نے یہاں کل تین افراد کو دیکھا تھا یعنی ایک وہ نحوست جس کا نام پتا نہیں کیا تھا' اس کے علاوہ شیخ حیات اور ان دونوں چیزوں کے جواب میں وہ حسین لڑکی جو اپنے آپ کو شیخ نوشین کہتی تھی' کس قدر معصوم اور نفیس طبیعت کی مالک تھی لیکن وہ جو کچھ کہہ رہی ہے' کیا وہ بھی درست تھا کہ در حقیقت مجھے اس کا دل بہلانے کے لئے ملازم رکھا گیا تھا لیکن یہ بات بھی قابلِ غور تھی کہ شیخ حیات نے ایک نوجوان لڑکے کو اپنی بیٹی کی دلجوئی کے لئے کیوں ملازم رکھا۔ بہرحال ان تمام باتوں پر صرف غور کیا جا سکتا تھا' ان کا جواب حاصل کرنا ایک مشکل کام تھا پھر ایک چوتھی شخصیت میرے علم میں آئی۔ شام ہو چکی تھی اور وہ میرے لئے چائے لے کر آئی تھی' یہ ایک نوجوان ملازمہ تھی' اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس میں چائے کے برتنوں کے ساتھ ڈرائی

فروٹس کی پلیٹ بھی تھی۔ وہ چائے رکھ کر باہر چلی گئی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن بہت سی باتوں پر غور کرنا تھا۔ تقریباً چھ بجے شام کا وقت تھا کہ نوشین میرے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"یہ کیا بات ہوئی ذرا باہر کا موسم دیکھئے کیسا خوبصورت ماحول ہے' آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور تتلیوں نے پھولوں پر کرکٹ کھیلنا شروع کر دیا ہے' آیئے پلیز....." میں خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا' وہ مجھے کوٹھی کے مغربی حصے میں لے گئی لیکن اب کچھ اور تبدیلی وغیرہ ہوئی تھی' چند اور نئے چہرے نظر آ رہے تھے' ایسا لگتا تھا جیسے یہ سب کے سب زمین سے اُگ رہے ہوں' وہ خاموشی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے جس کی وجہ سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ یہاں ملازم ہیں' باہر واقعی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے' ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور پھولوں پر تتلیاں گردش کرتی پھر رہی تھیں' وہ تتلیوں کے پیچھے دوڑنے لگی اور مجھے ایک بڑے سائز کی تتلی محسوس ہوئی لیکن ایک اور بات بھی میں نے محسوس کی تھی کہ وہ صرف تتلیوں پر لپکتی ہے' انہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ قریب ہاتھ لے جا کر انہیں اڑا دیتی ہے اور اگر کوئی تتلی نہیں اڑتی تو پھولوں کی ڈالی ہلا کر اسے اڑا دیتی ہے' میں نے اس کی اس بات کو محسوس کر لیا' بہت دیر تک وہ اپنی انہی حرکتوں میں مصروف رہی اور اس کے بعد میری طرف دیکھ کر بولی۔

"آپ یقین کریں شازل بہت عرصے کے بعد مجھے لطف آ رہا ہے' اچھا اب آپ آرام کیجئے' خوب تھک گئے ہوں گے' اب کل ملاقات ہو گی' آیئے میں آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچا دوں۔"

"نہیں آپ جانا چاہیں تو جایئے۔"

"مجھے تو نہیں جانا ہے جناب آیئے۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔

رات کو آٹھ بجے تقریباً کھانا آ گیا تھا' یہ کھانا بھی خاصا پُر تکلف تھا' میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ مجھے اپنے ساتھ کھانے یا چائے وغیرہ میں شریک نہیں کرتے۔ بہرحال یہی کافی تھا کہ وہ اب تک مجھ سے انتہائی نرم روی اور محبت کے ساتھ پیش آ رہے تھے' شیخ حیات سے تو خیر دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی لیکن لڑکی بار بار میرے سامنے آ رہی تھی۔ مجھے رات کو خاصی سوچ کا شکار ہونا پڑا' میں نے سوچا ملازم ہوں' ملازموں کے ہی انداز اختیار کروں گا اور اس کے بعد دوسرے دن سے میں سنبھل گیا' ایک طرح سے نوشین کا کہنا درست ہی ثابت ہوا تھا' ایسا ہی لگتا تھا جیسے مجھے صرف اس کے لئے بلایا گیا ہے' اس

دوران شیخ حیات سے ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی' وہ باہر نکلتے ہوئے بھی دیکھا نہیں جاتا تھا' نہ ہم لوگوں کے علاوہ باہر سے کوئی یہاں آتا تھا اور نہ ہی یہ لوگ کہیں باہر جاتے نظر آتے تھے۔ بس نوشین زیادہ سے زیادہ میرے پاس آ جاتی تھی' باقی سب لوگ جو کبھی کبھی نظر آتے' ملازم قسم کے لوگ تھے' وہ ملازمہ بھی آج تک مجھ سے مخاطب نہیں ہوئی' اس طرح مجھے کئی دن گزر گئے لیکن نہ جانے کیوں جب میں اپنے کمرے میں ہوتا تو مجھے ایسا احساس ہوتا کہ جیسے یہ پوری کوٹھی ویران پڑی ہو' اس دن بھی میں بہت دیر سے اپنے کمرے میں تھا' صبح جو ملازمہ مجھے ناشتہ دے کر گئی تھی' اس کے بعد سے اب تک میں کمرے سے نہ نکلا تھا' ایک عجیب سا سناٹا طاری تھا' جیسے سارے کے سارے لوگ کہیں چلے گئے ہوں حالانکہ اب تک ایسا ایک بار بھی نہیں ہوا تھا' تجسّس مجھے میرے کمرے سے باہر نکال لایا اور میں راہداری میں چل پڑا' ہر طرف ایک بھیانک سناٹا اور پُراسرار خاموشی..... ہر چیز جیسے نادیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی ہو' ایک ایک کمرے کا چکر لگاتا رہا' باہر نکل کر دور تک دیکھا لیکن کسی انسان کا وجود نہیں تھا پھر اندر عقبی حصے میں پہنچ کر میں نے اُدھر بھی دیکھا اور میرے دل پر ایک خوف سا طاری ہو گیا' کہاں چلے گئے یہ سارے کے سارے لوگ.....اچانک ہی چلے گئے ہیں پھر میں اپنے کمرے میں آ کر بند ہو گیا لیکن دوپہر کو مقررہ وقت پر ملازمہ میرے لئے کھانا لے کر آئی' قدموں کی چاپ سنتے ہی میں چونک پڑا' ملازمہ نے کھانا رکھا' میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے اسے کہا۔

"سنو....." وہ رکی اور رک کر مجھے دیکھنے لگی یہ لڑکی کبھی بات نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"تمام لوگ کہاں چلے گئے تھے۔" وہ پتھرائی ہوئی سی کھڑی رہی۔ میں نے اس سے کہا۔

"اگر تم گونگی ہو تو گردن ہلا کر مجھے جواب دو حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ تم گونگی نہیں ہو میں پوچھتا ہوں تمام لوگ کہاں چلے گئے؟" ملازمہ نے ایک نگاہ مجھے دیکھا' پلٹی اور وہاں سے باہر نکل گئی' مجھے اس پر شدید غصہ آیا تھا' یہ تو بے عزتی تھی' توہین تھی' اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا' بہرحال کھانا سامنے تھا' میں نے کھانا کھایا' کم از کم غصے میں کھانا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا' کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا' شام کو اپنے کمرے سے باہر نکلا تو سب سے پہلے مجھے نوشین ہی نظر آئی' میری جانب آ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"آپ نے اپنے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا شازل۔"

"بس نوشین..... ماضی میں بہت سی باتیں دکھ بھری ہوتی ہیں اور دکھ کی کہانیاں جس قدر محدود رہیں' اس کا فائدہ ہی ہوتا ہے۔"

"جی! آپ کی مرضی..... ویسے آپ یقین کیجئے کہ آپ کی ہر تکلیف اب ہمیں اپنی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔"

"آپ بے حد مہربان اور صاف دل لڑکی ہیں' میں آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔"

"صرف عزت....." اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں نے اس کی جانب دیکھا' اس نے نظریں جھکا لی تھیں پھر اس کے بعد اس نے کچھ بھی نہیں کہا' میں بھی خاموش ہو گیا تھا لیکن یہ رات بے سکونی کی رات تھی' میں ایسے کسی جال میں نہیں پھنس سکتا تھا' میری زندگی کا تو محور ہی کچھ اور تھا' مجھے تو کچھ اور ہی کرنا تھا بہرحال احتیاط رکھنا اچھی بات تھی۔ دو یا تین دن کے بعد ایک بار پھر میری تفصیلی ملاقات شیخ حیات سے ہوئی' وہ منحوس ملازم اس طرف کبھی نہیں آتا تھا اور میں کبھی پرانی حویلی کی جانب نہیں گیا تھا۔ شیخ حیات نے مجھے دیکھا اور بولے۔

"کیا حال ہیں' کیسی زندگی گزر رہی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں..... البتہ یہ احساس ضرور ہے کہ کہیں میری کوئی بات آپ کے لئے ناپسندیدگی کا باعث نہ بن جائے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' ویسے خود تم نے کچھ اندازے قائم کرنے کی کوشش کی؟"

"کیسے اندازے.....؟"

"یہ سوچا نہیں تم نے کہ تمہارے لئے یہاں کوئی کام نہیں ہے' یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکے ہو گے کہ تم سے کیا کام لیا جائے گا۔"

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے' میں سوچتا رہتا ہوں۔"

"اصل میں بس یوں سمجھ لو کہ میں نے نوشین کے لئے تمہیں اپنے ساتھ رکھا' تم نے اس پر غور کیا ہو گا' مکمل جسم رکھتی ہے لیکن نامکمل عقل کی مالک ہے' تم اسے خوش رکھنے کی کوشش کرو بس یہی تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"جی....." میں نے آہستہ سے کہا۔ یہ بات بھی میرے لئے بڑی پریشانی کا باعث تھی' شیخ صاحب کے الفاظ مجھے احساس دلا رہے تھے کہ نوشین کی سفارش کرنا ہے' رہی

معنی رکھتا ہے' بڑی مشکل میں پڑ گیا تھا۔

پھر ایک شام نوشین سے ملاقات نہیں ہوئی۔ عام طور سے سارا دن گزرنے کے بعد اگر مجھے نہ ملتی تو شام کو ضرور تلاش کرنے پہنچ جاتی تھی لیکن آج وہ نہیں آئی تھی۔ میں خود اس کی جانب چل پڑا لیکن وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی پھر میں نے اسے باغ کے عقبی گوشے میں دیکھا' وہ گھاس پر پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھی' میں اس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اس سے کہا۔

"مس نوشین....." اس نے کوئی جواب دیئے بغیر نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولی۔ "جی فرمائیے۔"

"آج آپ....."

"نہیں .....کوئی ایسی بات نہ کریں بس آپ یوں سمجھ لیجئے میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔" میں نے گردن جھکالی' وہ مجھے دیکھنے لگی پھر ایک دم کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"کیسے ہیں آپ..... کسی کو ناراض ہی نہیں ہونے دیتے' بہت برے ہیں آپ بہت برے....."

"مس نوشین بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں جن کیفیات کا شکار ہوں' ان سے کسی کو آشنا نہیں کرنا چاہتا۔"

"سنئے' میں آپ سے ایک بات کہوں' آپ جو کچھ بھی کریں' جو کچھ بھی کہیں' وہ آپ کی مرضی ہے لیکن آپ یوں کریں آپ رات گیارہ بجے یہیں باغ میں اسی جگہ آ جائیں' میں آپ سے اپنی زندگی کی سب سے اہم گفتگو کروں گی۔"

"جی....." میں نے آہستہ سے کہا۔ گیارہ بجے میں اس جگہ پہنچا تو میں نے نوشین کو اسی انداز میں دیکھا' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ یہاں سے گئی ہی نہ ہو۔ بہرحال اس وقت وہ بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی' اس کے سنہرے بال بکھرے ہوئے تھے' اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے کر دیئے اور میں اس کے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے ایک انتہائی خوبصورت خنجر کو دیکھ کر چونک پڑا' میں نے تعجب سے اسے دیکھا اور بولا۔ "یہ کیا ہے؟"

"ایک بات کا جواب دو۔"

"ہاں پوچھئے۔" میں نے کہا۔

"کیا تم مجھے اپنی زندگی میں شامل کر سکتے ہو' بتاؤ آج میں تمہیں ایک ایسے مرحلے پر لا کر کھڑا کرنا چاہتی ہوں جسے فیصلہ کن مرحلہ کہا جا سکتا ہے' بولو آج میں تم سے آپ

جناب کر کے گفتگو نہیں کر رہی' اس بے تکلفی کا ایک مقصد ہے' ایک مقصد ہے میں
بولو۔"

"پہلے آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیے مس نوشین۔"

"تو پھر سنو! یہ تقریباً سو سال پرانی بات ہے' ہو سکتا ہے اس سے بھی زیادہ کچھ وقت
ہو گیا ہو' اس وقت یہ علاقہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اور یہ گاؤں میرے ڈیڈی کی ملکیت تھا
ہم لوگوں نے گاؤں سے باہر ہی ایک خوبصورت حویلی بنوائی تھی' میں نے شہر میں زندگی
گزاری تھی حالانکہ اس وقت شہری زندگی بھی ایک انوکھی حیثیت کی حامل ہوتی تھی لیکن
پھر بھی ہر سال میں شہر سے چھٹیاں گزارنے کے لئے یہاں آتی تھی' ایک بار ہم لوگ یہاں
پہنچے تو اچانک ہی ایک ندی میں زبردست سیلاب آ گیا' اصل میں کوئی بند ٹوٹ گیا تھا
سیلاب اس قدر خوفناک تھا کہ پوری بستی زیر آب آ گئی۔ حالانکہ ہماری حویلی معمولی حویلی
نہیں تھی لیکن ہماری حویلی کے سب سے اونچے برج سے بھی پانی گزر گیا اور ہم اس پانی
میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے' ہاں ہم سب ..... رات کو سکون سے سوئے تھے لیکن دوسرا
سورج ہماری زندگی کا سورج نہیں تھا لیکن ہم جس طرح مرے تھے' اس کے بعد ہماری
روحیں سکون نہیں پا سکیں' ہم اسی حویلی میں بھٹکنے لگے اور اس کے بعد طویل عرصے تک
یہ علاقے غیر آباد رہے پھر انسانوں نے یہ بستی دوبارہ آباد کرنا شروع کر دی' مکانات ختم ہو
گئے تھے' کھنڈرات رہ گئے تھے' کچھ لوگوں نے انہی کھنڈرات پر اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا
یہ جگہ اب ایک بڑی حیثیت اختیار کر گئی ہے لیکن ہم لوگ اسی وقت سے اس عمارت
میں رہتے ہیں' باہر کی دنیا سے الگ تھلک ..... چونکہ اب زندہ لوگوں سے ہمارا کوئی
تعلق نہیں ہے' ہمیں زندگی سے کچھ لینا ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نہ کچھ کھاتے
ہیں' نہ پیتے ہیں' میں اسی عمر میں مری تھی' میرے دل میں لاکھوں آرزوئیں تھیں اور یہ
آرزوئیں موت کے بعد بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکیں' میرے ڈیڈی ہمیشہ میرے لئے
پریشان رہتے ہیں' بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کسی زندہ نوجوان کو
یہاں لے آئیں اور میں اس سے رابطہ بڑھاؤں اگر وہ مجھے پسند کرنے لگے تو میں اسے
مرنے کی دعوت دوں اور اگر وہ میرے لئے مرنے کو تیار ہو جائے تو اس کی موت کے بعد
میں اسے ہمیشہ کے لئے اپنا لوں آہ! شازل تم میری پسند ہو' تم میرے لئے مر جاؤ شازل' تم
میرے لئے مر جاؤ تاکہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی دیوار حائل نہ رہے۔" اس کی
آنکھوں میں ایک عجیب سا نشہ تیرنے لگا اور میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑ گئیں
میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا مذاق ہے' تم واقعی مجھے ڈرانے میں کامیاب ہو گئیں نوشین....."

"نہیں' غلط فہمی کا شکار نہ ہو شازل..... دیکھو مجھے چھو کر دیکھو' میں برف کی
طرح سرد ہوں' شازل تمہیں میری اس برفانی آغوش کو قبول کرنا ہو گا تم..... تم زندگی
سے دور ہو جاؤ۔" اس نے خنجر سیدھا کر لیا' میں اس وقت بھی اس کی اس بات کو مذاق
سمجھ رہا تھا لیکن اس نے خنجر کا بھرپور وار مجھ پر کیا' خوش قسمتی تھی کہ یہ وار کامیاب نہ
ہو سکا اور میرے سینے پر ہلکا سا نشان لگ گیا لیکن اس کے بعد کسی شبے کی گنجائش نہیں
تھی' میں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور وہاں سے دوڑنے لگا' میں برق رفتاری سے بھاگ
رہا تھا پھر جب میں حویلی کے سامنے کے حصے سے باہر نکلا تو اچانک وہ منحوس صورت ملازم
میرے سامنے آ گیا اور پھر ایک عجیب سے انداز میں وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھے پکڑنے کی
کوشش کرنے لگا' پیچھے سے نوشین کی آواز سنائی دی۔

"جانے نہ پائے جانے نہ پائے۔" لیکن میں نے ملازم کے سینے پر ٹکر ماری' یہ الگ
بات ہے کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے یہ ٹکر کسی انسانی جسم پر نہ ماری ہو' میں
اپنے ہی زور میں آگے بڑھتا چلا گیا پھر اس کے بعد جو میں نے حویلی کے پھاٹک سے نکل کر
دوڑ لگائی تو شاید آپ یقین کریں یا نہ کریں کہ میں اپنی رفتار بتا نہیں سکتا۔ جس حد تک
تیز دوڑ سکتا تھا' دوڑا اور جب ٹانگوں نے ساتھ چھوڑ دیا تو میں بیٹھ کر بری طرح ہانپنے لگا'
میری زبان تک باہر نکل آئی تھی' پورا جسم پسینہ اگل رہا تھا اور حواس اس طرح باختہ
ہوئے جا رہے تھے کہ بتا نہیں سکتا' لگتا تھا سینہ پھٹ جائے گا تاہم میں اپنے آپ کو
سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ کسی نے اچانک میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور میں خوف سے
اچھل پڑا' میں یہی سمجھا کہ ان میں سے کوئی آ گیا ہے لیکن جسے میں نے اپنے سامنے دیکھا'
وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک تھا' ہاں! واقعی وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک تھا۔

یہ شکل میری جانی پہچانی تھی اور اس سے بلاوجہ کا واسطہ ہو گیا تھا یعنی غلام سمبان
میرے سامنے اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ موجود تھا لیکن جس طرح میں اس سے
خوفزدہ ہوا تھا اب یہ خوف میرے دل سے بے اختیار نکل گیا۔ غلام سمبان سنجیدہ نگاہوں
سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بولا.....

"لیکن اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ تو صرف ایک نمونہ تھا۔ ان
مصیبتوں کا اور پریشانیوں کا جو تجھے مستقبل میں پیش آ سکتی ہیں۔ سن..... غور کر'
حالات کا جائزہ لے۔ یہ حالات تجھے تمام حقیقتیں سمجھا دیں گے۔ تجھے اندازہ نہیں ہے بے
وقوف' کہ جو شخص تجھے تھوڑا سا سبق دینا چاہتا ہے وہ کس حیثیت اور کن قوتوں

ہے۔ حالانکہ تجھے سمجھ لینا چاہئے تھا۔ میں نے تو تجھے بڑے واضح الفاظ میں سمجھایا تھا۔ مجھے حکم ملا ہے بے وقوف نوجوان کہ ذرا وضاحت کے ساتھ تجھ سے کہوں۔ تُو جانتا ہے کہ آتش و گل کی تخلیق میں کیا فرق ہے۔ تم مٹی سے پیدا ہونے والے اور ہم آتشی مخلوق..... فرق نمایاں ہے۔ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہمارا ہم پلہ ہونے کی کوشش کرو۔ وہ تو شکر ہے کہ میرا آقا نرم دل اور نرم طبیعت کا مالک ہے ورنہ تیرے اس جرم کی پاداش میں تیرا پورا خاندان ہلاکت میں پڑ جاتا۔ حالانکہ یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہوں گے لیکن ہم جانتے ہیں کہ تیرا اپنے خاندان سے شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ آقا کی جانب سے میں تجھے کچھ پیشکشیں کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک پیشکش یہ بھی ہے کہ تجھے تیرے خاندان پر فوقیت دلائی جائے۔ تیرے بھائیوں اور بھابیوں کو تیرے قدموں میں لا ڈالا جائے' وہ تیرے جوتے چاٹیں' تجھ سے اپنے لئے امان طلب کریں۔ زندگی کی بھیک مانگیں تجھ سے وہ اور تُو ان پر قادر ہو کہ چاہے تو تُو انہیں معاف کر دے اور نہ چاہے تو دربدر کر دے۔ تیرے انتقام کے جذبے کو تسکین ہو گی اور انہیں تیرا حق غصب کرنے کا صلہ ملے گا۔ یہی نہیں بلکہ تجھے ہر طرح کی مالی مدد بھی دی جائے گی۔ تُو عیش و عشرت کی وادیوں میں سیر کرے گا۔ اے بے وقوف' تجھے یہ اندازہ نہیں کہ ایک آتش زادی تیری ملکیت کبھی نہیں بن سکتی۔ اس سے ہم آتشی لوگوں کی دنیا میں بھونچال آ جائے گا اور اس کا خمیازہ تجھے بھگتنا پڑے گا کیونکہ آقا یہ بات کبھی پسند نہیں کرے گا۔ اسی لئے تجھے یہ اس موقع دیا جا رہا ہے۔ ناظم ارسلان کے راستے میں نہ آ۔ بول بات تیری سمجھ آئی کہ نہیں آئی!"

"میں مانتا ہوں کہ تم ٹھیک کہتے ہو سمبان..... لیکن مجھے ایک بات بتاؤ محبت دلوں میں پروان چڑھتی ہے۔ تم آتشی قوتوں کے مالک ہو۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ میرے دل سے شعاع کی محبت کھینچ کر باہر پھینک دو۔ میں خود تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں اور یہ نہ کر پاؤ تو اپنی شکست تسلیم کرلو۔ ویسے بھی مجھ سے زیادہ تمہیں شعاع پر اختیار ہونا چاہئے۔ اسے روکو' اس سے کہو کہ وہ مجھ سے نفرت کرے۔ اسے اس بات پر آمادہ کرلو۔ ایسا کیوں نہیں کرتے تم۔" سمبان بل کھانے لگا۔ پھر اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہمیں مشورہ دینے کی بجائے تُو اپنی بربادی کے سامان کیوں نہیں ٹالتا..... بے وقوف۔ کیا عجیب ہے ابھی تُو نے جن مُردہ لوگوں کے درمیان زندگی گزاری۔ ذرا ان سے سبق لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری روح بھی بھٹکتی پھرے۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ میں نے کہا۔

"غلام سمبان..... میری بات کا جواب دینے کی بجائے تُو نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ میں کہتا ہوں کہ اپنی قوتوں سے کام لے کر میرے دل سے شعاع کی محبت کھینچ نکال۔ میں نے تو اس وقت سے اسے چاہا ہے جب ہم دونوں معصوم تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے اور میں بھی نہیں جانتا تھا اور اس وقت تم نے اس جذبے کو پروان چڑھنے سے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

وہ بچپن تھا' معصومیت تھی لیکن اب دور بدلا ہوا ہے۔ اب یہ اجازت نہیں دی جاتی اور نہ ہی دی جا سکتی ہے۔"

"تو میں انکار کرتا ہوں' تیری اس پیشکش سے اور یہ ممکن نہیں ہو گا اور تُو یہ بھی جانتا ہے کہ میں تیری آقا زادی کے تصور کو بھی نہیں چُھو سکتا۔ اس کے وجود کی تو بات ہی الگ ہے اور اگر تم دلوں پر اختیار نہیں رکھتے تو تمہیں اپنے آتشی مخلوق ہونے پر ناز نہیں کرنا چاہئے۔ ہم سب اپنے معبود کی مخلوق ہیں۔ تم بھی اور میں بھی اور معبود دلوں میں رہتا ہے۔ جس دل میں اللہ رہتا ہو اس دل پر تمہارا بھی اختیار نہیں۔ تو اے بے وقوف' تُو مجھے بتا کہ جب اس دل میں شعاع کی محبت نے جنم لیا ہے تو تُو جانتا ہے کہ یہ محبت کس کی قربت میں ہے۔ اللہ کی قربت میں اور یہ بات بھی میرا اللہ جانتا ہے کہ میرے دل میں برائی یا طلب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اب اس تصور کو اگر تم چھین سکتے ہو تو چھین لو اور اگر نہیں چھین سکتے تو جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو کہ وہ اس سلسلے میں بے بسی سے ہاتھ ملنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکے گا۔ جاؤ کہہ دو اس سے کہ جتنا اختیار اسے اپنے آتشی مخلوق ہونے کی وجہ سے حاصل ہے وہ استعمال کرلے اور مجھے اس عمل سے روک دے۔"

غلام سمبان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "آہ! اے بے وقوف انسان! مجھے دکھ ہو گا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کو اذیت نہیں پہنچائی تُو پہلا انسان ہو گا جسے میں اذیت دوں گا۔"

"اور تمہیں ایک دلچسپ تجربہ ہو گا۔ میں عام انسانوں کی بات نہیں کرتا۔ اپنی بات کر رہا ہوں جتنی میرے وجود کو اذیتیں پہنچیں گی۔ اتنا ہی میرے دل میں شعاع کی محبت بھڑکنے لگے گی اور بھڑکتی رہے گی۔ جاؤ یہ تماشا بھی کر کے دیکھ لو۔ تمہیں لطف آ جائے گا۔"

غلام سمبان کے چہرے پر بے بسی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے دل میں تو اس کے لئے خوف ہے اور نہ میں اس کی ان دھمکیوں سے متاثر ہو رہا ہوں۔ اس نے کہا۔

"کاش میں تمہیں سمجھا سکتا۔ سن زندگی اتنی معمولی چیز تو نہیں ہوتی کہ اسے اس طرح ضائع کر دیا جائے۔ ایک بار غور کر لے ایک بار پھر سمجھ لے۔ ذرا سوچ' یہ تو دیکھ کہ تُو جس سے محبت کرتا ہے وہ تیری اس محبت کی وجہ سے اپنے ماں باپ سے دور ہو گئی ہے۔ اس کا باپ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس کی ماں کو اجازت نہیں ہے کہ اس سے محبت کی کوئی بات کرے۔ اس کے نقوش بگاڑ دیئے گئے ہیں کہ وہ تجھ سے الفت کا اظہار نہ کرے۔ اسے اذیت پہنچی ہے تیری وجہ سے۔"

"اور مجھے اذیت پہنچ رہی ہے اس کی اس کیفیت سے۔ ہم دونوں اذیت زدہ ہیں اور تم ظالموں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تمہارے کہنے سے اس سے نفرت کا اظہار کر کے اس کا دل کبھی نہیں توڑوں گا۔ چاہے مجھے کتنے ہی سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑے۔"

"بدنصیب ہے تُو بدنصیب ہے۔" اچانک ہی غلام سمبان نے کہا اور اس کے بعد دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے۔ بالکل ایسے محسوس ہوا جیسے پورا آسمان روشن ہو گیا ہو۔ یہ بجلی کی چمک جیسی چیز تھی۔ اس کے ساتھ ہی بادلوں کی گرج بھی سنائی دی تھی اور غلام سمبان نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا آسمان کی جانب دیکھتا رہا۔ میرے چاروں طرف ویرانی اور سناٹے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایک عجیب سا ہولناک سناٹا لیکن ماحول بھی بڑا اجنبی اجنبی سا تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ میں کہاں ہوں۔ جس آبادی میں میرے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا تھا وہ تو خیر اتنی تو ناآشنا نہیں تھی لیکن اب جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔ چاروں طرف پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے اور ہر طرف ویرانی کا ماحول تھا۔ اس کے آسمان پر گہرے سیاہ بادلوں نے اس ماحول کو اور خوفناک بنا دیا تھا۔ بادلوں کے غول کے غول گھرے چلے آ رہے تھے اور اس ناہموار میدان میں خودرو درخت بادلوں کی تاریکیوں میں چھپتے چلے جا رہے تھے۔ ماحول اس قدر دہشت انگیز ہو رہا تھا کہ ذہنی توازن بھی برقرار نہ رہ پائے لیکن میں اس ماحول سے بہت زیادہ متاثر نہیں ہوا۔ البتہ میں نے اس خیال سے چونک کر دیکھا کہ سیاہ بادلوں نے اگر برسنا شروع کر دیا تو میں کہاں جاؤں گا۔ یہاں کوئی ایسی پناہ گاہ بھی نہیں ہے۔ یہ خیال ذہن میں آ رہا تھا کہ میرے لئے صعوبتوں کا دور شروع ہو گیا ہے لیکن اسی میں تو مزہ تھا۔ صعوبتیں اٹھا کر محبت کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایک بات اور بھی سوچی تھی میں نے اِس ماحول کا میری نگاہوں سے گم ہو جانا اور اپنے آپ کو ایک نئی جگہ پانا میرے اپنے نزدیک اس لئے بہت اچھی بات تھی کہ ساجد اور اس کا گھرانہ میری وجہ سے کسی

عذاب کا شکار نہ ہو پائے گا۔ اس بات کا تو مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اب ناظم ارسلان کوئی کسر نہیں چھوڑے گا مجھے نقصان پہنچانے کی لیکن دوسرے اس نقصان کا شکار نہیں ہونے چاہئیں۔ آسمان پر باقاعدہ گرج چمک شروع ہو گئی تھی۔ میں نے آگے قدم بڑھا دیئے اور اس کے بعد بارش سے بچنے کے لئے میں کسی پناہ گاہ کی تلاش میں دوڑنے لگا۔ میرا رخ سامنے ٹیلے کی جانب تھا اور میرا خیال تھا کہ ٹیلے کے دامن میں کوئی ایسی جگہ مل جائے گی جو مجھے بارش سے محفوظ رکھے گی اب چونکہ تاریکی مکمل طور سے پھیل گئی تھی۔ اس لئے مجھے دو چار بار ٹھوکر بھی لگی لیکن میں سنبھل گیا۔ یہاں تک کہ بارش کی پہلی بوند نے آسمان سے زمین تک کا سفر طے کیا تو میں اس ٹیلے کے دامن میں پہنچ گیا لیکن اب مجھے اندازہ ہو گیا کہ جسے میں ایک ٹیلہ سمجھا تھا وہ ایک اچھا خاصا پہاڑ ہے۔ میں اس کے دامن میں پناہ تلاش کرنے لگا اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے کئی چٹانیں ایسی نظر آ گئیں جو کسی سائبان کی طرح جھکی ہوئی تھیں۔ میں جلدی سے ایک چٹان کے نیچے پہنچ گیا۔ اس وقت کچھ ایسی بے سرو سامانی تھی کہ موسم سے بچنے کے لئے میرے پاس کوئی دوسرا لباس نہیں تھا۔ بہرحال ٹیلے کے دامن میں بکھری ہوئی چٹانوں میں سے ایک چٹان کی آڑ میں بیٹھ گیا اور پھر شاید بادل اسی بات کے منتظر تھے کہ میرے سر پر سایہ ہو جائے تو وہ اپنا کام شروع کریں۔ اس کے بعد جو موسلا دھار بارش شروع ہوئی ہے تو بس یہ کہا جائے کہ آسمان نے اس کے بعد نہ برسنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ماحول اتنا عجیب سا ہو گیا تھا کہ میں نے اس سے پہلے کبھی اتنی شدید بارش نہیں دیکھی تھی۔ چٹانوں پر پڑنے والی بوندیں اچھل اچھل کر میرے جسم کی طرف سفر کر رہی تھیں اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھ پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہو۔ مجھے سنگسار کیا جا رہا ہو لیکن بے بسی تھی' کیا کر سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ بدن کو جتنا سکیڑ سکوں سکیڑ لوں' بادل گرج رہے تھے' بجلی ایک سیکنڈ میں درجنوں بار چمک رہی تھی اور میری بے بس نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ پھر ایک بار زور سے بجلی چمکی تو میری نگاہیں اتفاقاً اپنے بائیں سمت دیکھ رہی تھیں۔ یہاں میں نے کئی بار ایک سیاہ دھبہ دیکھا تھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ سیاہ دھبہ کیسا ہے لیکن اس وقت جب بجلی چمکی تو فوراً یہ اندازہ ہو گیا کہ کہ وہ کوئی سوراخ ہی ہے۔ میں نے پہاڑوں میں غاروں کے دہانوں کے بارے میں سنا تھا۔ اس وقت مجھے کچھ ایسا ہی اندازہ ہو رہا تھا۔ میں ہمت کر کے سوراخ کی جانب بڑھ گیا۔ یہ سوچ کر کہ ممکن ہے وہ کسی بڑے غار کا دہانہ ہی ہو اور مجھے اس میں پناہ مل جائے۔ موسم اس قدر سرد ہو گیا تھا اور ہوا اتنی ٹھنڈی چل رہی تھی کہ ہڈیوں میں سوراخ ہوئے جا رہے تھے۔ چٹان کی پناہ

سے نکلتے ہی بارش نے مجھے شرابور کر دیا تھا۔ حالانکہ میں نے دوڑ کر اس دہانے کے پاس قدم رکھا تھا لیکن یہ چند قدم طے کرتے ہی میرا پورا بدن پانی میں بھیگ گیا تھا۔ اس کے بعد میں دہانے تک پہنچا اور پھر یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ وہ واقعی ایک بڑے غار کا دہانہ ہی تھا۔حالانکہ کپڑے بھیگ جانے سے سردی کا شدید احساس ہو گیا تھا لیکن غار مل جانے کی خوشی میں یہ احساس خود بخود ختم ہو گیا تھا۔ میں دہانے سے اندر داخل ہو گیا' اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلے تو مجھے سرد ہوا سے نجات ملی اور میری جان میں جان آئی۔ گو میرے بدن میں ابھی کپکپاہٹ تھی لیکن باہر کی نسبت یہ جگہ بے حد پُرسکون تھی۔ سب سے پہلے میں نے اپنی قمیض اتار کر اس سے پانی نچوڑا اور اسے دوبارہ پہن لیا۔ اس کے بعد جسم کے دوسرے حصوں کو بھی حتی الامکان خشک کرنے کی کوشش کی۔ اس کام سے فارغ ہو کر غار کا جائزہ لیا۔ ہر چند کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جس جگہ سے میں بھاگا ہوں اور جہاں تک پہنچا ہوں' وہاں کے بعد ایسے کسی علاقے کا تصور کیا جائے۔ کم از کم لاہور کے گردونواح میں ایسا کوئی علاقہ موجود نہیں تھا۔ یہ جگہ ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی طلسمی عمل ہو اور ہو سکتا ہے یہ طلسمی عمل میرے لئے خطرناک ہو۔ غار کے دہانے کے اندر ممکن ہے سانپوں کا بسیرا ہو یا کوئی اور خوفناک بلا مجھے مل جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس احساس نے میرے وجود میں کپکپاہٹ کو کچھ اور بڑھا دیا تھا لیکن بہرحال میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ کچھ بھی ہے مجھے ان حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس کا میں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا۔ عشق و محبت میں بہت سی ایسی داستانیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جو اپنے اندر عجیب و غریب کہانیاں سموئے ہوئے ہوتی ہیں لیکن عشق کی جس کہانی سے میں واقفیت حاصل کر رہا تھا۔ میرے اپنے خیال میں دنیا کی ان تمام کہانیوں سے بالکل مختلف تھی۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ وہ آتش زادے مجھے اس عمل سے روک رہے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے کئی بار سنا تھا کوئی جن کسی لڑکی پر عاشق ہو گیا اور اس نے لڑکی کی زندگی دوبھر کر دی اور یہ الگ موقع تھا کہ اس وقت ایک جن زادی اور ایک انسان زادے کا آپس میں رابطہ ہوا تھا۔ اس طرح ایک نئی کہانی اور نئی تاریخ وجود میں آ رہی تھی۔ بہرطور میں کافی دیر تک تاریکی میں اپنے کانوں کو سمیٹ کر اپنی سماعت سے کام لیتا رہا لیکن کئی منٹ کی کوشش کے باوجود کوئی سرسراہٹ یا کوئی پھنکار مجھے سنائی نہ دی اور اس کا مجھے کسی حد تک اندازہ ہو گیا کہ غار میں کوئی سانپ موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے ہاتھ بلند کر کے غار کی اونچائی کا اندازہ لگایا لیکن میرے ہاتھ خلا میں جھول کر رہ گئے۔ غار کی چھت کافی بلند تھی۔ پھر میں نے دونوں ہاتھ آگے کئے اور آگے بڑھنے لگا۔

نظر تو کچھ نہیں آ رہا تھا بس اپنے اردگرد ٹٹول کر اندھوں کی مانند آگے بڑھتا جا رہا تھا لیکن مجھے کوئی زیادہ فکر نہیں رہی تھی۔ دل کو ایک عجیب سی ڈھارس کا احساس ہوا تھا۔ باہر بادل گرج رہے تھے۔ بجلی کی چمک اندر تک آ رہی تھی۔ میں تھوڑی دیر تک غار کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ زیادہ تجسس کہیں مجھے کسی مشکل میں مبتلا نہ کر دے۔ بیٹھ کر وقت گزاروں' بارش رک جائے۔ رات اور دن کا تصور جاگے تو کوئی فیصلہ کروں اور اس کے بعد میں پتھریلے غار میں بیٹھ کر آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ میری پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور پھر میں غار کی پتھریلی زمین پر ہاتھ کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ بہت دیر تک میرا ذہن مختلف خیالات میں گم رہا۔ دل یہ کہہ رہا تھا کہ کہاں عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ کوئی مناسب جگہ تلاش کر اور تقدیر پر بھروسہ کر لیکن شعاع میرے دل میں جاگتی اور اس کی آواز کانوں میں اُبھرتی۔ وہ کہتی کہ شازل یہی تو محبت کا امتحان ہے۔ ہماری محبت ایک نئی کہانی ترتیب دے رہی ہے۔ کیوں اس نئی کہانی سے گریز کر رہے ہو۔ چنانچہ میں خاموش اپنی جگہ ساکت پڑا رہا۔ پھر نہ جانے کب آنکھوں میں نیند اتر آئی اور جب نیند سے جاگا تو احساس ہوا کہ باہر کا موسم پُرسکون ہے اور سورج اپنی روشنی سے ماحول کو منور کر رہا ہے۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ بس یوں لگا تھا جیسے کچھ لمحوں کے لئے دن اور رات کا تصور مٹ گیا ہو۔ دن کا وقت ہی تھا جب میں اس غار میں داخل ہوا تھا اور اس کے بعد اب تک دن بھی گزر گیا تھا اور شاید رات بھی۔ میں غار کا جائزہ لینے لگا۔ اب اس وقت یہ کشادہ غار اپنی پوری آب و تاب سے روشن تھا۔ چٹانیں اس طرح ابھری ہوئی تھیں جیسے زمین پر کوہان نکل آئے ہوں لیکن کچھ فاصلے پر ایک شخص کو بیٹھے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک عمر رسیدہ آدمی تھا۔ دو زانو بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ اس طلسمی غار میں اس انسانی وجود کو دیکھ کر دل پر شدید خوف اور دہشت کا غلبہ ہوا تھا لیکن پچھلے دنوں میں جن حالات سے دوچار ہو چکا تھا انہوں نے کچھ اعصاب کی مضبوطی بھی فراہم کی تھی۔ ہمت کر کے اپنی جگہ سے اٹھا اور ان بزرگ کے سامنے پہنچ گیا۔ لمبی داڑھی' ڈھیلا ڈھالا لباس' معصوم سا چہرہ۔ انہوں نے مجھے بیٹھے دیکھ کر آنکھیں کھولیں پھر اپنے عقب میں ہاتھ کیا اور وہاں سے ایک پیالہ اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔ پیالے میں ایک گاڑھا سیال تھا۔ غالباً پانی میں گھولے ہوئے ستو تھے۔ بزرگ کی آواز ابھری۔

"پی جا....." میں نے دونوں ہاتھوں سے احترام سے پیالہ لے لیا۔ اس کے بعد اسے ہونٹوں سے لگا لیا۔ یہ شاید ایک قدرتی عمل تھا جسے میں نے سرانجام دیا لیکن اس کا

نتیجہ جو کچھ نکلا وہ بڑا اہمیت کا حامل تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم میں توانائی دوڑ گئی ہو۔ بزرگ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پیالہ خالی کرنے کے بعد میں نے احترام سے ایک جگہ رکھ دیا تھا۔ آستین سے ہونٹ خشک کئے اور آہستہ سے بولا۔

"آپ کا دیا ہوا یہ تحفہ میرے لئے دل و جان سے زیادہ قیمتی ہے لیکن میں راہنمائی چاہتا ہوں۔ آپ کو علم ہے کہ میرے ساتھ ناانصافیوں کا انبار ہے۔ مجھے میرے بھائیوں نے دھوکا دیا ہے۔ مجھے اس دنیا نے دھوکا دیا ہے۔ جو کچھ بچپن سے اب تک میرے ساتھ بیتی ہے اس میں میرا کوئی جانا بوجھا عمل شامل نہیں ہے۔ تقدیر میرے لئے راستے بناتی رہی ہے اور میں ان راستوں پر چلتا رہا ہوں۔ اگر آپ میری بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ میرے لئے کچھ کر سکتے ہیں تو اللہ کے نام پر' انسانیت کے نام پر میری مدد کیجئے؟ مجھے بتایئے کہ میں آگے کیا کروں؟ آپ کو علم ہے کہ میرے دل میں ایک معصوم محبت کی کونپل پھوٹی تھی اور وہ کونپل اب تک درخت بن چکی ہے۔ میں اس درخت کو اپنے دل سے کاٹ کر نہیں پھینک سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں شعاع سے دھوکا کروں' اسے یہ احساس دلاؤں کہ میں کسی اور لڑکی کو چاہتا ہوں اور اس سے بے وفائی کر رہا ہوں۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ میں اس کی طلب بھی نہیں کرتا لیکن اس کے دل میں میرے لئے جو محبت ہے' اسے نفرت میں بدلنا بھی میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں مدد چاہتا ہوں' میں مدد چاہتا ہوں۔"

جواب میں بزرگ نے آنکھیں کھولیں..... مجھے دیکھتے رہے' پھر انہوں نے کہا۔

"سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے' منزل کو پانے کے لئے راستے طے کرنا ہوتے ہیں' راستوں میں گہرے گڑھے بھی ہوتے ہیں' کالی دلدلیں بھی اور چوڑی اور کھلی سڑکیں بھی..... اپنی پسند کے راستے تلاش مت کرو بلکہ جو راستے منزل کی طرف لے جائیں ان پر احتیاط سے قدم اٹھاتے رہو۔ فیصلہ کرنے کے لئے اللہ نے دماغ دیا ہے اسے استعمال کرو' نیکی اور بدی کے تصور کو ذہن میں رکھو' جاؤ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے لیکن واپس اس سوراخ سے نہ جانا' جدھر سے آئے ہو' سیدھے چلے جاؤ اور اپنے لئے نئے راستے تلاش کرو۔ جاؤ..... جاؤ..... جاؤ۔" بزرگ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر انہوں نے غار کے اس دہانے کا راستہ اختیار کیا جدھر سے میں اندر آیا تھا۔ میں ان سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن میرے خیال میں یہ مناسب نہیں تھا۔ وہ جو کچھ بتانا چاہتے تھے' بتا کر چلے گئے تھے۔ ان کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے' مجھے سفر کرنا چاہئے اور سفر کے لئے وہ مجھے راستہ بھی بتا گئے تھے۔ کچھ لمحے تک اپنے آپ

کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ ویسے جسم کی ساری توانائیاں واپس لوٹ آئی تھیں۔ جن ہوشربا حالات سے گزرا تھا۔ انہوں نے میرے ذہن کو بالکل سادہ کتاب کی مانند کر دیا تھا۔ سوچ سمجھ کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ خوف کا ایک عجیب سا احساس دل میں جاگزیں تھا۔ میں اس خوف کو دل سے نکال کر کوئی عمل کرنا چاہتا تھا اور اس کے بعد آخری فیصلہ میں نے یہی کیا کہ مجھے یہاں سے نکل چلنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور بزرگ کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ غار شاید اندر سے سرنگ کی شکل اختیار کر جاتا تھا کہ اچانک مجھے تھوڑی دور جانے کے بعد جگہ تنگ ہوتی ہوئی محسوس ہوئی لیکن یہ جگہ اتنی ضرور تھی کہ میں کھڑے ہو کر اس سے گزر سکتا۔ جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا' غار تاریک ہوتا چلا گیا۔ حالانکہ دہانے کے پاس دن کی روشنی گردش کر رہی تھی لیکن آگے چل کر کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے سورج کی روشنی اندر آ سکے۔ البتہ یہ راستہ بہت زیادہ طویل نہیں نکلا اور جب میں اس غار کے دوسرے دہانے سے باہر نکلا تو اپنے آپ کو ایک بلند جگہ کھڑے ہوئے پایا لیکن گہرائیوں میں ایک بستی آباد نظر آ رہی تھی۔ غالباً یہ کوئی چھوٹی سی پہاڑی بستی تھی۔ میں شدتِ حیرت سے گم رہ گیا۔ الٰہی کیسا عجیب ماجرہ ہے میں تو لاہور کے نواح میں تھا لیکن اب یہ کون سا پہاڑی علاقہ ہے جہاں میں پہنچ گیا ہوں۔ اتنے فاصلے کیسے طے ہوئے لیکن پیچھے کا ماحول میری نگاہوں میں تھا۔ سورج آسمان پر چڑھتا جا رہا تھا' گہرائیوں میں ایک پہاڑی حصار کے باہر مجھے ایک ریل دوڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر ریلوے اسٹیشن تھا۔ بڑی حسین جگہ تھی لیکن میں اس سے مکمل طور پر ناواقف تھا حالانکہ میں نے قرب و جوار کے تمام علاقے دیکھے ہوئے تھے۔ میرا اپنا وطن تھا' اپنا شہر تھا۔ میں اجنبی نہیں تھا اس جگہ سے لیکن یہ نامانوس جگہ' اب سوچنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔ میں جانے کتنے بڑے پُراسرار طلسم میں گرفتار ہو گیا تھا اب مجھے کوئی بھی مشکل پیش آ سکتی تھی لیکن بزرگ کے الفاظ کو میں نظرانداز نہیں کر سکتا تھا کہ سفر وسیلۂ ظفر ہے۔ بلندی پر کھڑے ہو کر میں نے گہری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور میرے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

"زمانۂ قدیم میں عشق و محبت کی بہت سی داستانوں نے جنم لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ کہانی کوئی بھی نہیں لکھے گا لیکن عشق و محبت کی یہ انوکھی کہانی میں آگے ضرور بڑھاؤں گا اور اس وقت تک آگے بڑھاتا رہوں گا جب تک کہ میری زندگی کی شام نہ ہو جائے۔ "تیرے نام پر آگے بڑھ رہا ہوں اور اپنے لئے ظفر تلاش کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے گہرائیوں کی جانب قدم اٹھا دیئے۔ راستے طے ہوتے رہے۔ اس دوران میرے

سامنے دو ٹرینیں گزری تھیں' ریلوے اسٹیشن زیادہ بڑا نہیں تھا اور وہاں رش بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ پیچھے جو بستی پھیلی ہوئی تھی شاید کوئی ہل اسٹیشن تھا لیکن سب کا سب میرے لئے اجنبی' خیر ویسے بھی میں دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ میں نے اپنے وطن کا ایک ایک گوشہ دیکھا ہے۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ میرے راستے نہ جانے کون کون سے اجنبی راستوں سے گزر رہے تھے۔ قصہ ہی ایسا تھا۔ میں آتشی مخلوق کے جال میں پھنس گیا تھا اور اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آگے کیا ہو گا۔ جس وقت میں یہ طویل فاصلہ طے کر کے ریلوے اسٹیشن پہنچا تو دوسری طرف سے ایک ٹرین آ رہی تھی اور اس کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ مجھے اس ٹرین میں سوار ہو جانا چاہئے۔ کہا گیا تھا کہ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے ممکن ہے ٹرین کے اس سفر میں کوئی ایسا سہارا مل جائے جس سے میری مشکل حل ہو۔ شعاع تو ہر جگہ میرے ساتھ تھی اور میں اسے کہیں بھی اور کسی بھی لمحے اپنے دل مین جھانک کر دیکھ سکتا تھا چاہے کہیں بھی جاؤں' آخر کار ٹرین میرے سامنے آ گئی۔ طرح طرح کی آوازیں بڑھنے لگیں اور کمپارٹمنٹ میرے سامنے سے گزرنے لگے۔ پھر میں ٹرین کے ایک کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گیا۔ یہ خاصا شاندار کمپارٹمنٹ تھا' ایئر کنڈیشنڈ اور غالباً فرسٹ کلاس لیکن کمپارٹمنٹ میں کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے حیرت سے دیکھا' ٹرین چند لمحوں کے بعد چل پڑی تھی۔ ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس میں کوئی سفر نہیں کر رہا کہ دفعتاً ہی باتھ روم سے ایک عمر رسیدہ شخص نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نظر آ رہے تھے' حلق سے کراہیں نکل رہی تھیں۔ میں چونک کر سیدھا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ وہ شخص کسی شدید تکلیف کا شکار تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ہاتھ اٹھایا اور کربناک آواز میں بولا۔ "خدا کے لئے..... خدا کے لئے میری مدد کرو' خدا کے لئے....." میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اسے سہارا دیا۔ وہ گرنے ہی والا تھا کہ میں نے اسے سنبھال لیا۔ پھر آہستہ آہستہ میں اسے سیٹ تک لے آیا۔ میں نے اسے سیٹ پر بٹھا دیا۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ مجھے کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے اسے دل کی تکلیف ہوئی ہے۔ میں نے آہستہ آہستہ سے اس کے سینے پر مالش کی۔ اس نے خشک زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"پانی' مجھے..... پانی دو۔" میں نے سامنے دیکھا اس کا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس سامان میں ایک تھرماس بھی تھا جس میں ٹھنڈا پانی موجود تھا۔ میں نے تھرماس سے پانی نکال کر اسے پلایا۔ وہ گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"کہاں درد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں" اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ میں اس وقت بھلا اس کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ اس نے چند لمحوں کے بعد پھر پانی کی طرف اشارہ کیا اور میں نے اسے دوبارہ پانی پلایا۔ میری بے چین نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ اگر زنجیر کھینچ کر روکنے کی کوشش بھی کرتا تو اسے کیا مدد مل سکتی تھی۔ بہرحال چند لمحوں کے بعد اس کی حالت کسی قدر سکون پذیر ہو گئی۔ میں اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور آہستہ آہستہ اس کے سینے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"کیسی حالت ہے اب آپ کی؟"

"اب بہتر ہے۔"

"اگر آپ کہیں تو گاڑی کی زنجیر کھینچ کر گاڑی روکنے کی کوشش کروں۔" اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ میں ایسا نہ کروں' پھر کافی دیر تک خاموشی طاری رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اب میں کافی سکون محسوس کر رہا ہوں۔"

"آپ آرام سے لیٹے رہیں جناب' میں آپ کے پاس موجود ہوں۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ میں ہلکے ہاتھ سے اس کی مالش کرتا رہا اور وہ آہستہ آہستہ سکون پذیر ہوتا رہا' پھر شاید وہ سو گیا تھا۔ جب وہ گہری نیند سو گیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس سے کچھ فاصلے پر جا کر بیٹھ گیا۔ بڑی افسوس ناک صورتِ حال تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ یہ بوڑھا آدمی اکیلا سفر کر رہا تھا۔ کافی فاصلہ طے ہو گیا۔ وقت گزرتا رہا' وہ گہری نیند سوتا رہا' میں دو تین بار اٹھ کر اس کے نزدیک گیا اور میں نے اس کا نیچے لٹکا ہوا ہاتھ سیدھا کر دیا۔ پھر بہت دیر کے بعد وہ جاگا تھا۔ اس وقت ٹرین اپنے سفر کے تقریباً سات گھنٹے پورے کر چکی تھی۔ راستے میں ایک دو جگہ رکی تھی لیکن کوئی بھی اس کمپارٹمنٹ میں نہیں آیا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا باہر دیکھتا رہا تھا۔ پھر چند لمحوں کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"سنو' ہیلو۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"کیا حال ہے کیسے ہیں آپ اب؟"

"ٹھیک ہوں کافی ٹھیک ہوں۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ خدا تمہیں خوش رکھے' میرے لئے تم فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے ہو۔"

"جناب میری جگہ کوئی بھی ہوتا۔ یہ تو اس کا فرض تھا۔"

بوڑھا بے اختیار مسکرا اٹھا پھر اس نے کہا۔ "اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو کچھ اور فرائض بھی اس پر عائد ہوتے۔" میں اس کی مسکراہٹ کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ پھر اس نے اپنے سامان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس میں کافی رقم موجود ہے۔ دوسرا اپنا فرض اس طرح بھی ادا کر سکتا تھا کہ اس رقم کو لے کر اپنا معاوضہ وصول کر لیتا اور پھر کسی اسٹیشن پر اتر جاتا۔" میں مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"میں نے بہت چھوٹی بات کہی ہے۔ میں..... بس..... ویسے تم کہاں جا رہے ہو بیٹے؟"

"بس ایسے ہی جناب کوئی منزل متعین نہیں کی ہے میں نے۔"

"مطلب؟"

"بس آوارہ زندگی ہوں۔ زندگی کی گاڑی کو ٹرین میں رکھ کر لے جا رہا ہوں جہاں بھی منزل ہو گی پہنچ جاؤں گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کوئی ہے نہیں تمہارا؟"

"جی ہاں! تنہا ہوں اس کائنات میں۔"

"اوہ! بیٹے اس دنیا میں ہر انسان کے ساتھ ایک دردناک کہانی منسلک ہے اور ہم بعض اوقات ایسے قصے کہانیوں کو بڑی سادہ سادہ سی کہانیاں کہتے ہیں کہ لکھنے والے نے یہ کہانیاں بوجھ سے بچنے کے لئے لکھ ڈالی ہیں لیکن یہی کہانیاں حقیقت ہوتی ہیں۔ بیٹے قصے اسی طرح افسانے بنتے ہیں۔ اب جیسے تم مجھے ملے۔ ظاہری بات ہے مجھے یہ پتہ چل گیا ہے تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے اور تم نے میری مدد بھی کی چنانچہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہیں اس دنیا میں تنہا چھوڑ دوں۔"

"مطلب میں سمجھا نہیں۔"

"اصل میں ہم پر سب سے بڑا فرض یہی عائد کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ اپنے بندوں کے دکھ درد کو بانٹیں۔ تم نے بے لوث میری مدد کی۔ مجھ پر ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ میں اگر تم اس کائنات اور دنیا میں تنہائی محسوس کر رہے ہو تو تمہیں تنہا نہ رہنے دوں۔" میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا۔

"بابا صاحب ہی کہوں گا میں آپ کو اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ اتنی چھوٹی چھوٹی بات پر اگر آپ نے لوگوں کو اپنے ساتھ رکھنا شروع کر دیا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو ایک باقاعدہ یتیم خانہ بنانا پڑے گا۔"

"خدا کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی استطاعت دی ہے۔ اگر واقعی تم جیسے لوگ مجھے اسی انداز میں ملتے رہے تو میں ایک یتیم خانہ بھی بنا سکتا ہوں اور یہ کوئی ایسی بڑی یا بری بات نہیں ہے۔" میں گہری سانس لے کر گردن ہلانے لگا اور پھر میری نگاہیں کھڑکی کے سامنے اٹھ گئیں جہاں زمین و آسمان دوڑ رہے تھے۔ ابھی تک اس شخص سے میرا مکمل تعارف نہیں ہوا تھا۔ بس یہ رسمی اور جذباتی باتیں تھیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجھ جیسا شخص جسے ابھی تک دنیا سے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا بلکہ ایک طرح سے دنیا کے دکھ جس کی قسمت میں لکھ دیئے گئے تھے۔ اگر سہارا تلاش کرے تو کس کا سہارا تلاش کرے۔ کسی نہ کسی کو تو اپنوں کی نگاہوں سے دیکھنا ہی ہو گا۔ فرض کیجئے کہیں بھی رہتا ہوں انسانوں کے درمیان ہی رہنا ہو گا نا جہاں تک تعلق شعاع کا ہے تو وہ تو اب میری زندگی میں ایک روح بن گئی تھی اور روح سے جدا ہو کر زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن جب تک روح کا تصور موجود ہے زندگی کے قریب رہنا بھی ضروری ہے چاہے کسی بھی شکل میں ہو۔ یہ شخص اگر یہ پیشکش کر رہا ہے تو اس پیشکش کو قدرت کا اشارہ کیوں نہ سمجھا جائے' عارضی سہارا ہی سہی' سہارا تو زندگی میں بڑی حیثیت رکھتا ہے۔

بابا صاحب نے کہا۔ "تم نے میرا نام پوچھا نہ اپنا نام بتایا۔ اتنے بڑے احسان کرنے کے بعد اور اتنی ساری باتیں ہونے کے باوجود ہم دونوں ایک دوسرے کے نام سے ناواقف ہیں۔ خیر' میرا نام امتیاز علی ہے۔ ایک چھوٹا سا ہل اسٹیشن ہے جسے ہم زمان گڑھی کہتے ہیں۔ زمان گڑھی میں ہماری عارضی رہائش ہے۔ میرے بچے کاروبار کرتے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا انگلینڈ میں ہے دوسرا جس کا نام ناصر علی ہے میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ باقی بچے آتے جاتے رہتے ہیں۔ بہرحال ہم زمان گڑھی چل رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اب وہ زیادہ دور نہیں ہے۔ تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"شازل۔" میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے اس سے زیادہ تم بتانا بھی نہیں چاہتے۔"

"ہاں! بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔"

"تیاریاں کر لو' کیا سمجھے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ پھر امتیاز علی مجھے اپنے بارے میں بتاتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اصل میں مجھے گیس کی شدید تکلیف رہتی ہے اور یہی تکلیف کبھی کبھی دل پر

حملہ کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر سے کئی بار چیک کرایا ہے۔ دل کی بیماری نہیں ہے لیکن درد اسی طرح سے ہوتا ہے۔ دوائیں لیتا رہتا ہوں لیکن دواؤں کا چور ہوں بس دل نہیں چاہتا۔"

میں خاموش ہی رہا تھا۔ پھر میں نے ٹرین کی رفتار سست ہوتے ہوئے دیکھی۔ زمان گڑھی کا اسٹیشن آ گیا تھا۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ کے پس منظر میں اونچے اونچے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ زمان گڑھی کے بارے میں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ ٹرین رک گئی اور میں امتیاز صاحب کے ساتھ دروازے پر آ گیا اور اسی وقت میں نے کچھ افراد کو ٹرین کی جانب دوڑتے ہوئے دیکھا۔ ان میں ایک خوبصورت سا نوجوان بھی تھا۔ ایک تقریباً چالیس بیالیس سالہ شخص۔ بہرحال ان سب نے امتیاز صاحب کو نیچے اتارا اور امتیاز علی صاحب نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"شازل! تم وہاں کھڑے کیوں رہ گئے' آؤ۔"

میں جھجکتا ہوا نیچے اتر آیا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر چالیس بیالیس سالہ شخص کی طرف رخ کر کے کہا۔

"ناصر میاں' یہ ہمارا ایک اور بیٹا ہے۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گا اس کے بارے میں بس نام سمجھ لو شازل ہے۔"

"واہ! آیئے محترم چچا جان۔ گو آپ عمر میں ہم سے زیادہ بڑے معلوم نہیں ہوتے۔" خوبصورت نقوش کے مالک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ پھر بولا۔

"اصل میں بزرگوں میں بڑی خرابی ہوتی ہے۔ ہر مسئلے میں بچوں کو نظرانداز کر دیا کرتے ہیں اور یہ میرے والد صاحب ہیں اور وہ میرے دادا جان' میرا نام حسن ہے لیکن افسوس کسی نے تعارف نہیں کرایا۔ خیر ان کی مرضی' ویسے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" خاصا خوش مزاج نوجوان معلوم ہوتا تھا۔ ایک پرانی طرز کی فورڈ کار کھڑی ہوئی تھی اس کے قریب ہی ایک نئی کار' فورڈ میں امتیاز صاحب کا مختصر سا سامان رکھ دیا گیا اور مجھے بھی اس میں بیٹھنے کی ہدایت کی گئی۔ ہم سب وہاں سے چل پڑے۔ میں زمان گڑھی کو دیکھ رہا تھا۔ پتلی پتلی سڑکیں لیکن صاف ستھری' ایک لمبی سڑک طے کر کے ایک چوراہا آیا اور چوراہے سے دونوں کاریں باہر کی جانب مڑ گئیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں نظر آ رہی تھیں۔ کاروبار جاری تھے۔ زمان گڑھی کے بارے میں پہلے نہ جانے کیوں نہیں سنا تھا۔ حالانکہ خاصی خوبصورت آبادی تھی کئی اونچے نیچے راستوں سے گزر کر آخر کار ہم ایک خوبصورت مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ مکان کا احاطہ کافی وسیع تھا اور اس کے احاطے میں بے شمار درخت جھوم رہے تھے۔ اس کے بعد اصل دروازہ تھا۔ دروازے کے ساتھ ہی

ایک انیکسی قسم کی عمارت بنی ہوئی تھی۔ پھر بے شمار کمرے' یہ ایک خاص قسم کا مکان تھا۔ جس کا ایک حصہ تو بہت خوبصورت تھا لیکن دوسرا سادگی کا حامل۔ مجھے اسی علاقے میں ٹھہرایا گیا تھا اور جو کوارٹر مجھے دیا گیا تھا وہ مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ درختوں کی بہتات تھی یہاں۔ بہرحال مجھے یہاں پہنچا دیا گیا اور میری ذمہ داری حسن کو سونپ دی گئی۔ حسن نے کہا۔

"شازل صاحب۔ جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ دادا جان تو سسپنس بلکہ ماسٹر آف سسپنس ہیں پتہ نہیں کب مجھے آپ کے بارے میں بتائیں گے۔ چلئے میں خود ہی آپ سے آپ کے بارے میں پوچھ لیتا ہوں۔"

"بس۔ میرا نام شازل ہے اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ٹرین میں دادا جان سے ملاقات ہوئی ان کو تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے ان کی مدد کی اور دادا جان اس کا قرض چکانے کے لئے مجھے یہاں لے آئے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ احسان کا کوئی قرض نہیں اتارا جا سکتا۔"

"ویسے امتیاز صاحب بہت ہی نیک اور نرم مزاج معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں البتہ آپ یوں سمجھئے کہ ہم یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں۔ بس زمان گڑھی میں دادا جان کا' ابو کا اور چچا جان کا کچھ کاروبار ہے۔ ہمارا آنا جانا یہاں رہتا ہے۔ ان دنوں بھی ہم کافی دنوں سے یہاں مقیم ہیں۔"

"مگر دادا جان تو کہہ رہے تھے کہ یہ زمان گڑھی ہی ان کا آبائی وطن ہے۔"

"ہاں! ایسا ہی ہے۔ دادا جان کو زمان گڑھی سے دلی لگاؤ ہے چونکہ وہ یہیں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ مکان ہمارا قدیمی مکان ہے ہم پہلے یہیں رہتے تھے لیکن اب ہم یہاں نہیں رہتے بلکہ تھوڑے فاصلے پر ایک اور شہر میں رہتے ہیں جہاں سے دادا جان یہاں کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اصل میں کچھ دنوں سے بڑی عجیب سی پریشانیوں کا شکار ہیں۔ آپ کو زمان گڑھی کے بارے میں شاید یہ معلوم ہو چکا ہو کہ یہاں ایک بہت بڑے بزرگ کا مزار بھی ہے۔ ہم لوگ وہیں اسی مزار کے سلسلے میں یہاں آئے ہوئے ہیں اور شمائلہ ہمارے ساتھ ہے۔"

"شمائلہ کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میری بہن ہے۔ بس تھوڑی سی پریشانی کا شکار ہیں ہم لیکن میرا خیال ہے اس کے بارے میں دادا جان ہی آپ کو مؤثر طریقے سے بتا سکیں گے۔ اصل میں' میں یہ الفاظ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ پتہ نہیں دادا جان آپ کو شمائلہ کی مشکل کے بارے میں بتانا

چاہیں گے یا نہیں۔"

میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں اپنی اس رہائش گاہ میں تنہا رہ گیا تنہائیاں سوچوں کا گھر ہوتی ہیں۔ میں سوچوں میں ڈوب گیا' بے شک میں مہمان خانے میں تھا لیکن بہرحال میرے لئے یہ بھی خوش قسمتی کی بات تھی کہ مجھے فوراً ہی ایک ٹھکانہ مل گیا تھا۔ ورنہ کہاں جاتا' کیا کرتا۔ کیا زندگی ہو گئی' تھوڑے ہی عرصے پہلے کی بات ہے کہ میں ایک معزز گھرانے کا فرد تھا لیکن اب سب کچھ چھن گیا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں سڑک پر ٹھوکریں کھانے والا ایک پتھر ہوں لیکن بات پھر وہیں آ جاتی تھی۔ اگر شعاع میرے لئے قربانیاں دے رہی ہے تو میں بھی اس کے لئے کیوں نہ قربانیاں دوں۔ اپنی ذات کو مسخ کر دینا اپنی شخصیت کو کچل دینا آسان کام نہیں ہوتا۔ میں اپنی مشکلات سے گزر رہا تھا۔ ساجد میرا بہترین دوست' خدا کا شکر ہے کہ میری وجہ سے وہ کسی عذاب میں گرفتار نہیں ہوا۔ اسے چھوڑنے کا فیصلہ میں نے بہت بہتر کیا' ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔ جہاں تک بات ناظم ارسلان کی تھی تو بہرحال وہ اپنے طور پر جو کچھ بھی کر رہے تھے انہیں شاید یہی کرنا تھا۔ وقت گزرتا رہا' میری خاطر مدارات کے لئے دو ملازم کام کر رہے تھے۔ اصل میں ان کی نگاہوں میں بھی ابھی میری حیثیت کا تعین نہیں تھا۔ ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہاں میں مالکوں کا دوست نہیں بلکہ ایک عام آدمی کی حیثیت سے آیا تھا۔ دادا جان نہ جانے کب تک مجھے اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور نہ جانے کس حیثیت سے رکھتے ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ پھر غالباً دادا جان باقی تمام معاملات سے نمٹ لئے' وہ اچانک ہی میرے کمرے میں آئے تھے اور اس وقت ایک عمر رسیدہ خاتون ان کے ساتھ تھیں۔ سفید لباس میں ملبوس شگفتہ چہرے کی مالک' میں نے انہیں بڑے احترام سے سلام کیا تو انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دادا جان ان سے میرا تعارف کرانے لگے۔ انہوں نے کہا۔

"جو کچھ شازل نے میرے ساتھ کیا ہے' تم یقین کرو کہ اگر بروقت وہ یہ سب کچھ نہ کرتا تو شاید کمپارٹمنٹ سے میری لاش ہی برآمد ہوتی۔ بڑی خدمت کی ہے اس نے میری۔ خیر وہ ساری باتیں اپنی جگہ' میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اب شازل میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ بس یوں سمجھ لو کہ وہ میرے لئے بیٹوں کی مانند ہیں' شازل' یہ میری بہو ہیں اور تم اگر چاہو تو انہیں چچی جان کہہ سکتے ہو۔"

"بہت بہت شکریہ' میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ کچھ لوگ انسانیت کے تحفظ کے لئے اس کائنات میں پیدا ہوئے ہیں چچی جان' میں نے بہت چھوٹا سا کام کیا ہے۔ اگر کوئی اور

ہوتا اور مجھے کوئی صلہ بھی دینا چاہتا تو سو پچاس روپے میرے ہاتھ پر انعام کے طور رکھ دیتا۔ خدا کی قسم میں اس معیار کا انسان نہیں ہوں۔ دادا جان نے مجھے عزت و احترام دے کر ایک بار پھر زندگی کی طرف مائل کر دیا ہے ورنہ زمانے سے بڑا بد دل تھا۔ بہرحال میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی' میرا کوئی عمل آپ کے لئے پریشان کن نہیں ہو گا اور جب بھی کبھی ایسا ہوا میں خود اس گھر کو چھوڑ دوں گا۔ آپ کو کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹے' ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے' کسی اچھے گھر کے ہی معلوم ہوتے ہو' بہرحال ابا میاں نے تمہارے بارے میں ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے تم یہاں اطمینان سے رہو' تھوڑے سے دن کے بعد ہمیں یہاں سے کہیں جانا ہو گا' تم ہمارے ساتھ ہی رہو گے ہمارے ساتھ ہی چلو گے۔"

میں نے خاموشی سے گردن جھکا دی تھی' وہ لوگ چلے گئے' وقت گزرتا رہا' ایک طرف حسن تھا جو بڑی اچھی شخصیت اور بڑی عمدہ طبیعت کا مالک تھا اور بہت ہی پُرلطف گفتگو کرتا تھا' رات کو میرے پاس آ گیا اور کہنے لگا۔

"ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو....."

"کیا تم بھوتوں کے قائل ہو' کیا تم جنوں پر یقین رکھتے ہو.....؟"

میں ایک دم ہی چونک پڑا تھا' ایک لمحے کے لئے نہ جانے میرے ذہن میں کیا کیا خیالات آئے پھر میں نے کہا۔ "کیوں پوچھ رہے ہو حسن؟"

"یار یہ گھر جو ہے نا' جہاں ہم لوگ رہتے ہیں' میرا مطلب ہے اس وقت رہ رہے ہیں' عام طور سے خالی پڑا رہتا ہے' یہاں ایک چوکیدار بابا رہتا ہے' میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ پہلے دادا جان زمان گڑھی میں ہی رہا کرتے تھے بعد میں ہم نے زمان گڑھی چھوڑ دی اور اس گھر میں ایک تالا لگا دیا' لیکن پھر کچھ عرصے کے بعد دادا جان نے یہاں ایک چوکیدار متعین کر دیا۔ تم نے اسے نہیں دیکھا ہو گا' آج کل چونکہ ہم لوگ یہاں ہیں اس لئے وہ آرام کر رہا ہے۔ کبھی آئے تو دیکھنا' شکل ہی سے جن معلوم ہوتا ہے پورا جن ..... اس کے علاوہ آس پاس کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہ مکان آسیب زدہ ہے یہاں رقص و موسیقی کی محفلیں جمتی ہیں۔ ساز بجنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کئی بار بستی کے لوگ یہ دیکھنے آئے کہ یہاں کون گا بجا رہا ہے' لیکن عمارت خالی نظر آئی۔"

"چوکیدار اس بارے میں کیا کہتا ہے؟"

"وہی تو مجھے پروگرام آرگنائزر معلوم ہوتا ہے۔" حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں بھی ہنس پڑا۔

"مگر تمہیں جن بھوتوں کا ہی خیال کیوں آیا؟"

"بس آج کل ہم لوگ ایسی ہی پریشانیوں کا شکار ہیں۔ میرے خیال میں مجھے اس بارے میں ابھی زبان بند رکھنی چاہئے' دادا جان تم پر خود ہی انکشاف کریں گے کیونکہ وہ تمہیں بہت چاہتے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ میں نے صرف اس لئے پوچھا تھا کہ....." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ حسن چلا گیا لیکن میں بہت دیر تک اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ یہاں سب لوگ اچھے تھے پتہ نہیں بے چارے کس مشکل کا شکار نظر آتے ہیں کوئی پُراسرار مسئلہ ضرور ہے۔ البتہ ضرورت سے زیادہ آگے بڑھنا میرے لئے مناسب نہیں تھا۔

یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن حالات میری گرفت کئے ہوئے تھے' مشکلات میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ اسی رات میں اپنی پریشانیوں میں الجھا باہر نکل آیا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ماحول پوری طرح تاریک ہو رہا تھا۔ میں درختوں کے جھنڈ کے نیچے آکر کھڑا ہوا۔ ابھی مجھے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اچانک مجھے اپنے عقب میں تیز روشنی محسوس ہوئی اور میں نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا' پھر میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔ سفید لباس میں ملبوس ایک نوجوان لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے سارے وجود سے روشنی پھوٹ رہی تھی لیکن اس کا چہرہ..... اس کا چہرہ بے حد بھیانک تھا۔ آنکھوں کی جگہ خوفناک گڑھے نظر آ رہے تھے' دونوں ہونٹ کٹے ہوئے تھے اور ان سے دانت جھانک رہے تھے۔ حسین جسم کی مالک ہونے کے باوجود وہ چڑیل نظر آ رہی تھی۔ پھر اس کی خوفناک آواز ابھری۔

"آج چاند کی چودھویں ہے کیا چاند نکلا ہوا ہے؟"

میرے وجود میں ایک اور دھماکہ ہوا۔ آہ..... یہ آواز تو شعاع کی تھی۔ یہ آواز تو میری شعاع کی تھی لیکن اس کے نقوش..... آہ کیا یہ میری شعاع کے نقوش ہی تھے۔

"شعاع!" میرے حلق سے بمشکل نکلا۔

"شازل..... کیسی ہو گئی ہوں میں..... بتاؤ گے؟"

میں کچھ بھی نہ بول سکا تھا کہ اچانک اندر روشنیاں ہونے لگیں۔ پھر اچانک ہی بہت سے لوگ اندر سے باہر نکل آئے اور کچھ آوازیں ابھریں۔

"شمائلہ..... شمائلہ۔"

میں نے گھبرا کر اُدھر دیکھا۔ امتیاز صاحب' ناصر علی' حسن اور کچھ خواتین دوڑتی ہوئی باہر آئی تھیں' میرے اوپر گھبراہٹ طاری ہو گئی' شعاع کا سحر عجیب سی کیفیت کا شکار کئے ہوئے تھا کہ یہ مشکل پیش آ گئی' وہ لوگ دوڑتے ہوئے میرے قریب آ گئے اور پھر ناصر علی نے شعاع کو بازو سے پکڑا اور بولے۔ "چلو شمائلہ بیٹے اندر چلو' چلو اندر چلو۔"

میری جانب کسی نے توجہ نہیں دی تھی لیکن میں کچھ سمجھ نہیں پایا تھا' وہ شعاع تھی اور وہ لوگ اسے شمائلہ کہہ رہے تھے' میں نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے بدصورت شعاع کو دیکھا لیکن ایک بار پھر میرے دماغ کو ایک شدید جھٹکا لگا' یہ شعاع نہیں تھی' ابھی چند لمحوں پہلے کی لڑکی نہیں تھی بلکہ اب جو میں نے اسے دیکھا تو مجھے کچھ اور ہی نظر آیا' سفید لباس میں ملبوس ایک انتہائی حسین لڑکی..... جس کی شکل دیکھ کر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی' اس کی آنکھیں نیم خوابیدہ سی تھیں' کھلے ہوئے لمبے لمبے بال' کمر سے نیچے آ رہے تھے' اتنا حسین وجود تھا کہ ایک بار انسان دیکھے تو دوبارہ اسے یقین نہ آئے' وہ سکتے کے سے عالم میں کھڑی ہوئی تھی' وہ لوگ اسے بازوؤں سے پکڑ کے لے گئے' مجھ سے کسی نہ کچھ نہیں کہا تھا یا تو اپنی مشکل کا شکار تھے یا پھر شرمندہ ہو گئے تھے' وہ سب تو چلے گئے لیکن میں پاگلوں کی طرح وہیں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا' ہوش و حواس ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ جو آواز میں نے اس لڑکی کے منہ سے سنی تھی' وہ میری شعاع کی تھی' جو الفاظ اس نے ادا کئے تھے' وہ بھی اسی کے تھے پھر اچانک اس کی شکل کیسے بدل گئی' اچانک اس کا روپ کیسے بدل گیا' وہ شعاع سے شمائلہ کیسے بن گئی' یہ ایک عجیب سی بات تھی' بہت ہی عجیب لیکن میرا ذہن کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہا تھا' میں دیر تک وہیں کھڑا رہا' سارا وجود تھکن کا شکار ہو گیا تھا پھر میں اپنی آرام گاہ میں آ کر لیٹ گیا' دل ڈوب رہا تھا' شعاع یاد آ رہی تھی' کٹے ہوئے ہونٹ' خوفناک آنکھیں میری شعاع دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن چاند کی چودہ تاریخ کو وہ پھر میرے پاس آ گئی تھی' میرے خدا مجھ پر تو خیر جو بیت رہی ہے' وہ کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے' میں تو اپنے آپ کو کسی طرح سے سنبھال لوں گا لیکن میری شعاع کے ساتھ جو سختی کی گئی ہے' وہ ناقابلِ برداشت ہے' اگر اُس دنیا کے رہنے والے انسان ہوتے تو شائد میں ایک مجرم بن جاتا' شعاع کی زندگی سے اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے میں جرم کی دنیا میں داخل ہو جاتا' نمٹ لیتا ان سب سے' میرے جسم میں جان تھی' نہ میں بزدل تھا' نہ میں کمزور تھا لیکن جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا' وہ آتشی مخلوق تھے' میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ پھر آنکھوں میں نمی آ گئی اور نہ

جانے کب تک میں آنکھیں دھوتا رہا' نیند کے بارے میں سب نے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے' جو میں کہنا چاہتا ہوں یعنی یہ حقیقت کہ نیند ماں کی آغوش کی مانند ہوتی ہے جو سارے دکھ سارے غم اپنے دامن میں سمیٹ کر اپنی اولاد کو درد اور تکلیف سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ دوسری صبح میں جاگا' رات کے واقعات کا اثر ابھی تک ذہن پر تھا اور دماغ بوجھل بوجھل ہو رہا تھا' باہر نکلا تو حسن نظر آ گیا لیکن اس کے انداز میں کوئی خاص بات نہیں تھی' مجھ سے اسی انداز میں ملا تھا' میں البتہ کچھ چور سا بنا ہوا تھا۔ حسن نے کہا۔

"میں ذرا کام سے جا رہا ہوں' والد صاحب بھی میرے ساتھ ہوں گے' ذرا خیال رکھنا' دادا جان کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔" بس اس کے علاوہ اس نے مجھے اور کچھ نہیں کہا تھا بہرحال ان لوگوں نے مجھے عزت' جو پذیرائی دی تھی' میں اس کے لئے ان کا دل سے شکرگزار تھا اور میری آرزو تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ان لوگوں کو میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچے' اتنے اچھے لوگ اس کائنات میں کہاں ملتے ہیں۔ بہرحال دن گزرتا رہا' امتیاز صاحب کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا تھا کہ کیسی طبیعت ہے' ایک آدھ ملازم سے میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے' وہ آرام کر رہے ہیں۔ بہرحال میں بس اتنا ہی کر سکتا تھا' میں بے دھڑک اندر تو جا نہیں سکتا تھا' سارا دن حسن اور ناصر صاحب کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ رات کو نہیں آئے تھے' نہ جانے کیوں ایک عجیب سی بے کلی مجھ پر طاری تھی۔ جو واقعات پیش آیا کرتے تھے' ان کے بارے میں تو اب میں بھی حیران نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ بات میرے علم میں تھی کہ میں زیرعتاب ہوں البتہ اب ہر لمحہ اس خوف کا شکار رہتا تھا کہ دیکھیں ناظم ارسلان کی طرف سے کون سی نئی انتقامی کارروائی ہوتی ہے' پچھلی رات شاید پورا چاند تھا اور آج چاند کی پندرہ تاریخ تھی' کھڑکی سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی اور نہ جانے کیوں اس روشنی کے ساتھ شعاع میرے وجود میں آ جاتی تھی' میں کھڑکی سے چاند کو دیکھتا رہا پھر اچانک ہی میرے کمرے کا دروازہ کھل گیا اور میں چونک پڑا' میں نے پلٹ کر دیکھا اور میرے پورے وجود نے پسینہ چھوڑ دیا' وہ شمائلہ تھی' اپنے مخصوص انداز میں' سفید لباس میں ملبوس' کھلے بال' وہ آہستہ آہستہ اندر داخل ہو گئی لیکن آج یوں لگ رہا تھا جیسے وہ حواس میں ہو' پچھلی رات پہلی بار میں نے اسے دیکھا تھا اور دیکھ کر میرے ذہن میں یہ تاثر ابھرا تھا کہ وہ انتہائی حسین ہے' اس وقت اس کی آنکھیں پوری کھلی ہوئی تھیں' وہ میرے سامنے کھڑی ہو گئی' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا اور تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے کہا۔ "آپ..... آپ شاید غلطی سے ادھر آ گئی ہیں' یہاں

میں رہتا ہوں۔"

"کون ہو تم.....؟"

"میرا نام شازل ہے اور امتیاز علی صاحب مجھے یہاں لائے ہیں۔"

"مجھے بتاؤ میں کون ہوں' میں خود کو بھول گئی ہوں' مجھے یاد نہیں رہا کہ میں کون ہوں' مجھے یوں لگتا ہے کہ بھری دنیا میں تنہا آئی ہوں' ویسے ہر انسان تنہا ہی تو ہے' سب اپنے دل کے رشتے تلاش کرتے ہیں' ہر چیز اس دنیا میں ہی پیدا ہوتی ہے اور جو چیز یہاں پیدا ہوتی ہے' وہ ختم ہو جاتی ہے' رشتے ناتے بھی اسی طرح مٹ جاتے ہیں' بتاؤ کسی کے پیدا ہونے سے پہلے' کسی کے وجود میں آنے سے پہلے کون کہتا ہے کہ کون آنے والا ہے پھر کیسے رشتے' کاہے کے ناتے.....؟ سب جھوٹ فریب ہے' تم بتاؤ میں جھوٹ کہہ رہی ہوں؟" اس کی باتوں کا ایک ایک لفظ سچ تھا' یہ لڑکی مجھے نہایت پُراسرار لگ رہی تھی' ایسا لگتا تھا جیسے اس کا تعلق اس دنیا سے نہ ہو' ابھی اس کی یہی باتیں جاری تھیں کہ ایک بار پھر شور کی سی آواز ابھری اور عورتوں کے ساتھ امتیاز علی صاحب نظر آئے' میرے کھلے دروازے کے سامنے سے گزرے تھے' میں بھی ایک دم سنبھل گیا' اس ہنگامہ آرائی کی وجہ شمائلہ ہی ہو سکتی تھی' میں سنبھل کر باہر نکل آیا اور وہ سب میری جانب متوجہ ہو گئے۔ امتیاز علی صاحب نے کہا۔ "وہ ..... بیٹے شازل اصل میں شمائلہ....."

"وہ یہاں موجود ہیں۔" میں نے جواب دیا اور سب چونک کر رک گئے پھر خواتین اندر داخل ہو گئیں' امتاز صاحب میرے پاس کھڑے ہو گئے تھے' انہوں نے میرے بازو پر ہاتھ رکھا اور میں نے انہیں سہارا دے دیا پھر شمائلہ ان کے ساتھ باہر نکل آئی' اس وقت وہ مکمل طور پر ہوش و حواس میں تھی۔ باہر نکل کر اس نے کہا۔ "آپ سب لوگ میرے لئے اتنے پریشان کیوں رہتے ہیں آخر؟ انسان ہوں میں' آپ کی بھیڑ تو نہیں ہوں کہ کھل کر بھاگ جاؤں' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں نے میرے اوپر اس قدر پابندیاں کیوں لگا دی ہیں' میرا دل بھی چاہتا ہے کہ باہر کی دنیا کو دیکھوں' لوگوں سے باتیں کروں' پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے آپ سب لوگوں کو....." وہ غصیلے انداز میں بولی اور اس کے بعد تیز تیز قدموں سے باہر چلی گئی' عورتیں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑیں لیکن امتیاز علی صاحب وہیں رک گئے تھے' انہوں نے میری جانب دیکھا' خاصے نڈھال نظر آ رہے تھے۔ پھر بولے۔

"آؤ بیٹھو باتیں کریں گے' اب نیند تو خراب ہو ہی گئی ہے' مجھے افسوس ہے کہ

تمہاری نیند بھی خراب ہو گئی۔"

"نہیں جناب کوئی بات نہیں ہے۔"

"حسن اور ناصر کہہ کر گئے تھے کہ رات تک واپس آ جائیں گے لیکن زمینوں کے کام سے گئے تھے' میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ پہلے اسی آبادی میں ہمارا مستقل قیام تھا لیکن بس کچھ حالات اور پھر بچوں نے بھی یہاں رہنا پسند نہیں کیا' آؤ بیٹھو تھوڑی دیر تم سے باتیں کروں گا۔"

"ضرور' ضرور....." میں نے کہا۔ امتیاز صاحب پریشان سے بیٹھ گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"ہم لوگ بہت پریشان ہیں بیٹے' تم بھی ہماری ان پریشانیوں میں پریشان ہو گئے ہو گے۔"

"دیکھئے جناب! آپ نے جس محبت سے مجھے اپنے درمیان شامل کیا ہے اور جس طرح اس خاندان نے مجھے قبول کر لیا ہے' میرا رواں رواں اس کے لئے احسان مند ہے' میں تو صرف یہ سوچتا ہوں کہ آپ لوگ پریشان ہیں' یہ سوچ کر اور پریشان ہوں گے کہ ایک اجنبی آپ کے ذاتی معاملات میں شامل ہو گیا ہے۔"

"بیٹے! شمائلہ کو تم نے دیکھا' اسے دیکھ کر تمہارے ذہن میں کیا تصور ابھرتا ہے؟"

"حسن کی بہن ہیں وہ' آپ لوگ مجھے بھی بیٹا بیٹا کہتے ہیں' آپ یقین کیجئے مجھے وہ اپنی بہن کی ہی مانند محسوس ہوتی ہیں لیکن کچھ عجیب سی کیفیت ہے ان کی' آپ یقین کیجئے میں آپ کے ذاتی معاملات نہیں کریدنا چاہتا۔"

"سمجھتا ہوں میں بیٹے' تمہارے وجود میں یقینی طور پر اچھا خون ہے' زیادہ پرانی بات نہیں ہے' شمائلہ بالکل ٹھیک تھی' ہنس مکھ' خوش شکل لیکن کیا بتاؤں کچھ تسلیم نہ کرنے کے باوجود تسلیم کرنا پڑتا ہے' وہ آسیب زدہ ہے' سو فیصد آسیب زدہ....."

"اوہ....." میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"خوب پڑھی لکھی ہے' اتنی سلیقے کی لڑکی تھی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے' زیادہ پرانی بات نہیں ہے لیکن بس یوں سمجھ لو کہ یہ بچے جب ننھے ننھے ہوتے ہیں تو ماں باپ کے بس میں ہوتے ہیں' ذرا سی عمر بڑھی تو یہ بھول جاتے ہیں کہ جن لوگوں نے انہیں پروان چڑھایا ہے' وہ ان کے اچھے برے کے لئے ہر بات سوچتے ہیں' ان کا خیال ہوتا ہے کہ والدین ان پر بے جا پابندیاں لگا کر اپنے اختیارات کا اظہار کرتے ہیں' یوں سمجھ لو شمائلہ اپنی کالج کی ٹیم کے ساتھ قدیم مقامات کی سیر کو گئی تھی' سندھ کے علاقے بھنبور میں یہ گئی

تھی' رات کو ان لوگوں نے وہیں قیام کیا تھا' بھنبور سے تھوڑا سا پیچھے ایک ریگستان میں سسی کی قبر ہے اس سے بائیں طرف چلے جاؤ تو تھوڑا سا آگے جا کر کچھ پُراسرار کھنڈرات ملتے ہیں جن کی تاریخ کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکتا' کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ راجہ داہر کے کسی مشیر کی رہائش گاہ تھی' راجہ داہر کسی بات پر اس مشیر سے ناراض ہو گیا تھا اور اس نے اس عمارت کے دروازے بند کروا کر آگ لگوا دی' جو لوگ اس عمارت میں تھے' وہ زندہ جل گئے اور اس کے بعد پھر اس عمارت میں کبھی آبادی نہیں ہوئی' داستانیں ہوا کرتی ہیں..... تو بات شمائلہ کی ہے' تاریخ سے بڑی دلچسپی رہی ہے اسے' پاکستان بھر کی تاریخی عمارتیں دیکھ چکی ہے' ہر جگہ بے دھڑک چلی جاتی تھی' اس عمارت میں گئی تھی اور بس جب وہاں سے واپس آئی تو کھوئی کھوئی سی تھی اور بڑی عجیب باتیں کر رہی تھی۔ پھر اسی رات تقریباً ایک بجے اچانک ہی اس کے کمرے سے چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں' ہم نے کمرے میں داخل ہو کر دیکھا تو ایک عجیب و غریب منظر سامنے تھا' اس کی مسہری شعلوں میں گھری ہوئی تھی اور مسہری کے بیچوں بیچ شمائلہ بیٹھی ہوئی تھی۔ شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ اس کے لمبے لمبے بال چھتری کی طرح پھیلے ہوئے تھے' اس کے بالوں کی چھتری شعلوں کے اوپر تھی لیکن یہ بال جل نہیں رہے تھے جبکہ شعلے اُن بالوں سے گزر کر اوپر اٹھ رہے تھے' ہم نے شمائلہ کا چہرہ دیکھا' آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا' آنکھیں اپنی جسامت سے کافی بڑی بڑی ہو گئیں تھیں اور ان میں ایک عجیب شریر سی کیفیت تھی' اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے بھی اسے دیکھا' اس کا دم ہی نکل گیا تھا لیکن ناصر ان شعلوں کے پاس پہنچا' وہ اپنی بیٹی کی اس کیفیت کو برداشت نہیں کر سکا تھا' جب وہ شعلوں کے پاس پہنچا تو اسے اتنی شدید تپش محسوس ہوئی کہ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ آیا پھر رفتہ رفتہ شعلے بجھتے چلے گئے' شمائلہ کے بال بھی نیچے آ گئے' پھر وہ لیٹ کر سو گئی' پورا گھر تو مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن شمائلہ کو رات کے واقعات کا کچھ پتہ نہیں تھا بس یہ سمجھو لو کہ ہماری جو حالت ہوئی ہو گی' کم از کم تم اس کا اندازہ تو لگا سکتے ہو' دوسری رات ہم میں سے کوئی بھی نہیں سو سکا اور رات کو ایک بجے پھر وہی کھیل شروع ہو گیا' اس وقت شمائلہ اپنی ماں کے پاس سو رہی تھی' عام طور سے وہ اپنے کمرے میں سویا کرتی تھی لیکن آج اس کی ماں نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا' شمائلہ کی ماں کہتی ہے کہ دفعتاً ہی کسی نے اس کے بال پکڑ کر اسے گھسیٹا اور ایک زوردار لات اس کی کمر پر لگی' وہ اتنی زور سے قالین پر گری تھی کہ کافی چوٹ آئی' وہ دہشت سے چیخنے لگی اور پھر اس کے بعد اس کی اپنی مسہری پر وہی منظر نظر آیا جو پچھلی رات کا تھا' بس یہ سمجھ لو کہ جو کچھ بھی ہم پر

بیتی' اللہ جانتا ہے اور ہم جانتے ہیں' ہمارے دل ڈوب گئے تھے بس یوں سمجھ لو کہ اس کے بعد سے ہمارا جینا حرام ہو گیا' بہت سارے واقعات ہوئے۔ اس سلسلے میں ایک بزرگ سے میری شناسائی تھی' مولوی عبادت علی بہت دیندار آدمی تھے' بچوں کو تعویذ گنڈے دیا کرتے تھے' میں نے یہ صورتِ حال انہیں بتائی تو وہ ہمارے گھر آ گئے' شام مغرب کے بعد سے انہوں نے پڑھنا شروع کیا' عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد وہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور جائے نماز پر بیٹھ کر پڑھنا شروع کر دیا' تجربے کے طور پر شمائلہ کو اس کے کمرے میں ہی سلا دیا گیا تھا' جب رات کے ایک بجے تو شمائلہ کے کمرے سے چیخوں کی آواز بلند ہوئیں تو ہم سب انتظار کر رہے تھے' یہاں یہ سب کچھ ہو رہا تھا' وہاں مولوی عبادت علی پڑھ رہے تھے اور اس کے بعد وہ اندر داخل ہو گئے' ہم میں سے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی' مولوی عبادت علی نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تھا پھر کوئی رات کو ڈھائی بجے یا پونے تین بجے کے قریب وہ باہر نکلے تو ان کے چہرے پر نیل پڑے ہوئے تھے' ایک دو جگہ سے خون بھی بہہ رہا تھا' لباس پھٹا ہوا تھا بہرحال باہر آ گئے پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ صورتِ حال بہت ہی پریشان کن ہے' وہ کسی بہت بڑے آسیبی چکر میں گرفتار ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو کوئی بھی اس سے متعلق ہوا ہے' وہ بڑی گندی فطرت کا مالک ہے' شریر اور انتہائی خطرناک ..... مولوی صاحب نے کہا وہ کام شروع کر چکے ہیں اور بہت جلد شمائلہ کو اس مشکل سے نجات دلا دیں گے۔" لیکن پھر امتیاز علی صاحب اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے' ان کے بدن میں ہلکا ہلکا ارتعاش سا تھا اور میں بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اس رات کے دوسرے دن کی صبح کو مولوی عبادت علی اپنی رہائش گاہ میں ٹکڑے ٹکڑے پائے گئے' خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ان کے بدن کے اس طرح ٹکڑے کر دیئے گئے تھے جیسے قصائی قربانی کر کے پوری گائے کا گوشت بنا دیتا ہے' بھیجا الگ نکال کر رکھ دیا گیا تھا اور گردن کاٹ کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی' باقی بدن کو اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا جیسے میں نے تمہیں بتایا' خیر پولیس کا چکر ہوا لیکن ہم لوگ کسی مشکل میں نہیں پھنسے۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس کے بعد سے ہم لوگ عذابِ زندگی کا شکار ہیں' وہ بچی اتنی اچھی ہے کہ اس کے بارے میں کوئی بری بات سوچتے ہوئے بھی بڑا دکھ ہوتا ہے' خدا اس کی زندگی رکھے۔"

"ایک سوال....." میں نے کہا۔ اور وہ مجھے غور سے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"ہاں....."

"مطلب یہ ہے کہ شمائلہ صاحبہ دن بھر ٹھیک رہتی ہیں؟" میرے اس سوال پر امتیاز صاحب سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بولے۔

"اسے ٹھیک نہ کہو' جب سے اس عتاب میں گرفتار ہوئی ہے' یوں سمجھ لو کہ اپنی شخصیت ہی کھو بیٹھی ہے' دن میں بہتر حالت میں ہوتی ہے لیکن اس طرح غم میں ڈوبی ہوئی کہ سب کے دل دُکھ جاتے ہیں' خیر یہ سارا سلسلہ تھا جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ ہم لوگ زمان گڑھی میں ہی رہتے تھے' یہاں سے کافی فاصلے پر ایک پرانی عبادت گاہ ہے' کوئی بہت ہی قدیم زمانے کی مسجد' وہاں کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ لوگ وہاں جاتے رہتے ہیں اور وہاں بڑے بڑے بھوت پریتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے' میں بھول ہی گیا تھا' اس عبادت گاہ اور مزار شریف کے بارے میں لیکن ایک دن خواب میں' میں نے اپنے ایک بزرگ کو دیکھا جو کہہ رہے تھے کہ امتیاز علی دنیا بھر میں جھک مارتا پھر رہا ہے' زمان گڑھی میں پیر صاحب کے مزار پر کیوں نہیں جاتا' جا کر تو دیکھ' ہو سکتا ہے تیری مشکل کا حل وہاں مل جائے' میں نے بچوں کو زمان گڑھی بھیج دیا' یہاں پہنچ کر ابھی تک صحیح صورتِ حال واضح نہیں ہو سکی لیکن بہرحال ہم یہ طے کر چکے ہیں کہ شمائلہ کو مزار شریف پر بھی لے جائیں گے' اپنی جیسی کوششیں کر رہے ہیں' دیکھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم آتا ہے۔" میں خاموش ہو گیا اور امتیاز علی صاحب بھی افسردگی میں ڈوبا چہرہ لئے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے کہا۔

"آپ جب زمان گڑھی میں تھے تو کیا ان بزرگ کے مزار پر تشریف لے گئے تھے؟"

"نہیں' کبھی نہیں گیا لیکن تم یقین کرو اس وقت بھی میں نے یہاں کی داستانیں سنی تھیں اصل میں' میں خاصی صاف ستھری ذہنیت کا مالک ہوں' میں نے ایسے واقعات کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا لیکن ایسا کوئی واقعہ کبھی اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی نہیں تھا کہ ایک بچی اس کیفیت میں نظر آئے' خدا نہ کرے اب اس کی یہ کیفیت ہو لیکن اگر تم دیکھو گے تو یقین کرو دل و دماغ پر قابو نہیں پا سکو گے۔"

"کیا مطلب.....؟ اب یہ سب کچھ نہیں ہوتا؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے' ایک تبدیلی ہوئی ہے' وہ یہ کہ شمائلہ اب اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیتی ہے اور ساری روشنیاں بجھا دیتی ہے' وہاں پر بھی ایسا ہوتا تھا' یہاں پر بھی یہی کیفیت ہے' کوئی رخنہ' کوئی کھڑکی کھلی نہیں چھوڑتی خصوصیت یہ ہے کہ اب اس کی چیخیں نہیں سنائی دیتیں لیکن ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ وہ تقریباً رات بھر

ہی جاگتی رہتی ہے۔ بہرحال میں یہ بتا رہا تھا کہ چونکہ میں کبھی ایسے معاملات میں دلی طور پر ملوث نہیں رہا' اس لئے اس مزار شریف تک بھی جانا نہیں ہو سکا' بس سنا ہی سنا تھا' اس کے بارے میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کا راستہ بڑا خطرناک ہے' عام طور سے وہاں جو لوگ جاتے ہیں' وہ بھوتوں پریتوں کے مارے ہوئے ہوتے ہیں اور سنا ہے کہ تندرست ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن ابھی تک آپ لوگوں نے وہاں جانے کی تیاریاں نہیں کیں؟"

"بس..... الجھنوں کا شک تھے لیکن اب ایک دو دن کے اندر اندر جائیں گے وہاں.....=

"میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔" میں نے کہا۔

"ضرور بیٹے بھلا تو کہاں رہ جائے گا' ہم بس تیاریوں میں مصروف ہیں' بہت جلد چلیں گے یہاں سے۔"

"مجھے واقعی بے حد افسوس ہے' اور پھر حسن کے حوالے سے اور آپ کی محبت کے حوالے سے شمائلہ میرے لئے بھی بالکل بہن کی مانند ہے' کاش میں آپ لوگوں کے کسی کام آسکوں۔"

"دیکھو اب تم' ہم میں سے ایک ہو' میں اب تم سے کوئی بات کہتے ہوئے جھجک محسوس نہیں کرتا' تم اپنی ذمہ داری اس حد تک قائم رکھو کہ اگر کبھی ہم اس کی نگرانی میں ناکام رہیں تو تم اس کی طرف سے ہوشیار رہو' ہم دکھوں کے مارے ہیں' زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب ہم خوش و خرم تھے اور ہمیں کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی لیکن اب....." وہ سسکی سی لے کر خاموش ہو گئے۔ میرے دل میں ان کے لئے ایک دکھ کا احساس پیدا ہو گیا تھا پھر کافی دیر تک وہ میرے ساتھ بیٹھے رہے اور چلے گئے۔ کیا عجیب بات تھی' میں تو اپنے ہی لئے پریشان تھا لیکن یہ نئی کہانیاں اور وجود میں آ گئی تھیں۔ بہرحال ہو سکتا ہے اس سے ہی میری مشکلات میں کوئی کمی واقع ہو جائے۔ انسانوں سے ہمدردی کرنا بھی انسانیت کا ہی ایک حصہ ہے' اگر میری وجہ سے ان لوگوں کے دکھ میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اس سے زیادہ خوشی کی بات بھلا اور کیا ہو سکتی تھی' میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ مزار شریف پر جانے میں اتنا وقت کیوں صرف کر رہے ہیں' ساری باتیں اپنی جگہ' امتیاز صاحب نے مجھے بڑا مقام دیا تھا' اس کے ساتھ ساتھ ہی ناصر علی صاحب بھی میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ بقیہ افراد بھی لیکن پھر بھی ایک تھوڑی سی احتیاط ضروری تھی' نہ جانے کب تک میں اس بارے میں سوچتا رہا

تھا اور پھر دوسرے دن حالات کافی حد تک پُرسکون تھے' حسن وغیرہ واپس آ گئے تھے' حسن نے خود ہی مجھ سے ملاقات کی اور کہنے لگا۔

"تم بھی کیا سوچ رہے ہو گے کہ کس مصیبت میں آ پھنسے لیکن یار ہمارا ساتھ دو' برا وقت تو ٹل ہی جاتا ہے' بُرے وقت کے ساتھی کبھی بھولے نہیں جا سکتے' آؤ چلو باہر چلتے ہیں۔" راستے میں حسن نے مجھ سے کہا۔ "ویسے برا تو نہیں مانو گے شازل ایک بات کہوں۔"

"ہاں....." میں نے کہا۔

"زندگی میں اور بھی بہت سی دلچسپیاں ہوتی ہیں' ہم تو خیر مشکل کا شکار ہو گئے ہیں لیکن تم نے کبھی کوئی چکر چلایا یا نہیں۔"

"کیسا چکر..... ؟"

"بننے کی کوشش مت کرو' مطلب یہ کہ کچھ خواتین و حضرات سے رابطے رہے یا نہیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس سوال کے ساتھ ہی ذہن میں شعاع جاگ اٹھی تھی اور میرے چہرے پر افسردگی کی لکیریں پیدا ہو گئی تھیں۔ حسن نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ ادھر چلتے ہیں' ویسے یہی راستہ مزار شریف کو جاتا ہے' سنا ہے وہاں بڑی عجیب و غریب باتیں دیکھنے میں آتی ہیں' ویسے بچپن میں ایک بار گیا تھا' ایک واقعہ یاد آ گیا مجھے..... وہ آسیب زدہ لڑکیاں جو مزار پر جاتی ہیں' رات کی تاریکیوں میں کبھی کبھی بھاگتی دوڑتی اور چیختی چلاتی نظر آتی ہیں' بہت پرانی بات ہے میں نہیں جانتا میں کتنی عمر کا تھا' جب وہاں گیا تھا' رات کو ہم لوگوں نے وہیں قیام کیا تھا' مزار کے آس پاس ایسی جگہیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ رات کو میں نے کسی کو دیکھا' وہ بھاگتا ہوا آ رہا تھا' وہ مجھ سے ٹکرا گیا۔ وہ ایک لڑکی تھی لیکن اس کے پیروں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں اور تین چار افراد اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے آ رہے تھے' مجھے پتا چلا کہ وہ زنجیریں توڑ کر بھاگ نکلی ہے' تم یقین کرو اس واقعے نے میرا دل ہلا رکھا ہے' میری بہن ایسی تو نہیں ہے لیکن بہرحال ہے مشکل کا شکار' خدا سے دعا کرو کہ وہ اس مشکل سے نکل جائے۔" حسن خاموش ہو گیا۔ ہم لوگ اسی راستے پر چل پڑے تھے حالانکہ حسن نے بتایا تھا اور خود امتیاز صاحب نے بھی کہا تھا کہ مزار شریف کا علاقہ یہاں سے کافی دور ہے لیکن بہرحال راستے سے گزرنے والے نظر آتے تھے۔ اچانک ہی حسن نے کہا۔

"وہ جو کہتے ہیں چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا' اگر اجازت دو تو تھوڑی سی ہیرا پھیری کرلوں۔"

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟"

"یار وہ چہرہ دیکھو' کیا پیاری صورت ہے۔"

اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک لڑکی تھی جو کچھ لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی' عجیب سا چہرہ تھا لیکن بے حد حسین.....

"کیا کرو گے؟"

"ذرا پتا ٹھکانہ معلوم کر کے آتا ہوں' بس ابھی آیا' تم آگے بڑھتے رہو' دیکھو میں تمہیں اسی راستے پر مل جاؤں گا۔" اور پھر حسن برق رفتاری سے اس طرف چل پڑا' نوجوان لڑکا تھا' نوجوانی کی شرارتوں میں الجھا ہوا' عمر تو میری بھی زیادہ نہیں تھی لیکن وقت نے مجھے جس طرح سنجیدہ کر دیا تھا' وہ سنجیدگی میرے چہرے پر چھپی ہوئی تھی۔ حسن تھوڑی دیر تک نظر آتا رہا پھر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا' میں نے دور دور تک دیکھا' راستے پر تانگے سائیکلیں وغیرہ جا رہی تھیں' ایک آدھ کار بھی نظر آ جاتی تھی' میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا پھر اچانک ہی مجھے کسی نے آواز دی۔

"سنو' سنو بیٹا! رکو ذرا....." میں رک گیا' پلٹ کر میں نے دیکھا تو ایک بزرگ تھے' سفید لباس میں ملبوس' سفید ٹوپی پہنے ہوئے' اچھی خاصی عمر تھی' آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ "کیا مزار شریف پر جا رہے ہو؟"

"نہیں جناب! اپنے دوست کے ساتھ ایسے ہی آگے نکل آیا تھا۔" چند لمحے تک وہ خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔ "دیکھو بات کچھ بھی نہیں ہے لیکن اعتماد شرط ہے' اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا' ہو سکتا ہے راستے دوسرے اختیار کئے جائیں' بس یہ سمجھ لو کہ راستوں میں بچت ہونی چاہئے' کیا سمجھے' ان راستوں کو سنبھالے رکھنا' منزلیں آسان ہو جائیں گی۔"

"آپ کون سی منزلوں کی بات کرتے ہیں؟"

"بس تم جانتے ہو جو کہہ رہے ہیں' وہ سمجھ لو اور باقی سب خیریت ہے' اچھا چلتے ہیں۔" انہوں نے اچانک ہی راستہ کاٹ دیا۔ میں بھلا کیا روک سکتا تھا انہیں لیکن کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں کچھ لمحے سوچتا رہا تھا۔ ایک انوکھی بات میں نے محسوس کی تھی۔ بچپن تو خیر جس طرح بھی گزرا لیکن اب اس کے بعد میرے ساتھ جو واقعات پیش آ رہے تھے' وہ بڑے پریشان کن تھے اور

کچھ ایسی چیزیں دامن گیر ہو گئی تھیں جن سے بظاہر میرا کوئی واسطہ نہیں تھا' سب کچھ چھوڑ دیا تھا دنیا کے لئے' ہر طرف سے ہٹ گیا تھا لیکن ان پُراسرار واقعات نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا' پتہ نہیں کیا چکر ہے بہرحال اللہ مالک ہے' انسان کے پاس جب اپنے لئے راستے نہیں رہتے تو پھر قدرت اس کی راہنمائی کرتی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہی راہنمائی درست ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حسن واپس آ گیا' اس نے خود ہی مجھے تلاش کر لیا تھا' میں ایک درخت کے ساتھ پشت لگائے کھڑا ہوا تھا تو وہ عقب سے میرے قریب پہنچ گیا۔

"جی جناب! مہم سر کر آئے؟" میں نے پوچھا۔

"یار غلطی ہو گئی۔"

"کیوں کیا بات ہے؟"

"بیچاری مصیبت کی ماری ہوئی تھی' آسیب زدہ..... مجھے افسوس ہوا کہ میں بلاوجہ اس کے پیچھے چل پڑا' میری اپنی بہن بھی تو اسی کیفیت کا شکار ہے' ہو سکتا ہے کوئی اس کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے۔" حسن کی بات پر میں افسردہ ہو گیا' حسن خود بھی افسردہ نظر آ رہا تھا' ہم لوگ وہاں سے واپس چل پڑے اور پھر گھر پہنچ گئے۔ کوئی اہم بات نہیں تھی' میں یہ سوچ رہا تھا کہ کسی مناسب وقت امتیاز صاحب سے بات کروں گا' اس بارے میں کہ مزار شریف جانے میں آخر دیر کیوں کی جا رہی ہے' جس کام کے لیے وہ یہاں آئے تھے' اس کی ابتدا کیوں نہیں کی جاتی۔

پھر اس رات بھی بڑی ہنگامہ آرائی رہی' موسم سرِ شام ہی ابر آلود ہو گیا تھا اور فضا میں بڑی حبس کی کیفیت تھی' امکان تھا کہ بارش ہو جائے گی لیکن بارش نہیں ہوئی' رات کے معمولات سے فراغت حاصل کر کے میں اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آج کچھ عجیب سا ماحول ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہا' ابھی رات کے ساڑھے دس یا گیارہ بجے ہوں گے کہ اچانک ہی ایک دلخراش چیخ فضا میں ابھری اور میں بے اختیار اچھل پڑا' میں نے دروازہ کھولا اور اندر کی طرف دوڑا تو تمام لوگوں کو گھبرائے ہوئے شمائلہ کے کمرے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا' میں بھی ان میں شریک ہو گیا تھا اور اندر پہنچ کر میں نے جو منظر دیکھا' وہ واقعی انتہائی بھیانک تھا۔ حسین شمائلہ اس وقت ایک بھیانک شکل میں میرے سامنے موجود تھی' وہ پیاری سے لڑکی جسے دیکھ کر آنکھوں میں خواب اتر آئیں' اس وقت ایک بھیانک روپ پیش کر رہی تھی' اس کے لمبے لمبے حسین بال چھتری کی مانند چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے' بالکل سخت لکڑی کی مانند..... ان

بالوں میں اس وقت ذرا بھی لچک نظر نہیں آ رہی تھی' اس سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ شمائلہ کا سر چاروں طرف گھوم رہا تھا' اس کی گردن جس خوفناک انداز میں گھوم رہی تھی' وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی بس یہی لگتا تھا جیسے کسی گڑیا کا سر چابی کے ذریعے گھمایا جا رہا ہو' چہرہ بالکل سرخ' آنکھیں پھٹی ہوئی اور دانت ہونٹوں سے نیچے نکلے ہوئے' وہ خوفناک انداز میں گردن گھما رہی تھی اور اس کی یہ کیفیت دیکھ کر وہ سب لوگ منہ دبا دبا کر دیکھ رہے تھے' میں بھی خاموشی سے اسے دیکھنے لگا اور اس کے بعد اچانک ہی شمائلہ اپنی جگہ رک گئی' وہ اب مجھے گھور رہی تھی' ان بھیانک آنکھوں اور اس چہرے کو دیکھ کر میرے حواس بھی گم تھے' ساری باتیں اپنی جگہ لیکن ایسے کسی منظر سے اس سے پہلے واسطہ نہیں پڑا تھا' اس نے مسہری سے قدم نیچے اتارے اور آہستہ آہستہ میری جانب بڑھنے لگی' کچھ لمحوں کے بعد وہ میرے سامنے کھڑی ہو گئی' میرے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا تھا' وہ اس طرح مجھ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو' اس کے بال ٹھیک ہو گئے تھے لیکن چہرے پر وحشت مسلسل برس رہی تھی پھر اس نے میری جانب انگلی اٹھائی اور سسکتی ہوئی بولی۔ "یہی ہے' میں نے پہچان لیا ہے' اسے پہچان لیا ہے' یہی تو میرا قاتل ہے' اسی نے تو مجھے قتل کیا ہے' آہ دیکھو..... یہ یہاں تک پہنچ گیا' یہ میرا تعاقب کر رہا ہے' نہیں چھوڑے گا مجھے یہ' مجھے بچاؤ مجھے اس سے....." اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے اور سسکتی ہوئی آگے بڑھ گئی پھر ناصر علی سے لپٹ گئی۔

"بچالو اس سے مجھے' بچالو' تمہیں خدا کا واسطہ' یہ میرا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آ گیا ہے' یہاں بھی یہ..... یہ....."

مجھے وہ بری طرح سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی' میں تعجب سے منہ کھول کر رہ گیا' ان لوگوں کے منہ بھی کھل گئے تھے' وہ سب حیران نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے' میں کچھ دیر تک اسی طرح خاموش کھڑا رہا' ایک دم وہاں سناٹا سا چھا گیا تھا' وہ شمائلہ کی بات پر شاید غور کر رہے تھے۔ جب کسی نے مجھ سے کچھ نہ کہا تو میں نے امتیاز علی سے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ مجھ سے ڈر رہی ہیں' میں باہر چلا جاتا ہوں۔" کوئی کچھ نہ بولا تو میں باہر آ گیا لیکن مجھے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ شمائلہ نے جس انداز میں یہ الفاظ کہے تھے' وہ کسی کو بھی بہکانے کے لئے کافی تھے' میں خود ششدر رہ گیا تھا' یہ کیا ہوا؟ کیا ہے یہ سب کچھ؟ میں نے متعجب انداز میں سوچا اور پھر سہما سہما سا اپنی رہائش گاہ میں آ گیا' میں اپنے بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا تھا' زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر آہٹیں ہوئیں پھر کسی نے

دروازہ کھولا اور جس شخص نے اندر قدم رکھا' اسے دیکھ کر میرے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی' یہ چوڑا اور نہایت بھیانک چہرہ تھا' دبلا پتلا جسم لیکن چہرے کی مناسبت اتنی زیادہ کہ وہ اس کا چہرہ لگتا ہی نہیں تھا' میں خوف زدہ انداز میں کھڑا ہوا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "چوکیدار ہوں بابو صاحب' چوکیداری کرتا ہوں یہاں کی' رات ہی میں آتا ہوں' صبح ہونے سے پہلے چلا جاتا ہوں' کیا ہو گیا ہے اندر' ہم تو نوکر لوگ ہیں' ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔" میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر مجھے حسن کی باتیں یاد آ گئیں جس نے بتایا تھا کہ یہاں ایک چوکیدار رہتا ہے' خود بھی شکل و صورت سے جن ہی معلوم ہوتا ہے' یہ تو حسن کے بتائے ہوئے الفاظ سے بھی زیادہ بھیانک تھا' میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی' وہ عجیب سے انداز میں ہنسا پھر بولا۔ "ہم کہیں' ایک بات کہیں' مان لو گے ہماری بات.....؟" میں پھر بھی کچھ نہ بولا تو اس نے کہا۔ "کتنی سندر ہے یہ۔ کیسی حور پری ہے' حُور پری' کیا تم اسے قبول کر لو گے؟"

اچانک ہی میرے اندر ایک خوف جاگا بمشکل تمام میں نے کہا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"مالک کی بیٹی ہے اور اتنی دولت مند کہ جو بھی اس سے شادی کرے گا' دولت میں کھیلے گا۔"

"تو پھر.....؟"

"موم ہو جائے گی تمہارے ساتھ' یقین نہ آئے تو دیکھ لینا' سنو ہم جو کہہ رہے ہیں' اسے غور سے سنو' اسے اپنا لینا' سب ٹھیک ہو جائے گا' ہمارا کام ہے جب ہماری ڈیوٹی لگائی گئی ہے تو ہم یہ ڈیوٹی کریں گے' سمجھ رہے ہو ناں.....؟" وہ مڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ جو بکواس اس نے کی تھی' مجھے شدید غصہ آیا اور میں تیزی سے بڑھا۔ "سنو.....رکو ..... بات سنو میں تمہارا دماغ ابھی درست کئے دیتا ہوں۔" لیکن وہ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا' پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دروازے کے دونوں طرف جتنے راستے اور فاصلے تھے' کوئی تیز ترین انسان بھی ان فاصلوں کو اتنی جلدی عبور نہیں کر سکتا تھا' ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو' ہوا کی مخلوق ہو' میں آنکھیں پھاڑتا ہوا رہ گیا لیکن بہرحال یہ بات تو مجھے یاد تھی کہ وہ لوگ اس کے بارے میں یہی کہتے تھے کہ وہ ایک آسیب ہے' کیا واقعی یہ بوڑھا چوکیدار کوئی آسیب ہی ہے؟ بہرحال میں اسے دوبارہ تلاش نہ کر سکا تھا لیکن جو الفاظ وہ کہہ کر گیا تھا' انہوں نے مجھے دہشت زدہ کر دیا تھا' یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں تھی اب مجھے کہ بوڑھا اگر سمبان نہیں

تھا تو سمبان ہی کا کوئی نمائندہ یا ہرکارہ تھا' میرے خدا مجھ پر طلسماتی زندگی کب ختم ہو گی' اکتا گیا ہوں اس سے ..... کیا کروں؟ کیسے کروں؟ ادھر بیچاری شعاع' باپ کے عتاب کا شکار تھی' اس کا گھر اس پر جہنم ہو گیا ہو گا' کچھ بھی معلوم نہیں تھا مجھے اس کے بارے میں' وہ جس شکل میں میرے سامنے آئی تھی' وہ تو بڑی بھیانک تھی' میں نے اب تک یہی سوچا تھا کہ ماں باپ کبھی اولاد کو اتنی تکلیف نہیں دیتے' تصویر میں جو کچھ ہوا تھا' وہی کیا کم بھیانک تھا کہ میں نے شمائلہ کی شکل میں شعاع کو دیکھا اور اس کی آواز سنی اور صورت وہی تصویر والی تھی۔ ادھر تو شعاع زیرِ عتاب تھی اور ادھر میں زندگی کے عذابوں سے گزر رہا تھا' یہ بھیانک صورتِ حال کیا تھی' شمائلہ کو میں بہن کہہ چکا تھا' وہ لوگ بھی مجھ سے مطمئن تھے حالانکہ شمائلہ نے جو الفاظ کہے تھے' ان کا ردِ عمل کچھ بہتر نہیں تھا اور ہو سکتا ہے دن کی روشنی میں یہ ردِ عمل شدید ہو جائے بس اب یہاں سے میرا دانہ پانی اٹھتا ہوا معلوم ہو رہا تھا حالانکہ زیادہ وقت بھی نہیں ہوا' ہم لوگوں کا پروگرام تو کافی لمبا تھا' میں نہیں جانتا تھا کہ ان کا رویہ کیا ہو گا اور اب یہ شیطان بوڑھا نہ جانے کس طرح ان لوگوں سے منسلک نکل آیا' بدن میں سرد لہر دوڑ گئی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ ایک انسان' ایک کمزور اور معمولی سا انسان جنوں کے جال میں آ پھنسا ہے' میں کیا اور میری بساط کیا.....؟ میں ان کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا' نہ جانے کب کیا ہو جائے' کیا کروں گا' میں کیا کر سکتا ہوں۔ دوسرے دن ماحول واقعی خاصا کشیدہ تھا' مجھے میری رہائش گاہ پر ہی ناشتہ مل گیا تھا کوئی گیارہ بجے کا وقت تھا میں اندر ہی بیٹھا ہوا تھا اور چوروں جیسے انداز میں سوچ رہا تھا کہ یا تو خود ہی نکل جاؤں یہاں سے یا پھر امتیاز صاحب سے معلومات حاصل کر لوں کہ اچانک ہی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اور پھر کوئی اندر داخل ہو گیا لیکن شمائلہ کو دیکھ کر میں ایک دم سے خوف زدہ ہو گیا تھا' بہترین حالت میں تھی' عمدہ لباس پہنا ہوا تھا' چہرے پر ہلکا سا میک اپ بھی کیا ہوا تھا اور اس وقت ذرہ برابر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی طرح سے بیمار ہے' میں کھڑا ہو گیا تو وہ بولی۔ "کیا بات ہے جناب! ایسا لگ رہا ہے جیسے ہماری آمد آپ کو ناگوار گزری ہو؟"

"شمائلہ آپ.....؟"

"جی..... جی فرمائیے۔" اس نے کہا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ....."

"جیسی آپ دیکھ رہے ہیں۔" وہ لگاوٹ کے انداز میں بولی اور میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ یہ کیفیت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی' شمائلہ کا جو روپ میں دیکھ چکا تھا' وہ تو

بڑا ہی بھیانک تھا لیکن اس وقت وہ انتہائی دلکش لگ رہی تھی اور اس کی گفتگو کا انداز بھی بڑا عجیب تھا۔

"آیئے بیٹھئے' مجھے آپ کافی بہتر معلوم ہو رہی ہیں۔"

"اور مجھے آپ پاگل لگ رہے ہیں' یہ کیا تکلف کی باتیں شروع کر دی ہیں' کہاں تو میرے ساتھ....." اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں خوف زدہ ہو گیا' اچانک ہی مجھے محسوس ہوا کہ جیسے دروازے کے پاس کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں' میں نے خوف زدہ نگاہوں سے دروازے کو دیکھا تو یہ دیکھ کر میرا دم خشک ہو گیا کہ دروازہ اندر سے بند ہو گیا ہے' میں نے نہیں دیکھا تھا کہ دروازہ شمائلہ نے بند کیا ہے یا کسی اور نے لیکن بہرحال دروازہ بند تھا' شمائلہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور میرے قریب پہنچ گئی۔

"میں نہیں سمجھ پا رہی کہ اس وقت آپ کو کیا ہو گیا ہے بہرحال آپ نے مجھے بلایا تھا' اس لئے میں آ گئی' اب میرے لئے کیا حکم ہے۔" دفعتاً ہی دروازہ زور سے بجایا گیا اور میں نے دروازے کی جانب چھلانگ لگا دی پھر کئی بار دروازہ پیٹا گیا اور میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا' باہر ناصر علی' حسن اور دادا جان کھڑے ہوئے تھے لیکن سبھی کے چہروں پر سخت آثار نظر آ رہے تھے اور ایک لمحے کے اندر اندر مجھے اپنی تقدیر کا فیصلہ معلوم ہو گیا' میں نے بغور ناصر علی صاحب کا چہرہ دیکھا' ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا' دادا جان کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے پر نفرت اور شرمندگی نظر آئی پھر حسن کو دیکھا حسن کے چہرے پر بے یقینی پھیلی ہوئی تھی' آخر میں میری نگاہیں شمائلہ کی جانب اٹھ گئیں' وہ بدستور پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"جناب کیا فرماتے ہیں آپ حضرات اس سلسلے میں.....؟"

"صرف اتنا کہ تمہارے بدن میں کوئی گندا خون ہے' تم کسی شریف ماں باپ کے بیٹے نہیں ہو۔"

"کافی دن نمک کھایا آپ کا لیکن ایک بات عرض کروں ناصر علی صاحب! جو لوگ میرے اور آپ کے درمیان موجود نہیں ہیں' اگر انہیں آپ گالیاں نہ دیں تو یہ آپ کے شریف خون کی ضمانت ہو گی ورنہ معاف کیجئے جن لوگوں نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا' جو اب اس دنیا میں موجود بھی نہیں ہیں' آپ انہیں برا کہیں گے تو آپ کا خون بھی مشکوک ہو جائے گا۔"

"میں اتنا ماروں گا تجھے کہ شاید تُو زندہ نہ بچنے پائے' ذلیل کمینے....." میں نے اپنی مسکراہٹ کم نہ ہونے دی اور کہا۔ "آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں کہ اگر دل میں کوئی

بھڑاس یا بُرائی ہے تو بے شک آپ مجھے مار لیجئے اور امتیاز علی صاحب' آپ کے چہرے پر نفرت اور ہلکی سی شرمندگی جو ہے' وہ تحریر بن کر کچھ یوں اجاگر ہوتی ہے کہ آپ مجھے اپنے ساتھ یہاں لا کر شرمندہ ہیں اور حسن' تم جو بے یقینی کے انداز میں مجھے دیکھ رہے ہو' میرے دوست• تو سمجھ لو کہ اس وقت سب سے زیادہ سچے تم ہو' میں جانتا ہوں آپ لوگ مجھے مار پیٹ کر یہاں سے نکال دیں گے' اگر مارنے پیٹنے سے تھوڑی سی دل کی بھڑاس کم ہو جاتی ہے تو خدا کی قسم میں گردن جھکا کر بیٹھ جاتا ہوں' مار لیجئے۔ اصل میں تھوڑی سی باتیں کروں گا آپ سے' آپ انہیں دیکھ رہے ہیں....." میں نے شمائلہ کی جانب اشارہ کیا۔ پھر کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ عام حالت میں بھی یہ اتنی ہی چاق و چوبند' خوش و خرم نظر آتی ہیں چونکہ میں نے انہیں بہت کم دیکھا لیکن اس وقت یہ جس کیفیت میں ہیں' وہ ان کی نارمل کیفیت نہیں ہے بلکہ یہ اسی شے کے زیر اثر ہیں' میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا' اپنے بارے میں آپ کو بتا دوں ایک بہت بڑے خاندان کا چراغ ہوں' آپ لوگ اپنی جس دولت کا مظاہرہ کرتے ہیں شاید آپ مجھ پر ہنسیں کہ اتنی دولت ہمارے ملازموں کے پاس ہو گی' تقدیر نے مجھے ایک الجھن کا شکار کیا' کچھ پُراسرار قوتیں میری دشمن بن گئیں اور انہوں نے مجھے دربدر کر دیا' وہ پُراسرار قوتیں جو کچھ چاہتی ہیں' میں ان کی اس چاہت پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں' انہوں نے مجھے آگاہ کر دیا تھا کہ میں جہاں کہیں بھی قدم رکھوں گا' وہاں وہ میری بے عزتی بھی کرائیں گی اور مجھے تباہ کن رسوائی سے دوچار کریں گی' ماں' بہن اور بیٹی کا لفظ اس کائنات میں بڑی مقدس کیفیات کا حامل ہوتا ہے' اس لڑکی کو میں نے حسن کی بہن کی نگاہ سے دیکھا ہے اور حسن کو بھائی کی نگاہ سے' اس کے لئے میرے دل میں صرف اور صرف ایک چھوٹی بہن کا تصور ہے' کسی برائی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا' اپنی ماں کی قسم اپنے باپ کی قسم..... جا رہا ہوں میں' ایک لمحے یہاں نہیں ٹھہروں گا' دل کھول کر سامنے رکھ دیا ہے' ابھی میری بدنصیبی کا دور ہے' ایک دعا دیتا جا رہا ہوں آپ لوگوں کو کیونکہ بہرحال اس ساری کارروائی میں آپ کا قصور نہیں ہے بلکہ وہ بدقسمتی میرا تعاقب کر رہی ہے' دعا یہ ہے کہ خدا میری بہن کو صحت عطا فرمائے' جب یہ ٹھیک ہو جائے اور میری بے گناہی آپ کے سامنے پیش کر دے تو تھوڑا سا مجھے یاد ضرور کر لیجئے گا' ناصر علی صاحب' جانا چاہتا ہوں' مارے بغیر جانے دیں گے یا کچھ دیر اور انتظار کر لوں.....؟" میرے ان الفاظ نے ان کے چہرے پر تغیر پیدا کر دیا تھا' میں آگے بڑھا' دروازہ کھلا ہوا تھا' ان لوگوں کو دیکھا' شمائلہ کو دیکھا اور پھر وہاں سے

باہر نکل آیا' دل ہی دل میں ہنس رہا تھا' ہونا تھا' یہ تو ہونا ہی تھا لیکن اب اس کے بعد زمان گڑھی میں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا' نکل جانا چاہئے یہاں سے اور میں تیز تیز قدموں سے کسی سمت کا تعین کئے بغیر آگے بڑھ گیا اور اس وقت تک بڑھتا رہا' چلتا رہا جب تک کہ بدن میں قوت رہی' دماغ کو میں نے سلا دیا تھا صرف بدن کو حکم دیا تھا کہ وہ چلتا رہے اور جب میں نے جاگتے دماغ سے ماحول کو دیکھا تو پتہ نہیں زمان گڑھی سے کتنی دور نکل آیا تھا' بدن تھک کر چُور ہو گیا تھا اور ایک عجیب سی کیفیت دل و دماغ پر طاری تھی' دل چاہ رہا تھا کہ لیٹ جاؤں' بس سو جاؤں' اتنی گہری نیند کہ پھر کبھی آنکھ نہ کھلے' ایسا ہی بیزار ہو رہا تھا زندگی سے' ایسا ہی عجیب محسوس کر رہا تھا۔ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے ماحول کو میں نے ڈوبتی نگاہوں سے دور تک دیکھا' دھندلائی ہوئی آنکھوں میں ایک بھورے رنگ کی عمارت کا نقشہ نظر آیا جو تھوڑے ہی فاصلے پر تھی' چند ہی قدم کے فاصلے پر ٹوٹے گنبد' ٹوٹی دیواریں' شکستہ مینار مسجد کا نمونہ پیش کرتے تھے' ایک پگڈنڈی تھی جو مسجد کے سامنے سے گزرتی تھی' میں ڈگمگاتے قدموں سے وہاں سے آگے بڑھا' اس لئے آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ لیٹنے کے لئے کوئی شفاف جگہ مل جائے جہاں اس وقت موجود تھا یہ تو ناہموار راستے تھے جہاں کہیں بھی کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جسے پناہ گاہ کے طور پر قبول کیا جا سکے' نہ جانے کس طرح بدن نے ساتھ دیا' اس ٹوٹی اور شکستہ عمارت کے دروازے سے اندر داخل ہوا' سامنے ہی ایک چوڑا چبوترا نظر آ رہا تھا جس پر ستونوں پر سائبان بھی تھا اور سائبان کے نیچے ٹھنڈی چھاؤں..... کچھ ایسا وقت تھا کہ باہر کے سخت گرم موسم میں بھی یہاں ہوا آ رہی تھی' چبوترے کی زمین بھی شفاف تھی' میں نے یہ نہ دیکھا کہ اور کیا کیا ہے یہاں بس اس زمین پر رخسار رکھا اور آنکھیں بند کر لیں پھر اس کے بعد پتہ نہیں بے ہوشی کی کیفیت تھی یا نیند کی..... ہاں! اس وقت آنکھ کھلی تھی جب اذان کی آواز کان میں آئی تھی' ہوش و حواس جاگ گئے' تھکن بھی کافی حد تک دور ہو گئی تھی' ٹھنڈی ہوا نے جیسے بدن سے تھکن کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا تھا' میں نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا' اذان کی آواز ایک سمت سے آ رہی تھی لیکن اس ویرانے میں بھلا کون نماز پڑھنے آتا ہو گا' نگاہ سامنے اٹھی تو شلوار قمیض میں ملبوس ایک بزرگ کو اذان دیتے ہوئے پایا' اذان دینے کے بعد وہ نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے' میرا اندازہ درست ہی نکلا یہاں کوئی نمازی وغیرہ نہیں تھا' شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اترتے چلے آ رہے تھے' اندازہ یہ ہوا کہ عصر کا وقت ہے یا ہو سکتا ہے مغرب کا وقت ہو' میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا پھر بزرگ نے نماز مکمل کی' سلام

پھیرا اور اٹھ کر کھڑے ہوئے اور میں بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا' وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑے تھے پھر انہوں نے نے آہستہ سے کہا۔ "تم کون ہو بھائی.....؟"

"میں یہیں مسجد میں لیٹا ہوا تھا۔" میں نے کہا۔

"اچھا میں نے دیکھا نہیں' یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"مسافر تھا' پیدل سفر کر رہا تھا' تھک گیا تھا تو یہاں آ کر لیٹ گیا۔"

"اچھا اچھا' چلو اگر مسافر ہو تو یہاں سے آگے بڑھو' یہاں تو چاروں طرف ویرانے ہیں' نہ کچھ کھانے کو ملے گا نہ پینے کو' میں سبزی فروش ہوں' منڈی سے سبزی خرید کر لایا ہوں' اب شام کو اسے صاف کروں گا اور کل صبح بستی میں دکان لگاؤں گا' آؤ میری بیل گاڑی باہر کھڑی ہوئی ہے' چلو میں تمہیں آبادی تک چھوڑ دوں' کسی اور طرف تو نہیں جانا....." میں خاموشی سے باہر نکل آیا' چھوٹا سا چھکڑا تھا جس میں پیچھے سبزی لدی ہوئی تھی' آگے ان بزرگ کے بیٹھنے کی جگہ تھی' میں ان کے اشارے پر پیچھے سبزیوں کے درمیان بیٹھ گیا اور بزرگ نے بیل گاڑی کو آگے بڑھا دیا' بیل کے گلے میں گھنٹی بندھی ہوئی تھی' ہم کافی دیر تک خاموشی سے سفر کرتے رہے پھر میں نے کہا۔ "آپ نے بے حد مہربانی کی ہے مجھ پر....."

"راستے میں نہیں بولا کرو' میں راستہ طے کرتے ہوئے پڑھتا رہتا ہوں' گھر چل کر چاہو تو مجھ سے باتیں کر لینا۔" بزرگ نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ یہ سفر جاری رہا' شام تیزی سے جھکتی چلی آ رہی تھی' میرے درمیان سبزیوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی' کچی کچی سبزیاں سوندھی سوندھی خوشبو بکھیر رہی تھیں' نیچے ایک پلاسٹک کی باسکٹ رکھی ہوئی تھی اور اس کا اگلا حصہ بند تھا' تجسس نے سر ابھارا اور میں نے سوچا کہ دیکھوں باسکٹ میں کیا ہے؟ میں نے باسکٹ کو کھول کر دیکھا' اس میں ایک کاشی پھل رکھا ہوا تھا' میں نے باسکٹ کو بند ہی کرنا چاہا تھا کہ دفعتاً کاشی پھل میں کچھ انسانی نقوش نمودار ہونے لگے' میری نظر کا دھوکا تھا یا تقدیر کی ستم ظریفی ..... کاشی پھل میں دو آنکھیں نمودار ہوئیں' پیشانی' ناک' ہونٹ اور اس کے بعد جو چہرہ میرے سامنے آیا' وہ سمبان کے علاوہ کسی اور کا نہیں تھا' سمبان کے ہونٹ کھلے اور ایک بھیانک قہقہہ فضا میں گونج اٹھا' میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے' ایک وحشت زدہ چیخ سینے میں پیدا ہوئی اور اس کے بعد ہونٹوں کی جانب چل پڑی' کچھ ایسا خوفناک منظر تھا کہ اس وقت اپنے حواس پر قابو نہیں پا سکا تھا' سمبان کا دوسرا قہقہہ ابھرا اور میں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے' بمشکل تمام خود کو چیخنے سے باز رکھا تھا لیکن..... لیکن..... لیکن.....

کچھ لمحے تک مجھ پر خوف اور دہشت کا غلبہ رہا' اس کے بعد پھر وہی ہمت ابھر آئی جو محبت کا عطیہ تھی' یہ بھی زندگی کا ایک تجربہ ہے' انسان اپنی فطرت سے دور نہیں ہٹ سکتا' ہر احساس کے ساتھ ساتھ خوف کا احساس بھی اپنا ایک مقام رکھتا ہے' کسی بھی جذبے سے خالی انسان کو نارمل انسان نہیں کہا جا سکتا' غم' خوشی' خوف یہ سب انسانی احساسات کے زمرے میں آتے ہیں چنانچہ اس وقت مجھ پر خوف طاری ہوا تھا' میں جن لوگوں کے شکنجے میں گرفتار تھا' وہ ماورائی قوتوں کے مالک تھے جبکہ میں بالکل بے بس ..... لیکن میرے پاس بھی اب قوت تھی' جذبۂ عشق' شعاع کی محبت جس نے مجھے ہر خوف سے بیگانہ کر دیا تھا اور ایسے لمحات میں جب کبھی میں خوف کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا اور معاملہ شعاع سے منسلک نظر آتا تو خوف میرے سینے میں ہی قتل ہو جاتا تھا۔ وہ چیخ جو سینے میں ابھری تھی اور خوف کا ظہار بن کر میرے ہونٹوں سے خارج ہونے والی تھی' سینے کے اندر ہی دم توڑ گئی اور میرے اندر ایک جذباتی قوت ابھر آئی' تب میری آنکھوں میں تیکھا پن پیدا ہو گیا اور میں نے سمبان کے قہقہے گھٹتے ہوئے دیکھے پھر سمبان کے ہونٹوں سے آواز ابھری۔

"خوش نصیب ہے تُو' خوش نصیب ہے' ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں' بہت کم ہوتے ہیں ایسے لوگ ورنہ ناظم ارسلان تجھے ذرات میں تبدیل کر کے فضا میں منتشر کر دیتا' وہ ہوتا تیرے ساتھ کہ تُو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"بولتے رہو' سمبان بولتے رہو' جب تم میرے پاس آتے ہو' ہنستے ہو' مسکراتے ہو اور بے بسی سے واپس چلے جاتے ہو تو مجھے اپنے ان پائیدار جذبوں کی قیمت معلوم ہو جاتی ہے جو شعاع کے لئے میرے دل میں ہیں' تمہیں تو خوش ہونا چاہئے سمبان کہ تمہاری آقا زادی کو چاہنے والا ایک ایسا شخص ہے جسے تم اپنی پوری کوششوں سے ڈرانے میں ناکام رہے ہو' وہ استقامت کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔"

"اگر مجھے حکم ہوتا کہ میں تیرا سر کھول کر تیرے اس الٹے دماغ کو دیکھوں تو یقین کر میں ایسا ہی کرتا' اتنا پاگل شخص میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا' ارے بے وقوف کتنی بار بتایا جائے تجھے کہ تیرے اور آقا زادی کے درمیان آگ اور مٹی کے فاصلے ہیں' یہ فاصلے طے نہیں ہو سکتے' کبھی طے نہیں ہو سکتے اور پھر تُو یہ بھی جانتا ہے کہ وہ آقا زادی ہے' کوئی معمولی شخصیت نہیں' اسے حاصل کرنے کا تصور تو خود ہماری نسل کے لوگ نہیں کر سکتے تو تُو ایک خاکی انسان ہے' بہت بڑی شخصیت ہے آقا زادی کی' وہ تیرے لئے نہیں ہو سکتی۔"

"سمبان تو نے شاید کبھی ناظم ارسلان کو جا کر یہ نہیں بتایا جو میں تجھ سے کہتا ہوں، سمبان میں ایک لمحے کے لئے اس کے حصول کا خواہشمند نہیں ہوں، ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں، ہم یہ بالکل نہیں چاہتے کہ ہم یکجا ہو جائیں، ایک پاکیزہ محبت ہمارے درمیان ہے، میں شعاع کی سلامتی چاہتا ہوں اور شعاع میری..... ایک اتنی سی بات ہے جو تمہیں ناگوار گزری ہے، ٹھنڈے دل سے سوچو تو یہ ایک قدرت کا عطیہ ہے جو ہم دونوں کو ملا ہے، نہ وہ کسی برے جذبے کا شکار ہے، نہ میں..... یہ محبت تو تمہیں برداشت کرنا ہی پڑے گی، جتنے چاہو ظلم ڈھالو، کم از کم میں تو تمہارے ان مظالم سے شکست نہیں مانوں گا اور میری محبت کا عمل جاری رہے گا۔"

"عجیب محبت کرنے والے ہو تم، اپنی آنکھوں سے اس کی حالت دیکھ چکے ہو، کیا حسین پری تھی لیکن تم نے اسے ایک بھیانک شکل میں تبدیل کر دیا ہے۔"

"میں نے نہیں، اس کے باپ نے....."

"اس کی نافرمانی پر۔"

"یہ میرا قصور نہیں ہے، میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ اسے اس کی چاہتوں سے روک دو، میں اسے کبھی یہ نہ کہوں گا کہ شعاع مجھ سے محبت کر، جہاں تک میرے اپنے دل کا تعلق ہے، میں اسے چاہتا رہوں گا، اور پھر بھلا میری پہنچ تم تک کہاں ہے، میں تو اسے تلاش بھی نہیں کر سکتا، اگر وہ خود میرے پاس نہ آئے، ارے بابا وہ تو میرے دل میں رہتی ہے، میں نے اسے طلب تو نہیں کیا تم سے، کسی کے دل کو کیوں تبدیل کرنا چاہتے ہو، بات لمحوں کی نہیں برسوں کی ہے، ہم نے بچپن سے ایک دوسرے کو پیار کیا ہے، نہیں سمبان کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے تم....."

"مان لو میری بات، اپنے سارے حقوق کھوتے جا رہے ہو، دیکھو لو کس طرح ذلیل و خوار ہو کر نکالے جاتے ہو اور ایسا ہوتا رہے گا، ابھی اسی وقت تمہیں وہ قوت دی جا سکتی ہے کہ واپس جاؤ، اس گھرانے میں پہنچو جہاں سے آئے ہو، اس لڑکی کو ٹھیک کر دو اور سرخرو ہو جاؤ یہی نہیں بلکہ اگر اسی انداز میں چاہو تو نام کما سکتے ہو، ہم کیا نہیں کر سکتے۔"

ایک لمحے کے لئے میرے دل میں ایک احساس پیدا ہوا، میں نے سوچا کہ بیچاری شمائلہ کیا میرے ذریعے درست ہو سکتی ہے، اسی وقت گاڑی پر بیٹھے ہوئے بزرگ شخص نے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں..... سب فریب ہے، سب جھوٹ۔" میری نگاہیں بے اختیار بزرگ کی جانب اٹھ گئیں، سبزی فروش نے یہ الفاظ ادا کئے تھے اور اس میں کوئی شک کی

بات نہیں تھی۔ میں نے کہا۔

"کیا کہا آپ نے بابا؟ کیا کہا.....؟" لیکن بیل کو ہانکنے والے بزرگ نے حیرانی سے مجھے دیکھا، بولے۔

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" میں ایک لمحے کے لئے حیران سا رہ گیا، میرے کانوں نے وہ آواز سنی تھی، میں نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں یہ آواز سنی تھی جبکہ وہ اس سے انکار کر رہے تھے، میں نے پلٹ کر سمبان کو دیکھا، کاشی پھل اپنی اصل شکل میں تھا اور وہ ٹوکری غائب تھی جس میں کاشی پھل رکھا ہوا تھا، میں بوکھلا کر رہ گیا، میں نے بڑے سائز کے اس کاشی پھل کو الٹ پلٹ کر دیکھا کہ کہیں وہ نقوش نیچے نہ ہوں لیکن وہ سو فیصد ایک کاشی پھل تھا، سمبان اس میں سے نکل گیا تھا، میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سبزیوں کے ڈھیر سے سر ٹکا لیا، بیل کے گلے کی گھنٹی میرے دماغ میں ٹن ٹن بج رہی تھی اور میں ان عجیب و غریب حالات کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن یہ سبزی فروش..... اتنا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ دیندار اور نیک فطرت آدمی ہیں جو راستے میں رک کر نماز پڑھتے ہیں، اذان دیتے ہیں۔ بہرحال انہوں نے مجھے منع کیا تھا کہ راستے میں گفتگو مناسب نہیں ہے چنانچہ میں نے مزید اس بارے میں ان سے کوئی بات نہیں کی اور پھر اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی جب ہم بستی میں داخل ہوئے، بستی کے سرے پر ہی مسجد تھی، بزرگ نے وہاں گاڑی روکی اور بولے۔

"جانا نہیں ذرا نماز پڑھ لوں، یہیں آرام سے بیٹھو سمجھے، جانا نہیں۔" وہ اترے اور مسجد میں داخل ہو گئے، قرب و جوار میں آبادی پھیلی ہوئی تھی، کچے پکے مکانات نگاہ کی آخری حد تک بکھرے ہوئے تھے، وہ نماز پڑھنے چلے گئے اور میں اس چھکڑے پر بیٹھا یہ سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ پھر میرے دل میں ایک اداسی سی ابھر آئی، وہ بزرگ مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ میں بیٹھا رہوں، اب کیا کروں، ان پر مسلط ہو جاؤں، خود بھی تو ہاتھ پاؤں ہلانے چاہئیں، کیا بوجھ بن گئی ہے زندگی مجھ پر، کاش یہ سب کچھ نہ ہوتا کاش میں اپنے گھر میں ہوتا، بھائی اور بھابی میری دلجوئی کر رہے ہوتے، میں ان سے پوچھتا کہ بتائیں مجھے کہ اب کیا کروں میں، وہ یہی کہتے کہ میں شادی کر لوں خیر ایسا تو میں نہ کرتا لیکن..... لیکن پھر سارے طلسم ٹوٹ گئے، میں نے سوچا کہ میں بستی میں گم ہو جاؤں، کیا فائدہ کسی کو تکلیف دینے سے، میں نے اپنے پاؤں ہلائے لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں سُن ہو گئے ہوں، ایک ہی انداز میں بیٹھے بیٹھے خون کی روانی رک گئی تھی لیکن ایسا بے شک ہو جاتا ہے اس طرح نہیں جیسا اب ہوا تھا، مجھے تو یوں لگ رہا تھا

جیسے یہ پاؤں ذرا بھی نہ ہل سکتے ہوں' آہ! کہیں میرے پاؤں ہمیشہ کے لئے ناکارہ تو نہیں ہو گئے' مجھ پر ہر طرح کے طلسم ہر طرح کے ستم توڑے جا سکتے تھے لیکن پھر ایک بات میرے ذہن میں آئی شاید شعاع کی وجہ سے کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچاتے تھے بس میرے راستے روک رہے تھے حالانکہ انہوں نے شعاع کے ساتھ جو کچھ کیا تھا' وہ میرے لئے انتہائی دردناک تھا' کیا تھی وہ اور کیا بنا دی گئی تھی لیکن وہ ان کا ذاتی معاملہ تھا غالباً انہیں اس بات کا خوف تھا کہ اگر انہوں نے جسمانی طور پر مجھے کوئی شدید نقصان پہنچا دیا تو شعاع زندہ نہ رہ سکے گی اور انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی' سب کچھ تھا' ماں باپ تھے وہ' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی لیکن ایک بار پھر اپنے پیروں کی سنسناہٹ سے خوف زدہ ہو گیا' اگر یہ جسمانی نقص میرے اندر پیدا ہو گیا اور میں اپاہج ہو گیا تو زندگی اور دوبھر ہو جائے گی۔ پھر میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ جو ہوتا ہے' ہوتا رہے' وہ مجھے کوڑھی کر کے مار دیں' مجھے کوئی فکر نہیں ہے لیکن وہ اس بات میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کہ میں شعاع کو اپنی جانب سے بدظن کرنے کے لئے کسی اور لڑکی پر بری نگاہ ڈالوں ناممکن ..... اسی وقت میں نے بزرگ کو آتے دیکھا اور ایک اور خیال میرے دل میں پیدا ہوا' وہ یہ کہ کہیں یہ صرف اس لئے تو نہیں ہے کہ میں نے ان کی ہدایت کے برعکس بیل گاڑی سے اتر کر جانے کی کوشش کی تھی اور پھر اس کا اندازہ بھی ہو گیا' بزرگ خاموشی سے چھکڑے پر آ بیٹھے اور چھکڑا آگے بڑھا دیا اور اسی لمحے میرے پیروں کی سنسناہٹ ختم ہو گئی' اب ایک اور تصور میرے ذہن میں ابھر رہا تھا' ہو سکتا ہے یہ بزرگ کوئی عامل بھی ہوں آہ! اگر ایسا ہے تو شاید میں ان سے کوئی مدد لے سکوں پھر ایک بڑے سے جھونپڑے کے سامنے چھکڑا روکا' تین چار لڑکے آ گئے' میں چھکڑے سے اتر گیا' یہ لڑکے نو' دس' گیارہ اور بارہ سال کے لگ بھگ ہوں گے' چاروں نے۔ "دادا آ گئے' دادا آ گئے" کی رٹ لگائی تو بزرگ نے کہا۔

"چلو سبزی اتار کر اندر پہنچاؤ۔" میں نے بھی آلوؤں کا ایک تھیلا اٹھانا چاہا تو بزرگ نے کہا۔

"نہیں..... تم میرے ساتھ ادھر آ جاؤ' ہم مہمانوں سے کام نہیں لیا کرتے۔"

پھر وہ مجھے لے کر احاطے میں داخل ہو گئے' یہاں نیم کا ایک بہت بڑا درخت پھیلا ہوا تھا' اس کے نیچے کئی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں' بزرگ نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم بیٹھو' میں تمہارے لئے پانی بھجواتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اندر چلے گئے اور میں درخت کے نیچے بچھی ہوئی چارپائیوں میں سے ایک چارپائی پر جا بیٹھا' مجھے اپنے آپ پر

ہنسی آ رہی تھی' کیا کیا دلچسپ واقعات پیش آ رہے تھے مجھے اس زندگی میں' تھوڑی دیر کے بعد ان لڑکوں نے سبزیاں ایک جگہ جما دیں اور ان میں سے ایک میرے لئے پانی کا جگ اور گلاس لے آیا' دوسرا لوٹا' صابن اور تولیہ ..... اس نے کہا۔

"منہ ہاتھ دھو لیجئے' یہ پینے کا پانی ہے' دادا ابا ابھی تھوڑی دیر میں آئیں گے۔" یہ چیزیں رکھ کر وہ چلے گئے اور میں جو اس وقت ان تمام چیزوں کی ضرورت محسوس کر رہا تھا' اس کام میں مصروف ہو گیا۔ عشاء کی اذان میں ابھی دیر تھی لیکن رات پھیل گئی تھی' موسم ہی ایسا تھا پھر بزرگ آتے ہوئے نظر آئے' ان کے پیچھے انہی چار لڑکوں میں سے ایک لڑکا تھا اور اس نے کھانے کے برتن اٹھائے ہوئے تھے' یہ برتن ایک چارپائی پر سجا دیئے گئے اور بزرگ نے کہا۔

"ہاتھ دھو کر آ جاؤ میاں جو کچھ دال دلیہ ہے' کھا کر ہمیں عزت بخشو۔" میں نے خاموشی سے ان کے حکم کی تعمیل کی' تکلف کے الفاظ حماقت محسوس ہوتے تھے' کھانا خاموشی سے کھایا گیا اور کھانے سے فراغت حاصل کرنے بعد بزرگ نے کہا۔

"تھوڑی دیر کے بعد قہوہ پئیں گے' مجھے خوشی ہے کہ تم نے فضول تکلف سے کام نہ لیا' مہمان کو کھانا کھلایا ہی جاتا ہے۔"

"ہاں! لیکن میزبان عجیب نہیں ہیں میرے کہ میں ان کا نام بھی نہیں جانتا۔"

"آپ نے ہمیں کون سا اپنا نام بتا دیا۔" بزرگ نے ہنس کر کہا۔

"آپ نے پوچھا ہی نہیں تھا۔"

"آپ نے پوچھا تھا ہم سے؟" وہ بولے پھر ہنس پڑے اس کے بعد کہنے لگے۔ "خیر ہمارا نام کمال الدین ہے اور اب آپ اپنا نام بھی بتا دیجئے۔"

"مجھے شازل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"

"ہوں! شازل میاں بات دراصل یہ ہے کہ کسی کسی جگہ ذہن بہت بری طرح الجھ جاتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا کیا جائے' قصور تمہارا بھی نہیں ہے' بچپن کے نقش اتنے ہی گہرے ہوتے ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی پر مجھے انگلی نہیں اٹھانی چاہئے جبکہ معاملہ ایک بچی کا بھی ہے مگر طریقہ کار غلط ہے نا' نا' نا..... میں روشن ضمیر ہوں نہ ماضی' حال و مستقبل کی باتیں جانتا ہوں' بس وہ سن لیا تھا' گاڑی میں جو تم سے کہا جا رہا تھا' پتہ بھی چل گیا تھا کہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے' میں بس اسی کی روشنی میں تم سے بات کر رہا ہوں' یہ بتاؤ کوئی حل ہے تمہارے پاس.....؟" بزرگ نے مجھے موقع ہی نہیں دیا تھا کہ میں حیرت کا اظہار کروں لیکن میرے دل میں ایک عجیب سی

کیفیت پیدا ہو گئی تھی' بہت عجیب سی کیفیت..... میں نے کچھ لمحوں کے بعد کہا۔

"دیکھئے محترم کمال الدین صاحب! آپ لاکھ کچھ بھی کہیں کہ آپ روشن ضمیر نہیں ہیں' عالم نہیں ہیں' علم نہیں جانتے' میں آپ سے زیادہ اپنے دل کی بات مانوں گا' اپنی عقل کی بات مانوں گا اور عقل و دل جو کچھ کہہ رہے ہیں' وہ سب کچھ ہے۔"

"تمہارا جو دل چاہے کہہ لو مگر بیٹے مجھ سے کچھ مانگنا نہیں' یقین کرو شرمندہ کرو گے' میں تمہاری ذرہ بھر کوئی مدد نہیں کر سکتا' اس بارے میں چونکہ بے علم انسان ہوں' بس انہوں نے جو کہا' میں نے سن لیا' اس سے زیادہ میرے لئے اور کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا تھا' ہاں! ایک کام ضرور کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیا.....؟"

"دیکھو یہاں اس بستی میں ایک لاری اڈہ ہے' وہاں سے لاریاں مختلف مقامات کو جاتی ہیں' ایک لاری راج پور جاتی ہے' راج پور یہاں سے کوئی دو گھنٹے کے سفر پر ہے' راج پور میں تمہیں ایک بزرگ سے ملنا ہو گا جن کا نام امیر شاہ ہے' بہت عمر رسیدہ ہیں' وہاں ایک مشہور مسجد ہے بلکہ راج پور میں جا کر جس سے پوچھو گے' وہ تمہیں امیر شاہ کا پتہ بتا دے گا' شاہ صاحب کو ایک چیز دے دینا جو میں تمہیں لا کر دیتا ہوں بس اس سے آگے جو بھی صورتِ حال ہو' وہی تمہیں بتا سکیں گے' میرا نام چاہو تو لے لینا مگر یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے' تمہاری کچھ مدد ہو جائے گی وہاں سے۔"

"اور کمال الدین صاحب....."

"نہیں بیٹے! قہوہ پیو آرام سے سو جاؤ' دعائیں ضرور کر سکتے ہیں تمہارے لئے' دوا نہیں ہمارے پاس' معاملہ ہی کچھ عجیب ہے' اچھا میں چلتا ہوں' قہوہ ساتھ ہی پیتا لیکن میں عشاء کے بعد قہوہ پیتا ہوں' تمہارے لئے بھجوائے دیتا ہوں' رات کو سو جانا کیونکہ عشاء کے بعد میں تم سے ملاقات نہیں کر سکوں گا' یہ سبزیاں جو لائے ہیں نا ہم لوگ اسے مل کر چھانٹیں گے اور میں صبح ہی صبح دکان پر جاؤں گا' ہو سکتا ہے تمہارے جاگنے سے پہلے' چلے جانا یہاں سے لیکن ناشتے کے بعد' پیسے تو ہیں نا تمہارے پاس۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور افسردہ نگاہوں سے کمال الدین صاحب کو دیکھتا رہا' انہوں نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور اس کے بعد اتر کر اندر چلے گئے' میں بہت سی باتوں پر غور کر رہا تھا' کمال الدین صاحب باکمال شخصیت تھے' اندر سے دل کہہ رہا تھا کہ ان کی مدد سے کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہو گا' میری ساری مشکل سمجھ چکے تھے' میرا درد جان چکے تھے اور اس درد کا درماں ان سے چاہتا تھا۔ کوئی بھی ایسا صاحبِ دل ملے جس کے

پاس میری مشکل کا حل ہو' وہ لڑکے ہی ان کے پیغام بر تھے کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد وہ قہوہ لے آئے تھے ساتھ ہی دو اور چیزیں بھی.....

ایک مخمل کی ڈبیہ تھی' چھوٹی سی لیکن بہت خوبصورت' اس کے علاوہ کچھ رقم تھی۔ ان میں سے ایک لڑکے نے کہا۔

"دادا ابا نے یہ دونوں چیزیں بھجوائی ہیں' اس میں وہ ہے جو آپ کو کسی کو دینا ہے اور یہ پیسے خرچ کے لئے' برتن ادھر رکھ دیجئے گا۔" اس کا مطلب تھا کہ اب وہ لڑکے بھی واپس نہیں آئیں گے۔ بہرحال میں نے دونوں چیزیں قبول کر لی تھیں چونکہ مجھے مخمل کی وہ ڈبیہ کھول کر دیکھنے کی ممانعت نہیں تھی اور میرے ذہن میں شدید تجسس بھی تھا کہ کمال الدین نے امیر شاہ صاحب کے لئے ایسی کیا چیز بھیجی ہے چنانچہ لڑکوں کے جاتے ہی میں نے قہوے کے برتنوں کی جانب توجہ دیئے بغیر پہلے اس ڈبیہ کو کھول کر دیکھا' اس میں چاندی کا ایک تعویذ رکھا ہوا تھا اور بس..... اب اس سے زیادہ میں اس بارے میں بھلا کیا جان سکتا تھا چنانچہ میں نے مخمل کی ڈبیہ بند کر کے احتیاط سے اندرونی جیب میں رکھ لی پھر قہوے کے برتنوں کی جانب متوجہ ہو گیا' یہ تو خواب میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ قہوے کے برتنوں میں کوئی نشہ آور چیز شامل تھی لیکن نیند ایسی ہی آئی تھی کہ دوسری صبح جب جاگا تو سورج پوری طرح چڑھ چکا تھا' ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا' اس طرف نگاہ دوڑائی جہاں بیل بندھا ہوا تھا لیکن اب وہاں چھکڑا تھا نہ بیل..... اس کا مطلب ہے کمال الدین سبزیاں بیچنے نکل گئے ہیں' مجھے ان لڑکوں نے جاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا جو صحیح معنوں میں مجھے کمال الدین کے مؤکل ہی معلوم ہونے لگے تھے' انہوں نے فوراً میرے سامنے پھر پانی کا بھرا لوٹا' صابن اور تولیہ رکھا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"جنگل پانی کے لئے اگر جانا ہے تو وہ جگہ موجود ہے۔" میں نے ان کے اشارے کی طرف دیکھا لیکن جنگل پانی کے لئے نہیں جانا تھا' منہ ہاتھ دھویا' اتنی دیر میں بقیہ دو لڑکے ناشتہ لے آئے' پراٹھا تھا آلو کا سالن اور چائے..... میں نے ناشتہ کیا بہرحال اس وقت دنیا مجھ پر احسانات کر رہی تھی اور وقت نے مجھے دوسروں کا دست نگر بنا دیا تھا لیکن نہ جانے کیوں ابھی دل چاہتا تھا کہ کسی کے پاس زیادہ وقت قیام نہ کروں' چلتا رہوں چنانچہ ناشتہ کرنے کے بعد باہر نکل آیا' کسے خدا حافظ کہتا' بچوں تک سے متوجہ نہیں ہوا تھا' برتن بھی وہیں چھوڑ دیئے تھے' ماحول پر ایک عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی' فضا میں پرندے گردش کر رہے تھے' میں نے سینے کے پاس ہاتھ مارا تو مخمل کی ڈبیہ سے ہاتھ ٹکرایا اور میں نے آگے قدم بڑھا دیئے' پھر لاری اڈے کے بارے میں معلوم کیا اور راج پور کے

کرائے کے پیسے پوچھے' زیادہ فاصلہ نہیں معلوم ہوتا تھا اس لئے کوئی خاص بات نہ ہوئی' بس چل پڑی اور اس کا سفر اچھا خاصا طویل ثابت ہوا یعنی میری امید کے خلاف' میں تو یہ سمجھا تھا کہ اتنا کم کرایہ ہے تو فاصلہ بھی زیادہ نہیں ہو گا بہرحال بس بستی میں داخل ہو گئی' کچی سڑکیں تھیں' پکی سڑکوں کا نام بھی نہیں تھا' بعض سڑکوں پر کنکر بچھے ہوئے تھے یا انہیں اینٹوں کو جوڑ جوڑ کر بنایا گیا تھا لیکن یہ سڑکیں بہت زیادہ خراب تھیں' اینٹیں اتنی خراب تھیں کہ سڑکیں ناہموار ہو گئی تھیں۔ پھر بس اپنے اڈے پر رک گئی اور میں آگے بڑھ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مسجد نظر آئے تو میں امیر شاہ صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کروں' ایک دکاندار سے میں نے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ "وہ سامنے مسجد ہے۔" میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں مسجد کے قریب پہنچ گیا' مسجد میں کوئی موجود نہیں تھا اور تھوڑے فاصلے پر ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جسے مسجد کا حجرہ کہا جا سکتا تھا' دروازہ بند تھا اور اس پر زنجیر لٹکی ہوئی تھی' میں نے وہاں پہنچ کر زنجیر بجائی تو ایک جوان العمر آدمی نکل آیا' عمر زیادہ نہیں تھی لیکن اچھی خاصی لمبی داڑھی تھی' سبز لباس پہنے ہوئے تھا' میری طرف دیکھ کر بولا۔

"ہاں' کہئے؟"

"امیر شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا کام ہے.....؟"

"انہی کو بتاؤں گا۔" میں بھاری لہجے میں بولا اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"آیئے۔" میں اندر داخل ہو گیا' وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا' تھوڑی دیر کے بعد میں ایک وسیع برآمدے میں پہنچ گیا' برآمدہ عبور کر کے جب میں دوسرے دروازے پر پہنچا تو اس نے کہا۔ "آپ کو یہاں رکنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

کیا نام بتاؤں شاہ صاحب کو آپ کا.....؟"

"کوئی نام نہیں ہے میرا.....بس ان سے کہو کہ کوئی ان سے ملنا چاہتا ہے۔" اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "مگر وہ پوچھیں گے کہ کون ملنا چاہتا ہے۔"

"میں نے کہا نا جو میں نے تم سے کہا ہے' وہ جا کر کہہ دو۔" اس نے ایک بار پھر مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا' میں انتظار کرتا رہا' تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا' اب ہم ایک ڈیوڑھی میں تھے' ڈیوڑھی سے گزر کر ہم ایک چوڑے صحن میں پہنچے' صحن کے آخری حصے میں بہت سے کمرے بنے

ہوئے تھے اور سامنے ایک چبوترہ نظر آ رہا تھا جس پر جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں' چبوترے پر ایک تخت بچھا ہوا تھا اور تخت پر ایک شخصیت بیٹھی ہوئی تھی' دبلا پتلا بدن' دراز قامت' چہرے پر داڑھی' انتہائی قیمتی سلک کا لبادہ شانوں تک بکھرے ہوئے لمبے لمبے بال' بڑی بڑی آنکھیں جو پتھرائی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے بڑے پُر احترام لہجے میں جواب دیا لیکن ان کی نگاہیں سامنے ہی جمی ہوئی تھیں' وہ بھاری آواز میں بولے۔ "کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟"

"یہ لایا ہوں میں آپ کے لئے۔" میں نے تعویذ والی ڈبیہ نکال کر ان کے سامنے بڑھا دی' انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور میں چونک پڑا' ہاتھ انہوں نے غلط سمت بڑھایا تھا جیسے انہیں نظر نہ آ رہا ہو اور پھر میں نے ان آنکھوں کو دیکھا' بظاہر روشن آنکھیں تھیں لیکن ایک لمحے میں احساس ہو جاتا تھا کہ وہ بے نور ہیں' امیر شاہ صاحب نابینا تھے' میں فوراً ہی سنبھلا لیکن اس سے پہلے وہ بولے۔

"جو کچھ لائے ہو' میرے ہاتھ میں دو۔" میں نے جلدی سے مخمل کی ڈبیہ ان کے ہاتھ میں تھما دی' وہ دوسرے ہاتھ سے اس ڈبیہ کو ٹٹول کر دیکھنے لگے اور پھر نہایت آسانی سے انہوں نے اسے کھول کر اندر ہاتھ ڈالا اور یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ انہوں نے تعویذ کو چھوتے ہی جلدی سے ہاتھ ہٹا کر ڈبیہ بند کر دی اور بھاری لہجے میں بولے۔

"یہاں اور کون موجود ہے؟"

"میں ہوں جناب احترام۔"

"جاؤ یہاں سے۔" انہوں نے اس شخص سے کہا جو مجھے یہاں تک لے کر آیا تھا۔

وہ امیر شاہ صاحب کے حکم پر واپس پلٹ گیا تو امیر شاہ صاحب اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے' اب میں ان کا بلند و بالا قد دیکھ رہا تھا پھر ان کی آواز ابھری۔ "میرے پاس آؤ۔" میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے ٹٹول کر مجھے دیکھا اور اور میرا بازو پکڑ کر بولے۔

"شازل ہے تمہارا نام۔" اب میری حالت خراب ہونے کا وقت تھا۔

"جی..... لیکن میں نے تو آپ کو بتایا نہیں' آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟"

"اس تعویذ میں لکھا تھا۔" شاہ صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی بہرحال یہ کوئی ماننے کی بات نہیں تھی' میں حیران نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا پھر میں نے دبی زبان سے کہا۔ "شاہ صاحب آپ کی آنکھیں....."

"ہاں! میں نابینا ہوں' بیٹھو بیٹھو' بیٹھ جاؤ۔" میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ شاہ صاحب چند لمحے خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

"بڑی عجیب مشکل میں گرفتار ہو' کمال الدین نے بڑی اہم ذمے داری میرے سپرد کی ہے' میں نہیں جانتا کہ اس ذمے داری کو میں پوری کر سکتا ہوں کہ نہیں۔"

"شاہ صاحب آپ نے بہ آسانی میرا نام بتا دیا تو آپ کو میرے ماضی کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم ہو گا؟"

"نہیں میاں نہیں' ایسی بات نہ کرنا' روشن ضمیر صرف اللہ کی ذات ہے' میرا مطلب ہے کہ علم غیب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے' انسان بھلا کیا اس کی جرأت کر سکتا ہے' یہ تو چھوٹے موٹے شعبدے ہیں جو ہم کسی کو بھی دکھا کر اپنی اہمیت منوا لیتے ہیں' بھول کر بھی نہ سوچنا کہ ہمیں اس سے زیادہ کچھ معلوم ہے' بس کچھ معاملات ہوتے ہیں جیسے ایک ڈاکٹر مرض کی علامت سن کر دواؤں کا تعین کر لیتا ہے یا ایک پلمبر یہ پتہ چلا لیتا ہے کہ لائنوں میں کیا خرابی ہے' انہیں ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا ہے بس اتنی سی بات ہے لیکن ہم' تم سے تمہارے بارے میں ضرور سنیں گے البتہ ہمارے مہمان ہو تم اور آدابِ میزبانی یہ ہیں کہ مہمانوں پر فوراً ہی تسلط نہ جما لیا جائے بلکہ پہلے کچھ تھوڑی سی خاطر مدارات کی جائے ان کی۔"

"آپ کے کسی حکم کی سرتابی نہیں کروں گا شاہ صاحب! کیونکہ میری بھی زندگی بہت عجیب ہے۔"

"ہاں! بالکل بالکل' چلو خیر ٹھیک ہے' اچھا اب یوں کرو' ٹھہرو' میں زبیدہ کو بلاتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور پیچھے کو رخ کر کے آواز دی۔

"زبیدہ..... زبیدہ....." آنے والی ایک بھرے بھرے جسم کی بتیس سالہ عورت تھی' آتے ہوئے اس نے اپنا سر ڈھک لیا تھا' معمولی سے نقوش کی مالک تھی۔ شاہ صاحب نے کہا۔

"زبیدہ! مہمان کو مہمان خانے میں ٹھہرا دو اور ان کی ضروریات کا خیال رکھو' ٹھیک ہے شازل' بعد میں ہم گفتگو کریں گے۔"

رات کو شاہ صاحب نے مجھے طلب کر لیا غالباً ان کی قیام گاہ یہی جگہ تھی' ویسے حقیقت ہے کہ میں یہاں کے ماحول کو پوری طرح سمجھ نہیں سکا تھا اور مجھے یہ جگہ بڑی عجیب سی لگی تھی۔ غالباً بات یہ بھی تھی کہ ذہن میں عجیب عجیب سے احساسات لے کر یہاں آیا تھا' جب ذہن میں کوئی ایسا تصور ہو تو ہر چیز پُراسرار لگتی ہے' شاہ صاحب اسی تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے میرے لئے جگہ چھوڑی ہوئی تھی' یہ بات تو صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ روشنی سے محروم ہیں لیکن ان کا دماغ جس قدر روشن تھا' اس سے

بھی مجھے یا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ کہنے لگے۔

"بیٹھو شازل اور اب مجھے ذرا اپنے بارے میں بتاؤ۔" میں بیٹھ گیا اور میں نے اپنی داستان دہرانا شروع کر دی' شاہ صاحب سنتے رہے پھر جب میں خاموش ہو گیا تب بھی وہ دیر تک خاموش رہے' اس کے بعد انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم..... بڑے الجھے ہوئے معاملات ہیں' اتنے الجھے ہوئے کہ میں خود سن کر پریشان ہو گیا ہوں' عزیزم کوئی ایسی تدبیر ہے جس سے تم اس بچی کے خیال کو دل سے نکال دو؟"

"شاہ صاحب! آپ نے تو علم میں زندگی گزاری ہے' میں ایک بار پھر آپ سے کہہ رہا ہوں' آپ ذرا غور کیجئے گا' ایک چیز مجھے پسند ہے' وہ ایک بہت قیمتی دکان کے قیمتی شوکیس میں سجی ہوئی ہے' وہ چمکدار ہے' اس سے روشنی پھوٹتی ہے' مجھے وہ بہت پسند ہے لیکن میں شوکیس کی جانب کبھی نگاہ بھی نہیں اٹھاتا' میں نہیں چاہتا کہ وہ چیز مجھے حاصل ہو جائے' کیا اپنی پسند کو دل سے نکال دینا مناسب ہو سکتا ہے یا ممکن ہو سکتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں اپنی مرضی سے کبھی اس کے سائے کو بھی نہیں چھو سکتا' وہ کہاں ہے' کس حال میں ہے' مجھے کچھ نہیں معلوم..... میں تو بس اسے تصور کی آنکھ سے دیکھتا ہوں شاہ صاحب' اس کی جو تصویریں میرے سامنے پیش کی گئی ہیں' آپ یقین کیجئے زندگی دے کر بھی اسے اس عذاب سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"یہاں رکو! یہاں رکو۔" امیر شاہ صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور میں ان کی صورت دیکھنے لگا' وہ چند لمحات کے بعد بولے۔ "تم نے کہا کہ زندگی دے کر بھی تم اس کی بہتری کے خواہشمند ہو۔"

"پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں۔"

"تو بیٹے تم یہ سمجھو کہ تم نے زندگی دے دی اس کے لئے' اپنے آپ کو دھوکا دے سکتے ہو؟"

"شاہ صاحب ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں! ضرور کرو۔"

"کیا خودکشی جائز ہے؟" میں نے کہا اور شاہ صاحب چونک پڑے۔

"لاحول ولاقوۃ' کون نامعقول کہتا ہے یہ بات۔"

"شاہ صاحب ایک ایسا کام کرنا جو زندگی دینے سے بدتر ہو' کیا اس سے بہتر نہیں ہے کہ زندگی کا خاتمہ کر لیا جائے' اب گناہ یا ثواب کیا ہے' یہ خود ہی جان سکتے ہیں' جن کی

وجہ سے یہ عمل کیا جائے' میں یہ بہ آسانی کر سکتا ہوں بلکہ جب آپ حکم دیں' کر سکتا ہوں' اگر آپ صاحبِ دل ہیں تو یوں کریں کہ میرا دل میرے سینے سے نکال لیں' میں نے تو پیشکش کی ہے۔" امیر شاہ صاحب نے ہاتھ اٹھایا اور بولے۔

"بس خاموش ہو جاؤ شاید میں نے ہی غلط کہا تھا' انسان ہوں' فرشتہ نہیں ہوں' تم ٹھیک کہہ رہے ہو' واقعی بدن سے روح نہیں نکالی جا سکتی' آنکھوں سے روشنی نہیں چھینی جا سکتی۔ ہونٹوں سے پیاس نہیں چھینی جا سکتی جب یہ سب کچھ نہیں چھینا جا سکتا تو دل کے اندر روشن چراغ کو کیسے بجھایا جا سکتا ہے' اچھا عزیزم ایک کام کرنا بلکہ نہیں' ابھی نہیں' تمہیں بے صبری تو نہیں ہے؟"

"قطعی نہیں شاہ صاحب! بے صبری تو انہیں ہوتی ہے جو پانے کی طلب رکھتے ہیں' میں تو کھونے والوں میں سے ہوں۔"

"اندازہ ہے مجھے' اندازہ ہے' جس جگہ تمہارا قیام کرایا گیا ہے' وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں....."

"تو پھر سنو' دیکھو میں تمہیں بتاؤں' چوبیس گھنٹے تک تو تم کوئی عمل نہ کرو' چوبیس گھنٹے کے بعد یہاں کی سیر و سیاحت کرنا' اگر کوئی اہم واقعہ پیش آئے تو حالات کے تحت اس کا تجزیہ کرنا' کیا سمجھے۔"

"جی....."

"اللہ بہتر کرے گا' میں دیکھوں گا کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں' ٹھیک ہے؟"

"جی....." میں نے گردن کو خم کر کے کہا۔

"بس اب جاؤ' میں تمہارے مؤقف کا دل سے قائل ہو چکا ہوں۔" امیر شاہ صاحب نے کہا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد میں اپنی آرام گاہ میں آ کر لیٹ گیا تھا' چوبیس گھنٹے بھی گزر گئے اور اس کے بعد مزید وقت بھی..... میں کاہلوں کی طرح پڑا یہاں وقت گزار رہا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ امیر شاہ صاحب اس سلسلے میں کیا کرتے ہیں؟ نہ جانے کیوں شرمندگی کا احساس بھی ہوتا تھا' قرض تو نہیں ہے کسی پر میرا کہ اسے اپنے کام کے لئے مجبور کروں لیکن کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو خود نہیں کئے جا سکتے' میں بہرحال اب اس بات کو اپنے دل میں آخری جگہ دے چکا تھا کہ میرا مقابلہ بہت سخت لوگوں سے ہے لیکن میں اسے مقابلہ نہیں سمجھتا تھا' مقابلے میں ایک کو فتح اور ایک کو شکست ہوتی ہے' میں تو شکست حاصل کرنا چاہتا تھا' ایک ایسی شکست جو مجھے میرے

احساس سے محروم کر دے' چاہے وہ زندگی جانے کی شکل میں کیوں نہ ہو بہرحال چونکہ شاہ صاحب نے مجھے آرام کرنے کے لئے کہا تھا' اس لئے اب تک کا وقت گزار لیا تھا پھر اس شام میں نے شاہ صاحب کو تلاش کیا' وہ زیادہ تر اپنے حجرے میں رہا کرتے تھے اور یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ان کے اپنے معمولات کیا ہیں۔ بہرحال وہ مجھے مل گئے' میں نے سلام کیا تو میری آواز پہچان کر بولے۔

آؤ کیا بات ہے' کیا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا؟"

"وہ کبھی نہیں ہو گا شاہ صاحب! یہ بات آپ جانتے ہیں لیکن ایک سوال آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں' بولو۔"

"کیا میری خبر گیری' میری نازبرداری' میری پرورش آپ پر قرض ہے؟" میرے ان الفاظ پر امیر شاہ صاحب کچھ دیر خاموش رہے' پھر بولے۔

"سمجھ رہا ہوں کیا کہنا چاہتے ہو' لیکن عزیزم مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے' جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس رحمت سے زمان دے' ان کے بارے میں یوں سمجھو کہ اللہ کی عنایتوں کے حصار میں ہیں' میرے اوپر تو تم ذرا بھی بوجھ نہیں ہو۔"

"شاہ صاحب کیا غیرت کا مرجانا اچھی بات ہے؟"

"بالکل نہیں....."

"میں جوان آدمی ہوں' صرف اس لئے آپ کے پاس حاضری دی ہے کہ کمال الدین صاحب نے اس کا حکم دیا تھا' وہ دل کو بھائے تھے' آپ بھی پُر عظمت ہیں میرے لئے' میں یوں کرتا ہوں کہ اس بستی میں اپنے لئے کوئی کام تلاش کرتا ہوں جب تک آپ حکم دیں گے' یہاں رہوں گا' جب آپ کا حکم ہو گا' واپس چلا جاؤں گا' جہاں کام حاصل کروں گا' ان سے یہی کہوں گا کہ مجھے مستقل ملازمت نہیں چاہئے۔"

"سنو' سنو بات سنو..... بہت اچھی باتیں کر رہے ہو تم لیکن ابھی تھوڑا سا توقف کرو' میں بتا دوں گا تمہیں کیا کرنا چاہئے' ویسے یہ گوشہ نشینی اچھی بات نہیں ہے' تمہیں بتایا گیا تھا کہ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے چلتے رہا کرو۔" میرے پورے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی' یہ الفاظ تو پتہ نہیں کس نے اور کہاں کہے تھے مجھ سے' میرے خدا اب اگر میں شاہ صاحب کے ہر لفظ کا محاسبہ کروں تو یہ تو مناسب نہیں تھا' یہ اللہ والے لوگ تھے' کس کے تار کہاں سے ملتے ہیں' کس کی ڈور کہاں بندھی ہوئی ہے' یہ تو یہی لوگ جانیں' میں کیا جانوں..... بمشکل تمام میں نے خاموشی اختیار کی تھی اور اس کے بعد

شاہ صاحب کے پاس چلا آیا تھا۔ اس شام آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور موسم پر کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی' بس گہرے سناٹے میں خاموشی سے باہر نکل آیا' قرب وجوار میں تاریکیاں اتر رہی تھیں اور تاریکی کی اس دبیز چادر نے ہر شے کو اپنے سیاہ وجود میں لپیٹ لیا تھا' ہر طرف ہولناک سناٹا طاری تھا' میں بس بے اختیاری کے عالم میں آگے بڑھتا رہا پھر دور سے مجھے روشنیاں سی نظر آئیں اور میرے قدم اس جانب اٹھ گئے' ایک جھونپڑا ہوٹل تھا جس میں بینچیں اور میزیں پڑی ہوئی تھیں' میں بھی وہاں جا کر بیٹھ گیا اور اپنے لئے چائے طلب کر لی' نیلے رنگ کے چائے دان میں چائے اور چھوٹی چھوٹی دو پیالیاں میرے سامنے آگئیں' یہ چائے یہاں چینک کہلاتی ہے' بہت لذیز ہوتی ہے' میرے ساتھ کوئی تھا ہی نہیں جسے میں دوسری پیالی چائے کی پیشکش کرتا لیکن کس کے ذریعے کس کے لئے کیا لکھا ہے' یہ اللہ ہی جانتا ہے' وہ ایک مجہول سا آدمی تھا جو میرے پاس آ کر بیٹھ گیا' اس کے پیلے پیلے دانت باہر جھانکے' میں نے اسے دیکھا تو وہ بولا۔

"تمہارے سامنے دوسری پیالی خالی رکھی تھی' میں نے سوچا کہ شاید تمہیں میری ضرورت ہو۔" میں نے مسکرا کر پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھا' ایک ضرورت مند تھا' یہ تو اچھی بات تھی کہ میرے ساتھ چائے پی لے' میں نے بڑے پیار سے اس کے سامنے پیالی رکھی اور اس میں چائے بھر دی' اس کے دانت کچھ اور نمایاں ہو گئے تھے۔

"باہر والے ہو؟" وہ چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے بولا۔

"پتہ نہیں۔"

کدھر جا رہے تھے؟"

"سامنے....." میں نے جواب دیا۔

"ادھر....." وہ ایک تاریک حصے کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔

"ہاں! شاید ادھر ہی....."

"مت جانا وہاں' وہ تو روحوں کا مسکن ہے' آسیب رہتے ہیں ادھر آسیب ....."

اس نے چائے کی ایک چسکی بھری پھر پیالی ہونٹوں سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

"ہندوؤں کا مرگھٹ تھا کبھی وہاں پر' پرانی بات ہے جب پاکستان نہیں بنا تھا' اب بھی کچھ ہندو یہاں راج پور میں رہتے ہیں' اپنے مُردے ادھر ہی جلاتے ہیں اور جلنے والے اٹھ اٹھ کر بھاگتے ہیں' کئی بار انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا گیا ہے' ادھر مت جانا' لوگ جاتے ہیں تو پاگل ہو جاتے ہیں۔"

"میں بھی پاگل ہونا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنی چائے اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ میری

بات سمجھ نہیں پایا تھا' چائے کی دو پیالیاں اس نے پیں اور دو میں نے اور اس کے بعد وہ بولا۔

"جاؤں.....؟" عجیب سا آدمی تھا۔ میں نے ہنس کر کہا۔

"مہمانوں کو اس طرح اجازت تو نہیں دی جاتی' کچھ اور چاہئے تو بتاؤ۔"

"نہیں' نہیں..... چائے چاہئے تھی' بس مل گئی' اللہ کا شکر ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے کچھ لمحے وہاں بیٹھ کر ماحول کا جائزہ لیا پھر اپنی جگہ سے اٹھا' چائے کے پیسے ادا کئے اور باہر نکل آیا۔ مجھ جو کیفیتیں طاری رہتی تھیں ان کا اندازہ میرا دل ہی لگا سکتا ہے' کوئی اور مجھ کو کیا جانے' وہ مجہول سا شخص مجھے آسیب کی کہانی سنا گیا تھا' میری تو پوری زندگی ہی آسیب زدہ ہو گئی تھی' وہ آنکھیں' وہ حسین آنکھیں جو میرے تصور سے چپکی رہتی تھیں' کبھی میرا پیچھا نہ چھوڑتی تھیں حالانکہ میں نے اپنی شعاع کو جس بدنما رنگ میں دیکھا تھا' اس کے بعد میرے دل سے صرف خون کے آنسو بہتے تھے' میں سوچتا تھا کہ میں تو محروم ہوں ان سب سے جو محبتیں کرتے ہیں' جو محبتوں سے گلے لگاتے ہیں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ماں باپ اولاد کے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہیں کرتے' انہیں کرنا بھی نہیں چاہئے۔ امیر شاہ صاحب پتہ نہیں کیا کرنا چاہتے ہیں' کیوں مجھے ان تک بھیجا گیا ہے' ویسے یہ دونوں شخصیتیں انتہائی پُراسرار تھیں' امیر شاہ صاحب نے جو الفاظ کہے تھے کہ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے' یہ الفاظ مجھ سے بہت پہلے کہے گئے تھے اور ان کی بناء پر میں نے زندگی کا ایک راستہ منتخب کیا تھا' ابھی تک تو میرا تعلق کسی ظفر سے نہیں رہا تھا' آگے دیکھئے' کیا ہوتا ہے' میں آگے بڑھتا رہا' کافی فاصلہ طے کر کے میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں یقینی طور پر ہندوؤں کا شمشان گھاٹ تھا' یہاں ایک خشک تالاب بھی تھا جہاں شاید پوری آبادی کی گندگی اور غلاظت پھینکی جاتی تھی کیونکہ وہاں سے کوڑے کی شدید بدبو اٹھ رہی تھی' تالاب کے اطراف میں گھنی گھنی جھاڑیاں اور تناور درخت پھیلے ہوئے تھے' یقینی طور پر لوگ اس خوفناک ماحول میں آ کر خود بخود آسیب زدہ ہو جاتے ہوں گے۔ بہرحال میں آگے بڑھتا رہا' تالاب کے ساتھ ساتھ ایک پگڈنڈی سی بنی ہوئی تھی' اس پگڈنڈی پر سفر کرتے ہوئے مجھے زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑا تھا کہ اچانک میں رک گیا' کچھ عجیب سی آوازیں مجھے صاف طور پر سنائی دی تھیں' اس سنسان اور غیر آباد حصے میں جس کے بارے میں ابھی ابھی میں نے عجیب سی روایتیں سنی تھیں' یہ آوازیں کیا معنی رکھتی ہیں' میں غور سے ان آوازوں کو سننے لگا' کسی عورت کی سسکیوں کی آواز تھی' ایک لمحے کے بعد میں نے کچھ قدم آگے بڑھائے تو دفعتاً وہ آواز بند ہو گئی اور

میرے کانوں نے ایک قہقہے کی آواز سنی' کوئی بہت زور سے ہنسا تھا' اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا۔ دفعتاً میری بائیں جانب والی گھنی جھاڑیوں سے آواز ابھری۔

"کہاں جا رہے ہو' ادھر آؤ۔" اس آواز کے ساتھ ہی مجھے گھنگھروؤں کی جھنکار بھی سنائی دی تھی' میں تیزی سے جھاڑیوں کی طرف لپکا مگر دوسرے لمحے مجھے رک جانا پڑا تاریکی کے باوجود میں نے اس سائے کو دیکھ لیا تھا جو جھاڑیوں کی آڑ میں کھڑا مجھے اپنی طرف بلا رہا تھا' میں حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر جیسے ہی میں نے اسے غور سے دیکھا' انسانی فطرت میرے وجود میں سرایت کر گئی' ایک سرد لہر ریڑھ کی ہڈی میں اٹھی' یہ ایک عورت تھی' تاریکی کے باوجود اس کی صورت صاف نظر آ رہی تھی اور اس کے نقوش بڑے حسین لگ رہے تھے لیکن حیرتناک بات یہ تھی کہ اس کی دونوں آنکھیں بالکل سیدھی تھیں اور اس کیفیت نے اس کے سرخ و سفید حسین چہرے کو ایک خوفناک چہرہ بنا دیا تھا' ایک لمحے کے لئے میرے دل میں وحشت کی لہر پیدا ہوئی لیکن پھر وہی کیفیت ابھر آئی' دنیا سے بیزاری' اپنے آپ سے نفرت' اپنے وجود سے گھن' ایک بیکار اور بے مقصد زندگی' ایک ایسا وجود جس کا کوئی مصرف نہیں ہے' میں نے دل میں سوچا اور اس کے بعد میں خود آگے بڑھا' عورت میرے آگے بڑھتے ہی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور میں نے اس سے کہا۔

"تم نے مجھے بلایا تھا' میں آ گیا ہوں' رکو' رک جاؤ۔" اچانک ہی اس نے بھاگنا شروع کر دیا' میں اس کے تعاقب میں آگے بڑھنے لگا' میرے جبڑے کھنچے ہوئے تھے لیکن میں دوڑ رہا تھا' ایک جنون کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی تھی' وہ چھن چھن کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور پھر اچانک وہ میری نگاہوں سے گم ہو گئی' میں کافی آگے نکل آیا تھا' میں نے اپنے اِدھر اُدھر دیکھا' مجھے ایک تالاب نظر آیا' یہ وہ تالاب نہیں تھا جس میں کوڑا کرکٹ اور گندگی کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے بلکہ ایک صاف ستھرا تالاب تھا جس میں پانی لہریں لے رہا تھا' تاروں کی مدھم چھاؤں تالاب میں پڑ رہی تھی اور یہ تارے لہروں سے جنبش کر رہے تھے' تین سیڑھیاں تالاب میں اترنے کے لئے بنی ہوئی تھیں' میں اس کے کنارے کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر دل سے خوف نکل جائے تو خوفناک چیزیں بھی دور چلی جاتی ہیں' وہ جو کوئی بھی تھی' یقینی طور پر کوئی بُری روح ہی تھی' میں نے چڑیلوں کے بارے میں سن رکھا تھا' ہندو عقیدے میں ان کا وجود ملتا تھا لیکن کوئی چڑیل مجھے مل جائے گی' ایسا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا' میں رکا اور آگے بڑھا تھا اور پھر میں نے زور سے آواز لگائی۔

"میری معزز میزبان کہاں چلی گئیں تم' مجھے آواز دے کر' سامنے آؤ' سامنے آؤ۔"

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا' ایک بڑا سا درخت پھیلا ہوا تھا اور درخت کے تنے کے ساتھ اچانک ہی میں نے کسی انسانی وجود کو محسوس کیا' یہ درخت میرے بائیں ہاتھ پر صرف چند گز کے فاصلے پر تھا اور کوئی یہاں بیٹھا ہوا تھا' یہ سوچ کر شاید یہ وہی ہو' میں نے آگے قدم بڑھا دیئے اور اس پر نگاہیں جمائے' اس کے قریب پہنچ گیا' وہ درمیانے قدو قامت کا ایک آدمی تھا جو گھٹنوں میں منہ دیئے کانپ رہا تھا اور اس کے حلق سے ہلکی ہلکی کراہیں نکل رہی تھیں' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی ہے بھائی' ارے کوئی ہے' دیکھو میرا نیچے کا دھڑ غائب ہو گیا ہے' میں ہل جل نہیں سکتا' کوئی مجھے یہاں سے اٹھا لے جائے گا کیا؟ اٹھاؤ گے میرے بھائی مجھے یہاں سے' دیکھو' میرا جسم آدھا رہ گیا ہے۔" عجیب الفاظ تھے' میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن حیرانی بھی ہوئی تھی کیونکہ اس کا پورا بدن موجود تھا' یہ بھی کوئی آسیبی کہانی ہی معلوم ہوتی ہے لیکن مجھ جیسا بے جگر بھی شاید ہی کوئی ہو گا' اصل میں بات وہی تھی' میں تو زندگی کے احساس ہی سے محروم ہو گیا تھا' نہ موت کی فکر تھی نہ زندگی کا خوف..... اس میں کوئی شک نہیں کہ کبھی کبھی انسانی فطرت کے تحت دل میں ڈر کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی لیکن جب اپنے شب و روز کا خیال آتا تو میں سوچتا کہ خوف اسے ہو جسے زندگی عزیز ہو' یہاں تو زندگی سے پیاری شے موت ہے' آگے بڑھا اور اس آسیبی وجود کے سامنے بیٹھ گیا۔

میں نے اس سے کہا۔ "سر اٹھاؤ' مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ' کون ہو تم اور کیوں یہ محسوس کر رہے ہو کہ تمہارا آدھا جسم گم ہو گیا ہے' تم تو مکمل ہو بالکل مکمل....."

"ایں..... کیا واقعی میں پورا ہوں؟" اس نے کہا اور چہرہ اٹھایا۔ بے شک تاریکی تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ اتنے قریب بیٹھ کر کسی انسان کے نقوش میری نگاہوں سے اوجھل رہیں' میں نے وہ چہرہ دیکھا اور شاید میری زندگی ہی ایسے ہولناک واقعات سے منسلک ہو گئی تھی' یہ چہرہ اجنبی نہیں تھا میرے لئے' ہاں! یہ چہرہ ایک شناسا چہرہ تھا۔

☆=========☆=========☆

مجھے اپنی آنکھوں پر بھروسہ تھا' میری کیفیت کچھ بھی تھی لیکن ایسی بھی نہیں تھی کہ لوگوں کو نہ پہچان سکوں' میں بڑے صبر و سکون کے ساتھ اپنی زندگی کا یہ مشکل سفر طے کر رہا تھا لیکن میرے سامنے اس وقت جو شخصیت بیٹھی ہوئی تھی اس کے بارے یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مجھے ایسی حالت میں نظر آئے گا۔

یہ حسن تھا' خوش مزاج' خوش لباس' ہمیشہ مسکراتے رہنے والا' مشکل حالات میں اپنے آپ کو سنبھالے رکھنے والا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا ورنہ مشکلوں میں گھرے ہوئے انسان کا کون ساتھ دیتا ہے' جو واقعات میرے ساتھ پیش آئے تھے' ان کے تحت ان لوگوں کی جگہ کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کیسی کیسی کیفیتوں کا اظہار کرتا۔ میں تو خیر تھا ہی راندہ درگاہ..... لیکن حسن کو کیا ہوا.....؟

میں اس کے پاس بیٹھ گیا' وہ عجیب و غریب انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا' صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ذہنی توازن درست نہیں ہے یا پھر ایسی کسی کیفیت کا شکار ہے جسے میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں نے کہا۔

"حسن..... تمہارا نام حسن ہی ہے نا.....؟"

"ایں..... ہاں ہے تو حسن' پر تم کون ہو بھائی!" حسن کی نحیف آواز ابھری۔

"مجھے نہیں پہچان رہے تم حسن' شازل' تمہارا دوست۔"

"میرا دوست شازل..... پتہ نہیں بھائی' میرے دماغ میں تو کوئی بات ہی نہیں آرہی' اصل میں میرا آدھا بدن غائب ہو گیا ہے' میں ہل جل نہیں سکتا' تم دیکھ نہیں رہے میری کیا حالت ہے.....؟"

"حسن' میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ تمہارا پورا بدن موجود ہے' میں گواہی دے رہا ہوں اس کی' کسی نے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے' پورا بدن ہے تمہارا' کیا ہو گیا ہے آخر تمہیں.....؟"

"عجیب آدمی ہو' اپنے بارے میں مجھے بتاتے نہیں اور اپنے لہجے میں میرے لئے اتنا

دکھ پیدا کر لیا ہے تم نے' جیسے میرے کوئی بہت ہی قریبی عزیز ہو۔"

میں نے اپنا چہرہ اس کے سامنے کیا' کچھ اور آگے بڑھا اور بولا۔ "مجھے پہچانو حسن' شازل ہوں شازل' میری تمہاری رفاقت بے شک بہت تھوڑی رہی لیکن.....!"

"ارے ہاں تم شازل ہو' واہ دیکھو یادداشت بھی آدھی رہ گئی ہے بدن کی طرح..... کیوں نہیں پہچانوں گا تمہیں۔ تم تو ہم لوگوں کو زخمی کر کے چھوڑ آئے' بھلا تمہیں کیسے بھلا سکیں گے ہم.....!"

"حسن میں سمجھا نہیں میرے بھائی۔"

"سبھی تو یاد کرتے تھے تمہیں' سبھی تمہارے لئے غمزدہ تھے' ذرا مجھے یہاں سے ہٹا کر کسی اور جگہ بٹھا دو پیارے بھائی' دیکھو کیا حالت ہو گئی ہے میری' پتہ نہیں کیوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے نہ میرے پاؤں ہیں نہ کمر ہے' آدھا ہوں میں....."

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں نے اسے اس کی جگہ سے اٹھایا اور کافی دور لے جا کر بٹھا دیا۔ راستہ چلاتے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ اس کے دونوں پاؤں بھی موجود ہیں' کمر بھی ہے اور بدن بھی اور وہ اپنے ہلتے ہوئے پاؤں دیکھ کر حیران ہوتا رہا۔ پھر میں نے اسے ایک درخت کے سہارے بٹھا دیا اور دکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری یہ حالت کیسے ہو گئی حسن.....!"

"میں بتا دوں گا تمہیں پہلے تم بتاؤ کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"سب ہی تو یاد کرتے ہیں تمہیں' تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا بس ایک بہت بڑی غلط فہمی تھی اور بعد میں سب ہی کو اس کا احساس ہو گیا' سب ہی تمہارے لئے بڑے دکھی تھے اور دادا جان شاید تمہیں یقین نہ آئے کہ دادا جان تمہاری وجہ سے پھر سے بیمار ہو گئے تھے۔"

"میں جانتا ہوں' بہت اچھے انسان ہیں وہ اور اگر تم لوگوں کے ذہنوں میں میری پوزیشن صاف ہو گئی ہے تو تم یقین کرو شاید اس سے بڑی خوشی مجھے اور کسی بات کی نہ ہو۔"

"ہاں ایسا ہی ہوا تھا' ایسا ہی ہوا تھا واقعی سب کچھ بہت عجیب ہوا تھا' لیکن جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور بعد میں پچھتاووں کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔"

"چھوڑو ان باتوں کو..... تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟"

"ایسا تو بہت بعد میں ہوا ہے شازل' لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم تو بالکل ٹھیک ہو نا' کہاں رہ رہے ہو' یہاں کیسے نظر آرہے ہو.....!"

"بس تقدیر کا چکر ہے اور تقدیر جو فیصلے کرتی ہے بڑے اچھے ہوتے ہیں' اگر میں یہاں نہ آتا تو تم مجھے کیسے ملتے.....!"

"ہم تو بس عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گئے' وہ زمان گڑھی سے یہاں آئے۔ اصل میں..... میں بس کیا بتاؤں' واقعات میرے ذہن میں بھی الٹ پلٹ ہو رہے ہیں' یہاں آئے ہوئے ہمیں ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے ویسے ہمیں راج پور میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تمہیں بتایا تھا کہ ہم شمائلہ کو لے کر پیر بابا کے مزار پر جانے والے تھے لیکن ہمارے راستے بدل دیئے گئے۔ ہم بجائے پیر بابا کے مزار پر جانے کے اس طرف راج پور نکل آئے اور یہاں ہم نے ایک جگہ قیام کیا' جب ہم نواز گڑھی سے چلے' تمہیں شاید اس بات کا علم نہ ہو کہ نواز گڑھی سے پیر بابا کے مزار جانے کے لئے کوئی باقاعدہ راستہ نہیں ہے بیل گاڑیوں والے' زائرین کو بیل گاڑیوں پر بٹھا کر یہ دشوار گزار راستے طے کرتے ہیں۔ ایک بیل گاڑی والا ہمیں بھی لے کر ادھر چل پڑا تھا' لیکن پھر وہ ہمیں لئے ہوئے راستہ بدل کر ایک ایسی جگہ پہنچ گیا' جہاں راستہ ندی سے گزرتا تھا' اس نے بیلوں کو ایک دم پانی میں اتار دیا اور خود کنارے پر کود گیا' ہم سب تو بدحواس ہو گئے تھے۔ وہ خود غائب ہو گیا اور بیل ہمیں لے کر چل پڑے۔ شکر تھا کہ بیلوں نے یہ ندی تیر کر پار کر لی اور ہماری زندگیاں بچ گئیں لیکن ہم کنارے پر پہنچے تو گہری کالی رات آگئی تھی اور چاروں طرف گہرا اندھیرا طاری ہو گیا تھا۔ سب ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ ہم کسی گہرے طلسم میں گرفتار ہو گئے ہیں' پھر جب روشنی ہوئی تو شمائلہ ہمارے ساتھ نہیں تھی۔"

"کیا.....؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں..... شمائلہ اب ہمارے پاس نہیں ہے' کوئی اسے لے گیا۔"

"اوہ۔" میرے حلق سے ایک غم ناک آواز نکلی' حسن بھی رونے لگا تھا۔

"ہاں شازل میری بہن..... میری بہن....."

"سنو تم فکر مت کرو' جن کالی طاقتوں نے تم لوگوں کے گرد یہ حصار قائم کیا ہے اور جو تمہیں پریشان کر رہا ہے' وہ بچ نہیں سکے گا' تم بے فکر رہو ہم کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے' میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا حسن' تمہیں یاد ہے شمائلہ کو میں نے بھی بہن کہا تھا۔"

"میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں' بالکل خوشامد نہیں کر رہا تمہاری' مجھے اس وقت بھی یوں لگا تھا جیسے میرا تم سے کوئی دلی رشتہ ہے' اور مجھے اب بھی یوں لگ رہا ہے جیسے میرا کوئی اپنا مجھے مل گیا ہے اور وہ ضرور میری مدد کرے گا۔"

"میں نے کہا نا تم بالکل فکر مت کرو' کچھ اور تفصیلات بتاؤ مجھے.....!"

"بس اور کیا بتاؤں' شمائلہ غائب ہو گئی' ہم دربدر مارے مارے پھرتے رہے' یہاں تک کہ ایک پتھر کا مینار نظر آیا جس کے درمیان دروازہ بنا ہوا تھا' جس علاقے سے ہم دریا پار ہوئے تھے وہ بڑا ہی بھیانک تھا اور ایک عجیب سی ویرانی وہاں پھیلی ہوئی تھی ناگ پھنی کی جھاڑیوں میں ہم نے کالے سانپوں کو اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ ایک دوبار ہم پر حملہ بھی کیا گیا' لیکن زندگی بچانے کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بڑے بڑے پتھروں سے ہم نے ان سانپوں کو اپنے پاس سے بھگایا۔ اس کالے مینار' جسے مٹھ کہتے ہیں کہ علاوہ یہاں اور کچھ نہیں تھا۔ ہم آگے بڑھتے رہے اور پھر وہاں پر ہمیں چند افراد نظر آئے۔ یہ بس یوں سمجھ لو شکلوں ہی سے بدمعاش نظر آتے تھے۔ بڑے بڑے چغے پہنے ہوئے' جوگی بنے ہوئے' بڑے بڑے ہار پہنے ہوئے' لمبے لمبے بال' ہاتھوں میں ترشول' گلوں میں کمنڈل۔ وہ ہمیں مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے' پھر انہوں نے ہمارے گرد گھیرا ڈال لیا اور ہم سے بھیک مانگنے لگے لیکن وہ ہمیں صاف بدمعاش محسوس ہو رہے تھے۔ والد صاحب نے کڑک کر ان سے کہا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے جسے تم اغوا کر کے لائے ہو؟"

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے بھائیو' کیا تم بھول گئے' وہ تو گج راج مہاراج کی پریمکا تھی اور گج راج مہاراج برسوں سے اس کی تلاش میں تھے' تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے بھائی' بس اپنے کام سے کام رکھو۔"

ہم کچھ نہیں سمجھ پائے تھے اور والد صاحب نے پوچھا تھا۔ "بھائی یہ گج راج مہاراج کون ہے' ہم تو انہیں بالکل نہیں جانتے۔"

"پُرکھے جانتے ہیں تمہارے پُرکھے' بس سمجھ لو آگے کچھ نہ کہنا' ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

ہم لوگ ویسے ہی خوف محسوس کر رہے تھے۔ وہاں سے آگے بڑھے' یہ راج پور کا ایک اور پرانا گوشہ ہے اب تو خیر یہ تمام حصے پاکستان میں شامل ہیں لیکن پاکستان بننے سے پہلے ظاہر ہے یہاں کافی تعداد میں ہندو بھی آباد تھے' اب بھی کچھ خاندان وہاں آباد ہیں' ہماری حکومت چونکہ اقلیتوں کو بھرپور تحفظ دیتی ہے' اس لئے راج پور کے اس نواحی حصے

کے ہندوؤں کو تمام آسائشیں دی گئی ہیں' بلکہ اتنی آسائشیں خود شہر راج پور میں نہیں ہیں جتنی ان نواحی علاقوں میں ہیں۔ وہاں انہوں نے مندر وغیرہ بھی بنا رکھے ہیں اور اپنے عقائد کے مطابق کام کرتے ہیں۔ یہاں سے آگے بڑھنا پڑا تھا ہمیں' جان بوجھ کر اس طرف نہیں گئے تھے بلکہ چونکہ مشکلات کا شکار تھے اس لئے ادھر نکل گئے تھے۔ غرض یہ کہ ہم وہاں پہنچ گئے اور اس کے بعد ہم نے وہاں ایک جگہ ڈیرا ڈال لیا' مصیبت کے مارے تھے' کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ایک ایک کی خوشامد کرتے پھر رہے تھے اور پھر بمشکل تمام ہمیں گج راج کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں لیکن عجیب و غریب معلومات۔ پتہ یہ چلا کہ گج راج ایک بہت بڑا سادھو تھا' کبھی تھا لیکن اس کے بارے میں یہ بات سنی تھی کہ بہت عرصے پہلے وہ مرگیا تھا لیکن وہاں کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مہاراج گج راج زندہ ہیں اور ان کی سمادھی کے نیچے ان کا ٹھکانہ ہے۔"

"عجیب بات نہیں ہے.....؟"

"ان کا کہنا تھا کہ گج راج کی روح موجود ہے' اس کا بدن بے شک مرچکا ہے لیکن اس کی روح زندہ ہے اور لوگوں سے ملاقاتیں کرتی رہتی ہے' یہ بس ہندو عقیدہ ہے' ظاہر ہے ہم لوگ تو اسے تسلیم نہیں کرتے۔"

"خیر بات یہاں رہ گئی.....؟"

"رہ کہاں گئی' گج راج کے بارے میں یہ معلومات حاصل ہوگئی تھیں لیکن یہ نہیں پتہ چل سکا تھا کہ شمائلہ کہاں گئی اور گج راج نے اسے کیوں غائب کرادیا' بڑی پریشانی کی بات تھی' لیکن دادا جان اور والد صاحب نے کچھ نیک دل ہندوؤں سے مل کر انہیں اپنی کہانی سنائی' اور ایک ہندو تھوڑا سا نرم ہوگیا' کہنے لگا کہ یہاں ایک کام کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ گج راج مہاراج کی آتما چاند کی چودہ تاریخ کو درشن دیتی ہے..... اور چاند کی چودہ تاریخ کو اگر ہم لوگ گج راج مہاراج کی آتما سے شمائلہ کے بارے میں معلومات حاصل کریں تو شاید ہمیں کچھ علم ہوجائے' تقدیر کے مارے مجبوراً وہاں خیمہ زن ہوگئے تھے لیکن میرے دل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ میں اس طرف نکل آیا..... اور راتوں کو یہاں معلومات حاصل کرنے لگا پھر اچانک ہی مجھے ایک شخص ملا۔ یہ ایک شیطانی شکل کا مالک ہندو پجاری قسم کا آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں مٹھ کے علاقے سے نکل جاؤں' ورنہ میرے ساتھ بہت برا سلوک ہوگا۔ مجھ پر جنون تو سوار تھا ہی بس یہ سمجھ لو بھائی کہ میں نے اسے مارا..... پہلے تو وہ مجھ سے مار کھاتا رہا اور پھر اس نے کوئی منتر پڑھ کر میرے بدن پر پھونکا..... اور..... اور میری یہ حالت ہوگئی' بس اس کے بعد

سے میں یہیں ہوں اور مجھے پتہ نہیں کہ میری گمشدگی سے ان پر کیا بیت ہے' ہمارا تو گھر ہی اجڑ کر رہ گیا شازل' ہم تو برباد ہو کر رہ گئے۔"

میرے دل میں سخت غم کا تاثر ابھر رہا تھا' واقعی اس گھر کو میں نے دیکھا تھا' ان لوگوں نے بہت اچھا سلوک کیا تھا میرے ساتھ' میری بدقسمتی آڑے نہ آتی تو بہت اچھا وقت گزر سکتا تھا ان لوگوں کے ساتھ' لیکن مجبوری..... میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تم فکر مت کرو' میں مل گیا ہوں اب تمہیں' اور یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ شمائلہ کو میں نے بہن کہا ہے۔ اب اس کے ایک نہیں بلکہ دو بھائی مل کر اس کے لئے کوشش کریں گے میں تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔"

حسن خاموش ہوگیا' اس نے اس بارے میں مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ میں نے کہا۔

"اب تم سب سے پہلے اپنے ذہن سے یہ تصور ختم کرو کہ تمہارا باقی جسم گم ہوگیا ہے' ایسی کوئی بات نہیں ہے بالکل ٹھیک ہو تم۔"

حسن نے گردن جھکا کر اپنے بدن پر غور کیا پھر بولا۔ "لیکن میں بغیر سہارے کے چل نہیں پاؤں گا' تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

"ہاں بالکل بے فکر رہو تم' میں تمہارے ساتھ ہوں۔" میں نے کہا۔ حالانکہ مجھے خود بھی کچھ عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔ امیر شاہ صاحب دل و دماغ کے بھی امیر تھے اور ظرف کے بھی امیر' کوئی ایسی بات تو نہیں تھی لیکن پھر بھی ایک تھوڑی سی جھجک دل میں تھی کہ میں تو ہوں ہی ان کا دست نگر' ایک اور شخص کو بھی لئے جا رہا ہوں۔ البتہ مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ جب میں امیر شاہ صاحب کو یہ ساری کہانی سناؤں گا تو ضرور وہ انسانی رشتوں کی بنیاد پر حسن کی مدد کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ آخر کار یہ طویل فاصلہ میں نے بڑی مشکل سے طے کیا' حسن کے نوجوان جسم کو مکمل طور پر سہارا دینا بھی ایک مشکل کام تھا..... لیکن یہ مشکل کام میں نے سرانجام دیا اور آخر کار امیر شاہ صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا لیکن پھر بھی میں ان کی اجازت کے بغیر اسے لے کر اندر داخل نہیں ہوا تھا' بلکہ میں نے اسے باہر ہی ایک مناسب جگہ بٹھا دیا اور کہا۔

"حسن جو کچھ میں کر رہا ہوں اس میں تم کوئی ایسی ویسی بات مت سمجھنا' یوں سمجھ لو کہ راج پور میرے لئے بھی اجنبی ہے بہرحال میں تمہارے کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔" اور پھر میں اندر داخل ہوگیا۔

بڑی کشمکش کے عالم میں تھا' حسن کی داستان ایسی نہیں تھی کہ امیر شاہ صاحب کو نہ

بتاتا' لیکن یہ الجھن بھی تھی کہ کہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ اپنی مشکل تو لے کر آیا ہی تھا اب مشکلوں کے انبار لگائے دے رہا ہے' رات کے اس حصے میں ویسے بھی کھانے پینے کے لئے کچھ حاصل کرنا' مجھے مشکل ہی لگ رہا تھا' لیکن تقدیر اچھی تھی کہ زبیدہ جاگتی ہوئی مل گئی اور میں نے اس سے کہا کہ مجھے کسی کے لئے کھانا درکار ہے' زبیدہ نے خندہ پیشانی سے مجھے کھانے پینے کی اشیاء فراہم کردیں اور میں تھالی لے کر باہر نکل آیا۔ امیر شاہ صاحب کی اجازت کے بغیر ان کے گھر میں کسی کو بہرحال داخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حسن کو کھلا پلا کر باقی رات میں نے باہر ہی گزاری اور ہم ان واقعات کے بارے میں باتیں کرتے رہے' یہاں تک کہ دن نکل آیا۔ پھر جیسے ہی فجر کی اذان ہوئی' میں اور حسن اٹھ کر پڑھ گئے نماز کے بعد اچانک ہی دروازہ کھلا تھا اور امیر شاہ صاحب باہر نکل آئے تھے۔ میں انہیں دیکھ کر کھڑا ہوگیا تھا وہ خاموشی سے آگے بڑھتے رہے' میرے قریب پہنچے تو میں نے انہیں سلام کیا ٹھٹک کر رک گئے۔ کچھ لمحے خاموش کھڑے رہے' پھر اِدھر اُدھر ٹٹولتے ہوئے بولے۔

"بیٹھنے کی کوئی جگہ ہے.....؟"

"وہ جناب.....!"

"آجاؤ میرے پیچھے پیچھے....." میں نے جھجک کر حسن کی جانب دیکھا تو وہ بولے۔ "اسے بھی ساتھ لے آؤ۔"

امیر شاہ صاحب کے بارے میں مختصر الفاظ میں حسن کو بتا چکا تھا لیکن تفصیل بالکل نہیں بتائی تھی' حسن کو میں نے اپنے دل کی واردات سے آگاہ نہیں کیا تھا' ایسی کہانیاں روح کی گہرائیوں میں پروان چڑھتی ہیں اور انہی میں دفن ہو جاتی ہیں۔ اس بارے میں لوگوں کو افسانے نہیں سنائے جاتے' بہرحال امیر شاہ صاحب جو علم رکھتے تھے اس کا تجربہ مجھے بخوبی ہو چکا تھا۔

درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھ کر انہوں نے کہا۔

"اصولی طور پر تم نے ٹھیک کیا' لیکن بہتر یہ تھا کہ میرے مزاج کو سمجھتے۔ مہمان پر اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ بعد میں فیصلہ ہو جاتا۔ دکھ ہوا کہ تم دونوں نے رات زمین پر گزاری' چلو خیر کوئی بات نہیں آرام کرو۔ جگہ یہی مناسب ہے لیکن کھانے پینے کا بندوبست رکھنا' میری طرف سے اجازت ہے' آرام سے بیٹھو' تھوڑا سا وقت گزارو۔ لڑکا اگر جانا چاہے تو اسے جانے دینا تاکہ دوسروں کو تسلی ہو۔"

میرا ہی نہیں حسن کا منہ بھی حیرت سے کھلا رہ گیا تھا۔ امیر شاہ صاحب جو کچھ کہہ

رہے تھے الفاظ تو مبہم تھے لیکن مفہوم انتہائی حیرت ناک..... وہ پلٹ کر واپس چلے گئے' لیکن میں اور حسن تعجب سے آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔

کچھ دیر کے بعد حسن نے کہا۔ "کیا کہہ رہے تھے یہ' انہیں کیسے معلوم کہ کوئی میرے لئے پریشان ہو رہا ہوگا۔"

میں نے گردن ہلا کر کہا۔ "حسن میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا اس وقت لیکن تم جلد ہی واپس جاؤ' جاکر صورتِ حال کا اندازہ لگاؤ اور سنو! حالات کیسے بھی ہوں یہاں سے جانا نہیں بلکہ انتظار کرنا اور وہاں صورتِ حال اگر تسلی بخش ہو تو شام تک میرے پاس واپس آجانا۔ اللہ بہتر کرے گا۔ کیا سمجھے!"

"لیکن یہ ہیں کون؟"

"بس اللہ تعالیٰ نے نہ جانے کیا کیا اس دنیا کو دیا ہے' اب اس سلسلے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ کون کیا ہے۔ ان تفصیلات میں نہ پڑو تو بہتر ہے کیا سمجھے؟"

حسن میری صورت دیکھتا رہا' پھر گردن ہلا کر بولا۔

"خدا کرے ہمیں ہماری مشکلات کا حل مل جائے۔ اب تو تھک گئے ہیں بری طرح تھک گئے ہیں۔ میں خود بھی جلدی سے واپس جانا چاہتا ہوں۔ واقعی پتہ نہیں کیا بات ہو وہاں۔ شمائلہ تو گم ہو ہی گئی ہے۔ میری گمشدگی سے کہیں کوئی بڑا حادثہ رونما نہ ہو جائے' جاؤں؟"

"حسن! میں یہاں سے کہیں نہیں نکلوں گا اس وقت تک' جب تک تم مجھے خیریت کی اطلاع نہیں دے دو گے' میں اس وقت جانا نہیں چاہتا ورنہ تمہیں تنہا نہیں بھیجتا۔"

"نہیں نہیں' مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے یہ سب کچھ اسی شکل میں بہتر رہے گا کہ نہ تمہیں کوئی دقت ہو اور نہ ہی میں کسی اور بڑی الجھن کا شکار ہوں' سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"

"ہاں بالکل۔" میں نے جواب دیا اور پھر حسن چلا گیا۔

میں اسی جگہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا اور ان واقعات پر غور کرنے لگا تھا۔ کیا عجیب دنیا ہے۔ کیسے کیسے واقعات رونما ہوتے ہیں اس دنیا میں اور کیا کیا ہو جاتا ہے' ساری کہانیاں تو ہمارے علم میں نہیں آتیں' لیکن جو آجاتی ہیں ان پر یقین کرنا بے حد مشکل کام ہوتا ہے۔

کوئی ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ زبیدہ باہر آئی اور بولی۔

"شاہ جی بلا رہے ہیں۔" میں پُر احترام انداز میں اٹھا اور اندر داخل ہوگیا۔ اس

دوران مجھے وہ شخص بہت کم نظر آیا تھا جس کا نام احترام لیا گیا تھا اور جس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں احترام کی شخصیت مجھے بہت ہی پُراسرار محسوس ہوئی تھی۔ پھر میں امیر شاہ صاحب کے حجرے میں داخل ہوگیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں شاہ صاحب عام طور سے نشست کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی تخت پر دوزانو بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے قدموں کی آہٹ سن کر کہا۔

"شازل! آؤ میاں بیٹھو۔" میں ادب سے ان کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ مسکرا کر بولے۔

"ویسے تو ہر انسان کی ذات میں تجسس کا ایک پہلو ہوتا ہے اور کوئی بھی الٹی سیدھی بات اس کے علم میں آجائے وہ اسے جاننے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے' مگر خیر تمہارا تو معاملہ ہی مختلف ہے۔ بات سچ ہے اگر انسان کے خون میں شرافت کا عنصر ہو تو چاول کے ایک دانے کا احسان نہیں بھولتا' تمہارا تعلق بھی بڑا حقیقی ہے اور پھر اچھے لوگ ہیں وہ۔ اب یہ پوچھنے نہ بیٹھ جانا کہ مجھے ان کے بارے میں کیسے معلوم ہوگیا' بھئی دیکھو نا دنیا کی تھوڑی بہت خبر گیری تو رکھنی پڑتی ہے۔ ہر شخص اپنا اپنا کام کرتا ہے' یوں سمجھ لو یہ میرا کام ہے۔ آرام سے بیٹھو اور مجھے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

میں خاموش ہی رہا تھا۔ امیر شاہ صاحب کے پُرعظمت علم کے بارے میں تو پہلے ہی اندازہ ہوچکا تھا۔ کون سی نئی بات تھی وہ حقیقت آشنا تھے۔ وقت سے پہلے تمام حقیقتوں سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ بڑائی تھی ان کی اور بڑے لوگوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ انہوں نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی پھر بولے۔

"یوں نہ سمجھنا کہ ہم سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں سموئے بیٹھے ہیں۔ ذمہ داریاں الگ الگ ہوتی ہیں اور پہلے اپنی ذمے داریوں کو پورا کرنا چاہئے اس کے بعد اگر وقت ملے تو جہاں کا درد بھی سمیٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خیر چھوڑو' وعدہ تو کرچکے ہو' یا اگر نہیں کیا ہے تو کر لو کہ اور سوالات نہیں کرو گے' صرف مطلب کی بات کرو گے۔ چلو پہلے وعدہ کرو۔" انہوں نے کسی قدر متبسم ہو کر کہا۔

"شاہ صاحب! کوئی ایسی بات کرنے کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا جس میں.....

ابھی میں نے اتنا ہی جملہ کہا تھا کہ امیر شاہ صاحب نے ہاتھ اٹھایا اور بولے۔

"دیکھو بیٹے' انسان بچوں سے بھی کبھی کبھی کھیلتا ہے' ہنسی مذاق کرتا ہے' ننھے بچے ہوتے ہو نا تم لوگ تو آغوش میں ہوتے ہو' ہم تمہارے گدگدی کرتے ہیں' تم ہنستے مسکراتے ہو اپنے آپ کو بچاتے ہو' ہمیں اچھا لگتا ہے' بڑے ہو جاتے ہو تب بھی ذہن

وہی چاہتا ہے نا۔ ایسی بات نہ کرو' اچھا خیر چھوڑو' ہاں تو دیکھو' میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ یہ جو سارا معاملہ ہے یہ کچھ عجیب سی حیثیت رکھتا ہے۔ میں تمہیں پوری تفصیل بتاتا ہوں' سنتے رہنا غور سے' بولنا مت..... نواب صاحب تھے' نواب' رئیس' راجہ' مہاراجہ' جاگیردار' ان لوگوں نے انسانیت کی اتنی تذلیل کی کہ آخر کار اللہ تعالیٰ کو ان کی سرکوبی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑا۔ یومِ حساب کا انتظار کیا جاتا تو مظلوموں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی۔ چنانچہ رسّی کھینچ لی گئی اور یہ سب اس رسّی میں لٹک گئے۔ جاگیریں ختم ہوئیں' اور یہ اپنی اوقات میں آگئے' کیا سمجھے؟ یہ ضروری تھا ورنہ انسانوں میں جو تفریق اللہ تعالیٰ نے پیدا کی' انہوں نے ذرا اعلیٰ پیمانے پر کر ڈالی یعنی تفریق تو آج بھی ہے' صاحبِ زر..... بس چھوڑو وہ باتیں نہیں کرنا چاہتا جو دنیا کرتی رہتی ہے۔ کون سی نئی بات ہوگی' تو بات ہو رہی تھی ایک ایسے نواب صاحب کی جن کا نام لینا تو بیکار ہی ہے' بس سمجھ لو کہ انسانوں کو انسان نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی جاگیر میں انہوں نے جو کچھ کر رکھا تھا اس کے لئے سبھی آہیں بھرا کرتے تھے۔ مسلمان ہو یا ہندو کوئی بھی ہو' پہلے اللہ کی مخلوق ہوتا ہے' اس کے بعد دین کی تفریق ہوتی ہے' کچھ لامذہب ہو جاتے اور کچھ مذہب کے دائرے کے اندر رہ کر فائدے اٹھاتے ہیں۔ اس کا نام گجو تھا' گجو تیلی' وہی والی بات ہے نا' اول تو لامذہب تھا' پھر چھوٹا کام کرتا تھا اس زمانے کے لحاظ سے یعنی تیلی تھا' کولہو چلاتا تھا' تیل نکالتا تھا' تیل بیچتا تھا' کوئی قصور نہیں تھا اس کا' بالکل قصور نہیں تھا' نواب صاحب کی صاحبزادی ایک دن اٹکھیلیاں کرتی ہوئی کہیں نکل گئیں' سانپ نے گھر لیا انہیں' گجو تیلی نے ڈنڈے سے سانپ مارا' نوجوان تھا' خوبصورت تھا' تندرست و توانا تھا' صاحبزادی متاثر ہوئیں اور اس کے بعد ان کے دل میں محبت کی کونپل پھوٹ اٹھی۔ عشق بھلا ذات پات یہ ساری چیزیں کہاں دیکھتا ہے' بات بے شک غلط تھی' سمجھایا بھی جا سکتا تھا بچی کو' لیکن اسے بے قصور قرار دیا گیا۔ گجو تیلی کے سارے خاندان کو اس کے گھر میں زندہ جلوا دیا گیا۔ نواب صاحب کی جو بات تھی' کون تھا جو نواب صاحب کو اس دی جانے والی سزا سے روکتا۔ سارے لوگ چیختے چلاتے فریاد کرتے ہوئے مر گئے' چھوٹے چھوٹے بچے بھی شامل تھے' سارے کے سارے تھے' انہی میں گجو تیلی بھی تھا..... لیکن سنا یہ گیا کہ جب چیختے چلاتے بچے نذرِ آتش ہوگئے اور گجو تیلی کا جسم بھی خاکستر ہو گیا تو اچانک ہی اس کوئلہ بنے مجسمے نے آنکھیں کھولیں' نواب صاحب کو دیکھا اور کہا۔

"نواب صاحب! یہ جو تم نے کیا ہے نا اس کی سزا تم تک ہی نہیں تمہاری اولادوں کو بھی بھگتنا پڑے گی' اور ایسی بھگتنا پڑے گی کہ تم بھی کیا یاد رکھو گے۔" یہ کہہ کر کوئلے

کا مجسمہ اپنے قدموں سے چلتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔

نواب صاحب کو تو خیر وہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ اس دنیا کو چھوڑ گئے' لیکن جو لوگ ان کے ساتھ شریک تھے ان پر بھی ستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے' کچھ عرصہ کے بعد اس علاقے میں گج راج کی کہانیاں عام ہونے لگیں۔ جنہوں نے اپنا مٹھ الگ بنا لیا تھا اور ان کے بارے میں یہ بات سامنے آگئی تھی کہ زمانہ قدیم کے گجو تیلی ہیں جو اب گج راج مہاراج بن چکے ہیں' لوگوں کو اصل کہانی معلوم تھی اور جب گج راج مہاراج نے کئی بار اپنے درشن دیئے تو لوگ ان کے دیوانے ہوگئے۔ اگر تقسیم ہند نہ ہو جاتی' پاکستان وجود میں نہ آجاتا تو راج پور کے اس نواحی علاقے میں اب تک گج راج مہاراج کا عظیم مندر تعمیر ہو جاتا' یہاں تو خیر صورتِ حال ذرا مختلف رہی اقلیتوں کا تحفظ اپنی جگہ لیکن کالے علم کو بلندی نہیں دی جاسکتی تھی۔ البتہ قرب و جوار کے رہنے والے اور وہ جو کالے علوم پر یقین رکھتے ہیں' آج بھی گج راج مہاراج کے مٹھ پر آتے ہیں اور اپنے کالے دھندے پورے کراتے ہیں۔ ہمارے لئے بڑی مشکل ہے' ہمیں حکم نہیں ہے کہ ہم وہاں جاکر گج راج کے راستے روکیں لیکن کبھی کوئی بھولا بھٹکا کسی مشکل کا شکار ہو کر ادھر نکل آتا ہے تو ہماری پریشانی میں اضافہ ہو جاتا ہے' ویسے تمہیں ایک بات بتائیں' یہ جو بچی شمائلہ ہے نا یہ اس لڑکی کی ہمشکل ہے جس کی وجہ سے گجو تیلی کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور یہ خاندان انہی نواب صاحب کا خاندان ہے' یہ بچہ بھی اسی خاندان سے ہے جو تمہارے ساتھ آیا تھا۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

امیر شاہ صاحب خاموش ہوگئے' لیکن میری کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی تھی' میں شدتِ حیرت سے گنگ امیر شاہ صاحب کی صورت دیکھ رہا تھا' خاموشی طویل ہو گئی تو میں نے ہی اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا۔

"شاہ صاحب! ایک سوال تو ہے بلکہ کئی سوال ہیں؟"

"چلو پوچھو۔"

"پہلی بات تو یہ کہ اس وقت بھی یعنی جب قدیم دور میں نواب صاحب نے گجو تیلی اور اس کے خاندان کو زندہ جلوادیا تھا اس لڑکی کا تو کوئی قصور نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا یا اس لڑکی نے اس بات کی سفارش کی تھی کہ اس خاندان کو ختم کر دیا جائے۔"

"ظاہر ہے نہیں۔"

"گویا لڑکی بے قصور تھی۔ پھر اس کے بعد یہ لڑکی شمائلہ جس کا براہِ راست ان سے

کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو ایک دور کی بات ہے' ان لوگوں کا جن سے وہ متعلق ہے ان کا بھی کوئی قصور نہیں ہے اس سلسلے میں' تیسرا سوال یہ کہ کیا گندی ارواح کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو اس طرح تنگ کر سکیں' یا پھر ایسی ارواح ہندو عقیدے کے مطابق تو ہوتی ہوں گی' کیا مسلم عقیدے میں اس کی گنجائش ہے؟" شاہ صاحب ایک لمحے خاموش رہے پھر بولے۔

"ارواحِ خبیثہ کا تصور' جادو اور سفلی علوم کا عمل تو بیٹے ہے۔ شیطانی قوتیں ہر وقت مصروفِ عمل رہتی ہیں' مختلف شکلوں میں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ اجازت دی ہوئی ہے کہ وہ اس کے بندوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے' انہیں بہکانے کی کوشش کرے' اس کے نیک بندے اللہ کے تحفظ میں رہیں گے اور شیطان خود انہی کے ہاتھوں زک اٹھائے گا' اس طرح کم از کم شیطان کے اپنے علوم تو عالمِ وجود میں ہیں اور وہ جو اس کے پیرو کار ہیں' وہ بہر حال ان خبیث قوتوں کے ساتھ مصروفِ عمل رہتے ہیں' لیکن ان کا توڑ بھی ہے' اور اگر توڑ نہ ہوتا تو یہ ارواحِ خبیثہ نہ جانے کیا کیا کارستانیاں دکھاتیں۔ اب تم ایک بات دیکھو' میں اس کا اظہار تو نہیں کرنا چاہتا تھا' تم سوچو گے کہ میں بھی شاید خود نمائی کا شوقین ہوں' لیکن بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کہیں نہ کہیں کوئی عجیب سا تصور نکل آتا ہے۔ مجھے ایسا کرنا تو نہیں چاہئے لیکن بہرحال کوشش کرتا ہوں' بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے یہ بالکل نہیں سوچا جیسا کہ اس شخص نے کہا یعنی حسن نے کہا کہ اس کا جسم مفلوج کر دیا گیا اور اسے یوں لگا جیسے اس کا آدھا بدن گم ہو گیا ہے' لیکن جب تم نے اس کے ساتھ ہمدردی اور انسانیت کا سلوک کیا تو بہ آسانی اسے نہ صرف اس کی جگہ سے اٹھا کر بٹھانے میں کامیاب ہو گئے بلکہ اسے یہاں تک لے آئے' غور تو نہیں کیا تم نے کہ ایسا کیسے ہو گیا۔"

"شاہ صاحب' میں بس آپ سمجھ لیجئے کہ میری عقیدت آسمان کو چھو رہی ہے' آپ کو ہر چیز کا علم ہو جاتا ہے' اور خود آپ اپنے آپ کو روشن ضمیر نہیں کہتے۔"

"کسی انسان کو روشن ضمیر کبھی کہنا بھی نہیں' ہاں یہ سمجھ لو کہ میرے کچھ ذرائع معلومات ہیں' جن کے ذریعے مجھے بہت سی باتوں کی اطلاع ملتی رہتی ہے' اب چونکہ کمال الدین نے تمہیں میرے پاس بھیجا اور مجھ سے کہا کہ تم اس کے چہیتے ہو' تو تم میرے چہیتے بھی بن گئے' ظاہر بات ہے تمہاری خبرگیری ضروری ہے اور تمہاری خبرگیری کے لئے میں نے کچھ انتظامات کئے' چنانچہ تمہاری خبر تو مجھے ملنی ہی چاہئے تھی' مگر موضوع سے بھٹک گئے' بات ہو رہی تھی اس امر کی کہ جیسا کہ اس نے تمہیں بتایا کہ جادو منتر کے ذریعے

اس کے آدھے بدن کو مفلوج کر دیا گیا' تم نے اسے اٹھایا تو وہ اٹھ کر تمہارے ساتھ چل پڑا' اور اب اپنے پیروں سے چل کر وہاں تک گیا ہے جہاں اس کے اپنے لوگ موجود ہیں یہ نہیں سوچا تم نے کہ آخر ایسا کیسے ہو گیا۔"

میں خاموشی سے امیر شاہ صاحب کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"ہاں واقعی..... میں نے نہیں سوچا تھا' لیکن اب دل میں تجسس بیدار ہو گیا۔"

"واہ بھئی واہ..... یہ کوئی بات ہوئی یعنی ہم تمہیں سب کچھ سمجھائیں اور بہت سوں کی برائی مول لے لیں؟"

"خدا کی قسم ایسے کسی کام کے لئے آپ کو بالکل مجبور نہیں کروں گا جس میں آپ کی ذات کو کسی الجھن کا سامنا کرنا پڑے۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا اور شاہ صاحب بے اختیار ہنس پڑے پھر بولے۔

"کوئی اگر کسی کا چیتا ہوتا ہے تو اس کی اپنی کوئی وجہ بھی ہوتی ہے' تم خود بھی بڑے ہی نفیس بچے ہو۔ دیکھو جو لوگ تھوڑے سے لالچ کے لئے یا دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کسی کی حق تلفی کر کے اس سے کچھ چھین لیتے ہیں' یقین کرو انہیں اپنے گھاٹے کا احساس نہیں ہوتا' یہ نہیں سوچتے کہ وہ خود کیا گنوا بیٹھے ہیں' جو کچھ انہوں نے قبضے میں کیا ہوتا ہے دنیاوی دولت کی شکل میں آخر کار وہ ختم ہو جاتی ہے لیکن کسی اچھی شخصیت کو کھو کر وہ جو نقصان کرتے ہیں اسے کبھی پورا نہیں کر پاتے۔ اب تم کہو گے کہ میں ماضی کی باتیں کر رہا ہوں۔ چھوڑو بھئی' میں اصل میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ کوئی کچھ کھوتا ہے تو کچھ پا لیتا ہے' ناظم ارسلان مسلسل تم سے کہہ رہے ہیں یا کہلوا رہے ہیں کہ تم شعاع کے دل میں اپنی طرف سے بددلی پیدا کر دو' لیکن وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے اور تمہیں ہر نقصان سے بچانا بھی چاہتے ہیں' وہ اس لئے کہ شعاع اپنے اوپر تشدد برداشت کر رہی ہے' لیکن اس نے یہ کھل کر کہہ دیا ہے کہ اگر تم پر کوئی تشدد ہوا تو وہ ایسا قدم اٹھائے گی کہ ناظم ارسلان سوچ بھی نہیں سکیں گے اور ناظم ارسلان یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کم از کم شعاع اس سلسلے میں ان سے کوئی تعاون نہیں کرے گی باقی اپنے حقوق وہ بے شک استعمال کر رہے ہیں' اور کرتے رہیں گے اور وہ برداشت کرتی رہے گی' لیکن اس نے بھی کھل کر یہ بات کہہ دی ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے' تم ذرا غور کرو ایک طرح سے تمہارے دشمن تمہاری محافظت کر رہے ہیں یہ بات میں تمہیں کبھی نہ بتاتا لیکن بات یہ ہے کہ انتہا پسندی تو مناسب نہیں ہے' جبکہ بالکل بے ضرر نوجوان ہو اور کسی کی حرمت کو داغدار نہیں کرنا چاہتے' انسان اپنے خیالات

میں تو آزاد ہے' اس کے خیالات اگر کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے تو پھر تو اس کے ساتھ کوئی زیادتی غیر مناسب ہے۔ معاف کرنا میں نہ جانے کہاں بھٹک گیا' میں کچھ اور ہی باتیں کر رہا تھا' کہنا یہ چاہتا تھا کہ تمہاری وجہ سے اس بچے کو فائدہ پہنچ گیا اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکا' ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں بھی بہت لوگوں کے لئے تم فائدہ مند ہی ثابت ہو' کیا سمجھے۔ اچھا ایک منٹ رکو میں تمہیں تھوڑی سی مزید تفصیلات فراہم کرتا ہوں' احترام..... کہاں ہو بھئی۔ ذرا آؤ اندر' کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے..... امیر شاہ صاحب نے مدھم آواز میں احترام کو پکارا تھا' یہ آواز اتنی تیز بھی نہیں تھی کہ باہر تک چلی جاتی' لیکن دروازہ کھول کر احترام اندر داخل ہو گیا تھا اس نے ہم دونوں کو سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"حکم شاہ صاحب....."

"بھئی ذرا کچھ باتیں ہو رہی تھیں' وہ جو ہے' کیا نام ہے اس کا گج راج مہاراج .....یا گجو تیلی..... جو کچھ بھی کہہ لو اسے' اس کے بارے میں کچھ نئی تحقیقات کی تھیں' ذرا مجھے بتاؤ کیا ہیں وہ تحقیقات.....؟"

"شاہ صاحب گجو تیلی کے بارے میں یہ سنا گیا تھا کہ ایک نواب صاحب نے اسے اور اس کے خاندان کو زندہ جلوا دیا تھا اور اس کے بعد وہ خبیث روح بن گیا تھا' پھر یہ مٹھ عالمِ وجود میں آیا اور ہو سکتا تھا یہ مٹھ ایک کالے مندر کی شکل اختیار کر جاتا' لیکن تقسیم ہو گئی اور اس علاقے کا پاکستان میں ہونا اس بات کے لئے رکاوٹ بن گیا' یہ داستان جو خاصی پرانی ہے' تقسیم سے بہت پہلے کی' کیونکہ وہاں ہندوؤں کی آبادی ہے' اس لئے یہ داستان زندہ رہ گئی اور شبہ یہ ہے کہ کالے علم کے ماہر کسی شخص نے گجو تیلی کا روپ دھار کر اپنے آپ کو گج راج کہلوا کر مٹھ کے نیچے ایک شیطانی دنیا آباد کر لی اور یہاں اپنے گندے علوم کو فروغ دینے لگا' برائی کے پرستار بھی بہت سے مل جاتے ہیں' چنانچہ برائی کے پرستار بہت دور دور سے آتے ہیں اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانے کے لئے۔ ان میں کون کون ہوتا ہے اس کی تشریح مناسب نہیں ہو گی' ظاہر ہے ہندو تو ہوتے ہی ہیں لیکن بہت سے بھٹکے ہوئے مسلمان بھی آ جاتے ہیں اور سب کچھ بھول کر اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنے ایمان کھو دیتے ہیں' خیر یہ ان کا اور اللہ کا معاملہ ہے ہم کون ہوتے ہیں کچھ کہنے والے۔ گجو تیلی کے بارے میں یہ بات شہرت پا گئی تو کچھ لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا' لیکن فائدہ اٹھانے والے شیطان سے بہت زیادہ قریب ہیں اور ہمارے ہم مذہب بھی نہیں ہیں' اس لئے بات بنی ہوئی ہے۔ اب اگر لوگ انہیں خود ہی نظرانداز کر دیں'

خاص طور سے ہمارے لوگ' تو ان کی دال روٹی بھی بند ہو جائے اور گندے علوم کی یہ دنیا ختم ہو جائے' لیکن اللہ بہتر جانتا ہے کہ انہیں کیوں آزادی حاصل ہے' شاید اس لئے کہ شیطان کو بھی مصروفِ عمل رہنا ہے اور یہیں سے ایمان کی تصدیق اور تحقیق ہوتی ہے۔"

"بس جاؤ تمہیں اسی لئے زحمت دی تھی ہم نے' برا نہ ماننا....." امیر شاہ صاحب نے کہا اور احترام چلا گیا لیکن کیا ہی حیرتناک انکشافات ہو رہے تھے اور کیا عجیب صورتِ حال تھی' کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد شاہ صاحب نے کہا۔

"کیا نتیجہ اخذ کیا ہماری ان کارروائیوں سے تم نے؟"

"میں اپنے آپ کو اس قدر ذہین نہیں پاتا۔ میری راہنمائی جاری رہے تو عنایت ہو گی۔"

"چلو ٹھیک ہے' اصل میں ان دونوں باتوں سے ہم یہ کہنا چاہتے تھے کہ تمہاری ذات نا صرف امتیاز اور ان کے اہلِ خانہ کے لئے باعثِ تشفی بنی بلکہ ہو سکتا ہے تمہاری ان کاوشوں سے بہت سوں کا بھلا ہو جائے۔ بھئی دیکھو تم کہہ چکے ہو کہ پانے کے تمنائی نہیں ہو' لیکن جو ایک ضد چل رہی ہے ہم خود بھی اسے پسند نہیں کرتے اور اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ بات کچھ بن جائے' لیکن تم اگر اپنا یہ سلسلہ جاری رکھو تو کچھ لوگوں کو فائدے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ تم بہرطور اپنے دشمنوں کے تحفظ میں ہو..... اور کیا ہی اچھی بات ہے واہ..... بڑی پُرلطف اور مزیدار..... گویا ہماری زندگی کا ایک نیا اور دلچسپ تجربہ.....!" امیر شاہ صاحب اپنے ہی خیالات میں گم لطف لے رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ بات واقعی بڑی دلچسپ شکل اختیار کر چکی تھی' یعنی ایک کہانی جو حسن کے خاندان سے منسوب تھی اور اس کے نتیجے میں بیچاری شمائلہ کو مشکلات بھگتنا پڑ رہی تھیں' ان میں میرا کردار بڑی باقاعدگی سے خودبخود شامل ہو گیا تھا' میں بہرحال اس کی دلچسپی سے بھی منکر نہیں تھا اور اس بات سے بھی مجھے خوشی تھی کہ امیر شاہ صاحب نے انتہائی عنایت فرمائی تھی مجھ پر' اب یہ سوچنا تو کم عقلی بلکہ انتہائی بے وقوفی تھی کہ میں امیر شاہ صاحب کو کوئی معمولی شخصیت سمجھ لوں۔ وہ بہت آگے کی چیز تھے اور ان پر نہ جانے کیا کیا منکشف تھا' میں نے کہا۔

"شاہ صاحب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"بھئی دیکھو اگر دل چاہے تو گجو تیلی یا گج راج کے خلاف تھوڑے سے اقدامات کرو' لیکن انتہائی احتیاط کے ساتھ' بہرحال شیطان کی قوت بھی کم نہیں ہے' ہم لوگ بہت

بہت بڑے بڑے' اعلیٰ علم اور اعلیٰ وسعتوں والے شیطان کا شکار ہوئے ہیں' بچنا تو ہے تمہیں اس سے۔ تھوڑی سی وضاحت احترام کر دیں گے مل لینا ان سے' لیکن ذرا کارروائی تو کرو' اصل میں پتہ ہے بات کیا ہوتی ہے' جب تم اللہ کے لئے بے لوث اور بے غرض مصروفِ عمل ہو جاتے ہو تو پھر اللہ تمہیں محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اگر اللہ کی محبت تمہیں حاصل ہو جائے تو پھر اور کیا رہ جاتا ہے بیٹے اس دنیا میں۔ سمجھ لو مل گیا وہ سب کچھ جو مل جائے تو کائنات مل جائے' بس ہم نے اسی لئے تم کو زحمت دی تھی' اپنی عقل اور اپنا علم استعمال کرو' یہ نہ سمجھ لینا کہ کسی کام میں اگر کسی کی پشت پناہی حاصل ہو جائے تو ساری ذمے داری اس پشت پناہ ہی کو دے دو اور خود مٹی کے مادھو بن جاؤ۔ نہیں..... عقل اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے' وہ تمہارا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے' اس سے کبھی پہلو نہ چرانا' ہاں اگر کبھی ہماری راہنمائی درکار ہو تو ہم حاضر ہیں۔ باقی رہا وہ معاملہ جس کے لئے کمال الدین نے تمہیں ہمارے پاس بھیجا ہے تو وہ چلتا رہے گا' دیکھتے رہنا' ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے' بیٹھے گا تو سہی' اچھا خدا حافظ....." اور اس کے بعد شاہ صاحب کے پاس رکنا مناسب نہیں تھا انہوں نے واپسی کی اجازت بھی دی تھی اور حکم دیا تھا' لیکن باہر مجھے احترام مل گیا' اس نے گردن خم کی اور بولا۔

"امیر شاہ صاحب تمہارے لئے بات کر رہے ہیں' ان کی گفت و شنید جاری ہے' ہو سکتا ہے کوئی بہتر حل نکل آئے لیکن وہ مان نہیں رہے' یعنی اس سلسلے میں وہ کوئی تعاون نہیں کرنا چاہتے' کہتے ہیں عزت کا' بیٹی کا' برادری کا معاملہ ہے' شاہ صاحب کو شاید ان کا یہ جواب پسند نہیں آیا' بات چیت چل رہی ہے' فیصلہ تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔"

میرے پورے ذہن میں سنسناہٹ دوڑ رہی تھی' احترام جو کچھ کہہ رہا تھا وہ میں سمجھ رہا تھا کہ کس سے گفت و شنید چل رہی ہے۔ اس نے بے شک نام نہیں لیا تھا لیکن بات کچھ سمجھ میں آنے والی تھی۔ میں بہت دیر تک سنسنی کا شکار رہا پھر میں نے احترام سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہارے کسی لفظ کی میں وضاحت نہیں چاہوں گا' البتہ اب مجھے یہ بتاؤ کہ گج راج کے خلاف کام کرنے کے لئے مجھے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے۔"

"تھوڑا سا غور کر لو..... مجھے بھی موقع دو' مجھے اجازت بھی لینی ہے شاہ صاحب سے کہ میری مداخلت کس حد تک ممکن ہے اور کس حد تک مناسب۔ اس وقت تک آرام کرو' ہاں' اگر چاہو تو وقت گزاری کے لئے اس طرف چلے جاؤ' مگر نہیں .....

شاید شاہ صاحب نے تمہیں اس کی اجازت نہیں دی تھی۔"

"کس طرف.....؟"

"میری مراد ان لوگوں سے ہے جو خیمہ زن ہیں' یعنی تمہارے دوست اور اس کے ساتھی۔ وہ..... وہ شاید خود آئے گا' اسے تسلی دے دینا اور کہنا کہ اس کی بہن کی تلاش تم کر رہے ہو' مل جائے گی انشاء اللہ' بھلا اب کیا مجال ہے کسی کی کہ اسے کوئی نقصان پہنچائے' ہاں..... معرکہ زبردست رہے گا اور تمہیں سب کچھ بھول کر معرکے کے لئے تیاریاں کرنا ہوں گی۔ اچھا میں ذرا ضروری کام سے جا رہا ہوں' پھر ملاقات کروں گا۔" احترام نے کہا اور تیزی سے مڑ کر واپس پلٹ گیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ جاؤں' شدت کا چکر آ رہا تھا' میں تو ایک انوکھی دنیا میں آ گیا تھا' ایک ایسی دنیا میں جو بہت آگے کی دنیا تھی اور میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مجھے یہ اعزاز' یہ مرتبہ حاصل ہو جائے گا' لیکن اب میرے اندر ایک فخر کا احساس جاگ رہا تھا' ایک پُرمسرت احساس' یہ بھی ایک عجیب کہانی ہے یعنی مشکلات میں گھر کر انسان کو ان مشکلات سے مزہ لینے کا موقع مل جائے تو کیا بات ہے۔

کھلی آزادی مل گئی تھی اور انداز بھی کمال کا تھا۔ امیر شاہ صاحب کے رنگ ڈھنگ میں دیکھ چکا تھا۔ بہت بڑی شخصیت کا سہارا حاصل ہوا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میری ناکارہ ہستی کسی نیک کام میں آ رہی تھی۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ ایک اور بڑی تقویت مجھے حاصل تھی وہ یہ کہ ناظم ارسلان نے اپنی بیٹی پر مظالم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے لیکن مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا بلکہ صرف سمبان کو میرے پیچھے لگا رکھا تھا۔ وہ لوگ صرف یہ چاہتے تھے کہ شعاع مجھ سے برگشتہ ہو جائے مجھے یہ بڑی آسانی حاصل ہو گئی تھی۔

حسن کا انتظار کرتا رہا' مگر وہ نہیں آیا تھا۔ شمائلہ کے سلسلے میں یہ لوگ مجھ سے بدظن ہو گئے تھے اور ممکن تھا کہ میرے ساتھ کوئی برا سلوک ہوتا' لیکن شکر تھا کہ میں وہاں سے نکل آیا تھا اگر میرے ساتھ یہ لوگ کوئی برا سلوک کر بھی ڈالتے تو ذرہ برابر برا ماننے کی بات نہیں تھی کیونکہ بہرحال میں جانتا تھا کہ اس کے پس منظر میں کیا ہے' میں تو ناظم ارسلان کی بھی بڑی عزت کرتا تھا' ہر لحاظ سے وہ میرے لیے محترم تھے' لیکن ٹھنڈے دل سے نہیں سوچا تھا انہوں نے ہمارے بارے میں..... کوئی بات ہی نہیں تھی۔ ایک دفعہ میرا دل چاہتا تھا کہ صرف ایک دفعہ میں انہیں یہ بتاؤں کہ میں کسی بھی طرح ان کے لئے ضرر رساں نہیں ہوں' میں تو خود ہی اپنی اصلیت سے واقف تھا اور ایسا کوئی عمل

میرے تصور میں بھی نہیں آتا تھا جس سے میں ناظم ارسلان جیسی عظیم شخصیت سے انحراف کر سکوں' لیکن بس میرا مؤقف نہیں سمجھا گیا تھا اور مجھے اسی کا دکھ تھا۔

بہرحال بات یہاں ناظم ارسلان کی یا میری نہیں تھی بلکہ درمیان میں اب گجو تیلی تھا جسے میرے مقابل لے آیا گیا تھا اور امیر شاہ صاحب میرے ذریعے اس کا قلع قمع چاہتے تھے' پھر میں نے تمام تیاریاں کیں۔ احترام مجھے ساری صورتِ حال بتا چکے تھے' چنانچہ میں نے اپنے آپ کو مسلح بھی کیا' اور پھر اس رات میں خاموشی سے مٹھ کی جانب چل پڑا۔

حکومتِ پاکستان نے اقلیتوں کو مکمل تحفظ دیا ہے اور ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی ہیں' پاکستان کے بہت سے علاقوں میں ہندو' سکھ' عیسائی سکون کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اپنے اپنے مذہبی عقائد کے مطابق' وہ اپنا ہر کام کرتے ہیں' چنانچہ اس علاقے میں بھی یہ آزادی مقامی ہندوؤں کو حاصل تھی اب یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اس آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر قدم کچھ زیادہ آگے بڑھا دیئے تھے۔ تاہم ان کے خلاف سرکاری پیمانے پر کبھی کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی تھی' حالانکہ یہ کوئی مندر نہیں تھا' قرب و جوار کے رہنے والے جانتے تھے کہ وہ مٹھ جہاں گج راج یا گجو تیلی اپنی شیطانی روایتوں کے ساتھ فروکش تھا یا پھر جیسا کہ اس کے نام کے ساتھ کہانیاں وابستہ کی گئی تھیں کہ وہ کئی بار مر چکا ہے لیکن زندہ ہے اور کالے علم کا پرچار کر رہا ہے' بہرطور میں آہستہ آہستہ یہ لمبا فاصلہ طے کر کے اس علاقے تک پہنچ گیا۔ یاتری اور گج راج کے عقیدت مند یہاں خیموں میں آباد تھے' خیموں میں جگہ جگہ لوگوں کے گروہ نظر آ رہے تھے' آگ سلگائی گئی تھی چھدرے چھدرے درخت ہر طرف بکھرے ہوئے تھے' یہاں گج راج تیلی کے لئے آنے والوں میں مرد' عورتیں اور بچے بھی تھے' نہ جانے یہ یہاں سے کیا حاصل کرنا چاہتے تھے۔

میں بھی ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا' کچھ لوگوں نے خیمے لگائے ہوئے تھے اور کچھ بغیر خیموں کے کھلے آسمان کے نیچے اپنی اپنی منڈلی جمائے ہوئے تھے۔ چند افراد مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے اور ٹھنڈائی گھوٹی جا رہی تھی' یہ ٹھنڈائی بھنگ سے بنائی جاتی ہے اور بھنگ بہت مکروہ نشہ ہوتا ہے لیکن یہاں سب کچھ جاری تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ خاموشی اور سناٹا چھا جائے تو میں اپنے کام کا آغاز کروں۔ بہرحال انسان ہونے کی حیثیت سے ذہن پر تھوڑا سا بوجھ تو ضرور تھا' پھر جب یہ خیموں کا شہر' شہرِ خموشاں بن گیا تو میں آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور چاروں طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس مٹھ کو میں نے دور ہی سے دیکھا تھا۔ یہ ایک باقاعدہ عمارت کی شکل رکھتا تھا'

حیرت کی بات یہ تھی کہ فاصلے سے دیکھا جاتا تو کالے رنگ کا یہ ٹنڈ منڈ مینار چھوٹا سا معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے عقبی حصے میں ایک پوری عمارت پھیلی ہوئی تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا درختوں کی آڑ لیتا ہوا اس عمارت کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں میں نے ایک چھوٹا سا تالاب دیکھا' جو اس سے پہلے میری نگاہوں میں نہیں آسکا تھا۔ یہ آدھے دائرے کی شکل میں تھا اور اس میں چند سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں ان سیڑھیوں سے گزر کر ہی مندر کے دروازے تک پہنچا جا سکتا تھا جبکہ سامنے کے حصے سے خشکی کا راستہ تھا۔ ہو سکتا ہے یہ جگہ احتیاط کی غرض سے بنائی گئی ہو۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کچھ لوگ نہاتے دھوتے ہوں اور اس جگہ کو ایک پُر احترام جگہ کا تصور دیا گیا ہو۔

میں آگے بڑھا اور اس تالاب نما جگہ کی گہرائی کا اندازہ لگانے لگا۔ رات کی تاریکی میں یہ اندازہ لگانا بے حد مشکل کام تھا لیکن میں نے پھر بھی بھرپور کوشش کی۔

اس میں سینے سینے تک پانی تھا۔ آخری سیڑھی پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر میں ایک لمحے کے لئے رکا' اب تک کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی' لیکن بہرحال قرب و جوار کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ چنانچہ میں سیڑھیوں کے قریب اس طرح بیٹھ گیا جیسے یہاں عبادت کر رہا ہوں' جب مجھے اندازہ ہو گیا کہ قرب و جوار میں کوئی نہیں ہے تو میں سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا اور پھر پانی سے گزرتا ہوا اس دروازے تک پہنچ گیا جس میں داخل ہونے کے لئے چند سیڑھیاں اور طے کرنی تھیں۔

میں نے انتظار کئے بغیر دروازے سے اندر قدم رکھ دیا' اندر ایک راہداری نظر آرہی تھی جو پختہ تھی اور یہاں راہداری کی دونوں طرف کی دیواروں میں کچھ مشعلیں نصب تھیں اور جن سے اچھی خاصی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

میں سن گن لیتا رہا۔ سانسوں کی بازگشت تک سنائی نہیں دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے' راہداری میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا دوسری طرف گھوما تو اچانک مجھے چند افراد کھڑے ہوئے نظر آئے اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' ان کے رخ میری ہی جانب تھے۔

میں سہمی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا' دل میں یہ خیال بیدار ہو گیا کہ اگر یہ لوگ مداخلت کریں تو پھر انہیں ٹھکانے لگانا ضروری ہو جائے گا۔ مجھے چونکہ اس کی اجازت دے دی گئی تھی کہ میں یہاں اپنے اور اپنے مقصد کے تحفظ کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن پھر بھی انسان تھا اور کسی دوسرے انسان کی زندگی لینا اتنا آسان کام نہیں ہوتا۔ البتہ چند ہی لمحوں میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے دیکھنے کے باوجود وہاں کھڑے ہوئے لوگوں

نے نہ تو اپنے جسموں میں کوئی تحریک پیدا کی اور نہ ہی میری جانب متوجہ ہوئے تھے بلکہ خاموشی سے کھڑے مجھے دیکھتے رہے تھے اور پھر جب میں نے انہیں غور سے دیکھا تو اپنے خوف پر مجھے ہنسی آگئی' یہ تو پتھر کے مجسمے تھے' طرح طرح کی شکلوں والے اور کچھ اس طرح تراشے گئے تھے جیسے کچھ انسان کھڑے ہوئے ہوں لیکن عجیب ہیئت کے انسان' جنہیں غور سے دیکھا جائے تو خوف کا احساس بھی ہو اور حیرت کا بھی۔

ان کے بارے میں یہ اندازہ لگانے کے بعد میں راہداری کے اس سرے سے گھوم کر آگے بڑھ گیا اور پھر میں نے اندر کا منظر دیکھا۔ یہاں کچھ کھڑکیاں بھی بنی ہوئی تھیں اور ان میں سے ایک کھڑکی سے مدھم مدھم روشنی باہر جھانک رہی تھی' اس کھڑکی کے پٹ اس طرح کے تھے کہ ان کے درمیان خاصی جگہ بنی ہوئی تھی غالباً لکڑی کے دروازے سوکھ جانے کی وجہ سے یہ درازیں بن گئی تھیں۔ میں ایک لمحے سانس روکے صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا اور پھر میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔

ایک لمحے کے لئے میرے وجود میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ کچھ باتیں کہہ دینے میں تو آسان ہوتی ہیں' لیکن ان کی حقیقت اگر نگاہوں کے سامنے ہو تو دل و دماغ پر قابو رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور انسان کبھی کبھی اپنی ذہنی قوتیں بھی کھو بیٹھتا ہے۔ میں بھی اس وقت جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ میری نظروں کا وہم نہیں تھا بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ ایک ایسی حقیقت جس کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکے' اور کسی سے بیان کرتے ہوئے خود اپنے آپ کو بھی شرم محسوس ہو' لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' سب کچھ نگاہوں کے سامنے تھا۔ ایک انسانی جسم جس کی پشت میری جانب تھی' اوپر سے برہنہ' نیچے دھوتی نظر آرہی تھی' سامنے ہی ایک مجسمہ جس کی لمبائی چوڑائی دو ڈھائی فٹ کے قریب ہو گی' بھیانک شکل رکھنے والا' اور اس سے بھیانک یہ منظر تھا' جو میری نگاہوں کے سامنے تھا' یعنی اس انسانی جسم کی گردن پر اس کا سر موجود نہیں تھا' بلکہ سر برابر ایک پتھر پر رکھا ہوا تھا' اس سر بریدہ شخص کا جسم سامنے سے دوسری جانب تھا اور پشت میری طرف' جبکہ سر کا رخ بدلا ہوا تھا اور اس کے چہرے کے نقوش میرے سامنے نمایاں تھے' کٹے ہوئے سر کی پلکیں جھپک رہی تھیں اور وہ جیسے سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔

ایک لمحے کے اندر اندر مجھے محسوس ہوا جیسے میرے کانوں میں ایک آواز ابھری ہو۔

"اندر آ..... او بدبخت اندر آ..... تُو نے کالی شکتی کے بیچ مداخلت کی ہے۔"

میں اس طرح اندر داخل ہو گیا جیسے کسی نے مجھے پیچھے سے دھکیل دیا ہو' لیکن اندر

پہنچتے ہی میرے ذہن اور جسم کو ایک زور دار جھٹکا لگا' اور ایک لمحے کے لئے جس سحر کے زیر اثر میں اندر داخل ہوا تھا دوسرے لمحے اس سحر سے نکل گیا۔ اس وقت پتھر پر بیٹھے ہوئے بدن نے رخ تبدیل کیا' دونوں ہاتھ سر کی جانب بڑھے اور انہوں نے سر کو اٹھا کر واپس شانوں پر رکھ دیا اور جس جگہ سے سر کو جوڑا گیا تھا' وہاں دونوں ہاتھوں نے ہلکی سی مالش کی اور پھر وہ شخص کھڑا ہوگیا۔ اس کے منہ سے ایک عجیب و غریب آواز نکلی اور پھر اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں آیا ہے یہاں' کیا مرنے کے لئے یہی جگہ منتخب کی تھی تو نے.....! پاپی ابھی تو نے اس سنسار میں کیا دیکھا ہے اگر جیون چاہتا ہے تو یہاں سے چلا جا..... مہاراج گج راج کے پجاریوں کو پتہ چل گیا تو تیرے بدن کی بوٹی بوٹی ہوجائے گی' کچھ نہ بچے گا تیرے اندر....."

"اب تو پتہ چل ہی گیا ہے گج راج مہاراج کے پجاری۔ کیا تو گج راج ہے؟"

"ستیاناس ہو تیرا' مہاراج کا نام اس طرح لے رہا ہے جیسے کسی معمولی آدمی کا نام لے رہا ہو' ٹھہر میں تجھے بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور مجسمے کے قدموں میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز اٹھائی اور اس کے فوراً ہی بعد پلٹ کر اس نے وہ چیز مجھ پر پھینک دی۔ میں نے ایک لمحے کے اندر اندازہ لگالیا تھا کہ وہ ایک کالے رنگ کا کوڑیالہ سانپ ہے۔

میں برق رفتاری سے نیچے بیٹھ گیا اور سانپ میرے سر پر سے گزرتا ہوا سامنے کی دیوار سے ٹکرایا۔ ایک لمحے کے لئے تو میں واقعی خوفزدہ ہوگیا تھا۔ میں نے رخ بدل کر سانپ کو دیکھا جو گرنے کی چوٹ سے سنبھل رہا تھا' پھر اس نے کنڈلی مار کر پھن اٹھالیا۔ ایک طرف سانپ تھا تو دوسری طرف یہ ہٹا کٹا پجاری' جو کسی بھی لمحے مجھ پر حملہ کرسکتا تھا۔ میں تیار ہو کر کھڑا ہوگیا اور میں نے یہ اندازہ لگالیا کہ اس وقت موت میرے دونوں طرف ہے۔

پجاری بھی اچھے خاصے تن و توش کا مالک تھا اور سانپ اپنی چمکیلی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ پھر اچانک ہی مجھے کچھ خیال آیا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا' ایک طرف ایک موٹا سا کپڑا رکھا ہوا تھا۔ میں نے پھرتی سے آگے بڑھ کر وہ کپڑا اپنے ہاتھ میں اٹھالیا اور پجاری کی طرف دیکھنے لگا لیکن چور نگاہوں سے میں سانپ کی جانب بھی دیکھ رہا تھا۔ پجاری غالباً یہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ اس کپڑے کا میں کیا کرنا چاہتا ہوں یہ کمبل نما کپڑا میرے ہاتھ میں آہستہ آہستہ کھل رہا تھا میں نے پجاری کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ اس کمبل سے میں سانپ کو نشانہ بنانا چاہتا ہوں۔ وہ اس الجھن میں تھا کہ آخر میں نے یہ موٹا کمبل

نما ٹکڑا کیوں اٹھالیا ہے۔ پھر میں نے اچانک ہی وہ موٹے کپڑے کا ٹکڑا پھیلا کر سانپ پر پھینکا اور کمبل پوری طرح سانپ پر جاپڑا تھا۔ میں نے سانپ کو کمبل کے نیچے اچھلتے ہوئے دیکھا' وہ بلاشبہ ایک طاقتور سانپ تھا لیکن کمبل بھی کافی موٹا تھا اور اس طرح اس پر پھیل گیا تھا کہ اب سانپ کا اس سے آسانی سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔

پجاری کو ایک لمحے میں اندازہ ہوگیا کہ اُس کا دشمن کافی چالاک ہے اور میرا اندازہ بالکل درست نکلا' اُس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی لیکن مندر کا مال کھانے والا طاقتور ضرور تھا' دلیر نہیں تھا۔ اُس نے مجھ پر چھلانگ لگانے کی بجائے دروازے سے نکل بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے پھرتی سے اچھل کر اُس کی کمر پکڑلی' میں اُس سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا تھا لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ باہر نکل گیا تو پھر مجھے ایک سے نہیں بلکہ بے شمار افراد سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔

البتہ جب میں نے اُس کی کمر پکڑ لی تو وہ پلٹا اور اس نے اپنے ہاتھوں سے مجھے جکڑنے کی کوشش کی' اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کے بدن میں بلا کی طاقت تھی چند لمحوں کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ پر حاوی ہوتا جارہا ہو۔ میں اُس کی آہنی گرفت میں پھنسا ہوا تھا اور میری سانس گھٹتی جارہی تھی' وہ مجھے پوری قوت سے دبا رہا تھا اور اس کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں' سوچنے سمجھنے کے لمحات ہوتے تو شاید میں زیر ہو جاتا کیونکہ یہ احساس بھی خوفناک تھا کہ تھوڑی دیر پہلے اس کا سر اس کے جسم سے الگ رکھا ہوا تھا۔

میں نے پوری قوت سے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈالے اور اپنا سانس سینے میں روک لیا پھر میں نے اپنا سر اُس کے چہرے پر مارا اور یہ کوشش بڑی کامیاب رہی تھی۔ وہ میرے وجود پر اپنی گرفت قائم نہیں رکھ سکا' ایک لمحے کے لئے پیچھے ہٹا تو میں نے پوری قوت سے اس کے سینے پر ٹکر ماری اور وہ بری طرح پیچھے ہٹ کر زور سے اُس سنگی مجسمے سے ٹکرایا لیکن اس کا سہارا لے کر وہ پھر سنبھلا' اب اُسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ مجھ سے مقابلہ کرنا اس کے لئے ضروری ہے اور ہم دونوں میں سے ایک کو زیر ہونا ہے۔

وہ سنبھل کر پھر مجھ پر آپڑا تھا اور میں نے فوراً اپنی جگہ خالی کر دی تھی اور نہ صرف جگہ خالی کردی تھی بلکہ تھوڑی سی جھکائی دے کر ایک ہاتھ پوری قوت سے اُس کی گردن پر مارا تھا' پجاری اوندھے منہ زمین پر آیا کیونکہ یہ سنگلاخ چٹانیں تھیں اور فرش پر گرنے کا نتیجہ اُسے بھی معلوم تھا اور مجھے بھی' اس کا کٹا ہوا سر بے شک الگ رکھا ہوا ہو لیکن اس وقت وہ پوری قوت سے نیچے زمین سے ٹکرایا تھا' سر کی ٹکر نے اُسے بری طرح

چکرا دیا تھا اور پھر اس کی پیشانی زمین پر پڑی تھی' میں نے اس کی پشت پر گرفت قائم کی اور وہ تڑپنے لگا پھر میں نے اس کے سر کے بیچوں بیچ ابھری ہوئی بالوں کی لٹ زور سے پکڑ لی اور پھر اُسے پوری قوت سے زمین پر دے مارا..... یہ میرا آخری عمل تھا۔

پجاری چیخ بھی نہیں پایا تھا اور اس کے نقوش غائب ہو گئے تھے۔ میں جلدی سے اُس پر سے ہٹ گیا کیونکہ اُس کا ناپاک خون اچھلنے لگا تھا' چنانچہ اب اُس کا کھڑے ہونا ممکن نہیں تھا۔

چند لمحوں میں وہ ساکت ہو گیا..... تب میری نگاہ اس موٹے کمبل پر پڑی۔ سانپ اب بھی کمبل کے نیچے اچھل کود مچا رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سانپ اگر کمبل کے نیچے سے نکل آیا تو مجھ پر پے در پے حملے کرے گا' اپنے جیسے انسان سے مقابلہ کرکے میں نے اس پر فتح حاصل کرلی تھی لیکن ہو سکتا ہے اس موذی سے میں جنگ نہ کر سکوں۔ چنانچہ مین نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر وہی سنگی مجسمہ میرے کام آیا' میرے دل میں اُس کے لئے خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا البتہ مجسمہ خاصا وزنی تھا اور اُسے اٹھانے میں دقت پیش آئی تھی تاہم میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور سانپ کا جائزہ لینے لگا' سانپ کمبل کے سرے تک پہنچتا جارہا تھا۔ میں نے سنگی مجسمہ سانپ پر پھینک دیا اور سانپ اُس کے نیچے کچل کر ہلاک ہو گیا۔

میرا سانس پھول رہا تھا اور میں اس معرکے کے بعد ایک لمحے کے لئے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف تھا' ساری باتیں اپنی جگہ لیکن بہرحال مجھے یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ شاید پجاری زندہ نہ بچا ہو۔ ایک انسانی زندگی کو لے لینا بہرطور ایک خوفناک کام تھا اور چونکہ میں کوئی جرائم پیشہ شخص نہیں تھا اس لئے مجھے بڑا عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ پھر میں اپنی جگہ سنبھل گیا اور میں نے اس کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا..... مجھے حیرت تھی کہ ہماری سرزمین کے بہت سے گوشوں میں اب بھی اس طرح ان کالے علم والوں کا تسلط قائم ہے اور لوگ اس طرح جانب توجہ نہیں دیتے' یہ ایک تعجب خیز بات تھی لیکن بہرحال اس وقت میں ان تمام باتوں کو سوچ کر اپنے آپ کو کسی مشکل میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ میں اس کمرے سے نکل آیا اور پھونک پھونک کر ایک ایک قدم اٹھاتا ہوا اس حصے کی جانب آگیا جہاں ایک چبوترا بنا ہوا تھا اور چبوترے کے دوسرے حصے کی سیڑھیاں غالباً یہاں بنے ہوئے کسی تہہ خانے میں اتر گئی تھیں۔ چبوترے کے قریب رک کر میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔

کیا ہی بھیانک جگہ بنائی گئی تھی لیکن اب اس پر کوئی تبصرہ بے سُود تھا۔ قرب

جوار میں مکمل خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ تاریکی اور سناٹے نے ماحول کو بے حد بھیانک بنا دیا تھا۔ میں چبوترے کی سیڑھیاں اترنے لگا..... جیسے جیسے میں ایک سیڑھی اترتا جارہا تھا میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جارہی تھیں' نہ جانے کیا کیا خیالات میرے دل میں آرہے تھے یہ طلسم خانہ کہیں میرے لئے مقبرہ ہی نہ بن جائے۔

لیکن پھر دل میں روشنی سی ابھرنے لگتی تھی۔ امیر شاہ صاحب نے بلاوجہ ہی تو مجھے ادھر نہیں بھیج دیا ہوگا اور اس کے علاوہ میری محبوب جس نے میرے لئے تحفظ فراہم کیا تھا۔ شعاع نے مجھ سے دور ہو کر بھی میری زندگی کی حفاظت کے لئے میرے دشمنوں کو مامور کردیا تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ مجھے ایسے کسی طلسم کا شکار نہیں ہونے دیں گے کیونکہ شعاع یہی سمجھے گی کہ اُنہوں نے مجھے ہلاک کردیا ہے۔ جب یہ تصور ذہن میں آتا تھا تو دل شعاع کی محبت سے سرشار ہو جاتا تھا' کیسے تھے وہ جو میرے دل سے شعاع کا پیار نکالنا چاہتے تھے' ایک ننھی سی کرن جو بس میرے سینے میں ہیرے کی طرح چمکتی تھی اس سے زیادہ تو میں نے کچھ نہیں چاہا تھا۔ خیالات جب ذہن پر یلغار کرتے تو محبتوں کا طوفان اُمڈتا تھا۔

بہرحال میں ان سیڑھیوں کو طے کرتا ہوا اور نیچے پہنچ گیا اور بالآخر میرے سامنے تہہ خانے کا دروازہ آگیا۔ تہہ خانے کے دروازے پر ایک زنگ آلود اور وزنی تالا پڑا ہوا تھا' دونوں طرف دیواروں پر جابجا مختلف رنگوں سے بنی ہوئی مورتیاں اور تصویریں نظر آرہی تھیں' دروازہ بند تھا لیکن اس کے باوجود مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ نادیدہ آنکھیں چھپ کر میری نگرانی کر رہی ہوں' میرے ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہی ہوں' گھپ اندھیرے میں' میں نے تالے کی طرف توجہ دی جو خاصا وزنی اور مضبوط تھا' میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس تالے کو کیسے کھول سکتا ہوں۔ اس کے دوسری طرف کیا ہے' یہ تجسس مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں ہمت نہ ہاروں اور جس طرح بھی ممکن ہو سکے تالا کھولنے کی کوشش کروں۔

ابھی میں اسی کش مکش کا شکار تھا کہ اچانک ایک ہلکی سی آواز آئی اور تالے نے اپنا منہ کھول دیا اور اس کے کنڈے سے نکل کر نیچے گرنے کی آواز بھی کافی تیز تھی اور اس حیرت ناک واقعے پر میرے بدن میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ تالے کا اس طرح سے اپنے آپ کھل جانا میرے لئے تعجب خیز تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگا..... بہت سے خیالات ذہن سے گزر گئے تھے۔

گج راج یا گجو تیلی جو کالی قوتوں کا ماہر تھا کیا مجھ سے ملنا چاہتا ہے یا پھر وہ قوتیں جو

مجھے گج راج کے مقابلے پر لانا چاہتی ہیں' میری راہنمائی کر رہی ہیں۔ میں نے ان خیالات سے اپنے اندر ہمت پیدا کی اور پھر دروازے کے کنڈے کو کھول کر اُسے اندر دھکیلنے لگا۔

دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا اندر گھپ اندھیرے کے ساتھ ساتھ سیلن کی بُو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ایک طویل عرصے کے بعد یہ دروازہ کھولا گیا ہو اندر مجھے پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ بھی سنائی دی اور میرے اس شبہے کی تصدیق ہونے لگی۔ یہ اندازہ بھی ہوگیا کہ کوئی ایسی جگہ موجود ہے جہاں سے ویرانوں کے پرندے اندر آسکتے ہیں یعنی چمگادڑ.....

بہرحال ابھی میں نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا کہ عقب سے روشنی ابھری..... اور میں برق رفتاری سے پلٹ پڑا' کچھ بھی ہوسکتا تھا کوئی بھی ایسا عمل ہوسکتا تھا جس سے نمٹنے کے لئے مجھے فوری طور پر مصروفِ عمل ہونا پڑے' روشنی کرنے والا کوئی نہیں تھا' دیواروں میں لگی ہوئی شمعیں تھیں جو خود بخود روشن ہوگئی تھیں اور اب ان کی مدھم روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی' اب اس بات پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کچھ نادیدہ قوتیں میرے ساتھ موجود ہیں' چاہے وہ میرے حق میں ہوں یا میرے خلاف لیکن میں تنہا نہیں ہوں۔ وہ احساس کہ کچھ آنکھیں میری نگرانی کر رہی ہیں اب کچھ اور شدت اختیار کر گیا تھا لیکن بہرحال ان مومی شمعوں کی روشنی سے تہہ خانے کی فضا صاف نظر آنے لگی تھی اور روشنی ہوجانے سے چھت کے پاس لگے بڑے بڑے جالے اور تمام روزنوں میں گھسی ہوئی چمگادڑیں اب نمایاں ہوگئی تھیں اور ان میں سے کچھ نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی..... لیکن ابھی تک مجھے اور کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتا رہا اور پھر میں نے پتھر کی ایک چوڑی سِل پر ایک تابوت رکھا ہوا دیکھا اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں لیکن یہاں آیا ہی اس مقصد کے لئے تھا۔ واپس بھاگ جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا' جب ہمت کی ہے تو ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا چاہئے..... چنانچہ میرے قدم آہستہ آہستہ تابوت کی جانب اٹھ گئے..... اور پھر میں نے تابوت کے اندر ایک انتہائی ہٹے کٹے ہندو کی لاش دیکھی جو تابوت کے اندر چت لیٹا ہوا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں خوفناک انداز میں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کے بدن پر جو کپڑا تھا وہ بھی بالکل صاف ستھرا اور اُجلا تھا اور اس پر کہیں میل کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آتا تھا بلکہ شمعوں کی روشنی میں اس کپڑے کی ہلکی ہلکی نیلاہٹیں ماحول کو اور روشن کر رہی تھیں۔ لاش کہتے ہوئے اُسے کچھ عجیب سا لگتا تھا کیونکہ اس کے چہرے کی سرخی اور اس کے عضلات بالکل صاف ستھرے نظر آرہے تھے.....!

میں ان آنکھوں کو دیکھتا رہا' مجھے یہ لگ رہا تھا جیسے ان آنکھوں میں ایک عجیب سی مقناطیسی قوت موجود ہے۔ گجو تیلی اگر یہی ہے تو ساری باتیں اپنی جگہ لیکن بہرحال اس کی شخصیت بہت شاندار تھی۔

میں اپنی جگہ کھڑا ان خوفناک آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ اس کا بدن بری طرح اکڑا ہوا تھا اور اس میں کوئی جنبش نہیں تھی' میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ شخص مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہے..... بہت زیادہ تجربہ تو نہیں تھا اس دنیا کا لیکن یہ بات اس وقت مجھے مکمل طور پر یقین دلا رہی تھی کہ میں اس وقت کسی مُردہ وجود کے سامنے نہیں بلکہ ایک زندہ انسان کے سامنے ہوں۔

اچانک ہی میں بری طرح اچھل پڑا' وہ دروازہ جس سے میں اندر داخل ہوا تھا زوردار آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔ چٹخنی لگنے کی آواز بھی سنائی دی تھی حالانکہ ہوا کی ایک ہلکی سی رمق بھی اندر نہیں آئی تھی' جو یہ سوچتا کہ شاید ہوا کے جھونکے نے دروازہ بند کردیا ہے اور پھر ہوا کے جھونکے چٹخنیاں بند نہیں کرتے۔

میں نے ایک تیز نگاہ چاروں طرف ڈالی' انتہائی کوشش کے باوجود میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں اور میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سا ہیجان طاری ہوتا جارہا تھا' آہ! یقیناً کوئی پُراسرار قوت کوئی نادیدہ قوت اس تہہ خانے میں موجود ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تہہ خانہ میرے لئے قید خانہ بن جائے۔

لیکن اب..... اب مجھے متحرک ہونا چاہئے' بے مقصد یہاں کھڑے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں' یہ اندازہ لگانے کی کوشش کروں کہ یہ شخص زندہ ہے یا مُردہ' اس کے طلسم کو کس طرح توڑ سکتا ہوں میں..... میں نے تابوت کے کناروں پر ہاتھ رکھا اور تھوڑا سا نیچے جھکا۔ سادھو کی پتلیاں چھت کی جانب نگراں تھیں اور ان میں زندگی کی کوئی رمق نہیں پائی جاتی تھی البتہ وہ بے نور نہیں تھیں..... کھلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ایک پتھریلا پن سا اس کے وجود میں پایا جاتا تھا' میں نے ڈرتے ڈرتے اس کے بدن پر ہاتھ رکھا' سرد اور اکڑا ہوا بدن جو بلاشبہ کسی زندہ انسان کا بدن نہیں تھا اس کا مطلب تھا کہ یہ جو کچھ بھی نظر آرہا تھا وہی حقیقت ہے' بے شک اُس کے وجود میں ایک عجیب سی چیز تھی لیکن وہ زندہ نہیں تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر یہ خیال بھی باطل ثابت ہوگیا کیونکہ جیسے ہی میں نے اس پر سے ہاتھ ہٹایا اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی حرکت ہونے لگی' پتلیوں کے زاویے بدلے..... یہ میرا وہم نہیں تھا بلکہ میں بہت اچھی طرح اس کو دیکھ رہا تھا۔ یہ پتلیاں اب مجھ پر آجمی تھیں۔ ہاں ایک ٹھوس حقیقت تھی' بالکل ٹھوس حقیقت' پھر اس

کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی کیفیت میں ایک زندہ اور سادہ لوح انسان پر جو بیت سکتی ہے میں اس سے اپنے آپ کو الگ نہیں کرنا چاہتا تھا زندگی میں کچھ پُراسرار ماحول ضرور دیکھا تھا اور میری زندگی عام ڈگر سے ہٹ گئی تھی لیکن اس کے باوجود اتنا آگے کا انسان نہیں تھا میں کہ اس ہیبت ناک ماحول میں لاکھ کوشش کے باوجود اپنے آپ کو سنبھال سکتا۔

سادھو کے موٹے موٹے بھدے ہونٹ جو پہلے خشک اور بے جان نظر آرہے تھے اب پوری طرح مسکرا رہے تھے اُس کی آنکھیں مجھے اپنا مذاق اڑاتی ہوئی لگ رہی تھیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے بے بس سمجھ رہا ہو' کچھ لمحوں کے بعد یہ مسکراہٹ ختم ہو گئی اور اس کے بدن میں جنبش پیدا ہو گئی' وہ اپنی جگہ سے ہل رہا تھا پھر وہ اُٹھ کر بیٹھا اور پھر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

کچھ لمحوں کے بعد وہ تابوت سے باہر نکل آیا اور اب وہ میرے سامنے کھڑا مجھے گھور رہا تھا' میں انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پاسکوں لیکن ایسا نہ کر پایا۔ پھر اُس نے مدھم لہجے میں کہا.....

"تم پہلے آدمی ہو جس نے اس طرح میرے پاس آنے کی کوشش کی ہے' کیا نام ہے تمہارا....."

"شازل"..... میں نے جواب دیا

"مسلمان ہو.....؟"

"ہاں....."

"میں جانتا ہوں' اچھی طرح جانتا ہوں اگر تم ہندو دھرم سے تعلق رکھتے ہوتے تو تمہارے پُرکھوں کو بھی رات کی تاریکی میں اس تہہ خانے تک آنے کی ہمت نہیں ہوتی لیکن تم پاگل ہوتے ہو' ہماری شکتی کو نہیں مانتے جبکہ ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ علاقہ جس پر تم نے قبضہ جمالیا ہے' ایک بار پھر ہمارا ہو گا اور یہاں کالی دیوی کے مندر بنیں گے' کالی شکتی کا راج ہو گا یہاں..... پر بیوقوف لڑکے تُو نے یہاں تک آنے کی ہمت کیسے کی.....؟"

"تم نے دیکھ لیا گجو کہ میں یہاں تک آگیا ہوں اور اب تم یہ بھی دیکھو گے کہ تم اپنے تمام ناپاک ارادوں سمیت میرے ہی ہاتھوں اس دنیا سے جاؤ گے....."

"پاگل ہے۔ دیوانہ ہے' تیرے جیسے ہزاروں مل کر بھی میرا بال بیکا نہیں کرسکتے' تُو تو یہاں سے ایک قدم بڑھا کر باہر بھی نہیں جاسکتا' بیوقوف اگر میری مرضی نہ ہوتی تو تُو یہاں

تک آبھی نہیں سکتا تھا' پاگل ہے' سمجھ بیٹھا ہے اپنے آپ کو نہ جانے کیا؟ ارے باؤلے میں نے ہی بلایا ہے تجھے اپنے پیار اور اپنی چاہت سے بلایا ہے' کیا سمجھا؟ کام لینا ہے مجھے تجھ سے ایک' بڑا ضروری کام ہے۔"

"خوب..... مگر ایک بات سن لو تیلی' کہ تمہاری ساری ناپاک خواہشیں' تمہارے ساتھ ہی اس دنیا سے چلی جائیں گی۔"

جواب میں اس نے ایک گھن گرج قہقہہ لگایا تھا پھر بولا۔ "ارے باؤلے' مرے ہوئے کو کون مارے گا' یہ تو تجھے پتہ ہی ہو گا کہ ہم بہت پہلے اس سنسار سے جاچکے ہیں' ہم اب بار بار کیا مریں گے۔ چل تجھے اگر اتنا ہی شوق ہے تو پہلے تُو اپنے شوق کو پورا کرلے۔ اگر تُو یہ سوچ رہا ہے کہ جس طرح تُو نے ہمارے ایک پجاری کو مار دیا' تو ہمیں بھی مار دے گا' وہ جیتا تھا باؤلے' وہ جیتا تھا' وہ زندہ تھا' تُو اسے مارنے میں کامیاب ہو گیا اور جو پہلے ہی مرچکا ہے اسے مارنے سے کیا حاصل ہو گا تجھے..... چل چھوڑ ان ساری باتوں کو اب تُو یہ بتا کہ تیرے من میں کیا ہے' تُو کیا چاہتا ہے ہم سے.....؟"

"اصل میں ویسے تو میں اس وقت تیرے پاس ایک مقصد سے آیا تھا مجھے یقین نہیں تھا کہ تیرے بارے میں جتنی بڑی داستانیں تیرے چیلے چانٹوں نے مشہور کردی ہیں' اُن کے تحت تُو مجھے اس آسانی سے حاصل ہو جائے گا گجو..... مگر تُو تو بہت ہی معمولی سا آدمی نکلا' چل خیر کچھ بھی ہے' میرے اور تیرے درمیان کوئی براہِ راست جھگڑا نہیں ہے' ہاں ایک بات میں تجھ سے ضرور معلوم کرنا چاہتا ہوں' اگر کرسکتا ہے تو میرا یہ کام کردے ..... میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا....." وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اُس نے کہا.....

"جو کچھ بھی ہے' ہے جی دار آدمی تُو..... مجھ سے اپنا کام کرانا چاہتا ہے جیسے تُو نے مجھ پر قابو پالیا ہو' چل یہ بتا کہ کیا کام ہے تیرا.....؟"

"ایک لڑکی تمہارے قبضے میں ہے اور تم جانتے ہوں کہ میں نے اُسے بہن کہا ہے' گج راج' وہ لڑکی میرے حوالے کردو' میں خاموشی سے یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔"

"شمائلہ ہے شاید اُس کا نام' کیوں.....؟" گج راج نے کہا۔

"بالکل ٹھیک..... جانتے ہو نا اُسے اچھی طرح۔ مجھے بتاؤ تم نے اُس پر قبضہ کیوں جمایا ہے اور کیا چاہتے ہو تم اُس سے؟"

"باؤلے' ایسے کھیل بہت دور تک ہوتے ہیں' اگر تجھے نہیں معلوم تو جا پہلے یہ معلوم کر کہ اُس لڑکی کو ہم یہاں کیوں لائے ہیں..... تُو میری شکتی کو نہیں پہچانتا' تُو

نہیں جانتا کہ ہمارے اور اُن کے بیچ کیا جھگڑا ہے' وہ اب ہمارے پاس ہے اور اُسے واپس نہیں کیا جاسکتا ہے....."

"دیکھو گج راج یہ ممکن نہیں ہوسکتا..... میری اور تمہاری زندگی کا دار و مدار اس بات پر ہے اگر تم شمائلہ کو میرے حوالے کردیتے ہو تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا ورنہ پھر میرے اور تمہارے درمیان مقابلہ ہوگا۔"

"باؤلا ہے بالکل باؤلا..... پتہ نہیں کیا سوچ رہا ہے' پتہ نہیں کیا سمجھ رہا ہے' ہماری شکتی دیکھنا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے پہلے وہ دیکھ لے۔" اُس نے اچانک اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور وہ دروازہ ایکدم کھل گیا جو بند ہوا تھا اور پھر اُس کھلے دروازے سے جو کوئی اندر داخل ہوا اُسے دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ شمائلہ ہی تھی' ایک انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس' بہت حسین میک اپ کئے ہوئے' اُس کے بدن پر زیورات نظر آرہے تھے' ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی' آنکھیں تو اُس کی پہلے ہی بہت خوبصورت تھیں لیکن اس وقت ان آنکھوں میں ایک عجیب سا نشہ نظر آرہا تھا اور اُن کی رنگت گلابی ہو رہی تھی' وہ شاخِ گل کی طرح لچکتی ہوئی اندر آگئی۔ اس کے خوبصورت لباس اور خوبصورت زیورات اُسے انتہائی حسین بنا کر پیش کر رہے تھے' میں نے پہلے بھی اُسے ایک اور روپ میں دیکھا تھا اور اُس کے لئے میرے دل میں حسن کے حوالے سے بھائیوں کی سی محبت اُبھر آئی تھی لیکن جہاں تک اُس کے حسن کا تعلق تھا' میں پہلے بھی اس کو محسوس کئے بنا نہیں رہ سکتا تھا اور اس وقت تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر آرہی تھی۔ گج راج مجھے دیکھتا رہا پھر اُس نے شمائلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "لڑکی.....!"

"گج راج مہاراج.....!" شمائلہ نے نظریں جھکائے جھکائے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا دھرم ہے تیرا.....؟"

"جو مہاراج کا....." شمائلہ نے کہا اور میرے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا میں جانتا تھا کہ وہ جادو کے زیر اثر ہے اور گج راج کی زبان بول رہی ہے' اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' گج راج نے کہا۔ "کیا ہم تمہیں زبردستی یہاں رکھے ہوئے ہیں.....؟"

"نہیں مہاراج..... میں تو آپ کے چرنوں میں آکر بہت خوش ہوں....."

"اس پاگل کو دیکھو جو یہ سمجھتا ہے کہ تمہیں زبردستی یہاں رکھا گیا ہے....."

"پاگل ہی ٹھہرا نا مہاراج' یہ کیا جانے کہ آپ کیا ہیں؟"

"اپنے ماتا پتا کو چھوڑ کر تمہیں یہاں کوئی دکھ تو نہیں ہے.....؟"

"نہیں..... اب تو یہی میری دنیا ہے' یہی میرا گھر ہے....."

"اس پاگل کو یہ بات بھی بتادو کہ تم اپنی مرضی سے یہاں ہو۔"

شمائلہ کی نگاہیں میری جانب اٹھیں اور ان آنکھوں میں نفرت کے آثار پھیل گئے۔

"کیوں دیوانگی کر رہا ہے تو بیوقوف آدمی' میں یہاں بہت خوش ہوں....."

"مجھے جانتی ہو شمائلہ.....؟ جانتی ہو مجھے میں کون ہوں....."

"میں کیا جانوں' کون ہو تم.....جو کوئی بھی ہو بھاڑ میں جاؤ' یہ میرا گھر ہے۔"

"شمائلہ..... تم سب کچھ بھول گئی ہو' سب بھول گئی ہو تم..... میں..... میں تمہیں اس طرح اس کے قبضے میں نہیں جانے دوں گا....."

"سنا تم نے۔ اچھا اب تم جاؤ ہم اس سے کچھ باتیں کریں گے۔" وہ بولا اور شمائلہ آہستہ آہستہ دروازے کی جانب مڑ گئی اور پھر دروازے سے باہر نکل گئی' جب اُس نے دروازہ کھولا تو ایک لمحے کے لئے میرے دل میں پھر وہی لہر اُٹھی کہ میں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ باہر نکل جاؤں لیکن میرے قدم میرا ساتھ نہیں دے پارہے تھے اور یہاں میں محسوس کر رہا تھا کہ بیشک میری زبان آزاد ہے' شاید میرے ہاتھ بھی آزاد ہیں لیکن میں سحر زدہ ہوں' میرے پاؤں میرا ساتھ نہیں دے رہے اور اس کے بغیر میری کوئی بھی حرکت بیکار تھی' میں خاموش نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا گج راج پھر میری طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

"ہاں تو تُو نے دیکھا کہ اُس نے اپنا دھرم بھی بدل لیا ہے میرے دھرم میں آگئی ہے وہ....."

"یہ سب کچھ عارضی ہے..... تُو کیا سمجھتا ہے' کیا میں یہ بات نہیں جانتا کہ وہ تیرے جادو کے زیر اثر بول رہی ہے' کیا وہ تجھے ہوش و حواس میں نظر آئی؟"

"اپنی کہہ اپنی..... تُو کیا کہتا ہے اس بارے میں.....؟"

"سحر زدہ تھی وہ' ورنہ وہ تیرے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کرتی' تُو..... کمینے کمینے..... تُو نے اپنے جادو سے اُسے اپنے قبضے میں کرلیا ہے....." ایک بار پھر گج راج کے چہرے کے تاثرات بدلے وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا لیکن تھوڑی سی دیر کے بعد اُس نے پھر اپنا انداز بدل لیا۔

"جب کوئی بے بس ہوجاتا ہے..... جب اُسے کوئی اور راستہ نہیں ملتا تو اُس کی زبان خراب ہوجاتی ہے۔ پر ٹھیک ہے اگر تُو اپنی زبان ہی سے گج راج کو اپنا دیوتا نہ مانے پھر گج راج کا علم ہی کیا....."

میرے دل میں ایک لمحے کے لئے خوف کے تاثرات بیدار ہوئے' کہیں واقعی اس طرح نہ ہو کہ جس طرح میرے پاؤں اُس کے سحر میں جکڑے ہیں' میری زبان اور میرا عمل بھی اُس کے سحر میں گرفتار ہو جائے لیکن پھر میں نے دل کو تقویت دی..... یہ سب کچھ عارضی ہے میں آخر کار اُس کے سحر سے نکل آؤں گا' میری پشت پر امیر شاہ ہیں' کمال بدرالدین ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ میرے سینے میں اللہ ہے..... گج راج کسی سوچ میں ڈوب گیا' تھا' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا.....

"ہماری بھی رکھشا ہوتی ہے' ہمارے من کو شانتی دینے کے لئے نہ جانے کون کون سی قوتیں کام کرتی ہیں' اب تُو یہی دیکھ لے کہ ایسی سندر لڑکی ہماری داسی بن گئی ہے اگر تُو اس کو لینے آیا ہے تو سمجھ لے کہ ایسا تُو کبھی نہیں کر پائے گا بس اپنے من کو جس طرح چاہے شانت کرلے' ہاں..... ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کالی قوتوں نے تجھے ہمارے کام کے لئے بھیجا ہے اور اب بیکار باتیں چھوڑ کر کام کی بات کر' کیا سمجھا.....؟"

میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات تھے لیکن بہرحال یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ یہ ایک انوکھا اور نیا کھیل تھا' میں نے اُس سے کہا۔ "اگر تو شمائلہ کو میرے حوالے کردے تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا اور میرے اور تیرے درمیان میں سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا....." جواب میں وہ ہنسنے لگا پھر اُس نے کہا.....

"چیونٹی بھی دونوں پیروں پر کھڑے ہو کر ہاتھی کو للکار رہی ہے' ایک پھونک ماروں گا تو اُڑ کر اتنی دور چلا جائے گا کہ سنسار تجھے نہ پا سکے۔ جہاں تک اُس لڑکی کی بات ہے تو اگر تُو اُسے لے بھی جائے تو جب ہم اُسے آواز دیں گے وہ ہمارے پاس آجائے گی' اب وہ پوری طرح ہمارے قبضے میں ہے' ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ یہ ہمارا پرانا کھیل ہے اور جن لوگوں نے تجھے اپنا "ویر" بنا کر بھیجا ہے' وہ ہمارے پرانے دشمن ہیں اور تجھے خواہ مخواہ اُنہوں نے بلی چڑھا دیا ہے' اس معاملے کو ہم دونوں کے بیچ رہنے دے اور ایک اور کام کر ڈال ہمارا' ہوتا ہے..... ایسا بھی ہوتا ہے راستے تو ایسے ہی بنتے ہیں' اب تُو آگیا ہے تو یہ سمجھ کہ خود تیرے لئے بہت سے راستے کھل گئے ہیں' کیا تُو ایسی شکتی چاہتا ہے جو سنسار کو تیرے چرنوں میں جھکا دے' کیا تُو راجاؤں کی طرح راج کرنا چاہتا ہے؟ اس کا نمونہ ہم تجھے لمحوں میں دکھا دیں گے..... بلکہ ایسا کر پہلے ہم سے سودا کرلے' زبان کرلے' قول دے دے' جب کوئی ہمیں قول دیتا ہے نا تو پھر اُس سے اُس کے قول کی پابندی کرانا ہمارا کام ہوتا ہے' وچن پورے کرانا ہم جانتے ہیں تُو صرف ہمارے کام کے لئے ہاں کر' ہم تجھے نمونے کے طور پر وہ شکتی دے دیں گے جس سے تُو یہ جان لے کہ

کچھ ہم نے کہا وہ سچ ہے اور اس شکتی کے بدلے تُو ہمارا کام کرے گا' ہم تجھے وہ سب کچھ بتا دیں گے جو ہم تجھ سے کرانا چاہتے ہیں....."

اب میرے ذہن میں ایک دوسرا تصور پیدا ہوا' میں نے اچانک ہی اُس سے کہا.....

"اچھا گج راج چلو یہ بتا دو کہ میں خود کیا ہوں' کس مشکل میں گرفتار ہوں' میری اُلجھن کیا ہے' کیا کرنا چاہتا ہوں میں.....؟"

"ٹھیک..... ٹھیک..... ٹھیک..... یہ ہوئی نا بات' اب تیری زبان بدل گئی ہے' تیرا لہجہ بدل گیا ہے' ہم بھی ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتے ہیں کہ جب انہیں اس بات کا پتہ چل جائے کہ اُن کے اپنے بس میں کچھ نہیں رہا ہے تو پھر وہ سامنے والے کو مان لیں۔ کچھ دیر رُک....." اُس نے کہا اور اُس کے بعد آنکھیں بند کرلیں' میں نہ جانے کیسے کیسے انداز میں سوچنے لگا' میں نے سوچا کہ اگر اس وقت میرے اعضاء میرے قابو میں ہوتے تو اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں مل سکتا تھا مجھے کہ میں اس ناپاک وجود کو ختم کر دیتا۔ ایک انسان کو قتل کرنے کے بعد ایک اور شخص کو قتل کر دینا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ خاص طور سے اس تصور کے ساتھ کہ وہ ایک ناپاک روح ہے جو انسانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے لیکن کم بخت اعضاء میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے' یہ میری مجبوری تھی' گج راج کچھ دیر اسی طرح خاموش رہا پھر اُس نے آنکھیں کھول کر حیرانی سے مجھے دیکھا اور بولا.....

"کون ہے تُو.....؟ کیا ہے تُو.....؟" اُس کے اس حیران سوال پر مجھے ہنسی آگئی..... میں نے کہا.....

"بس یہی ہے تیری قوت گج راج کہ تُو مجھے نہیں تلاش کرسکا....." گج راج کے چہرے پر حیرت کے نقوش تھے پھر اُس نے پُرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا.....

"اس کا مطلب ہے کہ تُو اپنے اندر کوئی شکتی چھپا کر لایا ہے' پر اچھا نہیں ہوگا تیرے حق میں' اچھا نہیں ہوگا..... تُو نے ہمارے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اُتار کر یہ سمجھ لیا کہ اب تُو جو من چاہے یہاں کرسکتا ہے۔ ایسا کر نہیں سکتا تُو..... سمجھا..... یہ تو ایک چھوٹا سا نمونہ ہے ابھی ہم نے کیا ہی کیا ہے تیرے لئے' پر تُو ہے کون.....؟ تیرے گرد یہ کالی دیواریں کیوں کھڑی ہیں' ان کالی دیواروں کے اندر کیا ہے' یہ بات سچ کہتے ہیں' ہم نہیں معلوم کرسکے اور ہمارے من میں کرید ضرور پیدا ہوگئی

ہے' کیوں ہے..... ایسا کیوں ہے.....؟"

اور میرے دل میں روشنی کی ایک چادر پھیل گئی' گویا یہاں بھی میری شخصیت کو چھپالیا گیا ہے' یہ بدبخت سادھو کیسی ہی قوتیں رکھتا ہے لیکن ناظم ارسلان یہ نہیں چاہے گا کہ وہ کہانی کسی گندی روح کے علم میں آئے جو اُس کا راز ہے اور بہرحال ناظم ارسلان ان گندی قوتوں سے کہیں بڑی شخصیت ہے۔ میرے دل میں ناظم ارسلان کے لئے پہلے کبھی کوئی برائی نہیں تھی اور اب اس کی اس بڑائی کو جان کر میرے دل میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہوگئی تھی۔ کچھ بھی ہے وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے لیکن بہرحال وہ میری شعاع کا باپ ہے' میں نے دل میں سوچا تھا اور ادھر گج راج میری صورت حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

"تُو نے ہمارے من میں ایک نئی سوچ جگا دی ہے۔ ایک بالکل نئی سوچ۔"

"وہ کیا گج راج؟"

"بات سن' بہت کچھ ہو سکتا ہے جو تُو چاہے ہو سکتا ہے' کیا وہ لڑکی تجھے پسند ہے؟"

"شمائلہ' ہاں وہ مجھے پسند ہے' ایک بھائی اپنی بہن کو کیوں نہ پسند کرے گا۔"

"چل یوں ہی سہی..... ہمارا کیا جاتا ہے وہ تجھے مل سکتی ہے اس کے پُرکھوں سے ہمارا جھگڑا تھا' وہ مرچکے ہیں اب تو ہم صرف ان کی آتما کو تڑپا رہے تھے مگر بڑے کام کے لئے ہم چھوٹا کام چھوڑ سکتے ہیں' وہ لڑکی اصل شکل میں تجھے دے سکتے ہیں ہم..... مگر ہمارے ساتھ مل کر کام کر۔"

"اچانک تمہارا رویہ کیسے بدل گیا گج راج جی!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وجہ ہے اس کی۔"

"کیا.....؟"

"جو شکتی تیرے اندر چھپی ہوئی ہے وہ ان لوگوں کی شکتی نہیں ہے جنہوں نے تجھے یہاں بھیجا ہے ان کی چادر کتنی ہے ہم جانتے ہیں۔ یہ کچھ اور ہی ہے جس میں تُو لپٹا ہوا ہے۔ شکتی مان کو شکتی مان سے سمبندھ ہوتا ہے۔ تُو ہم سے مل جائے تو ہم وہ کر سکتے ہیں جو کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو تم.....؟"

"گجو تیلی کہہ کر پکار رہا تھا نا تُو ہمیں..... ہاں' ہم تیلی ہیں۔ راج پور ہماری جن بھومی ہے' پُرکھوں سے ہم یہاں رہتے ہیں پر اب ہمارے کالے راستے رک گئے ہیں ہر طرف تم چھائے ہوئے ہو' میں اور میرے پُرکھے راج پور کو برسوں سے کالی نگری بنانا چاہتے تھے۔ پر ہمارے راستے روکے جاتے رہے یہ کام اب مجھے کرنا ہے اور میں راستوں

کی ساری رکاوٹیں ہٹانا چاہتا ہوں۔ بول کالی نگری کے لئے کام کرے گا تُو؟"

"میں..... جس کام کا راستہ میرے بزرگ روکتے رہے ہیں وہ میں کیوں کروں گا!"

"مہاشکتی حاصل کرنے کے لئے کالی نگری کا راج کمار ہوگا تُو۔ ایک تیری اپنی شکتی دوسری وہ جو میں تجھے دوں گا گجو سے کم نہ ہوگا تُو..... بول ملے گا میرے ساتھ؟"

"اور کام میرا کیا ہوگا.....؟" میں نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تُو اس پاپی سے ہمارا پیچھا چھڑائے گا جس نے ناس مار رکھا ہے ہمارا....."

"وہ کون ہے.....؟"

"وہی امیر شاہ.....؟" اس نے کہا اور میرے دماغ میں ایک دھماکا ہوا۔ نفرت کے طوفان نے میری آنکھیں سرخ کر دیں میرا وجود جھلسا دیا اور میں نے خونی نظروں سے دیکھا..... اچانک مجھے یوں لگا جیسے میرے پیروں میں زندگی واپس آگئی ہو۔

اس مردود نے امیر شاہ صاحب کے بارے میں اتنے برے الفاظ کہے تھے تو عالمِ جوش میں میرے قیدی اعصاب آزاد ہو گئے تھے۔ درحقیقت میں خود پر قابو نہ پاسکا اور میں نے دھاڑتے ہوئے اُس پر حملہ کر دیا۔ میرے غیظ و غضب کی انتہا نہیں رہی تھی۔ میں دیوانوں کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑا میرے حلق سے آوازیں نکل رہی تھیں۔

"کمینے' کتے میں تجھے فنا کر دوں گا تُو میرے سامنے میرے استاد محترم کے بارے میں اتنی غلیظ بات کر رہا ہے۔" میرے حملے سے اُس کے چہرے پر کوئی شکن نہ پیدا ہوئی۔ اُس کا جو ناپاک وجود انسانی جسم کی شکل میں نظر آرہا تھا' وہ صرف ہوا کا ایک جھونکا تھا اور میں اس جھونکے سے گزر گیا۔ واپس پلٹا تو وہ میرے سامنے کھڑا ہوا ہنس رہا تھا۔

"انسان کے پاگل پن کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اب کیا کہیں تیری اس دیوانگی کو..... بیٹھ جا شرافت سے ایسی حرکتیں نہ کر "پاگل" یہ بہت پرانی بات ہے جب ہم بھی شریر اور آتما کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔ شریر کے بارے میں تُو کیا جانتا ہے؟ آتما کا قید خانہ ہے یہ۔ آتما اس گندے خول میں قید رہتی ہے۔ تجھے اندازہ ہے' جانتا ہے تُو کہ اگر آتما شریر کے قید خانے سے آزاد ہو جائے تو شریر کی اصلی شکل نمایاں ہو جاتی ہے۔ سڑا ہوا بدبودار گوشت جو دنوں میں مٹی ہو جاتا ہے اور ہڈیوں کے پنجر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ بدن تو گندگی کی پوٹ ہے ہم اس گندگی سے آزاد ہوگئے ہیں۔ شریر اور آتما کے کھیل سے نجات حاصل کرلی ہے ہم نے۔ مانے ہماری بات تو ہم تجھے بتائیں کہ ہم نے

خود اپنے ہاتھوں سے اپنا شریر بھسم کیا ہے۔ ارے باؤلے آتما ہی تو اصلی چیز ہے شریر تو جب من چاہے اچھے سے اچھا حاصل کر لو۔ یہی تو کیا ہے گج راج نے۔ آتما اور شریر کا کام الگ الگ کر دیا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کالی نگری بنائیں اور کالی نگری میں اپنی پسند کی بستی بسائیں۔ خوبصورت لوگوں کا سورگ جس میں حسن ہی حسن ہو۔ ایک بات کہیں تجھ سے' ہمیں کوئی پرانے زمانے کی روح مت جاننا اگر تُو سورگ کا ماڈل دیکھنا چاہتا ہے تو ہم تجھے وہ بھی دکھائیں گے اور نرک بھی دکھا سکتے ہیں تجھے۔ باؤلے شمائلہ کے بارے میں کہہ رہا تھا تُو۔ ہماری دیوانی ہے وہ اور جب ہم چاہیں گے اُسے اس دیوانگی سے آزاد کر دیں گے' ایک شمائلہ ہی کا کام نہیں ہے اُس کے بڑوں سے تو ہمارا جھگڑا چل رہا ہے لیکن ہم نے بڑے انتظامات کئے ہیں آ تجھے اپنے سورگ کا اک نظارہ کرادیں۔ آگے کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی تجھے۔ چاہے تو ہمارے نقشِ قدم پر چل کر دیکھ سکتا ہے۔ شریر اور آتما کا جھگڑا ختم کر دے یہی ہماری خواہش ہے اور اسی کے لئے ہم کام کر رہے ہیں۔ دیکھ سنسار میں شریر کے لئے کتنے کھیل ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے گھر بنائے جاتے ہیں' فرنیچر' کاریں' قالین' دولت کے انبار۔ آتما کو ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی' آتما تو بس شانتی چاہتی ہے' سکون کا سنسار۔ ذرا ہمارے افکار اور خیالات پر غور کر۔ ٹھیک ہے ہم تیلی کی اولاد ہیں۔ پر اولاد ہیں بھائی کوئی تیلی تو نہیں۔ آجا ہمارے ساتھ آجا' ہمارے اس شریر کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کر جو ایک دھوکا ہے ہم تو آتما ہیں اور آتما کو مارنا تیرے بس کی بات نہیں ہے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہمارے کام کو روکنے والے یہی تیرے ارد گرد پھیلے ہوئے لوگ ہیں۔ وہ اندھے باباجی' بھلا پوچھو اُن سے کہ بھائی خود تو سنسار کی روشنی کھو بیٹھے ہو' کیا کرو گے اس سنسار میں جی کے؟ مر جاؤ تو کالی نگری کا کام آگے بڑھے۔ برا مت مانیو' پہلے اچھے اور بُرے کی تمیز کر لے دونوں دروازے دکھائیں گے تجھے آجا۔"

اس نے اپنے ہاتھ سامنے کئے' دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور اُس کے بعد پھرتی سے زمین پر گرا دیئے۔ میں تو پہلے ہی حیرت سے انگشت بدنداں تھا۔ اُس کے جسمانی وجود سے میں ایسے گزر گیا تھا جیسے ہوا کا جھونکا اور اُس کے بعد میرے دل پر ایک بوجھ سا آپڑا تھا۔ اُس نے میرے سامنے امیر شاہ کے بارے میں ایسی غلیظ بات کہی اور میں کمزور اور بے بس انسان امیر شاہ صاحب کی توہین کا انتقام نہ لے سکا تھا بلکہ اب یہ اندازہ ہو گیا تھا مجھے کہ میں اس کے خلاف ایسا کوئی عمل کر بھی نہیں سکتا۔ جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو اُس کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے جبکہ میں اپنے ہاتھوں سے اُس پجاری کو قتل کر چکا تھا۔ بہر حال اُس

نے دونوں ہاتھ زمین کی طرف کئے تو روشنی کا ایک طوفان اُٹھ آیا۔ اتنی تیز روشنی ہوئی کہ میری آنکھیں بند ہو گئیں اور ان آنکھوں کے سامنے جھائیاں ناچنے لگیں۔ میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ اب میں اپنے آپ کو بے بسی کی انتہائی منزل میں محسوس کر رہا تھا اور مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جس کے سامنے میں اپنے کمزور سے وجود کو لے کر آیا ہوں وہ کمبخت ایک خوفناک اژدھا ہے' ایک انتہائی طاقتور بھیڑیا جو اپنی جادوئی قوتوں سے اپنے آپ کو نہ جانے کتنی طاقت بخش چکا ہے۔ آنکھیں کھلنے کے قابل ہوئیں تو اچانک ہی میں نے مدھم مدھم سی روشنی دیکھی۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے آسمان پر پورا چاند ہو۔ پورے چاند کی چاندنی اتنی ٹھنڈی اور خوشنما ہوا کرتی تھی لیکن آسمان پر تو چاند تھا ہی نہیں' ہاں آسمان ضرور تھا۔ ایک حسین آسمان جس پر ستارے بکھرے ہوئے تھے لیکن زمین پر بھی ستارے بکھرے ہوئے تھے۔ ایسے ایسے خوبصورت چہرے ایسے ایسے حسین وجود کہ دیکھ کر انسان کے دل کی ہر دھڑکن رک جائے۔ وہ اپسرائیں تھیں جو اِدھر سے اُدھر تیر رہی تھیں۔ زمین پر اُن کے قدم ہی نہیں رکتے تھے۔ بس ہلکا سا زمین کو چھوتی تھیں چال ایسی تھی جیسے ہنس اڑ رہے ہوں۔ چاروں طرف سرسبز و شاداب درخت لگے ہوئے تھے' گھاس تھی' جگہ جگہ سفید مور پنکھ بنے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کے لئے ایسی خوب صورت سنگِ مرمر کی سیٹیں کہ انسان اُن کو دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے۔ بہت سی حسین لڑکیاں پتھر کی ان سیٹوں پر بیٹھی مختلف میوے اور پھل وغیرہ کھا رہی تھیں۔ اُن کے کھنکتے ہوئے قہقہے فضا میں گونج رہے تھے اور جب وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر دوسری جگہ جاتیں تو یوں محسوس ہوتا جیسے ہوا میں تیر رہی ہوں۔ میں عالمِ سحر میں یہ سارے مناظر دیکھتا رہا۔ یہ مناظر تاحدِ نظر بکھرے ہوئے تھے' ٹھنڈے پانی کے چشمے یہاں موجود تھے اور موتیوں سے بھرے درخت تھے۔ یہ موتی ہوا کے جھونکوں سے نیچے گر رہے تھے۔ روشن اور چمکدار یوں لگتا تھا جیسے موتیوں کا آبشار زمیں پر بہہ رہا ہو' سرسبز و شاداب گھاس میں وہ جگہ جگہ اٹک جاتے تھے اور پھر اپنی جگہ ستاروں کی مانند سج جاتے تھے۔ ایسا حسین منظر تھا کہ انسان کی جان ہی نکل جائے۔ ان تمام مناظر کو دیکھنے کے بعد میری نگاہیں گج راج کی جانب اُٹھیں جو اپنی مکروہ شکل کے ساتھ مسکرا رہا تھا' بے اختیار میرے حلق سے قہقہہ نکل گیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ہنس رہا ہے تُو؟" اُس نے حیران لہجے میں کہا.....

"یہ تیری جنت ہے گج راج!" میں نے سوال کیا۔

"تیری بھی ہو سکتی ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"میں کسی اور وجہ سے ہنس رہا ہوں۔"

"وہ کیا وجہ ہے؟"

"جنت کا تصور بہر حال کسی نہ کسی طرح میرے ذہن اور کانوں تک پہنچ چکا ہے۔ تمام حسین شکلیں ایک دھوکا ہیں۔ جادو ہیں جو تیرے ذریعے عمل میں آیا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں ٹھیک کہہ رہا ہے تُو۔ میں نے بنایا ہے یہ سب کچھ اور اس لئے تجھے دکھا رہا ہوں کہ تُو گج راج کی قربتوں کا اندازہ لگالے' پتا چل جائے تجھے کہ جو نرک اور جو سورگ مرنے کے بعد انسان کو دینے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اپنی قوت سے میں نے اسی زمین پر حاصل کرلیا ہے اور تجھ جیسے انسانوں کو دینے کی قدرت رکھتا ہوں۔"

"گج راج' بہت خوبصورت منظر ہے یہ اور کتنی حسین لڑکیاں ہیں اور یہاں کوئی مرد نظر نہیں آتا....."

"تُو جو ہے' تجھے چالیس دن کے لیے یہ جگہ دی جا سکتی ہے۔ چالیس دن تُو یہاں عیش کر..... جیون کا مزہ لے اور چالیس دن کے بعد تُو یہ جگہ چھوڑ دینا اور اپنے گرو یعنی میرے پاس آجانا۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ یہ جگہ مستقل حاصل کرنے کے لئے تجھے سنسار میں کیا کرنا ہے۔ کالی نگری بنوادے بس کالی نگری بنوا دے اور کچھ نہیں چاہتا میں تجھ سے....."

"گج راج سن! اس جنت میں اگر تُو کسی جگہ اپنی شکل دیکھے تو تجھے خود شرم آجائے گی۔ جنت کا سانپ ہی کہا جا سکتا ہے تجھے۔ اپنا مکروہ اور غلیظ چہرہ دیکھ' کتا بھی تجھ سے اچھی شکل و صورت کا مالک ہو گا.....ارے دیوانے' مجھے دکھا رہا ہے یہ سب کچھ۔ گہری نگاہ ہے میری تاریخ پر۔ حسن بن صباح نے بھی تو ایک جنت بنائی تھی جسے ہلاکو خان نے تباہ کر دیا تھا۔ شداد نے بھی تو ایک جنت بنائی تھی جس میں وہ اپنا ایک قدم نہیں رکھ سکا تھا' ان دونوں جنتوں کو فنا کرنے والی ذات کس کی ہے؟ اللہ کی.....اُس نے جو کچھ بنایا ہے وہ قائم و دائم ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ ازل سے ابد اور اُس کے بعد سے آگے..... جہاں انسانی ذہن کی پہنچ ختم ہو جائے۔ تُو اپنی اس چار پیسے کی جنت کو لئے پھرتا ہے بیوقوف۔ یہ تو شداد نے بھی بنائی تھی اپنی رعایا کو نچوڑ کر لیکن خود ایک لمحہ بھی اُسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ دیکھ ایک بات کہوں تجھ سے گج راج! اپنے اس کالے علم کو جس کے دوسرے رُخ پر گندگی اور بدبو ہے' لے کر راج پور سے دفعان ہو جا کہیں اور اپنا ٹھکانہ بنا۔ یہ مسلمانوں کے علاقے ہیں۔ راج پور میں مسلمانوں کا ہی راج رہے گا۔ بھول

جا اس بات کو کہ اس سرزمین کو اپنے اس ناپاک وجود سے کالا کر سکتا ہے۔ جہاں تک امیر شاہ صاحب کی بات ہے تو گجو تیلی' سسرے تیل ہی بیچتا رہ جائے گا۔ یہ آسمان کے باسی ہیں اور زمین پر انسانیت کا علم بلند کرنے والے۔ ان کی روحانیت کو تیرا ناپاک وجود کہاں پہنچ سکتا ہے۔ سمجھا' میں تیرے سورگ پر تھوکتا ہوں۔" میں نے کہا اور دوسرے لمحے میں نے چ مچ زمین پر تھوک دیا۔ گج راج غصے سے شور مچاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹا اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پھر سے بلند کیے اور روشنی کا ویسا ہی تیز دھماکا ہوا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں مجھے یقین تھا اس کے بعد منظر بدل جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ جب آنکھیں روشنی میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو سورج چمک رہا تھا' تاحدِ نظر خشک اور چٹیل میدان تھے۔ چٹانوں کے رخنوں سے ناگ پھنی کے پودے جھانک رہے تھے..... کہیں کہیں حشرات الارض بھی نظر آجاتے تھے۔ عجیب و غریب کیڑے مکوڑے' تاحدِ نظر ایک ہولناک ویرانہ۔ گویا اب اُس نے مجھے نرک میں پہنچا دیا تھا' میں نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا.....

"بیٹے شرزل کیا مزے آرہے ہیں زندگی کے۔ دنیا کے رہنے والے ماں باپ کی آغوش میں پروان چڑھتے ہیں۔ زندگی کے سکھ اور دکھ اُٹھاتے ہیں۔ جوانی کی منزل تک پہنچتے ہیں اور پھر اگر جوانی کے پورے لوازمات حاصل ہو جائیں تو ایک بیوی کے شوہر اور کچھ بچوں کے باپ بن جاتے ہیں اور پھر ان کے لئے زمانے کی چکی میں پستے ہوئے قبر کے دہانے تک پہنچ جاتے ہیں اور یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے۔ ایک چین ہے جو صدیوں سے چلی آرہی ہی اور نہ جانے کتنی صدیوں تک جاری رہے گی لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی منفرد ہو جاتی ہے۔ بچپن کی آنکھ مچولی' اُس درخت پر پہنچنا اور درخت پر شعاع کا مل جانا۔ ایک ایسی شعاع جو سینے میں اُتر گئی اس طرح کہ اس کے بعد اُس کے سینے سے نکلنے کا امکان ہی نہ رہا۔ یہ محبت کی شعاع ہے اور زندگی کے آخری سانس تک قبر کے دہانے تک اس دل کو روشن رکھتی ہوئی اس سینے میں قائم و دائم رہے گی۔ واہ شرزل' زندگی کے اس انوکھے پن سے لطف اُٹھا۔ اپنے آپ کو خوف کی منزل میں نہ لا۔ خوف صرف موت ہے' انسان موت سے بچنا چاہتا ہے لیکن کیا ہی عجیب بات ہے کہ اُسے اس بات کا یقین ہے کہ موت اُس کے آس پاس گھوم رہی ہے اور ایک نہ ایک دن وہ اُس کی ذات پر مسلط ہو جائے گی۔ ایک ایسی چیز سے ڈرتا ہے وہ جس کو بہر حال اُس تک پہنچنا ہے۔ اگر تُو مجھ سے چاہتا ہے کہ میں شعاع کو اپنے سینے میں بجھادوں تو ناظم ارسلان! ایسا اب میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ تم اسے میرے دل میں روشن رہنے دو' کیوں اُس بیچاری لڑکی پر مظالم کر رہے ہو۔ وہ تو بے قصور ہے بلاوجہ اُسے سزا دے رہے ہو۔ میری

وجہ سے۔ اگر تم ایسی ہی آتشی قوتوں کے مالک ہو تو شعاع کو میرے سینے میں بجھا دو میں تم سے شکایت نہیں کروں گا۔ اپنی جگہ کھڑا ہوا دھوپ میں تپتی چٹان میں یہی سوچ رہا تھا۔ ابھی تک حقیقت یہ ہے کہ میرے دل سے خوف کا گزر نہیں ہوا تھا حالانکہ میرے قرب و جوار کتنے بھیانک تھے اور یہاں مجھے اس قدر تکلیف کا احساس ہو رہا تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا لیکن یہاں بھی شعاع میرے دل میں روشن تھی۔ یہ روشنی اب بجھانا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ چاہے کتنے ہی مرحلوں سے گزار دیا جائے مجھے۔ جب یہاں کھڑے کھڑے کافی دیر ہو گئی تو میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ اب مجھے اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر جلتی ہوئی زمین سے اپنے آپ کو ذہنی طور پر آزاد کرنا تھا۔ اس احساس کو دل سے مٹانا تھا کہ زمین جل رہی ہے اور اس وقت زندگی کا ایک انتہائی انوکھا تجربہ ہوا۔ یونہی بس یہ خیال میرے دل میں آیا تھا میں نے دل میں سوچا کہ شعاع اگر تُو میرے دل سے نکل سکتی ہے کوئی ایسا عمل ہو سکتا ہے کہ میرا وجود میری خواہش کے بغیر تیرے تصور سے آزاد ہو جائے تو کیا یہ ممکن ہے؟

اور اگر یہ ممکن نہیں اور تُو میرے سینے میں ہمیشہ روشن رہنے کے لئے ہے تو پھر اس تکلیف کا احساس میرے دل سے فنا ہو جائے جو اس وقت جلتی زمین پر مجھے ہو رہی ہے۔ انسانی ذہن کے بیس ہزار خلیے ہوتے ہیں ان خلیوں کا عمل کیا ہے؟ تھوڑی بہت معلومات تو ہے اس سلسلے میں لیکن ذہن کی پُر اسرار کائنات میں جھانک کر اُس کی تمام تفصیل معلوم کر لینا کم از کم انسانی بس کی بات نہیں ہے۔ کوئی چیز اگر سچائی کے ساتھ طلب کی جائے تو دینے والی ذات تو اللہ ہی کی ہے لیکن اپنے اندر سے وہ قوتیں اُبھرتی ہیں جنہیں ہم اللہ کی دین کہتے ہیں۔ شاید آپ لوگ اس بات پر یقین کر لیں اچانک ہی پیروں کے نیچے جلتی زمین بجھ گئی تھی۔ وہ احساس فنا ہو گیا تھا جو شدید تکلیف کا باعث تھا۔ بدن پر پڑنے والی سورج کی شعاعیں بھی ماند پڑ گئی تھیں۔ میں کافی قدم آگے بڑھا تو چٹانوں کے رخنوں سے میں نے بڑے بڑے کالے بچھو نکلتے ہوئے دیکھے۔ ایک دو جگہ سے سانپ کی پھنکاریں بھی سنائی دیں اور بلوں سے جھانکنے والے سانپوں کی لمبی لمبی زبانیں جیسے میرے پیروں کو چاٹنے کے لئے بڑھیں لیکن میں چلتا رہا۔ چٹانوں کے نوکیلے پتھر میرے پیروں میں چبھتے رہے اور میں ان تمام چیزوں سے بے نیاز آگے بڑھتا رہا۔ بس ایک ترازو رکھ لی تھی میں نے اپنے سامنے اس کے ایک پلڑے میں شعاع کی محبت تھی اور دوسرے میں ان تکلیفوں کا انبار لیکن شعاع کی محبت کا پلڑا بھاری تھا اور میری اذیت تقریباً ختم ہو گئی تھی لیکن دوسری جانب گج راج بھی تھا جو اپنے کالے علم سے کام لے کر میرے لئے آفتوں

کے طوفان بھیج رہا تھا۔ کالے بچھو دور تک میرا پیچھا کرتے رہے' ناگوں کی پھنکاریں اور زبانیں میرا تعاقب کرتی رہیں پھر وہ سب پیچھے رہ گئے البتہ چند ہی لمحوں کے بعد میں نے ایک اور عجیب و غریب منظر دیکھا۔ زمین کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے پانی کی سرسراہٹ سنائی دی تھی۔ سر سر سر سر کی آوازیں آ رہی تھیں پھر چٹانوں کے رخنوں سے پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ یہ چھوٹے چھوٹے قطروں کی شکل میں تھا اس سے چھن چھن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی بھاپ بھی نکل رہی تھی' پانی کھول رہا تھا اور زمین پر جمع ہوتا جا رہا تھا وہ بے شمار سوراخوں سے نکل رہا تھا۔ گو اُس کی مقدار بہت زیادہ نہیں تھی لیکن چند ہی لمحات کے بعد وہ میرا تعاقب کرتا ہوا میرے پیروں کے نیچے پھیل گیا۔ ایک بار پھر میرے پیر جلنے لگے تھے۔ کھولتے ہوئے پانی سے بھاپ نکل رہی تھی اور اس میں بلبلے بھی پیدا ہو رہے تھے۔ میں اپنی جگہ سے اُچھلنے لگا لیکن اُچھلنے سے مجھے نقصان ہوا جیسے ہی میرے پاؤں زمین پر پڑتے اور پانی کے چھینٹے بلند ہوتے تو وہ بدن کے کھلے ہوئے حصوں سے ٹکرا کر انہیں بھی جلانے لگتے۔ میں نے اپنے دانت بھینچ لیے اور آگے بڑھنے لگا۔ پانی بلند سے بلند ہوتا جا رہا تھا اور اُس کی کھولن میرے پیروں میں آبلے ڈال رہی تھی۔ میں نے اپنے دانت بھینچ لئے تھے' میں جھلس رہا تھا جس حد تک برداشت ہو سکتا تھا اسے برداشت کر رہا تھا۔ پانی سے آگ کے شعلے نکلتے دکھائی دے رہے تھے اس کی تپش میرے جسم کے روئیں روئیں کو جھلسا رہی تھی۔ فرار کی کوئی راہ میرے سامنے نہیں تھی اور کھولتے ہوئے پانی کا طوفان بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ میں اپنی قوتِ برداشت کھو بیٹھا اور میرے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ میں آگے بڑھتا رہا' میں نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ میں اب پانی سے لڑ رہا تھا' ذہن پر دیوانگی سی سوار ہوتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا میں؟ بہت دور نکل آیا لیکن پانی نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے گھاس نظر آئی۔

پتا نہیں میری نظروں کا وہم تھا یا حقیقت میں یہ گھاس ہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اس گھاس تک پہنچا اور پانی پیچھے رہ گیا جو تکلیف مجھے اپنے پورے وجود میں محسوس ہو رہی تھی اُس نے مجھ سے میرے ہوش و حواس چھین لئے تھے۔ گھاس پر گرا اور گرنے کے بعد تمام تکلیفوں سے نجات پا گیا۔ میرا وجود پست ہو گیا تھا اور میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ شاید گج راج کے اس نرک میں' اس جہنم میں سورج نہیں ڈوبتا تھا کیونکہ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ آنکھ کھلی تو سورج کو اپنے سامنے حشر سامانیوں میں مصروف پایا اور رفتہ رفتہ ذہن کے دریچے کھلنے لگے۔ گزرے ہوئے واقعات یاد آئے اور جب سب کچھ یاد آیا تو

میرا دل بری طرح دھڑک اُٹھا۔ میں نے دہشت بھری نگاہوں سے اپنے پیروں کو دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ میرے پیر اس وقت جل کر خاک ہو چکے ہوں گے لیکن نہ تو بدن میں سوزش تھی نہ پیروں میں آبلے' جیسا تھا ویسا ہی تھا البتہ تھوڑے فاصلے پر بھوری زمین اور یہاں یہ گھاس گزرے ہوئے واقعات کا ثبوت دیتی تھی یعنی جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا ہے وہ سب کچھ وہم نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ کوئی خواب نہیں تھا وہ۔ بہرحال اس وقت دل کو ایک عجیب سی اداسی کا احساس ہو رہا تھا۔ ذہن کے بند دریچے کھلے ہوئے تھے اور اِن سے یادوں کا گزر ہو رہا تھا۔ گردشِ آسمان کا مارا ہوا ایک بدنصیب ہوں میں' زندگی میں خوشیوں کا گزر نہیں رہا۔ ماں باپ گزر گئے تو دوسروں نے زندگی کی ہر خوشی سے محروم کر دیا۔ کائنات میں کوئی جگہ نہیں رہی میرے لیے۔ یوں تو بہت سے ملے لیکن دل کے زخموں پر مرہم رکھنے والا کوئی نہیں۔ ساری زندگی ایک زخم ہی تو تھی۔ کون نہیں چاہتا کہ اُس کے پاس زندگی کے سہارے ہوں' رشتے ناتے ہوں' ملنے جلنے والے ہوں لیکن یہاں تو بس تنہائی ہی تنہائی تھی اور شعاع کی یاد بھی دل کا سہارا نہ ہوتی تو نہ جانے زندگی کیا ہوتی؟ ایک بھرے پُرے گھر کو چھوڑنا پڑا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے بعد کسی کو اپنا کہتے ہوئے بھی شرم آئے۔ بہت دیر تک یہ بوجھل سے احساسات دل کو اُداس کئے رہے پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نہ جانے کتنے گھنٹے ان ویران پہاڑوں میں گزار دیئے تھے۔ گھاس کا یہ ایک چھوٹا سا قطعہ بھی زیادہ وسیع نہیں تھا اس کے بعد تاحدِ نظر خشک چٹانیں بکھری پڑی تھیں جن کے درمیان غاروں کے چھوٹے چھوٹے دہانے نظر آرہے تھے۔ بھوک شدت سے لگ رہی تھی۔ میری بھوکی پیاسی نگاہیں اطراف کا جائزہ لینے لگیں' کھانے کی کوئی چیز مل سکتی ہے' پینے کے لئے کچھ مل سکتا ہے' مجھے چاروں طرف ایک عجیب سا ہُو کا عالم محسوس ہو رہا تھا' بہت دیر تک اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ گھاس کھانے کی چیز نہیں ہے یہاں بیٹھے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تقدیر جس مرحلے میں داخل ہو گئی ہے اس میں صرف ایک ہی چیز رہ جاتی ہے کہ متحرک رہوں اور اپنے لئے راستے تلاش کروں۔ وہاں سے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ گھاس کا قطعہ تو چند لمحوں ہی میں ختم ہو گیا تھا اور اُس کے بعد پھر وہی چٹانیں جن کے درمیان کہیں کہیں ناگ پھنی کے پودے اُگے ہوئے نظر آئے تھے' پیلے پیلے پھلوں والی زہریلی جھاڑیاں بھی جن کے درمیان زہریلے سانپ اور بچھو بھی نظر آرہے تھے۔ میں ان سے بچتا ہوا آگے بڑھتا رہا' کافی دور نکلا پھر اُس کے بعد تھک گیا۔ گج راج کا یہ جہنم واقعی اُس جنت کی طرح کا ہی تھا۔ میری یہ تھکن شدید بھوک اور پیاس کی وجہ سے تھی پھر اچانک ہی مجھے خیال

آیا کہ ان چٹانوں میں غاروں کے دہانے ہیں کیوں نا کسی غار میں داخل ہو کر دھوپ کی اس تپش سے نجات حاصل کی جائے۔ کھانے پینے کا خیر کچھ نہیں ہو سکتا لیکن کم از کم چھاؤں تو مل جائے گی۔ یہ سوچ کر کسی ایسے بڑے غار کے دہانے کا جائزہ لینے لگا جو مجھے اپنے سائے میں چھپالے' پھر ایک بہت بلند چٹان کے دامن میں یہ دہانہ نظر آگیا۔ میرے قدم اُس کی جانب بڑھ گئے' دہانے کی لمبائی تقریباً سات فٹ تھی اور اس کا قطر کوئی پانچ' ساڑھے پانچ فٹ کا ہوگا۔ کالا دھبہ سا نظر آرہا تھا لیکن اندر داخل ہوا تو ایسی ٹھنڈک کا احساس ہوا کہ جسم و جاں میں نئی زندگی دوڑ گئی۔ باہر سے یہ غار جتنا تاریک نظر آتا تھا اندر سے اتنا نہیں تھا۔ غار میں اس کی بلندیوں پر سوراخ بھی تھے یہ ایسے رخنے تھے جن سے روشنی اندر آرہی تھی۔ تھوڑا سا آگے بڑھنے کے بعد یہ غار اچھا خاصا روشن ہو جاتا تھا لیکن چند ہی قدم طے کئے تھے کہ عجیب سی خوشبو نے میرے قدم روک دیئے۔ بالکل یہ محسوس ہوا تھا کہ جیسے بھنا ہوا گوشت کہیں قریب رکھا ہو' اس کی سوندھی سوندھی خوشبو ناک سے ٹکرا رہی تھی۔ میری نگاہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر ایک طرف دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ زمین پر ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی اور چٹائی کے اوپر بڑے سے برتن میں بھنا گوشت رکھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی پانی کا جگ اور گلاس موجود تھا۔ ایک لمحے کے لئے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور پھر اعصاب نے صرف ایک ہی پکار کی کہ گوشت سامنے رکھا ہے اور میں بھوکا ہوں کیسا ہے..... کس کا ہے..... کس کی ملکیت ہے..... یہ سب بعد کی بات ہے..... یہ بھوک اور یہ پیاس زندگی چھین لے گی۔ مجھے زندگی بچانی چاہئے' میں جلدی سے بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ آگے بڑھے ہی تھے کہ "شی شی" کی آواز سنائی دی جیسے کوئی کسی کو مخاطب کر رہا ہو..... بے اختیار ہاتھ اٹھ گئے تو ایک آواز میرے کانوں میں گونجی.....

"یہ بھی نہیں سوچا کہ حرام ہے کہ حلال یہ غلاظت کا گوشت ہے اور تُو یہ بھول رہا ہے کہ تو گج راج کے بنائے ہوئے جہنم میں ہے۔ اس جہنم میں کیا تجھے کوئی بہتر چیز ملے گی۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھا..... ایک لمحے کے اندر اندر عقل نے ذہن کا ساتھ دیا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ غار کے اندر کوئی نہیں تھا لیکن یہ آواز جس نے مجھے کھانے سے روکا تھا۔ وہ کچھ شناسا سی لگی تھی۔ مجھے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ دل نے اندر سے کہا کہ بیوقوف یہ آواز وہم بھی ہو سکتی ہے۔ اتنی بھوک کے بعد بھلا حرام اور حلال کی کیا تمیز رہ جاتی ہے لیکن پھر اندر ہی سے آواز اُبھری کہ زندگی کی انتہا تو موت ہے اور موت کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بھوک سے بھی موت آسکتی ہے اور کھانے سے

بھی۔ میں نے گردن ہلائی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا اگر یہ گوشت واقعی حرام ہے تو موت قبول ہے مجھے۔ بہتر ہے کہ اس غلاظت کو کھانے کے بجائے مر جاؤں۔ میرے حلق سے دھاڑ سی نکلی اور میں نے کہا.....

"گج راج کتے' کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تُو میرا۔ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا جو کچھ بھی ہو گا میں دیکھ لوں گا۔ کچھ بھی ہو جائے موت کو اپنا لوں گا لیکن تیری برتری قبول نہیں کروں گا۔" ذہن پر ایک عجیب سی دیوانگی سوار ہو گئی تھی۔ میں گج راج کو گالیاں دیتا ہوا باہر نکل آیا اور دوڑنے لگا' کافی دور تک میں دوڑتا چلا گیا تھا لیکن پھر اچانک مجھے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور میں نیچے گر پڑا۔ نیچے گرتے ہوئے میرا سر کسی اور پتھر سے ٹکرایا تھا' آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ گئے اور بے ہوشی نے مجھے بھوک اور پیاس سے بیگانہ کر دیا لیکن کمبخت' بے ہوشی بھی طویل نہیں تھی ہوش میں تو آنا ہی تھا۔ اب میرا بدن بہت زیادہ نقاہت محسوس کر رہا تھا جس جگہ پڑا ہوا تھا وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا حالانکہ دھوپ اب بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مایوسی کا احساس مجھے چیخنے چلّانے پر مجبور کر رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے اوپر بہت برا وقت آچکا تھا لیکن کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خیر اب جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ کم از کم گج راج کی برتری قبول نہیں کروں گا۔ امیر شاہ صاحب کے خلاف اُس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں سن سکوں گا۔ وہ جس قدر کوششیں کرتا ہے' کرتا رہے' آخر کار موت ہی آجائے گی نا۔ ہاں میں موت چاہتا ہوں میں بہت دیر تک یونہی سوچتا رہا پھر سوچا یہاں بیٹھے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اپنی جگہ سے اُٹھا اور وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ "شازل' جہاں تک تقدیر ساتھ دے سکے چلتے رہو اور اس کے بعد خاموشی سے جان دے کر اُس کالے علم کے کتے کو بے بسی کا شکار کر دو۔" میں چلتا رہا اور میرے جسم کے مختلف حصے درد و کرب سے چیختے رہے' پتھر سے لگنے والی چوٹ نے جو زخم میری پیشانی پر پیدا کر دیا تھا اُس سے خون بہہ کر جم چکا تھا البتہ میرے بدن کی نقاہت میں اُس کی وجہ سے کچھ اور اضافہ ہوا۔ پتا نہیں کتنی دور پہنچا ہوں گا کہ مجھے پانی کی شرڑ شرڑ سنائی دی' یہ آواز مجھے وہم محسوس ہوتی تھی لیکن جب میں اس چٹان کے نیچے پہنچا جو سامنے ہی نظر آرہی تھی تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میں نے آس پاس دیکھا اور کہا.....

"کیا یہ بھی کوئی دھوکا ہے؟ خداوند قدوس اگر یہ دھوکا ہے تو میری مدد کر..... میں اپنے ایمان کی زندگی چاہتا ہوں اگر نادانی میں کوئی عمل ہو گیا تو اس میں میرا قصور نہیں ہو گا۔" میں نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر کے احساس کیا کہ میری آواز آسمانوں میں

نہیں جائے گی اگر چٹان کی اوٹ سے پھوٹنے والا پانی کا یہ چشمہ گج راج کی جادوگری کا عمل ہے تو اب یہ بند ہو جائے گا اور مجھے کچھ نظر نہیں آئے گا لیکن میں نے دیکھا پانی کا یہ چشمہ ایک چھوٹا سا نالہ بناتے ہوئے بہہ رہا تھا۔ میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا اور پھر اُس کے بعد میں نے آس پاس دیکھا اور پھر بیٹھ کر چشمے میں ہاتھ ڈبو دیئے ٹھنڈا اور شیریں پانی تھا۔ میں نے بے تحاشا اُسے ہاتھوں میں بھر بھر کر پیا اور اپنے پورے وجود کو بھگونے لگا۔ دل چاہ رہا تھا کہ پانی بن کر اس چشمے کے ساتھ بہہ جاؤں لیکن تھوڑی دیر کے بعد میری نگاہ کچھ فاصلے پر اُٹھ گئی اور مجھے خداوند قدوس کے اُن احسانات کا قائل ہونا پڑا جو اُس نے اپنے کمزور بندوں پر ہمیشہ کئے ہیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کچھ پھلوں کے درخت نظر آرہے تھے یہ درخت تین ساڑھے تین فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہوں گے اور ان میں خوبانی کی طرز کے پھل لگے ہوئے تھے۔ میں نے ایک پھل توڑ کر اسے چکھا' میٹھا اور فرحت بخش تھا..... پھر میں بے تحاشا پھل توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ میں نے خوب اچھی طرح پیٹ بھر لیا پھر اچانک ہی میرے دل میں خیال آیا کہ بہت سے پھل توڑ کر اپنے پاس محفوظ کر لوں بعد میں کام آئیں گے لیکن فوراً ہی دل میں ایک اور خیال آیا وہ یہ کہ جب مالک کائنات نے اس ویرانے میں میری مشکل کا حل پیش کر دیا ہے تو میں کیوں نہ اُس کی عنایت پر قناعت کروں۔ چنانچہ میں نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا' دل میں نہ جانے کیوں یہ احساس اُبھر رہا تھا کہ سہارے مل گئے ہیں اور گج راج کی قوتِ شیطانی جواب دیتی جا رہی ہے۔ اُس نے تو مجھے ایمان سے بھٹکانے کے لئے اس ویرانے میں لا کر چھوڑا تھا لیکن یہاں آکر میرا ایمان اور پختہ اور طاقتور ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں میرے سامنے صرف اللہ کی ذات تھی اور میں جانتا تھا کہ اُس کی ذات کے علاوہ میری اور کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ پھل کھانے اور پانی پینے سے جو توانائی میرے بدن میں آئی تھی وہ اب احساس دلا رہی تھی کہ میرے اندر اب کوئی کمی نہیں ہے۔ چشمے کا پانی ایک نالہ بناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے بے خوف قدم اُس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے اور میں چلتا رہا۔ میں اپنے اندازے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں جب سے گج راج نے مجھے یہاں پہنچایا تھا کئی دن کئی راتیں گزر چکی تھیں لیکن راتوں کا یہاں کوئی گزر تھا ہی نہیں۔ اس جہنم میں سورج نہیں ڈوبتا تھا لیکن شاید میں اس جہنم سے گزر چکا تھا۔ چشمے کے کنارے کنارے اتنی دور پہنچا کہ سورج سر پر سے گزر گیا اور شام کی کجلاہٹیں نمودار ہونے لگیں۔ میرے دل میں خوشی کے چراغ جل اُٹھے تھے۔ آہستہ آہستہ تاریکی چھاتی جا رہی تھی پھر بہت دور مجھے اونٹنیاں نظر آئیں اور مجھے یوں لگا جیسے میں کسی آبادی کے قریب پہنچ گیا ہوں۔ جہنم کا وہ علاقہ ختم ہو چکا تھا جسے گج راج اپنی

ملکیت سمجھتا تھا' میرے قدموں کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔ جوں جوں میرے قدم آگے بڑھتے جا رہے تھے مجھے احساس ہو رہا تھا ماحول بدل رہا ہے' سنگلاخ چٹانیں اب سرسبز و شاداب علاقے میں بدلتی جا رہی تھیں' کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی نظر آتے تھے۔ فضا ہوا کے بوجھ سے بوجھل ہو گئی تھی۔ نہ جانے کتنے دن کی تپش اور گرمی نے بدن کی جو کیفیت کر دی تھی وہ پہلے چشمے کے پانی ہی نے درست کر دی تھی لیکن اس کے بعد اس ماحول میں آکر طبیعت کو بے حد فرحت محسوس ہو رہی تھی۔ جو پھل کھائے تھے انہوں نے میرے جسم میں توانائی پیدا کر دی تھی حالانکہ اس کے بعد بھی میں اچھا خاصا سفر طے کر چکا تھا لیکن ابھی تک بھوک کی شدت نہیں تھی اور میں کافی دیر تک ایسے ہی گزارا کر سکتا تھا۔ فاصلے کم ہوتے گئے اور اب میرے قدموں کے نیچے سبز گھاس تھی اور سامنے ہی ایک عمارت نظر آ رہی تھی جس کا ابتدائی حصہ ایک محراب کی شکل میں تھا۔ یہاں چراغ جل رہے تھے اور محراب کے ساتھ ساتھ اس خوبصورت حصے میں در در سے بنے ہوئے تھے جو دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان دروں کے نیچے تقریباً چار چار فٹ اونچی دیواروں کا احاطہ تھا اس احاطے کے دوسری طرف نہ جانے کیا تھا؟ لیکن یہ چراغ یہاں یقیناً مسافروں کی راہنمائی کرنے کے لئے رکھے گئے ہوں گے اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ہوا کے باوجود چراغ بجھ نہیں رہے تھے۔ میں ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر آگے بڑھ کر اس بڑی محراب کے نزدیک پہنچ گیا۔ دوسری طرف کا منظر بے حد حسین تھا۔ ایک خوبصورت اور ترتیب سے لگا ہوا باغ جس میں جگہ جگہ محرابیں اور برج بنے ہوئے تھے طرزِ تعمیر مغل بادشاہوں جیسا تھا۔ کئی جگہ چھوٹی چھوٹی بارہ دریاں بنی ہوئی تھیں جن کے نیچے سفید رنگ کی بینچیں پڑی ہوئی تھیں۔ تاحدِ نگاہ سبز گھاس بچھی ہوئی تھی۔ درمیان میں ایک چھوٹا سا حوض بھی نظر آ رہا تھا۔ جس نے بھی یہ عمارت بنوائی تھی وہ انتہائی باذوق انسان تھا۔ باغ کافی بڑا تھا اور تھوڑے فاصلے پر مجھے ایک اور سنگی چبوترہ نظر آیا۔ اس تک پہنچنے کے لئے تین سیڑھیاں بھی بنی ہوئی تھیں اس کے بعد ایک لمبا سا میدان تھا اور میدان کے انتہائی سرے پر ایک حسین دیوار نظر آ رہی تھی جس میں چھوٹے چھوٹے بہت سے در بنے ہوئے تھے۔ میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ گنج راج نے بھی مجھے اپنی ایک جنت دکھائی تھی وہ مصنوعی تھی لیکن اس وقت جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ بالکل حقیقت تھا۔

آہ! کاش کچھ وقت کے لئے مجھے یہاں پناہ مل جائے۔ باغ میں داخل ہونے کے بعد میں سنگی چبوتے کے قریب پہنچ گیا۔ تینوں سیڑھیاں عبور کیں اور چبوترے کے فرش پر آ گیا۔ فرش بے حد ٹھنڈا تھا اور خنکی کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ میں اس

فرش پر بیٹھ گیا اور گہری گہری سانس لینے لگا۔ فرحت بخش ہوا میرے سارے وجود کو زندگی بخش رہی تھی پھر اچانک ہی کچھ آہٹیں سنائی دیں اور میری نظریں عقب کی جانب اٹھ گئیں۔ جو شکل نظر آئی اُسے دیکھ کر میں ساکت رہ گیا۔ یہ ایک حسین لڑکی تھی لیکن اُس کے جسم پر بندھی ہوئی ساڑھی اور ماتھے پر لگی ہوئی بندیا سے احساس ہوتا تھا کہ ہندو دھرم سے تعلق رکھتی ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک حسین مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں استقبالیہ سا انداز۔ میرے دل میں وسوسے سر اُبھارنے لگے اس میں کوئی شک نہیں کہ اب تک جن حالات اور جس ماحول سے گزرا تھا اُس نے دل میں ایک ضد سی پیدا کر دی تھی لیکن اب جو یہاں تک پہنچا تھا تو یوں لگا تھا جیسے اس طلسمی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آ گیا ہوں مگر حقیقت کی اس دنیا میں یہ لڑکی کیسی؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ دفعتاً اُس کی آواز ابھری.....

"یہاں نہ بیٹھئے اندر آ جائیے۔" مجھے یہ حسین آواز چاروں طرف سے آتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میری جگہ کوئی بھی ہوتا ہوش و حواس میں نہ رہ سکتا تھا' اول تو ماحول کا اثر اور اُس کے بعد ان ویرانوں میں لڑکی کی غزالی آنکھوں کا جادو' اگر حواس پر قابو پا لیا جائے تو بہت بڑی بات تھی۔ چند لمحے تک خاموشی رہی پھر وہ دوبارہ بولی۔

"میں نے آپ ہی سے کہا ہے۔ آیئے نا بڑا انتظار کرایا آپ نے؟"

"کون ہو تم؟"

"آئیں گے نہیں میرے ساتھ.....؟"

"کہاں جانا ہے؟"

"وہ اس طرف۔ نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں..... آپ آ جائیے۔ بھلا مجھ سے آپ کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

"سنو لڑکی' تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میں تو بس ایک بھٹکا ہوا مسافر ہوں۔ مشکلات سے گزر کر اِدھر آ گیا ہوں نہ میں تمہیں جانتا ہوں اور نہ تم مجھے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ میں تو آپ کو جانتی ہوں"۔

"تھوڑی دیر کے بعد تمہیں غلط فہمی کا احساس ہو جائے گا اچھا بتاؤ میرا نام کیا ہے؟"

"شازل ہیں آپ....." اُس نے کہا اور ایک بار پھر میرے کان جھنجھنا گئے میں نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا.....

"میرا نام یہی ہے لیکن تم کون ہو؟ میں نہیں جانتا۔"

"آپ کی میزبان ہوں۔ انتظار کر رہی تھی آپ کا۔"

"نام بتاؤ اپنا"۔ میں نے محتاط ہو کر کہا.....

"سرسوتی۔" اُس نے جواب دیا.....

"سرسوتی، تم نے نام بے شک میرا ٹھیک بتایا ہے لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں تو اتفاقی طور پر ادھر آنکلا ہوں۔"

"مجھے معلوم تھا آپ اِدھر آرہے ہیں۔ بہت پہلے سے مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا۔ آپ آیئے نا! کچھ نہیں بگڑے گا آپ کا۔" کچھ لمحے میں نے سوچا حواس ساتھ نہیں دے رہے تھے لیکن بہر حال میرے قدم اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے، میں اپنی اس وقت کی کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کوئی قوت ایسی تھی جس نے مجھے اس کے پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیا تھا اور میں اُس کے نقشِ قدم پر قدم اُٹھاتا ہوا اُس عمارت کی جانب جا رہا تھا جس کا دروازہ میں نے اب دیکھا تھا۔ پھر میں عمارت میں داخل ہوا تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہاں کی ہر چیز میری توقعات سے کہیں زیادہ قیمتی تھی۔ وہ میری راہنمائی کرتی ہوئی مختلف کمروں اور راہداریوں سے گزار کر آخر کار ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئی جو غالباً کھانے کے لئے مخصوص تھا۔ میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کمرے میں پڑی لمبی میز پر نگاہ ڈالی جس پر طرح طرح کے کھانے موجود تھے، پھل اور دوسرے برتن بھی سلیقے سے سجے ہوئے تھے۔

"آپ بیٹھئے۔" سرسوتی نے ایک چوکی کے نزدیک پہنچ کر مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا پھر آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا..... "بیٹھ جایئے نا۔" اور مجھے میز کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر خود میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت میری جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا سارا وجود اُس کے سحر میں جکڑا ہوا ہے۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔ "کھایئے نا۔"

اچانک ہی میں چونک پڑا۔ میں نے وحشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بیشک مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن اس بھوک کو میں ابھی کئی دنوں تک برداشت کر سکتا تھا وہ پھر بولی..... "کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔"

میں اب سنبھل گیا تھا پہلے بھی یہ منظر میرے سامنے آیا تھا اور مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ جو میرے سامنے موجود ہے وہ میرے لئے حلال نہیں ہے۔ اس بار بھی کوئی دھوکا نہیں تھا۔ وہ لڑکی ماتھے پر بندیا لگائے ہوئے تھی اور اُس کا نام "سرسوتی" تھا میں بھلا کیسے کھا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "سرسوتی، ایک بات بتاؤ۔"

"جی پوچھئے۔"

"تم ہندو ہو نا۔"

"جی میں ہندو ہوں۔"

"لیکن سرسوتی میں مسلمان ہوں۔"

"بھگوان کی سوگند ان کھانوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے آپ کا دھرم خراب ہو۔"

"اس کے باوجود سرسوتی، میں معافی چاہتا ہوں۔"

"مجھے دکھ ہو گا مہاراج....."

"میں اس کے لئے تم سے معافی مانگ چکا ہوں۔"

"تو پھر یہ پھل اور میوے تو لیجئے، یہ تو بھگوان کا روپ ہوتے ہیں اس میں انسانوں کا تو کوئی دخل نہیں ہوتا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن اس وقت میں کچھ نہیں لے سکتا سرسوتی، تم مجھے معاف کرنا، سوچو گی تو سہی کہ کتنا برا انسان ہے مگر میں کیا کروں، دیکھو نا میرے ساتھ حالات کچھ ایسے ہی ہیں کہ میں اس بد اخلاقی پر مجبور ہو چکا ہوں۔ سرسوتی، تم بہت اچھی ہو، بڑی محبت سے تم نے مجھے یہاں تک لانے کی زحمت کی ہے لیکن میں معافی چاہتا ہوں، میں تمہاری طرح ایک اچھا انسان نہیں ہوں، میری مشکل کچھ اور ہے، کیا سمجھیں.....!"

میں نے اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ دیکھی، اُس نے گردن جھکا لی تھی اور ایک لمحے کے لئے میرے دل میں ایک کشمکش سی بیدار ہو گئی تھی، کیا کہوں میں اس لڑکی سے لیکن دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔

یہ ہے کیا شے، ساری باتیں اپنی جگہ، اس عظیم الشان جگہ میں ایک تنہا اور نوجوان لڑکی، ماتھے پر لگی ہوئی بندیا، پھر یہ اتنی بڑی اور حیرت انگیز جگہ، اس کی میرے نام سے واقفیت، یہ ساری چیزیں تو اس بات کا ثبوت تھیں کہ ایک بار پھر میں نے بزم سے نکل کر رزم میں قدم رکھ دیا ہے اور یقینی طور پر یہ سارا چکر بھی اسی کمینے گج راج کا چلایا ہوا ہے۔

میں بھٹک رہا تھا، اس لڑکی کے سحر انگیز حسن نے مجھے مسحور کر دیا تھا اور اس کے انداز نے مجھے اس کے سامنے موم کر دیا تھا لیکن اچانک ہی یہ موم سخت ہو گیا۔ میں نے بڑا بروقت فیصلہ کیا تھا اگر اُس کے کہنے سے ایک پھل بھی اٹھا لیتا تو بات تو وہی ہو جاتی، کون کہہ سکتا ہے کہ اس پھل میں بھی کوئی ایسی چیز موجود ہو جسے استعمال کرنا میرے لئے

بہتر نہ ہو۔

وہ ساڑھی کے پلو سے آنکھیں پونچھنے لگی اور پھر اس نے کہا۔ "دل توڑ دیا تم نے ہمارا..... اتنے پریم سے تو کوئی زہر کھانے کے لئے بھی کہتا تو بھگوان کی سوگند ہم زہر کھا لیتے کتنے کٹھور ہو تم....."!

"تم ذرا ایک بات بتاؤ سرسوتی' تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا' کیسے پتہ چلا تمہیں کہ میں ادھر آرہا ہوں' یہ کون سی جگہ ہے اور تم یہاں تنہا کیسے ہو۔ ان سارے سوالوں کا جواب تو دو مجھے ذرا.....!"

"ان سوالوں کا جواب اس بے چاری کے پاس نہیں میرے پاس میرے ہے لڑکے' میں دوں گا تجھے ان سارے سوالوں کا جواب۔" ایک مردانہ آواز سنائی دی اور میری گردن خود بخود اُدھر گھوم گئی۔

آواز سے ہی پہچان لیا تھا اب چہرہ بھی دیکھ لیا' گج راج کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا.....اتنی ساری مشکلات سے گزرنے کے بعد یہاں پہنچا تھا اور نہ جانے کیوں دل میں یہ خیال آیا تھا کہ یہ جگہ گج راج کے قبضے میں نہیں ہے۔ گج راج نے اپنا جو نرک اور سورگ بنایا تھا' وہ ایک الگ حیثیت رکھتی تھی یہ جگہ تو ایسی لگی تھی جیسے اُس جادو نگری سے ہٹ کر ہو لیکن ایک اور بات سے میرے اس خیال کی تصدیق ہوتی تھی' وہ لڑکی سرسوتی ہندو تھی' میرے مطلب کے کسی ماحول میں ایک ہندو لڑکی کا کہیں گزر نہیں تھا۔ گج راج مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا "دیکھ بات وہی ہے تُو خود چل کر میرے پاس آیا اور تُو نے میرے ایک پجاری کو مار دیا اور اس کے بعد مجھ سے وہ شبھد کہے جو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں چاہتا تو تجھے کسی بھی لمحے مار سکتا تھا پر میں نے ایسا نہ کیا اور پھر میں نے تیرے اندر جھانکا اور جو بات سچ ہوتی ہے اُسے خلوص سے کہہ دینا ہی بڑائی ہے۔ ویسے تو میں تجھے بالکل خاطر میں نہ لاتا' پر تیرے اندر جو چھپا ہوا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تیرے پاس کوئی شکتی نہیں ہے' میں تجھے چڑیا کی طرح مروڑ کر پھینک سکتا ہوں پر تیرے اندر کی بات میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی ہے اُسے بھی سمجھنا چاہتا ہوں اور من میں یہ بات بھی آئی ہے کہ تجھے مہان شکتی دوں اور کالی نگری میں تیرا بھی ایک بڑا حصہ ہو۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میں تجھ سے تیرا دھرم نہیں چھیننا چاہتا لیکن جیسے کہ میرا دھرم ایک دکھاوا ہے' میں چاہتا ہوں کہ تیرا دھرم بھی ایک دکھاوا رہے' مرنے کے پاس پہنچ گیا تھا تُو' گرم پانی سے نہلا دیا میں نے تجھے اور اس کے بعد اُس کی دوا بھی کر دی۔ ساری باتیں اپنی جگہ پر ایک جگہ تجھے کھانے کو مل گیا۔ علاقہ سارے کا سارا میرا ہے' وہ درخت

وہ باغیچے میرے نہیں تھے اور نہ ہی وہ جھرنا میرا تھا اور نہ وہ پہلے وہاں تھا اور نہ ہی اب وہاں ہے' بس یہ شکتی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ سُن بے وقوف! جو میں کہہ رہا ہوں اُسے غور سے سن اور سمجھنے کی کوشش کر۔ دیکھ' ان لوگوں کو تُو ختم کر سکتا ہے جو میرے دشمن ہیں اور کالی نگری کو بنانے میں میرے راستے روکے ہوئے ہیں' چل تُو اور کچھ مت کر' وہ لڑکی مانگی ہے نا تُو نے' دے دوں گا' ایسی شکتی دے دوں گا جو تیرے تصور میں بھی نہ ہو' بس میرا کام کردے۔"

"ایک بات پھر بتا دوں تجھے' امیر شاہ صاحب کا نام تُو نے اپنے غلیظ منہ سے لیا تو میں بنتے ہوئے اپنی جان دے دوں گا اور تیری جان لینے کی کوشش کروں گا' سمجھ رہا ہے نا تُو....."

"ٹھیک ہے سرسوتی' میں نے تجھے گیان دیا اب میں دیکھوں گا تیرا گیان میرے کس کام آسکتا ہے۔ اسے تجھے دے کر جا رہا ہوں اور تُو جانتی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں' بتاتا رہوں گا تجھے..... سات دن دے رہا ہوں..... سات دن کے اندر اندر اسے میرا داس بنا دے اور اگر ان سات دنوں میں تجھے کامیابی نہ حاصل ہوئی تو میں تجھے بھسم کر دوں گا اور تُو جانتی ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہی کرتا ہوں' جا رہا ہوں لڑکے' پر اپنی اچھی تقدیر کو آواز دے' سمجھنے کی کوشش کر شکتی مان' شکتی مان ہی ہوتا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور گج راج واپس چلا گیا' سرسوتی سر جھکائے کھڑی ہوئی تھی' جب اُس نے سر اٹھایا تو ایک بار پھر میں نے اس کی آنکھوں میں سفید موتی جھلملاتے دیکھے۔

یہ لڑکی میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی' میں نے اُسے آواز دی۔ "سرسوتی۔"

اور وہ گردن اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی..... "آؤ ہمارے ساتھ' سنو ہم سارے کرم وہی کریں گے جو گج راج ہم سے کہہ گیا ہے' من چاہے تو مان لینا' سُن نہ مانے تو نہ ماننا....."

"سرسوتی میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں....."

"جیون بھر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے رہو گے تو کامیاب نہیں ہوگے۔ دل چاہے تو کوشش کرکے دیکھ لو' ایک سے ایک خوب صورت جگہ ملے گی تمہیں پر باہر جانے کا راستہ نہیں ملے گا۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم' میں تمہاری بات نہیں مان سکتا....."

"اور کیا کہیں' جتنا کہا ہے اُسے سچ مان لو نہ مانو تو جو من چاہے کرو' ہمیں کوئی

اعتراض نہیں ہو گا۔" وہ بولی اور میں سر کھجانے لگا لیکن بہر حال ہار تو نہیں مان سکتا تھا جب یہاں تک پہنچا ہوں اور میری مدد بھی ہوئی ہے یعنی یہ کہ شکم سیری کے لئے گج راج نے بھی کہہ دیا کہ وہ باغ اور پھل اس کی ملکیت نہیں تھے تو کیا آگے جانے کا راستہ نہیں ملے گا.....! میں نے اپنے عزم کو مضبوط کیا اور سرسوتی سے کہا.....

"لڑکی' میں جا رہا ہوں' گج راج کی طاقت بھی دیکھوں گا اور اپنے ایمان کی قوت بھی۔" سرسوتی نے کوئی جواب دیا..... میں نے آخری بار اُسے دیکھا اور وہاں سے قدم بڑھا دیئے۔ دل میں وسوسے بھی تھے' اُمید اور نا اُمیدی کا احساس بھی لیکن اس کے باوجود اپنی تقدیر کو آزمانے کا حوصلہ بھی تھا۔

میرے قدم تیزی سے آگے بڑھتے رہے' کافی دور جانے کے بعد میں نے سرسوتی کو دیکھا' وہ وہیں کھڑی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی اور مجھے اُس کا چہرہ بالکل قریب محسوس ہو رہا تھا۔ اُس کا ہر تاثر میری آنکھوں میں عیاں تھا..... لیکن بہر حال اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ گج راج کی پالی ہوئی تھی وہ۔ جادو نگری کی ایک باسی اور گج راج اس کے ذریعے کچھ بھی کر سکتا تھا چنانچہ میں نے اس کی طرف سے گردن گھمائی اور آگے بڑھنے لگا' اس سے دور اپنی تقدیر کے روشن راستوں کی طرف.....

میرا عزم مضبوط تھا۔ دل کو یقین دلا دیا تھا میں نے کہ کچھ بھی ہو وقت کے دھارے کیسے ہی کروٹ بدلیں لیکن انشاء اللہ فتح میری ہی ہو گی۔ بار بار یہ کہتے ہوئے بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ بات شروع ہوئی تھی بچپن کے اس دور سے جب اپنے ماں باپ کے زیر سایہ زندگی کی ہر خوشی حاصل تھی۔ بیچاری شعاع بھی معصوم تھی۔ میں بھی حسن و عشق کے رموز نہیں جانتا تھا۔ ہماری محبت کا آغاز بے لوث اور بے غرض ہوا تھا۔ وہاں کوئی اور تصور..... تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا..... اور ہم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے۔ پھر اس کے بعد یہ ننھی سی کونپل جوان ہوتی چلی گئی۔ مجھے بے شک زندگی کے لاتعداد مسائل میں الجھنا پڑا لیکن شعاع کا پیار میرے دل میں اسی طرح پروان چڑھتا رہا جیسے ایک ننھی سی کونپل کی آبیاری کر کے اسے مکمل درخت بنا دیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہمارے اس بے لوث اور بے غرض پیار کے خلاف عمل شروع ہو گیا۔ عمل شروع کرنے والے بہت طاقتور تھے اور میں ایک کمزور ہستی۔ جو اس دنیا میں اپنا مقام کھو بیٹھا تھا۔ انسان کچھ بھی ہو جائے اگر جینے کا خواہشمند ہوتا ہے تو زندگی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرتا ہے۔ شاید..... میں واحد انسان تھا جس کے راستے ہی الجھ گئے تھے۔ نہ اپنے لئے کچھ کر سکتا تھا نہ معصوم شعاع کے لئے۔ حالانکہ یہ تصور جب بھی میرے ذہن میں

آتا کہ شعاع کو میری وجہ سے کن اذیتوں سے گزرنا پڑ رہا ہے تو یقین کیجئے میرا دل خون کے آنسو رونے لگتا تھا لیکن مطالبہ بھی کیا جاتا تھا مجھ سے تو کیا؟ میں اپنے دل سے شعاع کو نکال پھینکوں۔ ارے بھائی..... نہ میں اس کے راستوں کا راہی تھا..... نہ میں اس کی طرف آنے کا خواہشمند تھا۔ نہ اسے پانے کا طلبگار تھا۔ میں تو محبت کے تصور کو' محبت کے اس خیال کو یزداں بنائے ہوئے تھا۔ وہ میرے یزداں کو مجھ سے چھیننا چاہتے تھے۔ کیسی انوکھی بات ہے.....؟ غالباً یہی وجہ تھی کہ میرے مددگار بھی میری بات سے متفق تھے۔ بہر حال..... یہ جانتا تھا کہ گج راج کے راستے پر چل کر مجھے دلی سکون بھی حاصل ہو رہا ہے اور کچھ نہیں تو کم از کم زندگی ایک طلسمی خیال میں الجھ گئی اور میں دوسروں سے بالکل مختلف ہو گیا ہوں۔ سرسوتی سے کہہ تو آیا تھا کہ گج راج کو مجھے قید رکھنے میں ناکامی ہو گی لیکن اس طلسم محل میں چلتا جا رہا تھا راستے نہیں پا رہا تھا اور مجھے یہ احساس تھا کہ میں واقعی اس ماحول میں بھٹک رہا ہوں۔ گج راج..... بہر حال ایک کالے علم کا ماہر تھا اور اس پر اتنی آسانی سے قابو پا لینا ممکن نہیں تھا۔ جب تک چل سکتا تھا چلتا رہا۔ جب شدید تھکن ہو گئی تو ایک درخت کے نیچے آ بیٹھا۔ ماحول اتنا ہی حسین تھا کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی تھی جہاں سے کہیں اور نکل جاؤں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بس ایک محور میں گردش کر رہا ہوں اور تھکن یہ احساس دلا رہی تھی کہ اس سے زیادہ نہیں چل سکتا۔ چلا..... تو کوئی فائدہ نہیں ہو گیا۔ تھکن کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ "شی..... شی" کی آواز سنائی اور میری نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں۔ تاحدِ نظر کوئی نہیں تھا پھر بھی میں نے آواز دی۔

"کون ہے.....؟ اگر کوئی ہے تو میرے سامنے آؤ۔"

"پلٹ..... پلٹ کر دیکھ۔" آواز ابھری اور میں پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن عقب میں بھی کوئی نہیں تھا۔ البتہ فوراً ہی "شی..... شی" کی آواز دوبارہ سنائی دی تھی۔ تب میری نگاہیں درخت کے اس تنے پر پڑی تھیں جو میری پشت پر موجود تھا۔ درخت کے ایک حصے میں انسانی نقوش ابھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں..... ناک..... ہونٹ بس یہی تین چیزیں تھیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔ نقوش روشن تھے اور کچھ لمحوں ہی میں' میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ غلام سمبان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ بہت عرصے کے بعد میں نے غلام سمبان کو دیکھا تھا کچھ بھی تھا وہ میرا شناسا تھا اور یہاں اس کا نظر آ جانا اس بات کا مظہر تھا کہ طاقت بہر حال اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ سمبان کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی لیکن سمبان کے چہرے کے نقوش جوں

کے توں رہے۔ وہ چند لمحات مجھے گھورتا رہا پھر اس نے مجھے کہا۔

"اچھے اچھے دیوانے ہوش میں آ جاتے ہیں لیکن تجھ جیسا پاگل بھی نہیں دیکھا۔ مشکلوں پر مشکلیں اٹھائے جاتا ہے۔ ہوش میں نہیں آیا۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

"سمبان..... اور کچھ نہ سہی تو کم از کم میری اس صفت کی تعریف کر کہ راہِ کشت میں ثابت قدم ہوں۔ ایک چھوٹی سی بات میں زندگی ہے اور اسی میں موت..... میں موت سے فٹ بال کی طرح کھیل رہا ہوں۔ تم کیسے ہو.....؟ کیا انسانی ہمدردی ذرا بھی نہیں ہے تمہارے دل میں.....؟ میں زندگی تو نہیں مانگتا مجھے موت کیوں نہیں دے دیتے.....؟

"پاگل..... اپنی آنکھوں کا علاج کر۔ ہم تیری مدد کر سکتے ہیں۔ ہر طرح سے مدد کر سکتے ہیں۔ ایسے ایسے لوگ بیچ میں لے آیا ہے تو جن کی وجہ سے آقا ناظم ارسلان اور پریشان ہو گیا ہے۔"

"مثلاً کون.....؟"

"ارے یہی..... کمال علی صاحب۔ امیر شاہ صاحب وہ جو کچھ کر رہے ہیں اچھا نہیں کر رہے ہیں۔ دوستی ایسی نہیں ہوتی کمال علی صاحب..... ناظم ارسلان کے استاد تھے۔ ناظم ارسلان نے ہمیشہ استاد کے حکم پر سر جھکایا۔ بڑے گہرے تعلقات تھے کمال علی صاحب سے۔ مگر بلاوجہ یہ بیچ میں آ کودے اور اس کے بعد یہ امیر شاہ صاحب..... جانتا ہے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"بتا دو تو مہربانی ہو گی۔"

"درویش بنانے پر تلے ہوئے ہیں تجھے۔ تیرے پاس سرمایہ جمع کر رہے ہیں۔ تیری وکالت کرنا چاہتے ہیں۔ تجھے اس مقام پر لا کر کھڑا کرنا چاہتے ہیں جہاں تو ایک دن ناظم ارسلان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہے کہ تو باکمال ہے۔ بڑے علم والا ہے۔ اس قابل ہے کہ ناظم ارسلان کی قربت حاصل کر لے۔ دیکھ..... سب کچھ ہے مگر تو انسان ہے اور وہ آتش زادی۔"

"ایک بات بتاؤ سمبان!"

"ہاں پوچھو۔"

"کیا تمہارے علم میں ایسے بہت سے واقعات نہیں ہیں کہ ایک جن زادہ ایک انسان زادی پر عاشق ہوا اور اس نے اس انسان زادی کے حصول کے لئے انسان زادی

ہی کی نہیں بلکہ اس کے سارے خاندان کی زندگی برباد کر دی۔ یہاں تک کہ وہ اسے موت کی آغوش تک لے گیا۔ ایسا ایک واقعہ نہیں ایک ہزار واقعات ہیں۔ تو اگر..... ایک انسان' ایک جن زادی کا احترام کرنے لگتا ہے۔ میں نے احترام کا لفظ خاص طور سے کہا ہے..... ہمیشہ ہی کہتا رہا ہوں کہ شعاع کو پانے کی آرزو نہیں ہے میرے دل میں۔ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو ایک ذرّے کی مانند سمجھتا ہوں لیکن عشق کا پودا تو شاید جنت کی میراث ہے۔ جنت کا پودا اگر دل میں اُگ آیا ہے تو تم اسے اکھاڑ کر گناہ کیوں کما رہے ہو؟ کیوں ایک معصوم لڑکی کو اذیتوں کا شکار کر رکھا ہے تم نے.....؟ ذرا سوال تو کرو اپنے آقا سے۔ پوچھو تو سہی ناظم ارسلان سے' وہ جو چاہے..... اپنی مملکت میں کرے۔ ارے..... میں کیا اور میری اوقات کیا۔ میں تو اس جگہ کی خاک کو بھی نہیں پا سکتا جہاں وہ رہتے ہیں۔ کیا کروں گا میں.....؟ کیا بگاڑ لوں گا میں ناظم ارسلان کا.....؟ میں اپنی دنیا میں رہتا ہوں۔ جیسی بھی گزر رہی ہے گزار رہا ہوں۔ میں نے تو ناظم ارسلان کے راستے میں آنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔"

"ایک چھوٹا سا کام کر دے بے وقوف..... ایک چھوٹا سا کام کر دے۔ کسی بہت ہی حسین لڑکی سے شادی کر لے۔ کسی سے اظہارِ محبت کر لے۔ اس کا دل توڑ دے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"دیکھو! میں نہیں جانتا تمہارا نظریۂ فکر کیا ہے.....؟ لیکن میرے دین..... میرے مذہب میں دل اللہ کا گھر ہے۔ بغیر کسی شک و شبے کے ایک مسلمان کبھی اللہ کے گھر کا ایک پتھر بھی ضائع کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بھول جاؤ اس بات کو کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔"

"ہم تیری مدد کر سکتے ہیں پاگل..... ہر طرح سے تیری مدد کر سکتے ہیں۔"

"تمہارے چہرے کے نقوش بے شک ایک درخت میں کھدے ہیں لیکن تمہاری جھک جانے والی آنکھیں بتاتی ہیں غلام سمبان کہ میری باتوں سے تم بھی اتفاق کرتے ہو لیکن ضد کر رہے ہو۔ میں ثابت قدم ہوں اور جب..... میں ثابت قدم ہوں تو مجھے بہکانے کی ہر کوشش ناکام ہو گی۔ ارے کتنی ترکیبیں بتاؤں تمہیں۔ ایک مرتبہ..... صرف ایک مرتبہ شعاع سے یہ بات کہلوا دو کہ میں اسے بھول جاؤں۔ ایک بار یہ بات کہلوا دو کہ میں اس کا خیال ترک کر دوں۔ کسی اور سے منسلک ہو جاؤں۔ یقین کرو..... کبھی انکار نہیں کروں گا۔ کچھ نہیں کہوں گا میں۔ اس کی بات مان لوں گا لیکن اگر وہ ثابت قدم ہے اور میرے لئے سارے دکھ اٹھا رہی ہے۔ تو تم کیا سمجھتے ہو کہ میں

اس کی اس قربانی کو ضائع کر دوں گا؟ کمال علی..... ناظم ارسلان کے استاد ہیں۔ امیر شاہ صاحب بھی بہت بڑی ہستی ہیں۔ وہ مجھ سے جو کچھ کرا رہے ہیں وہ میں بے دھڑک کر رہا ہوں۔ مجھے پروا نہیں ہے کہ میرا کیا ہو گا..... کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جگہ جگہ میری مدد کرتے ہو۔ بے وقوف نہیں ہوں میں..... جانتا ہوں کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو..... تم یہ نہیں چاہتے کہ مجھے کوئی نقصان پہنچے اور شعاع اپنے آپ کو نقصان پہنچا لے۔ ذرا غور تو کرو سمبان..... کتنی بڑی پشت پناہی ہے میری۔ میری شعاع میرے لئے تم سب سے لڑ رہی ہے۔ اذیتیں اٹھا رہی ہے اور میں صرف اپنی جان بچانے کے لئے تم لوگوں کے جال میں گرفتار ہو جاؤں' لعنت ہے مجھ پر..... اگر میں ایسا سوچوں بھی تو میرے دوست' میں بہت کمزور ہستی ہوں۔ اپنے آپ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ ختم کر دو مجھے۔"

"یہی تو کر نہیں سکتے ہیں ہم..... تُو نے ایک ایسی دنیا میں ہلچل مچا دی ہے۔ جہاں تمہارے جیسے مٹی کے انسانوں جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ نہ ہم تمہاری طرح ہتھیار بناتے ہیں..... نہ آپس میں لڑتے ہیں۔ نہ تمہاری طرح ہوس کے مارے ہوئے ہیں' ہمیں سب کچھ حاصل ہے ہمارے سکون اور ہماری اس قناعت پسندی سے۔ نہ ہمیں نام و نمود کی خواہش ہے..... نہ ہم ایک دوسرے کی زندگیاں ختم کرنے کے بارے میں منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں۔ تم مٹی کی تخلیق..... اس کے علاوہ اور کیا کرتے ہو.....؟ اور اب تم نے ہم پر ایک برا وقت نازل کر دیا ہے۔ نتیجہ برا ہی ہو گا..... اس کا نتیجہ برا ہی ہو گا۔ کہہ دیا ہے ہم نے۔"

"میرے لئے برا ہو گا یا میرے اطراف میں پھیلے ہوئے لوگوں کے لئے.....؟"

"فضول باتیں کرنے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے خیر..... میں آتا رہوں گا تمہیں سمجھاتا رہوں گا۔ تمہاری زندگی آخر کار ختم ہو جائے گی۔ تبھی ہمیں تم سے نجات مل سکتی ہے۔"

"بہت بڑا مقام دے رہے ہو تم مجھے غلام سمبان..... تم تو میری عظمت کا اعتراف کر رہے ہو۔ ہاں..... واقعی زندگی ختم ہونے سے پہلے شاید تمہیں اس معاملے میں کامیابی حاصل نہ ہو۔ ویسے ایک بات کہوں تم سے..... تم آتش زادے ہو۔ یہ کہہ چکے ہو کہ ہم جب سازشوں کے انبار لگاتے ہیں تو بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ یہ سوچ لو کہ اگر ہم انسانی چالبازیوں پر آ جائیں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں ایک سادہ لوح انسان ہوں لیکن جو کالے جادو کا ماہر ہے نا..... اگر میں دھوکا دینے پر آ جاؤں اسے..... تو

تم یہ سمجھ لو کہ یہ بہت پیچھے رہ جائے گا۔ امیر شاہ صاحب نے میرے لئے جو مقام حاصل کرنا چاہا ہے اس کے لئے میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اتنی عمر دے کہ وہ جی..... جی کر تھک جائیں۔ بہت بڑا کام کیا ہے انہوں نے میرے لئے..... اور کمال علی صاحب..... حقیقت یہ ہے کہ وہ باکمال تھے مگر..... انسان کی کمزور آنکھ بزرگوں کی گہرائیوں میں نہیں جا سکتی۔ ارے مجھے تو لطف آ رہا ہے ان لوگوں کے لئے کوئی کام کرتے ہوئے۔ میری تو خوشی کی انتہا نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد میرے دل میں کوئی طلب نہیں ہے۔ میں تو عمل برائے عمل کر رہا ہوں۔ اس عمل کے لئے میرے اندر کوئی گہرائی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ ان کی ہدایت کی تعمیل کر رہا ہوں۔ اب یہاں اس حصار میں مجھے قید کر دیا گیا ہے۔ اگر تم کہو تو میں تمہیں اس حصار سے باہر نکل کر دکھا دوں۔ یہ بتاؤں کہ ایک انسان کیا کیا چالبازیاں کر سکتا ہے.....؟ وہ تو میری فطرت نہیں ہے اور میں اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں استعمال کرنا چاہتا جو میرے ایمان کی راہ میں رکاوٹ بنے لیکن یہاں سے نکلنا مشکل نہیں ہے میرے لئے....."

"بھول ہے تیری..... وہ شیطان زادہ جس کا نام گج راج ہے۔ تجھے یہاں سے کبھی نہیں جانے دے گا۔"

"بھول جاؤ..... بھول جاؤ سمبان' ان باتوں کو دیکھو تم ہمیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو تم یہ کہتے ہو کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن..... ایسی بات نہیں ہے۔ انسان اگر اپنی فطرت پر آ جائے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔"

"ہم کیا جانیں.....؟ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو کر کے دکھا' ہم بھی تو دیکھیں ذرا....."

"ٹھیک ہے..... میری ہر برائی کے ذمہ دار اب تم ہو گے غلام سمبان..... منہ سے اگر کچھ غلط نکل جائے تو اس کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہو گی کیونکہ تم نے بہرحال ایک انسانی ذہن کو آزاد کر دیا ہے اپنے اقدامات کے لئے' آؤ! دیکھو..... لوگ وظیفے کر کے جنوں کو قابو کرتے ہیں۔ اگر جنوں کی کوئی آبادی وظیفے کر کے انسان کو قبضے میں کر لے تو پھر اس انسان کی شان دیکھنا کیا ہوتی ہے ٹھیک ہے! مان لی میں نے تمہاری بات غلام سمبان! صرف یہ کہ میں تمہیں یہاں سے نکل کر دکھا دوں گا۔ گج راج کو شکست دے کر دکھاؤں گا لیکن یہ مطالبہ نہیں کروں گا کہ مجھے اس کا کوئی صلہ دینا کوئی جواب دینا ویسے بھی تم تو بے بس قاصد ہو اس کے سوا اور کچھ نہیں۔"

سمبان نے ایک بار مجھے گھور کر دیکھا پھر آہستہ آہستہ درخت کے تنے میں اس

کے نقوش مدہم پڑنے لگے اور کچھ دیر کے بعد درخت کا تنا سادہ ہو گیا لیکن اب میرے لئے سوچوں کے انبار تھے غلام سمبان سے جو کچھ کہا تھا اس پر عمل کرنا تھا۔ ورنہ پھر بات ہی کیا جہاں تک معاملہ رہا شمائلہ اور حسن کا تو میں اس طلسم میں ان کے ساتھ تھا۔ بے شک شمائلہ کی آزادی..... حسن کی مدد میری زندگی کا اہم مقصد تھی لیکن اب تھوڑا سا راستہ بدل گیا تھا اگر اسی دوران ایسا بھی ہو جائے جیسا میں چاہ رہا ہوں تو اسے میری خوش بختی ہی سمجھا جائے۔ اپنے دل میں ایک عزم تازہ کر کے میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا میں نے دور تک، نگاہیں دوڑائیں۔ وہی جانے پہچانے راستے تھے۔ بالکل بھی فاصلے طے نہیں کر پایا تھا۔ میں تھوڑا سا فاصلہ طے کرتا تو سرسوتی کے پاس پہنچ جاتا چنانچہ میں نے اس جانب قدم بڑھا دیئے اور پھر ایک بارہ دری میں مجھے سرسوتی نظر آ گئی۔ اس قدر بے مثال حسن کی مالک تھی وہ کہ انسان اسے دیکھ کر سب کچھ بھول جائے لیکن میں کچھ بھولا نہیں تھا آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ خاموش اپنی جگہ کھڑی رہی اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اس کے قریب پہنچ کر میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں یہاں سے باہر نہیں نکل سکا سرسوتی۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی حسین آنکھوں میں اب بھی موتی جھلملا رہے تھے جنہیں اس نے فوراً اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"سرسوتی..... شاید میں ہار گیا ہوں۔" وہ پھر کچھ نہ بولی تو میں نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھو سرسوتی..... میں دو تین بار تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ چکا ہوں کیا تم مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی.....؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولی۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میری زبان پر تالے لگے ہوئے ہیں۔"

"کس نے لگائے ہیں یہ تالے؟" میں نے سوال کیا۔

وہ پھر آہستہ سے بولی۔ "پوچھو گے مجھ سے خود کچھ نہیں سمجھتے۔"

"نہیں سمجھتا ہوں' ویسے سرسوتی..... میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ میں یہاں سے کیسے نکل سکتا ہوں؟ لیکن اتنا تو بتا سکتی ہو مجھے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔ "تم مجھے بے ایمان کر دو گے۔" عجیب سا انداز تھا اس کا۔ ایسا انداز کہ دل کی آخری حدوں کو چھو جائے۔

"سمجھا نہیں.....؟"

"بس..... میرا من چاہتا ہے کہ تمہاری ہر مشکل آسان کر دوں لیکن پتا نہیں کیا ہو گا..... اگر انہیں..... گج راج مہاراج کو ان باتوں کا علم ہو جائے تو میں نہیں جانتی کہ میرا کیا ہو گا.....؟"

"گج راج کیا تم پر مکمل اعتبار کرتا ہے.....؟"

"بھگوان کی سوگند! میں یہ بھی نہیں جانتی میں بار بار بھگوان کا نام لیتی ہوں۔ اس لئے کہ بھگوان میرے دل میں زندہ ہے حالانکہ وہ بھگوان کو نہیں مانتا وہ جانتا ہے کہ اس سے بہت دور ہو چکا ہے۔ وہ بہت چالاک ہے بڑا گیان ہے اس کے پاس۔ بڑی شکتیوں کا مالک ہے۔ وہ تمہارے ساتھ برا سلوک بھی کر سکتا ہے لیکن پتا نہیں..... وہ مورکھ تم سے دبا ہوا کیوں ہے.....؟" اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل تو گئے تھے لیکن پھر وہ شدتِ خوف سے کانپنے لگی اور رونی آواز میں بولی۔

"ہائے رام..... یہ میں نے کیا اپنے منہ سے کہہ دیا.....؟ اگر اسے پتہ چل گیا تو....." سرسوتی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی پھر بولی۔

"اور میں تو دونوں طرف سے ماری جا رہی ہوں ایک طرف وہ میرے ذریعے تمہیں اپنے مطلب پر لانا چاہتا ہے اور دوسری طرف میرا من تمہاری طرف کھنچ رہا ہے' میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری ہر مشکل اپنے اوپر لے لوں۔ مر جاؤں تمہارے لئے ٹھیک ہے..... اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی یہاں سے نکال بھی نہیں سکتی تمہیں..... پر..... تم صرف ایک بات سمجھ لو کہ اب میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔"

"سرسوتی تم کون ہو.....؟"

"بھگوان کی سوگند..... میں بھی مشکلوں کا شکار ہوں اس کے جال میں پھنسی ہوئی ہوں کچھ بھی ہو جائے مگر اب میں اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتی۔"

"کہیں اور سے آئی ہو تم.....؟"

"ہاں..... ایک بستی تھی میری..... ایک گاؤں تھا میرا وہاں رہتی تھی میں۔"

"پھر؟" میں نے سوال کیا اور سرسوتی کے چہرے پر غم کے آثار گہرے ہو گئے اس نے ایک سسکی سی لے کر کہا۔ "ماتا پتا نے مجھے بھینٹ چڑھا دیا۔"

"تمہارے اپنے ماتا پتا نے؟"

"ہاں..... پاگل پن میں انہوں نے اپنی بیٹی کا بلیدان دے دیا۔"

"مجھے تفصیل سے بتاؤ سرسوتی۔"

"کوئی تفصیل نہیں ہے..... سنسار کی برائیوں کا شکار ہو گئی میں۔ بس یوں سمجھ لو کہ بہنوں پر بہنیں ہوتی رہی تھیں میرے گھر۔ میرے پتا کو بیٹے کا بڑا ارمان تھا ہر بار ہمارے ہاں جب ایک بہن پیدا ہو جاتی تو انہیں بڑا دکھ ہوتا۔ سادھو سنتوں کے پاس جا کر منتیں مرادیں مانگتے پھرتے تھے اور پھر وہ اس مندر میں بھی آئے لیکن اس مندر کا دھرم ہی بگڑا ہوا تھا۔ انہوں نے یہاں منت مانگی تو گج راج نے کہا کہ اگر وہ اپنی بیٹی مندر کو دان کر دیں تو ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے گا اور میں ان کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ بھگوان نے انہیں بیٹا دے دیا اور میری کم بختی آ گئی اور انہوں نے مجھے مندر کے حوالے کر دیا۔ اس وقت میری عمر تیرہ سال کی تھی..... تیرہ سال کی بچی کو انہوں نے گھر سے جدا کر دیا۔ میں مندر ہی میں جوان ہوتی چلی گئی اور مجھے احساس تھا کہ مندر کا ماحول اچھا نہیں ہے۔ ماتا پتا مجھے بھول ہی گئے تھے اور پھر سترہ سال کی عمر تھی میری جب مجھے گجراج کے سامنے جانا پڑا۔ گجراج بہت برا تھا..... بہت ہی برا۔ اس نے مجھے اپنی داسی بنا لیا۔ ماتا پتا نے تو چھوڑ ہی دیا تھا۔ سنسار میں کوئی تھا نہیں میرا۔ گجراج مجھے اپنے اشاروں پر نچانے لگا اور اس وقت سے اب تک میں اسی کے پاس ہوں داسی ہوں اس کی۔ جیون کے کچے دھاگے کے ساتھ بندھی ہوئی ہوں اور انتظار کر رہی ہوں کہ یہ دھاگے کب ٹوٹتے ہیں۔"

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا بڑی غم ناک کہانی تھی اس کی۔ بہت دکھ ہوا تھا مجھے اس کی یہ کہانی سن کر میں نے کہا۔ "ایک بات بتاؤ سرسوتی!"

"ہاں..... پوچھو۔"

"کیا شمائلہ نامی کسی لڑکی کو جانتی ہو۔"

"شمائلہ..... مسلمان ہے۔"

"ہاں۔"

"یہ نام میں نے پہلے کبھی نہیں سنا کون ہے یہ.....؟"

"میری بہن ہے۔"

"تمہاری بہن۔"

"ہاں۔"

"ہوا کیا اسے؟ کہاں ہے وہ.....؟"

"اس کمبخت گج راج نے اسے بھی اپنے جال میں پھانس رکھا ہے۔ اصل میں وہ

میرے ایک بہت گہرے دوست کی بہن ہے۔ میں اس کی تلاش میں اس کے پاس آیا تھا اس نے مجھے اپنے جال میں پھنسا لیا۔"

سرسوتی نے ایک گہری سانس لی پھر بولی۔ "ایک وہی کیا' پتا نہیں کون کون اس شیطان کے جال میں پھنس گیا ہے۔" میں نے حیرت سے سرسوتی کو دیکھا۔ وہ گجراج سے بالکل ہی باغی ہو گئی تھی۔ بہرحال..... میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے یہ معصوم لڑکی گجراج کے ظلم کا شکار ہو۔ گجراج جیسا شیطان نہ جانے کیا کیا کچھ کر سکتا تھا؟ مجھے تو ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم تھا۔ میں نے سرسوتی سے کہا۔

"بہرحال..... سرسوتی میں اپنا کام تو کر ہی رہا ہوں۔ اندازہ ہو گیا ہے مجھے کہ میں گجراج کے جال سے نہیں نکل سکتا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔ اب یہ بتاؤ کیا کروں.....؟"

"دیکھو شازل! سمے کا انتظار کر لو ہو سکتا ہے سمے تمہاری مدد کر سکے۔"

"اب کیا کروں اس وقت.....؟"

"کچھ دیر آرام کر لو۔" اس نے کہا اور میں نے اس سے اتفاق کر لیا۔ اس نے مجھے سونے کے لئے ایک جگہ بتا دی تھی۔ جو جگہ اس نے بتائی تھی وہاں لیٹ کر میں نے ماضی کی طرف نظر دوڑائی اور پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ سمبان سے جو کچھ کہا ہے میں نے اس کا آغاز مناسب طریقے سے ہو گیا ہے اب آگے آنے والے وقت کا انتظار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ دوسرے دن جاگا تو سورج کافی بلند ہو چکا تھا باہر مکمل سناٹا اور مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی میں باہر نکل آیا اور اس حسین ماحول میں گھومنے لگا۔ سرسوتی کہیں نظر نہیں آئی تھی دل چاہا کہ اسے آواز دوں مگر پھر سوچا کہ کیا فائدہ؟ یہاں ایک اور مصیبت بن رہی ہے سرسوتی کے دل میں میرے لئے محبت کا پودا اگ آیا ہے کہیں یوں نہ ہو کہ ایک اور محبت ایک اور زندگی کو ضائع کر دے۔ بہرحال میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ نہ جانے کیوں بدن پر کچھ تھکن سی طاری تھی رات کی نیند نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا تھا ذہن بھی کچھ الجھا الجھا سا تھا یہ طلسم کدہ بہت وسیع تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد مجھے ایک چھوٹا سا تالاب نظر آیا۔ جو اس عمارت کے صحن کے عقبی حصے میں تھا۔ تالاب بہت خوبصورت سنگِ مرمر سے بنا ہوا تھا اور اس کا پانی بالکل شفاف تھا۔ چند لمحے میں سوچتا رہا پھر میں نے سوچا کہ اب جب اس نفرت کدے میں موجود ہی ہوں اور یہیں زندگی کے یہ لمحات گزر رہے ہیں تو پھر دیکھوں تو سہی کہ یہاں کی چیزوں کے استعمال سے جسم پر کیا اثرات ہوتے ہیں.....؟ اچھا ہو گا یا برا ہو گا دل اس بات پر آمادہ نہیں تھا کہ

گجراج کے ساتھ تعاون کروں۔ چنانچہ میں لباس اتار کر تالاب میں اتر گیا اور دیر تک رہا نہانے سے بدن کی کسل دور ہو گئی تھی اور طبیعت پر جو بوجھ سا تھا وہ بھی صاف تھا باہر نکل کر لباس پہنا اور ٹہلنے کے انداز میں چلنے لگا۔ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ نظر آگئی اس نے ایک خوب صورت لباس پہنا ہوا تھا رات کی روشنی میں جس قدر خوبصورت نظر آرہی تھی دن میں اس سے بھی کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ مجھے کر وہ مسکرا دی اور آہستہ سے چلتی ہوئی میرے پاس آگئی۔

"نہائے ہیں؟"

"ہاں..... کہاں تھیں تم؟"

"بس..... یہیں میں بھلا کہاں ہوتی؟"

"اتنی بڑی جگہ میں یہاں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے؟"

"ہاں..... میں یہاں تنہا ہی رہتی ہوں۔"

"تمہارا دل نہیں گھبراتا کیا.....؟" میں نے سوال کیا وہ چند لمحے خاموش رہی بولی۔

"آیئے..... ناشتہ کر لیجئے۔" میں مسکرا دیا پھر میں نے کہا۔

"سرسوتی..... میں ناشتہ نہیں کرتا۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولی

"ایک بات کہوں شازل جی۔"

"ہاں کہو۔"

"میرے منہ سے جو باتیں نکل گئی ہیں میں نہیں جانتی کہ ان کا نتیجہ کیا ہو گا..... لیکن اب جو ہونا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ پر بھروسہ کریں جیسے ہے آپ کو بھی۔ کھائے پیئے بغیر کیسے جی سکتے ہیں.....؟ ایک کام کر لیجئے پھل کھا پھل برے نہیں ہوتے۔"

"اگر بھوک لگی تو میں ضرور ایسا کروں گا۔ تم ایک بات بتاؤ اس دوران کیا گجر سے تمہاری ملاقات ہوئی؟"

"نہیں..... ہم اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کب ہے.....؟ وہ تو ایک بھٹکتی ہوئی آتما ہے شریر کیسا بھی اپنا لے۔ ہم کبھی یہ نہیں سکتے کہ فضاؤں میں اڑنے والی چڑیا کون ہے.....؟ بہرحال یہ ہے ساری بات ایک بات کہوں۔"

"کیا؟"

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم اب کچھ تھکتے جا رہے ہو۔" میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"پتا نہیں..... میں تھک رہا ہوں یا نہیں بہرحال یہاں زندگی تو گزارنی ہی ہے کیا کر سکتا ہوں؟" پھر دوپہر کے بعد جب میں ایک کمرے میں داخل ہوا اور لمحوں میں داخل ہوا جب سرسوتی میرے پاس نہیں تھی تو میں نے گجراج کو ایک پر بیٹھے ہوئے پایا۔ بڑی شان سے بیٹھا ہوا تھا اور مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ..... آؤ..... بہت کچھ کرتے رہے ہو..... بہت کچھ کرتے رہے ہو لیکن یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا تمہیں دیکھو! میں تمہیں ایک بات بتاؤں' ساری باتیں اپنی جگہ امیر شاہ نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے لیکن یہ اندازہ تو تمہیں ہو گیا کہ تم وہ نہیں کر سکے جس کے لئے تمہیں یہاں بھیجا گیا۔ اب بھی اگر تم میری بات نہ مانو تو یہ سمجھ لو کہ تم سے زیادہ بیوقوف اور کوئی نہیں ہو گا۔"

"دیکھو گجراج..... میں تمہیں ایک بات بتاؤں جو ایمان میرے دل میں موجود ہے وہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ اس آسانی سے ختم ہو جائے۔ مجھے بہرحال اس میں کچھ وقت لگے گا میں کشمکش میں مبتلا ہوں کہ کیا کروں..... کیا نہ کروں.....؟"

"میں تمہارے ساتھ بڑی رعایت برت رہا ہوں ورنہ بہت سے کام کر سکتا ہوں۔ چلو مجھے ایک بات ہی بتا دو کہ تمہارے اندر وہ کون سی شکتی ہے جو میری سمجھ میں بھی نہیں آرہی۔"

"اگر میں اس کے بارے میں جانتا تو ضرور بتا دیتا لیکن تم سے میں ایک بات کہتا ہوں گجراج! میرے بارے میں جو فیصلہ کرنا چاہتے ہو وہ کیوں نہیں کر ڈالتے؟ تم میرے سلسلے میں اتنی رعایت کیوں برت رہے ہو.....؟ کیا چاہتے مجھ سے.....؟"

"تم اس کی فکر مت کرو یہ سب تمہیں معلوم ہو جائے گا لیکن اس راز تک پہنچنے کے لئے تمہیں بڑی بڑی آزمائشوں تک پہنچنا ہو گا تمہیں ایک نہ ایک دن اپنا دھرم بدلنا ہو گا۔"

"یہ بات کہو گے تو میں تم پر لعنت کے سوا کچھ اور نہیں بھیج سکتا کسی مصلحت کے تحت ہی سہی' کسی مجبوری کے تحت بھی سہی میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

"بڑے نادان ہو تم۔ دیکھو ہٹ دھرمی چھوڑ دو اب اس کا وقت نہیں ہے۔ کیا رکھا ہے دین دھرم میں.....؟ کیا ملے گا تمہیں اس سے.....؟ کچھ نہیں ملے گا تمہیں

اس سے۔ بہرحال میں تمہیں ایک بات بتادوں کہ میری مرضی کے بغیر تم ایک قدم
نہیں اٹھا سکو گے میرے بہت سے بیر تمہارے آگے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"مجھے مرنے سے کوئی خوف نہیں ہے گجراج..... تم جب چاہو مجھے ختم کر
ہو۔"

"نہیں..... میں تمہیں ختم نہیں کرنا چاہتا تمہیں بس ایک بات بتانا چاہتا
ایک دفعہ میرے ساتھ چل کر دیکھو اگر تمہیں سنسار کا مزا نہ آجائے تو میری بات
ماننا۔ چلو ٹھیک ہے میں تم سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم فوراً ہی اپنا دھرم بدل لو لیکن ایک
بار دیکھ لو میں جو تمہیں مجبور کر رہا ہوں اس کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ میں اپنی ذات
کے لئے نہیں کر رہا بلکہ میرے تار بھی کہیں اور سے ملتے ہیں۔ جب تم یہ شکتی حاصل
لو گے تو اس سنسار کی بہت سی باتیں تمہارے علم میں آجائیں گی۔ تم بڑے بااختیار
گے..... جس کو ایک نگاہ دیکھ لو گے وہ تمہاری جانب کھنچا چلا آئے گا۔ میں تمہیں
بھی ایک چیز دینا چاہتا ہوں۔ سرسوتی..... تمہارے حوالے کی جا سکتی ہے یہ تمہاری
داسی بن کر جیون گزارے گی۔ بولو..... اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اب یہ تمہاری
سرسوتی..... او سرسوتی..... ادھر آ۔"

پتا نہیں سرسوتی کہاں تھی..... لیکن کچھ لمحوں کے بعد وہ ہمارے سامنے
گئی۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے شازل کو دے دوں بول کیا تُو اس کے ساتھ جیو
بتائے گی.....؟" سرسوتی نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اس کی آنکھوں میں ایک ایسی
تھی..... ایک ایسی آرزو تھی..... ایک ایسا ارمان تھا..... ایک ایسا احساس تھا
میرے دل میں لاوا سا پگھلنے لگا میں نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے..... گجراج..... سرسوتی کو تم میرے حوالے کر دو۔" میں
سرسوتی کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر پھول ہی پھول کھل گئے تھے۔ گجراج کے ہونٹ
پر بھی مسکراہٹ آگئی تھی اس نے کہا۔ "چلو ٹھیک ہے..... کم از کم تم نے میری
بھینٹ تو سویکار کی۔ بہرحال یہ بہت اچھی لڑکی ہے تمہیں خوش رکھنے کی پوری
کوشش کرے گی اور اس کے بعد جب تمہارا ذہن میری طرف راغب ہو جائے اور
محسوس کرنے لگو کہ گجراج تمہارا دشمن نہیں دوست ہے تو میں پھر تمہارے پاس آؤں
اور تمہیں آگے کا راستہ دکھاؤں گا۔ یہ راستے کڑے ضرور ہوتے ہیں لیکن اس
تمہارے من میں شانتی پیدا ہو گی اور تم وہ ہو جاؤ گے جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔

نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا میرے چہرے پر بے بسی کے آثار پیدا ہو گئے وہ میرے چہرے
پر پھیلی ہوئی بے بسی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے کہا۔

"شازل! اس دھرتی پر سب سے حسین چیز کا نام جیون ہے اس حسین چیز کو تم نے
اگر رو رو کر بتا دیا تو یہ صرف تمہاری بھول ہو گی تمہاری تقدیر کی بھول نہیں ہو گی۔ اپنی
تقدیر اپنے ہاتھوں سے لکھی جاتی ہے اور سنسار میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں
اپنے ہاتھوں سے اپنی تقدیر لکھنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اپنی تقدیر لکھ لیتے ہیں۔ اگر تم دین
دھرم کی بات کرتے ہو مجھے بتاؤ کہ ایک چور دوسرے کو نقصان پہنچا کر اپنا کام کرتا ہے۔
اس کو کس کا دین دھرم کہا جاتا ہے۔ سارے سنسار کے دین دھرم تو یہ بتاتے ہیں کہ تم
کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس سنسار میں
کتنے لوگ ایسے ہیں جو کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر اپنے من کی شانتی حاصل کر سکتے ہیں۔
میں یہ نہیں کہوں گا کہ ایسے لوگ ہیں ہی نہیں سنسار میں جنہوں نے اپنے دھرم کو نقصان
پہنچائے بغیر جیون بتایا ہے لیکن ان کا جیون جس طرح بیتا ہے اسے تم خود جانتے ہو۔ ان
کی ساری عمر کانٹوں پر بسر ہوتی ہے اور وہ لوگ جو شکتی مان ہوتے ہیں دین دھرم کے
چکروں میں نہیں پڑتے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سنسار اتنا ہی حسین ہے کہ اس
میں ایک لمحہ کی زندگی خوبصورت گزر جائے تو سمجھو کہ جیون کا سکھ حاصل ہو گیا۔ بہرحال
..... تم تھوڑا سا بدلے ہو اور اس پر مجھے بہت خوشی ہے۔ سرسوتی! اب یہ تیرا کام ہے
کہ میرے چہرے کو کوئی نقصان نہ پہنچے دے۔ سمجھی۔"

سرسوتی تو بہت ہی خوش نظر آ رہی تھی بہرحال میرے دل میں اس کے لئے
ہمدردی تھی جو کچھ اس کے ساتھ بیتی تھی وہ واقعی ہمدردی کے قابل تھی لیکن باقی سارا
کام میں نے اس روشنی میں کیا تھا جو میں نے غلام سمبان سے کہا تھا۔ چالاکی.....
جھوٹ..... بے ایمانی جو میری فطرت کا حصہ نہ تھی۔ اب بھی میں نے اپنے دماغ کے
سوتے بند کر رکھے تھے کیونکہ مجھے اس بات کا خوف تھا کہ یہ کالا جادوگر کہیں میرے اندر
کی باتوں سے بھی واقف نہ ہو جائے۔ اگر ڈھارس تھی تو صرف ایک بات سے جو وہ کہہ
چکا تھا کہ کہیں کوئی ایسی خوبی پوشیدہ ہے مجھ میں جس سے وہ اندر کی بات نہیں جان سکا
اور میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ خوبی کیا ہے.....؟ وہ میرے اندر جھانکنے میں کیوں ناکام رہا
ہے۔ بنیادی بات یہ تھی کہ میرے دل و دماغ میں شعاع چھپی ہوئی تھی اور ناظم ارسلان
کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ ایک مکروہ صفت ہندو سادھو اس کی بیٹی کے راز سے واقف ہو
سکے۔ بڑی دلچسپ سچویشن تھی یعنی میرے دشمن ہی میری حفاظت کر رہے تھے۔

بہرحال..... گجراج نے سرسوتی کو میری تحویل میں دے دیا سرسوتی کی آنکھوں کے چراغ تو نگینوں کی طرح چمکنے لگے تھے لیکن میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ چراغ میرے لئے ایک جرم بھی بن سکتے ہیں۔ گجراج نے سرسوتی سے کہا۔

"جاؤ..... سرسوتی تم باہر جاؤ..... جب تک میں نہ بلاؤں تم اندر نہ آنا۔" وہ خاموشی سے باہر نکل گئی اس کے بعد گجراج نے مجھ سے کہا۔

"شازل..... مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم الجھے ہوئے ہو لیکن میں تمہیں بتاؤں کہ تم نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ زندگی کو کانٹوں پر گھسیٹنے کے بجائے تم نے زندگی کے عیش و عشرت حاصل کرنے کا فیصلہ کر کے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ دیکھو' میں نے ایک کام شروع کیا ہے امر شکتی حاصل کرنے کا کام۔ میں تو اپنے آپ کو ختم کر چکا ہوں اپنا سارا جیون میں بھسم کر چکا ہوں کیونکہ جو علم میں نے سیکھا ہے اس کے لئے سب سے پہلے میں نے اپنے ہی شریر کو ختم کرنا تھا سو میں نے کر دیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ یہ شریر میرے لئے ایک بیکار چیز ہے جیسا کہ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں اب سنسار میں ہر وہ شریر جو میری پسند کا ہو گا میری ملکیت بن جائے گا اور تم میرے دست راست ہو گے۔ میرے چہرے کی حیثیت سے تم ہر جگہ میرے ساتھ ہو گے جو شریر میں حاصل کرنا چاہوں گا اس کے حصول میں تم میری مدد کرو گے سمجھ رہے ہو نا۔ میں مختصراً تمہیں بتا رہا ہوں کہ کوئی ایسا جیتا جاگتا شریر جس کو میں حاصل کرنا چاہوں اور جسے حاصل کر کے میں اپنی پسند کا جیون پا سکوں۔

اگر وہ جیتا ہے تو تم اسے موت کی نیند سلاؤ گے اور میری آتما اس شریر میں داخل ہو جائے گی۔ سمجھ رہے ہو نا..... مجھے تم سے یہ کام لینا ہے۔ اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں جو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ اب اپنے آپ کو سکون دینے کی کوشش کرنا اس سے تک میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ جب تک کہ تمہارا من شانت نہیں ہو جائے گا۔ سرسوتی بہت خوبصورت ہے ..... من کی بہت اچھی ہے۔ تمہیں بڑا سکون دے گی۔ اب میں چلتا ہوں بعد میں تمہارے پاس آؤں گا میری طرف سے اجازت ہے تم سرسوتی کو میرا انعام سمجھو۔ مجھ پر پورا پورا بھروسہ رکھنا اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچنا۔" پھر وہ چلا گیا اور میں سکتے کے سے عالم میں بیٹھا رہ گیا اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی میں نے کہا۔

"شعاع..... بات بہت مشکل ہے اور بہت دور تک چلی جاتی ہے۔ سرسوتی کو اس طرح اوپری دل سے قبول کر کے یہ سمجھ لو کہ میں نے تمہاری طرف آنے کے راستے

بند کئے ہیں۔ امیر شاہ صاحب..... کمال علی یہ سب ایسے بزرگ ہیں جو یقیناً میری طرف سے غافل نہیں ہوں گے۔ اس کے علاوہ تمہارے والد کی طرف سے جو میری حفاظت کی جا رہی ہے' مجھے ان تمام چیزوں پر اعتماد ہے۔ ایک جعلسازی کرنی پڑی ہے مجھے وہ بھی غلام سمبان کے کہنے پر! میں اسے دھوکا دے کر یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ سرسوتی بہت اچھی لڑکی ہے میرے دل میں اس کے لئے رحم ہے لیکن اس کا تعلق میرے دل و دماغ سے کبھی نہیں ہو گا۔ وہ بدبخت شیطان جو کہہ کر گیا ہے وہ الفاظ صرف دھوکا دینے کے لئے ہیں۔ میری طرف سے بددل مت ہونا۔ میری کائنات کی پہلی عورت تم ہو اور آخری عورت بھی تم ہو محبت کے تمام راستے تم تک ہی محدود رکھوں گا۔ میری زندگی میں کسی اور کا وجود نہیں آئے گا۔ بے فکر رہنا۔"

تقریباً ایک گھنٹے تک میں یہاں بیٹھا حالات و واقعات کے بارے سوچتا رہا میرے ذہن میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ وہ بزرگ جنہوں نے مجھے اس کمبخت تیلی کے مقابلے کے لئے بھیجا تھا اب تک تو بالکل خاموش رہے تھے۔ انہوں نے تلوار میرے ہی ہاتھ میں دے دی ہے اور میں اس تلوار سے جنگ کر رہا ہوں کیا وہ میری اس جنگ سے مطمئن ہیں؟ ایسا ہی لگتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو لازمی بات ہے کہ میری مدد کی جاتی۔ گویا..... کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں وہ ٹھیک ہے میری مددگار قوتو! یہ میری سوچ ہے۔ اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو مجھے میرا یہ سفر جاری رکھنے دیا جائے۔ غلط راستے پر ہوں تو میرا راستہ روکا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھے موردِ الزام قرار دو..... میں جس جال میں پھنس گیا ہوں اس کے دھاگے مجھے جھوٹ کی قینچی سے کاٹنے پڑ رہے ہیں یہ میری مجبوری ہے۔ مجھے موردِ الزام قرار نہ دینا۔ پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ یہ ویران محل بہت حسین تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ یہاں سرسوتی کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا' تھوڑی دور تک چلا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی دی اور اس کے بعد سرسوتی سامنے آ گئی۔ اس نے ایک بہت ہی حسین لباس پہن لیا تھا اور اس کے چہرے پر کھلے ہوئے پھول اتنے حسین لگ رہے تھے کہ میں انہیں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اسے دیکھا تو وہ ایک دم شرما سی گئی' پھر آہستہ سے بولی۔ "کیسی لگ رہی ہوں.....؟"

"بہت خوبصورت' بہت حسین سرسوتی' البتہ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "آسمان پر بادل چھا رہے ہیں آؤ اس فوارے پر چل کر بیٹھیں۔"

ایک معصوم سی خواہش تھی' میں نے اس سے انکار نہیں کیا اور ہم دونوں آگے

بڑھ کر اس فوارے کے سنگی فرش پر آ بیٹھے۔ فوارے میں حسین مچھلیاں تیر رہی تھیں ننھی ننھی سی رنگ برنگی مچھلیاں' جنہیں خدا نے ایک انوکھا حسن بخشا تھا اور یہ حسن اس کی بڑائی کا مظہر تھا' کوئی دنیاوی قوتوں میں کسی بھی ذریعے سے کتنا بھی آگے بڑھ جائے لیکن ایک ننھا سا جانور نہیں پیدا کر سکتا جو اتنا حسین ہو' انسان اپنے طور پر اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھ لے' لیکن آخر کار اسے سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ سرسوتی اس وقت جس قدر حسین لگ رہی تھی الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے لیکن اس حسین اور خوبصورت ماحول میں بھی میں نے دل میں اللہ سے دعا مانگی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے' میرا ایمان سلامت رہنا چاہئے۔ وہ جس نے میری خاطر ہر طرح کے مصائب قبول کر لئے ہیں ایک لمحے کے لئے بھی میرے دل سے دور نہ ہو سکے تاکہ اس کا بھی بھرم قائم رہ سکے اور میرا بھی۔ یہاں بیٹھنے کے بعد سرسوتی نے کہا۔

"آپ مجھ سے کیا پوچھ رہے تھے شازل جی.....؟"

"سرسوتی ایک بات بتاؤ مجھے..... میرے لئے تمہارے دل میں کیا مقام ہے؟"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا' پھر آہستہ سے بولی..... "میں تو آپ کی داسی ہوں۔"

"نہیں سرسوتی' یہ بات تو تم بھی جانتی ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ ہم دونوں کے درمیان ایک انوکھا رشتہ قائم ہو چکا ہے اس بات کا کہ ہم اس ناپاک وجود سے انحراف کریں گے جس کا کوئی تصور پاک نہیں ہے؟" سرسوتی نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔ "میں سمجھی نہیں مہاراج؟"

"سرسوتی میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان پاکیزگی کا ایک رشتہ قائم ہو جائے' تم میرے اوپر اعتماد کرو اور میں تم پر۔ وہ تو گندا وجود ہے جس نے گندگی کے سوا کچھ نہیں دیکھا' ہماری تمہاری قربت ضروری نہیں ہے' اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے' میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم صرف میری دوست ہو' وہ نہیں جو گج راج چاہتا ہے۔"

سرسوتی خاموشی سے میری شکل دیکھنے لگی' میں اس کی ذہنی کیفیت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا میں نے کہا۔ "بالکل سچے دل سے تم سے یہ کہہ رہا ہوں سرسوتی کہ ہم دونوں صرف دو دوستوں کی مانند رہیں گے' تم جیسی حسین عورت کو دل میں جگہ دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن سرسوتی..... اتنا وقت ہو گیا ہے میرے اور میری نگاہوں میں تمہارا ایک وقار ہے' ایک عزت ہے' ایک مقام حاصل ہے تمہارے ساتھ کو لیکن میں نے کبھی تمہیں ایک عورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا تم صرف میری دوست ہو' کیا تم میری

یہ دوستی قبول کرو گی؟"

سرسوتی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی' پھر اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی' اس نے میرے پیروں پر ہاتھ رکھا اور پیر چھو کر ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لئے۔

"ارے ارے یہ کیا؟"

"احترام ہے تمہارا میرے دل میں شازل جی..... پوجا کر رہی ہوں تمہاری۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"سرسوتی تم میری دوست ہو اور بس۔"

"شازل جی ایک بات میں بھی تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں اگر تم اپنی نیک نیتی اور شرافت کے باوجود بھی مجھے اس حیثیت سے قبول کر لیتے جس حیثیت سے اس نے چاہا تھا تو بھی تمہارا دھرم نشٹ ہو جاتا اور تمہارے دل میں وہ بات پیدا ہو جاتی جو گج راج چاہتا ہے۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتی تھی..... لیکن لگتا ہے بھگوان نے تمہارا دھرم بچانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور تمہارے من میں ایک ایسی روشنی اتار دی ہے جس کا توڑ کوئی بھی نہیں ہے۔"

"تمہارا شکریہ سرسوتی' بس میں تمہارے لئے اور تم میرے لئے ایک ہی دعا کرو کہ ہم دونوں اس مصیبت سے نکل آئیں۔"

"ہم اس مصیبت سے نکل جائیں گے' پہلے مجھے اس کا بالکل یقین نہیں تھا لیکن اب نہ جانے کیوں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ آخر کار ہم گج راج کے چنگل سے نکل جائیں گے' میں تو اب تمہاری داسی ہوں' بھگوان کی سوگند گردن کاٹ کر کسی ندی میں بہا دو گے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"تو پھر سرسوتی آؤ ایک عہد کریں' جس طرح بھی بن پڑے ہم گج راج کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کریں گے اب ہم ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی ہیں۔"

"جیون وار دوں گی تم پر شازل جی' جیون وار دوں گی پر تم سے غداری نہیں کروں گی' میرا بھی تم سے یہی وعدہ ہے۔"

بہرحال اس خوبصورت موسم میں ہمارے درمیان خوبصورت عہد و پیمان ہوئے' میں نے بعد میں دل میں سوچا کہ واقعی سرسوتی کا کہنا درست ہی ہے۔ اللہ کے فضل سے کیسا ماحول میسر آ جائے لیکن میرے دل میں بدی کا تصور نہیں ابھرتا تھا اور میں چور نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا تھا کہ ممکن ہے' سمبان کہیں آس پاس موجود ہو۔ اپنی شعاع کو اور کچھ نہیں دے سکتا تھا تو کم از کم اپنی محبت اور اپنے پیار کا اعتماد اسے دے رہا

تھا اس کے علاوہ میرے پاس اس کے لئے اور کوئی تحفہ نہیں تھا۔ بہرحال سرسوتی سے اس گفتگو کے بعد میرا دل سرشار اور مطمئن تھا۔

پھر تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا اس دوران گج راج ایک بار بھی میرے پاس نہیں آیا تو ویسے میں اس کے بارے میں سوچتا رہتا تھا کہ کم بخت نہ جانے کون کون سے نئے حربے لے کر مصروفِ عمل ہو گا' اس نے جو انوکھا جال پھیلایا ہوا تھا امیر شاہ صاحب اور کمال علی اس جال کو توڑنے میں مصروف تھے۔ پتہ نہیں اس وقت کون کامیاب ہو رہا تھا' جہاں تک میرا معاملہ تھا تو میں نے تھوڑا سا رویہ بدلا تھا اور اس کے لئے اللہ سے معافی مانگ لی تھی' انسان تھا آخر جس جال میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس سے نکلنا بھی چاہتا تھا' بات صرف اپنی شعاع سے وفاداری کی تھی اور میں اس وفاداری کو نبھانا چاہتا تھا۔

آٹھویں دن گج راج اچانک نمودار ہو گیا تھا میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا' آنکھوں میں معمول کے مطابق شیطانیت رقصاں تھی میرے دل میں نفرت کا طوفان اُمڈنے لگتا تھا اسے دیکھ کر' لیکن بہرحال میں نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا' وہ بھی مسکرا کر بولا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تُو نے آخر صحیح راستہ اختیار کر ہی لیا اور اب تیار ہو جاؤ تجھے گُرو دان دینا ہو گا آخر میں تیرا گُرو بن چکا ہوں۔"

"مجھے کیا کرنا ہو گا گج راج؟"

"بتا دیں گے' چنتا مت کر بس تُو ہمارا ہو جا' ہمارے کہے پر کام کر' سمجھ لے سنسار تیرا ہے۔"

"سنسار میرا کہاں ہے گج راج..... میں نے تمہاری آرزو پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے' لیکن تم نے میری ایک چھوٹی سی آرزو پوری نہیں کی۔"

"چھوٹی سی آرزو.....؟"

"ہاں۔"

"بھلا وہ کیا؟"

"شمائلہ کی رہائی۔" میں نے کہا اور گج راج چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ شاید وہ میرے ذہن کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کر رہا تھا' میں نے فوراً ہی شعاع کا تصور کیا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ بات جڑ پکڑ چکی تھی کہ میرے ذہن کی حفاظت کی جاتی ہے اور ناظم ارسلان ایک شیطان صفت انسان کو میرے ذہن میں نہیں جھانکنے دیتا کہ اس میں شعاع کا پیار چھپا ہوا ہے اور وہ اپنی بیٹی کی رسوائی کسی طور پر پسند نہیں کرے گا۔

شاید گج راج کو اس وقت بھی میرے ذہن میں جھانکنے میں ناکامی ہوئی تھی اس نے کہا۔

"شمائلہ میرے پاس ہے اور میں تجھے بتا چکا ہوں اس کے بارے میں کہ اب وہ کہیں جانا پسند نہیں کرے گی۔"

"اس کے اہلِ خاندان اس کا بھائی حسن اور اس کے ماں باپ کہاں گئے؟"

"چلے گئے سسرے انہیں کیا لینا دینا تھا' انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اب شمائلہ انہیں کبھی نہیں ملے گی۔" گج راج کے ان الفاظ پر میرے دل میں افسردگی کی ایک لہر دوڑ گئی میں نے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا گج راج کہ تم شمائلہ کو واپس کر دو؟"

"کیا مطلب؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم شمائلہ کو اس کے ماں باپ کو واپس دے دو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے' گرو ہوں میں تیرا اور یہ بات تجھے ماننا ہو گی' جو کام میں نہیں کرنا چاہتا اس کے لئے مجھ سے ضد مت کرنا' کیا سمجھا' تجھے اندازہ نہیں کہ اس سنسار میں لاکھوں افسانے بکھرے ہوئے ہیں۔ کس کس کی مدد کرے گا تُو؟ ان لوگوں سے میری جنگ تھی اور میں نے اس جنگ میں فتح حاصل کر لی۔ اب وہ میری داسی ہے اور سنو اس سنسار میں سب اپنا اپنا فائدہ دیکھتے ہیں تم بھی اپنا فائدہ دیکھو اور ایسا کوئی کام مت کرو جس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں تم سب سے پہلے اپنے من سے لوگوں کا پریم نکال دو' وہ لڑکی اگر تمہیں پسند ہے تو ہو سکتا ہے کبھی میں خود ہی اسے تمہارے حوالے کر دوں۔ کیا سمجھے! فی الحال تمہاری داسی بہت سندر ہے۔ اسے اپنے پھیر میں پھنسائے رکھو۔ سنسار اپنا فائدہ کس طرح سوچتا ہے اس کی ایک مثال میں تمہیں بتاؤں ایک ایسی مثال جس میں تمہاری وجہ سے مجھے پہلی کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" گج راج کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا لیکن وہ جب کچھ نہ بولا تو میں نے کہا۔ "میں تو یہاں ہوں' میری وجہ سے تمہیں کون سی کامیابی حاصل ہوئی ہے گج راج....."

"گُرو مہاراج کہا کرو اب مجھے گُرو مہاراج' گج راج نہیں۔" گج راج مستی کے عالم میں بولا۔

"کون سی کامیابی حاصل ہوئی ہے تمہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک خبر ہے خوشی کی بہت بڑی خبر۔"

"کیا.....؟" میرا دل نہ جانے کیوں دھڑک اٹھا۔

"وہ تمہارے امیر شاہ صاحب جی غریب شاہ صاحب ہو گئے' چھوڑ کر بھاگ گئے اس علاقے کو' اپنا ٹین ڈبہ سمیٹ کر لے گئے' سمجھ گئے تھے کہ ان کا مہرہ میرے قبضہ میں آ گیا ہے اور انہیں تمہاری ہی وجہ سے نقصان پہنچے گا۔"

گج راج نے کہا اور میرے اوپر بجلی سی گر پڑی ایک زوردار کڑک ہوئی اور میرا دماغ کچھ لمحوں کے لئے ماؤف ہو گیا۔

"امیر شاہ صاحب۔" میرے ہونٹوں سے مدہم سی آواز نکلی۔

گجراج کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ لمحے وہ خاموش رہا۔ پھر بولا.....

"چور چوری سے جاتا ہے' ہیرا پھیری سے نہیں جاتا' یہ خبر سن کر تجھے خوشی نہیں ہوئی۔ اب تُو ہمارا آدمی ہے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اب ان کا کھیل بگڑ گیا ہے سو بھاگ گئے۔ بڑا مشکل کام تھا۔ گجراج کے مقابلے میں رکنا۔"

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی' دل تو چاہا نتیجہ کچھ بھی نکلے اس شیطان کا نرخرہ اپنے دانتوں سے چبا ڈالوں۔ امیر شاہ صاحب سے کچھ ایسا ہی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا مجھے۔ ان کی شان میں کوئی گستاخی برداشت نہیں ہوتی تھی لیکن فوراً ہی میرے ذہن پر ایک پردہ سا آ پڑا۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی پُراسرار قوت میرے خیالات کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھے یہ بتانا چاہتی ہے کہ اس کمینے کا ایک کام تو خودبخود ختم ہو گیا۔ یہ میرے ذریعے امیر شاہ صاحب کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ امیر شاہ صاحب یہاں سے چلے گئے' اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اب اس کا یہ مطالبہ خودبخود ختم ہو گیا۔ یہ سوچ کر مجھے تھوڑا سا سکون حاصل ہوا تھا۔ گجراج کہنے لگا۔

"چھوڑ ان باتوں کو..... ہم نے تجھ سے کہا تھا نا کہ ہماری پناہ میں آنے کے بعد تجھے سنسار میں بہت سی شکتیاں حاصل ہو جائیں گی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ایسا ہو جائے۔ سرسوتی تیرے ساتھ جائے گی اور ہم تجھے بھیج رہے ہیں پونم پور۔ ماضی میں پونم پور کالے عمل کا استھان تھا' وہاں کالی دیوی کے مندر بنے ہوئے تھے اور کالی پوجا جتنی پونم پور میں ہوتی تھی کہیں اور نہیں ہوتی تھی۔ کچھ روایتیں ملیں وہاں کی' کالی دیوی نے پونم پور میں لمبا استھان کیا تھا اور وہاں بڑے کام کئے تھے۔ بہت سے دشمنوں کے سر توڑے تھے کالی مائی نے۔ اس لئے بھی پونم پور کو ایک بڑا مقام حاصل ہے اور وہاں بڑے بڑے گیانی رہتے ہیں' ہم تجھے راج راجن کے پاس بھیج رہے ہیں۔ راج راجن بہت مہان

ہیں۔ ہر ایک بات تجھے بتائے دے رہے ہیں ہم۔ کالے علم والے ایک دوسرے سے زیادہ خوش نہیں رہتے۔ راجن جی بھی ہم سے زیادہ خوش نہیں ہوں گے۔ ہم نے اتنے فاصلے رکھے ہیں اپنے درمیان کہ کوئی ایک دوسرے کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتے۔ پر یہ سمجھ لے کہ وہ تجھے ایسی مہان شکتی دے سکتے ہیں کہ بعد میں تو بھی اپنے گرو کو یاد رکھے گا۔ ہمارا بھی ایک کام ہے تجھ سے' جو تجھے بعد میں بتائیں گے۔ ابھی چونکہ خود تیرے اندر نرمی پیدا ہوئی ہے اس لئے ہم تجھے نمک چکھا رہے ہیں۔ جا نمک چکھ لے۔ اس کے بعد ہم سے بات کرنا۔"

میں نے دل میں سوچا تھا کہ گجراج نمک تو اب میں تجھے چکھا رہا ہوں۔ اس سے پہلے سچائیوں کے سہارے وقت گزار رہا تھا لیکن کیا کروں.....؟ سمبان نے بات ہی ایسی کر دی تھی۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ سمبان' گجراج کے چنگل سے نکل جانا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ میں تو ثابت قدمی سے ہر عمل سے گزرنا چاہتا تھا لیکن اب تھوڑا سا برائیوں کا سہارا لے رہا ہوں تاہم اس میں بھی میرا ضمیر مطمئن ہے کہ برائی کے ساتھ برائی کر رہا ہوں کسی نیک انسان کے ساتھ نہیں' میں نے کہا.....

"میں پونم پور کب روانہ ہوں گا.....؟"

"تُو تو چیلا ہے ہمارا' سارا بندوبست ہم کر دیں گے۔ سرسوتی تیرے ساتھ جائے گی' ارے جب جیون کے عیش دینے کا فیصلہ کر لیا ہے ہم نے تجھے تو تُو بھی کیا یاد کرے گا' کہ کس گرو سے واسطہ پڑا ہے.....؟ بس تُو تھوڑا سا وقت گزار لے۔ سارے کام کر کے تجھے خبر کر دیں گے۔"

گجراج چلا گیا۔ میں تو اس وقت تنہائی چاہتا تھا۔ بہت سے احساسات دل میں تھے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں سب کچھ ہو گیا تھا میں نے امیر شاہ کو یاد کیا اور زبان سے کوئی لفظ نکالے بغیر کہا.....

"امیر شاہ صاحب! اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا دل آپ کی عقیدت سے سرشار ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شاید آپ نے یہاں بھی میری مدد ہی کی ہے۔ یہ علاقہ چھوڑ کر آپ نے مجھے مشکل سے بچایا ہے۔ خیر آپ جہاں بھی ہوں اللہ آپ کے علم اور آپ کے مرتبے میں ہزاروں گنا اضافہ کرے۔ آپ کی روحانیت ہمیشہ میرے ساتھ سفر کرتی رہے گی اور میں خواہش مند ہوں اس بات کا کہ جہاں بھی میرے قدم بھٹکنے لگیں آپ میری مدد کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ میرے ایمان کی حفاظت کرے۔ یہ کمبخت کالی طاقتوں کا مالک اپنے طور پر کچھ بھی کرتا رہے مجھے آپ کی دعاؤں کا سہارا حاصل رہے

تو کوئی فکر کبھی نہیں ہو گی۔" غرضیکہ اس کے بعد میں انتظار کرنے لگا۔ دل کے گوشے میں حسن اور شمائلہ کا خیال بھی آیا تھا لیکن یہاں میں نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر صبر دلانے کی کوشش کی تھی کہ حسن! میرے پاس ابھی وہ قوتیں نہیں ہیں جن کی مدد سے میں شمائلہ کو حاصل کر کے تم تک پہنچا سکوں لیکن میرے دوست' میرا وعدہ ہے اور میرا ایمان بھی ہے کہ ایک عصمت ماب بیٹی کو گجراج جیسا شیطان عارضی طور پر اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے لیکن اس کی آبرو کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اس کی آبرو اور زندگی کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کے حصول کا ذریعہ مجھے ہی بنائے۔ وقت درکار ہو گا میرے دوست میں اپنے فرض کو کبھی نہیں بھولوں گا اطمینان رکھو..... پھر میں نے غائبانہ طور پر سمبان کو مخاطب کر کے کہا.....

"سمبان..... میں بہت معمولی سا انسان ہوں میری زندگی کی داستان تم لوگوں کو معلوم ہی ہے۔ وقت کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا ہوں لیکن یہ بھی میری خوش بختی ہے کہ وجہ کچھ بھی ہو لیکن تم میرے ذہن کی حفاظت کرتے ہو۔ گجراج کی کالی قوت میرے ذہن کے تاریک پردوں میں آج تک نہیں جھانک سکی اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی کالی قوت کا مالک میرے ذہن کی گہرائیوں کو نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس میں میری شعاع کی آبرو پوشیدہ ہے اور میرے معزز بزرگ ناظم ارسلان! میں دلی طور پر آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی بیٹی کی آبرو کے ساتھ ساتھ مجھے بھی بہت بڑا تحفظ دیا ہے۔ اپنی اس عنایت کو مجھ سے چھین نہ لینا کیونکہ اس کے سہارے میرے ایمان کی بقاء ہے۔" یہ تمام احساسات میرے دل سے گزرتے رہے اور میں انتظار کرتا رہا۔ سرسوتی بہرحال میرے آس پاس تھی اور میں اس کی دلجوئی بھی کرتا رہتا تھا۔ تیسرے دن گجراج نے مجھ سے کہا.....

"پونم پور جانے کا بندوبست کر دیا گیا ہے تمہارا' اور میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑ سکتا' سرسوتی کو تم ساتھ لے جا سکتے ہو....."

"ٹھیک ہے..... جیسا آپ پسند کریں۔"

میں نے گردن جھکا کر کہا اور گجراج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ بولا۔

"بعض دشمن بھی کتنے پیارے ہوتے ہیں تم مجھ پر یقین کرو' تم بدترین دشمن ہو میرے لیکن بڑے پیارے ہو' آنے والا وقت بتائے گا کہ تمہیں کیا دیا ہے میں نے.....؟"

"ٹھیک ہے..... گجراج آنے والے وقت کا میں بھی انتظار کروں گا۔"

گجراج نے کہا..... "اور سرسوتی! تمہیں سب کچھ بتا دے گی میں نے سارے

اختیارات اسے دے دیئے ہیں لیکن تم ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"کس بات کا.....؟" میں نے پوچھا..... "میں تمہیں ملوں یا نہ ملوں جیسا سرسوتی کہے ویسا ہی کرتے رہنا۔ وہ تمہاری لگام سنبھالے رکھے گی....."

"ٹھیک ہے..... جیسا پسند کرو۔ اب لگام تو ڈال ہی دی ہے تم نے مجھ پر۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں۔"

اس کے جاتے ہی میں سرسوتی کی تلاش میں باہر نکل آیا۔ وہ مجھے تھوڑے ہی فاصلے پر مل گئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا.....

"ہاں! گجراج مہاراج مجھے سب کچھ بتا چکے ہیں۔"

"تو پھر..... اب یہ بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"چلیں گے..... بس جانا ہے۔ وہاں راجن سے ملنا ہے۔"

"کیا تم راجن کو جانتی ہو.....؟"

"بالکل نہیں..... میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتی ہوں۔ البتہ ایک کام تمہیں ایسا کرنا پڑے گا۔ جو شاید تم پسند نہ کرو۔"

"کیا؟"

"ابھی تک تم نے گجراج کی دی ہوئی ایسی کوئی چیز نہیں کھائی جس سے کالی شکتی تمہارے ساتھ رہ سکے۔ پھل تو بھگوان کی دین ہوتے ہیں اور پھلوں میں کالی شکتی نہیں شامل کی جا سکتی' البتہ باقی چیزوں سے تم گریز کرتے رہے ہو۔ میں تمہاری دشمن نہیں ہوں اگر تم میری بات مان لو تو تمہارا بھلا ہو گا۔"

"کیا؟"

"تمہیں ہندوؤں جیسا حلیہ بنانا پڑے گا۔"

"مطلب؟" میں نے چونک کر کہا.....

"بس..... ایسا لباس پہننا ہو گا جیسا ہندو سادھو پہنتے ہیں....."

"لباس..... اس کے علاوہ....." میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"سمجھی نہیں....."

"کیا مجھے ماتھے پر تلک بھی لگانا ہو گا.....؟"

میں نے پوچھا تو وہ پُرخیال انداز میں مجھے دیکھنے لگی پھر بولی.....

"ضروری نہیں ہے....."

"تو ٹھیک ہے..... لباس کی حد تک تو بات چل سکتی ہے کیونکہ کپڑا تو ایک ہی

ہوتا ہے اس کی تراش خراش جیسی بھی کر لو۔ جس انداز میں بنا لو وہ ایک الگ بات ہوتی ہے مگر مجھے تلک لگانے کے بارے میں کبھی مت کہنا۔"

"ٹھیک ہے..... میں بھی تو تمہاری مدد کروں گی۔"

"شکریہ..... سرسوتی! ویسے ایک بات تم بھی سن لو میں بھی آخری وقت تک تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ جب تک کہ میں تمہارے لئے بہتری کے راستے تلاش نہ کر لوں یہ ایک مسلمان کا عہد ہے یاد رکھنا۔" سرسوتی نے عقیدت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر اس کے بعد بولی۔

"ہم کل صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔"

پھر رات حسبِ معمول گزری دوسری صبح سرسوتی نے مجھے ایک مخصوص لباس دیا بہرحال یہ لباس پہننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ ویسے بھی پورا بدن ڈھکنے کا لباس تھا اور اس کے بعد طویل عرصہ یہاں گزرانے کے بعد مجھے اس منحوس جگہ سے نکلنے کا موقع ملا۔ سرسوتی کو راستے معلوم تھے پہلے یہ راستے بند تھے لیکن اب یہ کھل گئے تھے۔ اور جب اس دروازے سے باہر قدم رکھا تو دل ہی دل میں' میں نے سمبان سے کہا۔

"برا مت ماننا سمبان! دیکھو میں گجراج کے چنگل سے نکل کر جا رہا ہوں میں نے تم سے کہا تھا نا کہ انسان بڑی شیطانی قوتوں کا مالک ہوتا ہے' تھوڑا سا راستے سے ہٹنا پڑتا ہے اسے۔ کالا علم ہو..... پیلا علم ہو سب انسان کی مٹھی ہی میں ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا علم عقل ہے اور عقل سے کام لے کر بہت سی برائیاں بھی کی جا سکتی ہیں..... نیکیاں بھی....." بہرحال میں سرسوتی کے ساتھ باہر نکل کر آگے بڑھنے لگا' باہر کا ماحول میرے لئے بالکل اجنبی تھا تاحدِ نظر بدنما پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ ان پہاڑیوں کے دامن میں بھوری ریت بکھری ہوئی تھی اور اس ریت پر ہمارا سفر خاصا مشکل تھا۔ سورج کی گرمی کے ساتھ ساتھ ریت بھی گرم ہو رہی تھی۔ چاروں طرف تپش پھیلی ہوئی تھی لیکن بہرحال نہ اس سلسلے میں سرسوتی نے کوئی تکلیف کا اظہار کیا اور میں نے بھی زبان بند رکھی تھی۔ دوپہر ڈھلے ہم ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں ریت اور چٹانیں نہیں تھیں بلکہ سرسبز و شاداب گھاس کا ایک وسیع و عریض میدان پھیلا ہوا تھا۔ اس میدان کے انتہائی سرے پر ایک بستی نظر آ رہی تھی جس میں اونچے نیچے مکانات بنے ہوئے تھے میں نے آہستہ سے کہا۔ "کیا باقی سفر بھی ہمیں پیدل طے کرنا ہو گا؟"

"نہیں..... بس اس بستی کے دوسرے سرے پر ریلوے اسٹیشن ہے' ہمیں وہاں تک پہنچنا ہے۔" بستی ابھی کافی دور تھی اور چونکہ ہم پیدل چل رہے تھے اور ہماری رفتار

سست ہو رہی تھی اس لئے بستی کے قریب پہنچتے پہنچتے سورج چھپ گیا تھا۔ بستی کی آبادی بھی اچھی خاصی تھی' ہماری جانب کسی نے توجہ نہیں دی البتہ میں نے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے کچھ چیزیں خرید کر کھائی تھیں۔ جن کے بارے میں مجھے اطمینان تھا کہ وہ بری نہیں ہیں۔ سرسوتی نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ آخر کار ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹرین بھی آ گئی ہم ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ جو کچھ کر رہی تھی۔ سرسوتی ہی کر رہی تھی میں تو بس اس کے اقدامات کی پیروی کر رہا تھا' ٹرین کے ڈبے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے لیکن جو ڈبہ ہمارے سامنے آ کر رکا سرسوتی اطمینان سے اس میں داخل ہو گئی۔ اس ڈبے میں بہت کم افراد تھے ویسے بھی فرسٹ کلاس کا ڈبہ تھا ایک دو خاندان کے علاوہ اس میں اور کوئی نہیں تھا میں نے حیرت سے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے سرسوتی.....؟ یہ ڈبہ کیوں خالی ہے؟" سرسوتی مسکرا کر خاموش ہو گئی' اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہم ایک ایسے حصے میں بیٹھ گئے جہاں ہمارے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں نے کہا.....

"تمہارا مطلب ہے..... کہ یہ بھی گجراج کی فراہم کردہ آسانی ہے۔"

"ساری باتیں اپنی جگہ..... تم نے جس طرح گجراج پر اعتماد قائم کر لیا ہے شاذل' وہ ایک بڑا کام ہے لیکن بہرحال اب گجراج تمہیں اس وقت تک اس طرح کی سہولتیں دیتا رہے گا جب تک کہ اسے اس بات کا یقین ہو کہ تم اس کے کہنے پر ہی عمل کر رہے ہو۔" میں نے مسکرا کر سرسوتی کو دیکھا اور کہا۔ "ایسا لگتا ہے سرسوتی! جیسے تمہیں بھی گجراج کے چنگل سے نکل آنے سے بڑی خوشی ہو۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولی..... "کیوں؟"

"گجراج کے بارے میں تم جس انداز میں گفتگو کر رہی ہو اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے۔"

سرسوتی نے ٹھنڈی سانس لی پھر بولی۔ "بار بار قسمیں کھانے سے دل خود ہی منع کرتا ہے لیکن تم بھی تو جانتے ہو کہ اپنی خوشی سے تو میں وہاں نہیں تھی اور دوسری بات یہ کہ گجراج نہ جانے کب اور کہاں ہمارے قریب ہو کچھ نہیں کہا جا سکتا یہ اچھا ہو گا کہ ہم ایسی کوئی بات نہ کریں جو بعد میں ہمارے لئے پھانسی کا پھندا بن جائے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ ٹرین اسٹیشن سے آگے بڑھ گئی اور اس کے بعد ہم لوگ کچھ خاموش سے ہو گئے۔ یا شاید یہ اس گفتگو کا نتیجہ تھا جو ہم نے کی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے سرسوتی کے انداز میں خمار آلود کیفیت محسوس کی' غالباً اسے نیند آنے

لگی تھی۔ پھر وہ لیٹ گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں بہت کچھ سوچتا رہا تھا تھو
سا سفر طے ہوا تھا کہ ٹرین کی رفتار سست ہونے لگی اور اچانک ہی میرے ذہن میں خی
ابھرا' شاید کوئی اسٹیشن آ رہا ہے اگر میں خاموشی سے اتر کر غائب ہو جاؤں تو کیا گجراج
تلاش کر لے گا؟ اور اگر سرسوتی کو جگا کر یہ بات اس سے کہوں تو کیا سرسوتی میرا ساتھ
دینے پر تیار ہو جائے گی.....؟ اگر وہ تیار بھی ہو جائے تو میں اس کو لئے کہاں بھاگا پھ
پھروں گا.....؟ کام تو یہ ہو سکتا ہے لیکن اس وقت سامنے والے حصے سے ایک دیہا
قسم کا بزرگ آتا ہوا دکھائی دیا۔ معمولی سے کپڑے پہنے ہوئے تھے ہاتھ میں پلاسٹک کا
تھا۔ غالباً ٹرین کے باتھ روم سے نکل کر آیا تھا۔ حالانکہ میں نے اسے اپنے سامنے سے گز
کر باتھ روم میں جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن بہرحال کچھ لوگ تو موجود تھے یہاں ال
ایک بات پر مجھے حیرت ہوئی وہ یہ کہ دیہاتی کے جسم پر ایک معمولی سا لباس تھا ایک ا
معمولی سا آدمی فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں کیسے سفر کر رہا ہے.....؟ وہ میر
سامنے رک گیا اور منہ اٹھا کر بولا۔

"نہ کوئی فرسٹ کلاس ہے..... نہ کوئی تھرڈ کلاس۔ ارے زمین کی تقسیم کر د
گئی ہے۔ سسروں نے انسان کو انسان سے ہٹا کر درجے بنا دیئے ہیں۔ جانور بنا دیا ہے
سسرے کہیں کے..... فرسٹ کلاس..... تھرڈ کلاس۔ اتر جا یا میدان چھوڑ کر بھا
جا۔ بزدل کہیں کا۔" وہ آگے بڑھنے لگا لیکن اس نے جو کچھ کہا تھا اسے سن کر مے
آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں یہ تو میرے ذہن کی تشریح تھی۔ اچانک ہی میرے بدن
جھرجھری سی دوڑ گئی کون کس شکل میں نظر آتا ہے.....؟ کیا کہا جا سکتا ہے.....
میں پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر بزرگ کے سامنے کھڑا ہو گیا تو
بولا.....

"لے چھین لے..... لوٹا ہے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے ہمارے پاس۔ چھ
لے ہمارا لوٹا ہم سے۔ ارے بھائی' کون فرسٹ کلاس.....؟ کون تھرڈ کلاس.....
ارے اللہ کا نام تو سبھی ایک انداز میں لیتے ہیں سارے کام اس ایک نام سے ہی ہو
ہیں۔ ہر کام میں بسم اللہ کہہ..... برائی ٹل جائے گی۔ جب اللہ کی مرضی شامل کر
تو پھر اللہ جانے..... کام کرنا ہو گا کر دے گا۔ روکنا ہو گا روک دے گا تیرے را
فرسٹ کلاس..... تھرڈ کلاس تُو خود تھرڈ کلاس ہے۔ دیکھ ایک بات کہیں تجھ سے
باتیں آتی ہیں ہمارے ذہن میں۔ نمبر ایک تو تجھے بتا چکے ہیں کہ اللہ کی مرضی' نمبر دو
برا کام کرتے ہوئے اپنے دل سے پوچھ تجھے پتہ ہے دل تو وہ چیز ہے جس میں خدا رہتا

دل تجھے غلط بات نہیں بتائے گا' ہاں..... یہ الگ بات ہے۔ وہ بات تیری مرضی کی نہ
ہو۔ اب اس وقت تو دل سے جھگڑا کر لے وہ تیری مرضی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ
حلیہ اور بھیس کیسا ہی ہو.....؟ ایمان کی رسی مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ کوئی بری بات
سمجھائے تجھ سے مت کہنا۔ مجبوری کا نام صبر ہوتا ہے کیا سمجھا.....؟ حلئے سے کچھ
نہیں ہوتا۔ ساری بات دل کی ہوتی ہے۔ ارے بسم اللہ کہہ لیا کرنا بس..... کتنی باتیں
ہوئیں تین' باقی دو پھر بتا دیں گے۔ فرسٹ کلاس..... تھرڈ کلاس..... چل ہٹ
سامنے سے۔" بزرگ نے کہا۔ میرے قدم تو جم گئے تھے لیکن بزرگ نے راستہ کاٹ کر
وہاں سے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا سوچ رہا تھا۔ بزرگ کمپارٹمنٹ
کے آخری حصے تک چلے گئے اور پھر میں اپنے آپ کو سنبھال کر اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ میرے
خدا..... میرے خدا..... کیا قیامت خیز راہنمائی ہوئی ہے.....؟ میں جا رہا ہوں
پونم پور' راجن کالی مائی کا پجاری ہے مجھے گجو تیلی نے بھیجا ہے۔ وہاں اپنا علم مکمل کرنے
کے لئے' کالی طاقتیں حاصل کرنے کے لئے۔ میرے اندر بے بسی ہے لیکن اس بے بسی کو
کتنی نفاست سے دور کر لیا گیا ہے۔ دل میں ایک اعتماد پیدا ہوا۔ ایک فخر کا احساس ہوا۔
میرے بزرگ میرے راہنما..... میری دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ کہیں بھی مجھے تنہا نہیں
چھوڑا گیا۔ میرا مان رکھا جا رہا ہے' میری بھرپور مدد کی جا رہی ہے۔ خوشی میرے چہرے
سے پھوٹ رہی تھی۔ میں تو ایک بے لوث ایک بے غرض انسان ہوں۔ میں نے کسی سے
انحراف نہیں کیا۔ میں تو اپنے محترم ناظم ارسلان سے بھی معذرت ہی کرتا رہتا ہوں۔
میں نے تو ہمیشہ یہ کہا ہے کہ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ بس اس ننھی سی کونپل کو اس عذاب
سے نکال دو۔ جس عذاب میں تم نے اسے میری وجہ سے مبتلا کیا ہے۔ بس اتنا کر دو اس
کے لئے۔ باقی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی مشکل نہیں ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس اتنا
سا کر دو مہربانی ہو گی تمہاری۔ شعاع کے تصور سے میری آنکھوں میں نمی آ گئی۔ کیا
کرتا.....؟ جب بھی اس کا خیال دل میں لاتا اس کی محبت پہلے سے سو گنا زیادہ بڑھ
جاتی اور میں اسی کے بارے میں سوچتا رہتا' پھر اچانک ہی دل میں ایک خیال آیا۔ وہ
بزرگ جو بظاہر ان پڑھ اور دیہاتی سے معلوم ہو رہے تھے۔ میری مزید راہنمائی بھی کر
سکتے ہیں۔ چند الفاظ میں زندگی کی ساری تفسیر بیان کر کے چلے گئے۔ تھوڑا سا ان کے
ساتھ بیٹھوں تو شاید اور علم بھی حاصل ہو۔ سرسوتی گہری نیند سو رہی تھی۔ میں اپنی جگہ
سے اٹھ کر کمپارٹمنٹ کے آخری سرے کی طرف چل پڑا۔ ہمارے اس حصے کے بعد چند
لوگ وہاں سفر کر رہے تھے اور اس وقت تقریباً نیند کے عالم میں تھے۔ جو کچھ بھی تھے

میرے سامنے تھے۔ میں کمپارٹمنٹ کے آخری سرے تک چلا گیا لیکن وہ بزرگ مجھے نظر نہیں آئے۔ میں حیران ہو گیا تھا۔ اپنی دانست میں' میں نے ہر وہ جگہ تلاش کر لی جہاں وہ مل سکتے تھے اور پھر حیرانی کے سوا مجھے اور کیا حاصل ہوتا.....؟ ان بزرگ کا وہاں کیا بھی پتا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کمپارٹمنٹ میں موجود ہی نہ ہوں۔ میری راہنمائی کر کے اپنی منزل پر چلے گئے ہوں۔ اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا.....؟ کیونکہ اس دوران ٹرین رکی نہیں تھی اور کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا کہ بزرگ وہاں سے چلے جاتے۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر واپس چل پڑا اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا آنکھیں بند کر لیں اور اونگھنے لگا۔ لیٹتا تو نیند آ جاتی۔ سرسوتی گہری نیند سو رہی تھی۔ پھر..... سورج میری آنکھوں کے سامنے ہی نکلا تھا اور جب سورج کی کرنیں ٹرین کی کھڑکی سے اندر آنے لگیں تو سرسوتی نے چونک کر ماحول کو دیکھا اور پھر میری جانب دیکھنے لگی اور پھر مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔ ایک عجیب سی خوشی اس کے چہرے پر ٹپک رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"ابھی آئی....." تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئی تھی۔ چہرہ دھو کر بال وغیرہ سنوار لئے تھے اور میرے پاس آ بیٹھی تھی۔ میں نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تو وہ بولی۔

"تم سوئے نہیں شازل۔"

"نہیں میں تمہارے لئے جاگ رہا تھا۔ سرسوتی۔"

"میرے لئے..... کیوں؟"

"تاکہ تم سکون کی نیند سوتی رہو۔" وہ مسکرا دی اور بولی۔ "اب تو یہ یقین ہو چلا ہے کہ شاید سکون مل ہی جائے کہیں۔"

"تمہیں سکون کی تلاش ہے سرسوتی؟" میرے اس سوال پر وہ سوچ میں ڈوب گئی پھر آہستہ سے بولی۔

"کیسے نہیں ہو گی؟ تمہیں نہیں ہوتی یہ طلب..... یہ خواہش۔"

"ہوتی ہے۔"

"اپنے بارے میں تو تمہیں بتا چکی ہوں کہ کس طرح مجھے میرے ماتا پتا نے اپنے سے دور کر دیا۔ بچپن تو خیر جیسا بھی ہوتا ہے یہ جوانی تو سوچتی ہے نا۔ من تو چاہتا ہے کہ اوروں کی طرح میرا بھی ایک گھر ہو' اس گھر کے آنگن میں میری زندگی کے پھول کھلے ہوئے ہوں۔ پر بھگوان کی مرضی! جس کو جو کچھ ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور جسے نہیں ہوتا وہ بس سوچتا ہے' کوئی چھین تو نہیں سکتا بھگوان سے۔ یہ تو اس کی مرضی کی بات ہے۔"

بہرحال وقت گزرتا رہا اسٹیشن آتے رہے۔ ایک اسٹیشن سے میں نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء خریدیں۔ سرسوتی بھی ان میں شریک ہو گئی تھی۔ اس نے کوئی پرہیز نہیں کیا تھا۔ بعد میں ہم دونوں باتیں کرتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ پونم پور کا اسٹیشن آ گیا یہ حقیقت ہے کہ اس دوران مجھے جو واقعات پیش آ رہے تھے وہ سب عجیب و غریب نوعیت کے حامل تھے۔ میں بچہ تو نہیں تھا' میں نے اپنی زندگی یہیں اپنے وطن پاک میں گزاری تھی اور صحیح معنوں میں یہ میرا اور میرے ہم وطنوں کا وطن ہے لیکن اب میں سوچ رہا تھا کہ میرے اس وطنِ عزیز میں جادو منتروں کی کیا گنجائش ہے۔ جہاں کالے علم اب بھی اس انداز میں موجود ہیں اور کالی دیوی جیسی مکروہ شخصیت کا نام ابھی میرے وطن کی سرحدوں میں موجود ہے لیکن بہرحال برائی کہاں نہیں ہوتی اور یہ بات بھی مجھے معلوم تھی کہ بہرحال..... پچاس باون سال پہلے ان علاقوں میں بھی دونوں ہی قومیں آباد تھیں۔ ان کی باقیات اب بھی یہاں پوشیدہ ہوں گی۔ جیسے وہ علاقہ جہاں امیر شاہ صاحب رہتے تھے بہرحال..... وہاں پر باقاعدہ ایک کام ہو رہا تھا جس کے بارے میں' میں نے کبھی بھی کسی اخبار وغیرہ میں نہیں پڑھا تھا۔ پونم پور بھی زیادہ وسیع اور بڑی آبادی نہیں تھی۔ بلکہ ایک عجیب سا اور چھوٹا سا قصبہ تھا لیکن بہرحال..... وہاں مسلمانوں کا علاقہ ہونے کے تمام لوازمات تھے' مسجدوں کے گنبد اور مینار نظر آ رہے تھے۔ جیسے ہی ہم اسٹیشن سے باہر نکل کر تھوڑی دور گئے ایک تانگہ ٹک ٹک ..... ٹک ٹک..... کرتا ہوا ہمارے پاس پہنچ گیا۔ تانگے والا عجیب سی شکل کا مالک تھا۔ فوراً ہی ہمارے قریب پہنچ کر بولا۔

"آؤ جی..... تانگے میں بیٹھ جاؤ۔" ہم حیرت سے اسے دیکھنے لگے' پھر اس نے کہا.....

"آ جاؤ..... راجن مہاراج نے بھیجا ہے۔" راجن مہاراج کا نام سن کر ہم فوراً تانگے میں بیٹھ گئے' اور تانگا چل پڑا۔ وقت ایسا تھا کہ اذانیں ہو رہی تھیں۔ مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں' میرے وجود میں ٹھنڈک اترنے لگی اور میں نے مسکراتی نگاہوں سے سرسوتی کو دیکھا اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ ہم سفر کرتے رہے اور میں بستی میں نگاہیں ڈالتا رہا۔ تانگا سرسوں کے کھیتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک پتلی سی سڑک سے گزرنے لگا جو کچی تھی' گھوڑے کے سموں سے دھول اٹھ رہی تھی۔ سرسوں کے کھیت ختم ہو گئے لیکن تانگا نہ رکا۔ سفر کرتے ہوئے خاصی دیر ہو گئی تھی یہاں تک کہ جب یہ سفر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا تو میں نے تانگے والے

سے کہا۔ "اور کتنی دور جاؤ گے بھائی۔"

"ارے.....بس..... جان مصیبت میں آگئی ہے۔ بھلا کالی دیوی کے پجاری ان آوازوں کے سامنے کہاں رک سکتے ہیں جو ابھی تم نے چاروں طرف سے اٹھتے ہوئے سنیں۔ مہاراج راجن نے اپنا استھان اتنی دور بنایا ہے کہ یہ آوازیں وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ ابھی کافی دور چلنا ہے۔" پھر ہمیں خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایسے کالے کالے کھنڈرات نظر آئے جن میں ایک بھی عمارت سلامت نہیں تھی البتہ کچھ کھنڈرات کے ڈیزائن مندروں وغیرہ سے ملتے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہ کوئی بہت ہی قدیم علاقہ تھا جو اب غیر آباد پڑا ہوا تھا کسی زمانے میں یہاں آبادی ہو گی لیکن اب کچھ نہیں تھا۔ تانگا انہی کھنڈرات کے پاس جا کر رک گیا اور پھر جس شخص نے وہاں مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا اسے دیکھ کر ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ گجراج ہی تھا جو سادھوؤں جیسے لباس میں ملبوس وہاں کھڑا ہوا تھا۔ چکرا تو میں بھی گیا تھا لیکن اتنا جانتا تھا کہ شیطانی قوتوں کے مالک بہرحال حیثیت تو رکھتے ہیں۔ ہم دونوں تانگے سے اتر گئے تو گجراج نے آگے بڑھتے ہوئے کہا..... "میرا نام راج راجن مہاراج ہے۔"

"آپ..... گُروجی"

"جیتارہ..... جیتارہ..... گروجی کہہ کر تُو نے میرا من اتنا خوش کر دیا ہے کہ میں تجھے بتا نہیں سکتا۔ حیرت تو تجھے ہوئی ہو گی پر تیرا امتحان بھی ضروری تھا۔ برا مت ماننا میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تیرے دل میں ابھی تک کھوٹ ہے اور تُو صرف وہاں سے نکلنے کے لئے مجھے دھوکا دے رہا ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ راستے میں تُو کہیں غائب ہو جائے گا۔ پر تُو نے ثابت کر دیا کہ قول کا دھنی ہے۔ چل ہم بھی تجھے ایسا دھن دیں گے کہ تُو بھی دھن راج بن جائے گا۔ سرسوتی' اسے اندر لے آ۔"

مجھے تھوڑی سے مایوسی ہوئی تھی۔ اس چالباز شیطان نے مجھے دھوکا دیا تھا لیکن بہرحال اب جو کچھ بھی تھا دیکھا جائے گا۔ مندر ہی کے ایک حصے میں مجھے رہنے کی جگہ دے دی گئی۔ سرسوتی میرے ساتھ تھی اور مجھے ہمت سے کام لینے کا مشورہ دے رہی تھی میں نے اپنے آپ میں تھوڑی سی الجھن محسوس کی اور سرسوتی میری اس الجھن کو محسوس کر کے بولی.....

"کیوں..... کیا بات ہے.....؟ میں تمہیں کچھ پریشان دیکھ رہی ہوں۔"

"سرسوتی! یہ جو کچھ ہوا ہے کیا یہ عجیب نہیں ہے دیکھو..... میں تو ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں تم یہ بتاؤ اب مجھے کیا کرنا چاہئے.....؟"

"میں کیا بتا سکتی ہوں..... تم جیسا مناسب سمجھو کرو میں تو خود تمہارے پیروں سے پیر ملا کر چل رہی ہوں اور بھگوان سے میری یہی دعا ہے کہ بھگوان تمہیں کوئی ایسی مشکل نہ دے جو تمہارے من کو بے کل کر دے۔"

شام ڈھلنے لگی تھی۔ پھر ایک پجاری قسم کا آدمی آیا اور سرسوتی کو بلا کر لے گیا اب میں تنہا رہ گیا تھا اور میری سوچیں مجھے پریشان کر رہی تھیں پھر..... جب رات کا پہلا پہر شروع ہوا تو دو آدمی میرے لئے کھانا لے کر آگئے۔ پوریاں..... ترکاری وغیرہ تھیں لیکن جو لوگ لے کر آئے تھے ان کا حلیہ میں نے دیکھ لیا تھا چنانچہ یہ چیزیں کھانے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔ چاہے بھوک سے زندگی چلی جائے۔ بھلا یہ چیزیں کھانا کیا معنی رکھتا ہے۔ البتہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنی دانست میں بہت بڑا تیر مارا تھا وہاں سے چلتے ہوئے سمبان کو بھی مخاطب کیا تھا اور کہا تھا کہ میں انسانی عقل استعمال کر کے یہاں سے نکل رہا ہوں اور آگے بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ یہ بڑا بول میرے سامنے آگیا تھا میرے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ راجن کے روپ میں خود یہ گجو تیلی یہاں موجود ہو گا' ایک بہت بڑا شیطانی چکر تھا جو میرے گرد جال بنائے ہوئے تھا۔ میں نے خلوص دل سے اپنے اندر موجود ہستی کو پکارا..... اے معبود! میرا ایمان میری زندگی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے لیکن حالات نے میرے راستے الجھا دیئے ہیں میں کوئی گندا کام نہیں کروں گا' ایسا کوئی گندا کام نہیں کروں گا جو مجھ سے میرا ایمان چھین لے..... اپنے ایمان کو بچانے کی صلاحیت مجھ میں نہیں ہے تو میں زندگی کی جگہ موت مانگتا ہوں میں کسی بھی قیمت پر اس گندے علم کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گا۔ ابھی یہ الفاظ ایک خاموش زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ اچانک آواز سنائی دی۔ پانچ باتیں بتاتے ہیں تجھے بسم اللہ کہہ کر ہر کام میں اللہ کی مرضی شامل کر لیا کرو' باقی سب جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا' کیا سمجھا.....؟ میں ایک دم سے اچھل پڑا۔ یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں تھی۔ کچھ لمحوں کے لئے میں ذہن سے یہ الفاظ نکل گئے تھے۔ بے اختیار میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے بسم اللہ کہہ کر اپنی جگہ سے باہر قدم نکال دیئے ساری باتیں اپنی جگہ سرسوتی سے وعدے کئے تھے لیکن اب یہ جانتا تھا کہ وہ منحوس گجراج مجھے کالے علم کو سیکھنے کے لئے مجبور کرے گا اور کچھ ایسا عمل کرائے گا جس سے میں اپنے ایمان سے دور چلا جاؤں گا بہرحال..... میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ اب بہت کچھ میرے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ سرسوتی کے تحفظ کا خیال دل سے نکال دیا تھا میں نے جو کچھ ہو گا' دیکھا جائے گا' کم از کم اس کالے علم کے جال میں نہیں پھنسوں گا' چنانچہ میں چل پڑا وہاں سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے

میرے اروگرد پوری دنیا آباد ہو۔ بڑی بڑی خوفناک شکلیں میرے آس پاس سے گزر رہی تھیں۔ وہ مجھے گھور رہی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہہ رہی ہوں لیکن میں خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ رات کی تاریکی میں ان بلاؤں کے طرح طرح کے روپ میرے سامنے آتے رہے۔ مجھے یوں لگتا جیسے وہ مجھے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ وہ میری جانب ہاتھ بڑھاتے لیکن میں آگے بڑھتا چلا جاتا مجھے یوں لگتا جیسے میری نظروں کے سامنے الاؤ روشن ہے اور بڑے کڑھاؤ میں تیل ابل رہا ہے' ڈراؤنی صورت والی بلائیں میری جانب لپک رہی تھیں کہ مجھے اٹھا کر کڑھاؤ میں ڈال دیں کبھی خوفناک درندوں کی آوازیں کانوں سے ٹکرانے لگتیں یہ سب میرا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میں رکنا نہیں چاہتا تھا آگے چل کر کافی جھاڑ جھنکار نظر آئے یہاں تک کہ رات خوب گہری ہو گئی اور اس کے بعد میں ایک سنگلاخ پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں.....؟ بہرحال..... میں بری طرح تھک گیا تھا پیر من من بھر کے ہو گئے تھے جب تھکن حد سے آگے بڑھ گئی تو میں وہیں زمین پر بیٹھ گیا اب یہ اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے..... اور میں آبادیوں سے کتنی دور نکل آیا ہوں۔ بس اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے میں نے ہر طرح کے مفادات نظرانداز کر دیئے تھے۔ دل میں یہ سوچ بھی تھی کہ سمبان کو مخاطب کر کے میں نے جو الفاظ ادا کئے' شاید انہیں غرور کا درجہ حاصل ہو گیا اور غرور کی سزا تو بدترین ہوتی ہے۔ یقیناً مجھے میرے غرور کی سزا ملی ہے۔ بس ایک جگہ زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے کئے پر نادم ہونے لگا۔ رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی مجھ پر نیند کی غشی سی طاری ہوتی چلی گئی پھر شاید یہ صبح کا وقت تھا اور پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میری آنکھ کھل گئی اور اچانک ہی ایک سرگوشی سی میرے کانوں میں گونجی۔

"بے شک تُو اپنی سوچ میں مستحکم نکلا اور حقیقت یہ ہے کہ جو محنت کرتے ہیں وہ پاتے ہیں۔ اٹھ جا تُو تنہا نہیں ہے ہم سب تیرے ساتھ ہیں۔ بے فکر رہ..... جب انسان ایمان کی سلامتی کے لئے سینہ سپر ہو جاتا ہے تو پھر وہ تنہا نہیں ہوتا نگہبان قوتیں اس کا ساتھ دیتی ہیں۔" میں جاگ گیا' فضا میں اب روشنی پھیل چکی تھی ایک عجیب سی میٹھی میٹھی خوشبو فضا میں گردش کرتی محسوس ہو رہی تھی میں نے اس خوشبو کو سمجھا اور نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑائیں تو مجھے ایک درخت نظر آیا اس درخت پر ناشپاتیاں جھول رہی تھیں۔ میں نے قرب و جوار میں اِدھر اُدھر دیکھا جو سرگوشی میرے کانوں میں گونجی تھی اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو یہ امیر شاہ صاحب کی آواز تھی۔ ایک لمحے تک میں سوچتا رہا

اور اس کے بعد آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس درخت کے نیچے پہنچا میں نے درخت سے ناشپاتیاں توڑ کر کھائیں اور اس کے بعد مجھے یوں لگا جیسے میرا سارا وجود سیراب ہو گیا ہو' ایک عجیب سی مدہم مدہم سی تھکن میرے سارے وجود میں سرایت کر گئی تھی' پلکیں جھکنے لگی تھیں اور میں گہری نیند سو گیا تھا۔

پھر جب میں سو کر اٹھا تو شام کے جھٹپٹے فضا میں پھیل چکے تھے پرندوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں' ڈاریں کی ڈاریں اپنے گھونسلوں کی جانب لوٹ رہی تھیں' میں نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچا کہ خدایا میرا بھی کوئی گھر ہو' میرا بھی کوئی ہو کہ جسے میں اپنا کہہ سکوں' کاش میں بھی ان پرندوں کی مانند اپنے گھر کو لوٹتا' بہت دیر تک میں اسی دکھ کا شکار رہا پھر میرے ذہن میں آوازیں ابھرنے لگیں۔

اس دنیا میں نہ جانے کہاں کہاں میرے جیسے لوگ آباد ہوں گے۔ ان کا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہو گا' وہ بھی اپنے گھروں کو نہیں لوٹتے ہوں گے جو کچھ' جس حال میں بھی ہے اسی پر قناعت کرنا ضروری ہے۔ یہ میری حسرتوں کا جواب تھا اور ایسی باتوں سے دل کو اس طرح تقویت ملتی تھی کہ ایک دم سکون حاصل ہو جاتا تھا۔ بہرحال اب یہاں پڑے رہنا کوئی مقصد نہیں رکھتا تھا حالانکہ دل کو ایک دکھ کا احساس بھی تھا' میں تو اس طرح نکل آیا ہوں لیکن بیچاری سرسوتی وہیں پر رہ گئی ہے' سوچ رہی ہو گی کہ آخرکار میں نے اسے دھوکا دیا البتہ ایک بات میرے دل میں ضرور آ رہی تھی۔ کیا گجو تیلی کو میرے وہاں سے فرار کا کوئی علم نہیں ہے وہ شیطانی قوتوں کا مالک تھا اگر وہ میری تلاش میں چل پڑا ہوتا تو مجھ تک پہنچنا اس کے لئے مشکل نہ ہوتا۔ اس کا مطلب ہے میرے اور اس کے درمیان ایک غیر مرئی دیوار قائم ہے۔ بہرحال میں وہاں سے چلتا رہا۔ نہ جانے کتنی دور نکل آیا تو مجھے ایک بستی سی نظر آئی۔ میں نے تیز رفتاری سے ادھر قدم اٹھا دیئے۔ اس وقت جو لباس میرے بدن پر تھا' اس سے مجھے شرم آ رہی تھی۔ یہ سادھوؤں والا لباس تھا کہیں بستی کے لوگ مجھے ہندو نہ سمجھ لیں۔ بہرحال اگر لباس بدلنے کے لئے کوئی جگہ مل جائے یا کوئی بہتر لباس مل جائے تو میں سب سے پہلے اس حلئے سے نجات حاصل کروں' کچھ دور چلا تھا کہ مجھے ایک ایسا ہوٹل نظر آیا جسے ہوٹل یا قہوہ خانہ کہا جا سکتا تھا۔ گھاس پھونس کے بنے ہوئے اس ہوٹل میں بینچیں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر لوگ بیٹھے ہوئے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ایک طرف تندور لگا ہوا تھا اور ایک آدمی روٹیاں پکا رہا تھا۔ پھولی پھولی' گرم گرم روٹیاں۔ میرے ذہن میں کوئی خاص مقصد نہیں تھا بس یونہی کھڑا ہو گیا تھا کہ ایک طرف سے آواز آئی۔ "لو بھئی مفت خورے آ گئے۔"

"ہاں' وہ لوگ جو دنیا میں کچھ نہیں کر پاتے' سادھو اور فقیر بن کر مانگتے پھرتے ہیں۔"

میں نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اچانک ہی ایک آدمی میرے قریب پہنچ گیا اور میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "بھائی مجھے روٹی چاہئے۔"

"روٹی میرے پاس نہیں تندور پر ہے کیا سمجھے؟ یہ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن لینے سے روٹی نہیں ملتی' روٹی کے لئے محنت کرنا ہوتی ہے۔"

میں محنت کرنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا خوب! کیا کام کرو گے۔"

"وہ کام جس کے بدلے میں تم مجھے روٹیاں دے سکو۔"

"چلو ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ' کھانا کھالو پھر تمہیں کام بھی بتادوں گا۔"

"نہیں' کھانا کھانے سے پہلے کام بتاؤ۔"

"کھالو یار..... ایسے ڈرامے ہم روز دیکھتے ہیں۔ اصل بات کرو' کھانا چاہئے' کھانا کھالو جاؤ' میں اس ہوٹل کا مالک ہوں۔"

"نہیں اگر کوئی کام نہیں ہے میرے لئے تو میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"یہ بات ہے' محنت کر سکو گے۔"

"کیوں نہیں....."

"اچھا تو پھر آؤ میرے ساتھ۔" وہ مجھے لے کر ہوٹل کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے پڑے ہوئے تھے' پاس ہی کلہاڑی رکھی ہوئی تھی اس نے کہا۔ "ان کندوں کو چیر چیر کر پتلی لکڑیاں بنا دو' تندور کے لئے اور جب کام ختم کر چکو تو آکر' کھانا کھالینا۔"

"ٹھیک ہے" میں نے کہا اور خاموشی سے آگے بڑھ کر کلہاڑی اٹھالی۔ وہ شخص چلا گیا تھا میں نے کلہاڑی اپنے ہاتھوں میں پکڑی اور پھر لکڑی کے کندے پر شروع ہو گیا۔ پھر اس کے بعد میں لکڑیاں چیرتا رہا' میرا بدن پسینے سے تر ہو گیا تھا' کافی دیر تک میں یہ لکڑیاں چیرتا رہا۔ وہاں جتنے بڑے بڑے کندے پڑے ہوئے تھے میں نے انہیں پاش پاش کر دیا اور لکڑیاں چن چن کر ایک جگہ ڈھیر لگا دیں۔ خاصی دیر کے بعد وہ واپس آیا تھا اور اس نے لکڑیوں کو دیکھ کر حیرت سے منہ کھول دیا تھا پھر وہ میرے قریب پہنچ کر بولا۔ "بابا صاحب معافی چاہتا ہوں میں نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔"

"نہیں..... نہیں تم نے بالکل ٹھیک کیا' وہ کیا جو میں چاہتا ہوں۔"

"آپ میرے ساتھ کھانا کھا لیجئے۔"

بہرحال اس نے بڑی عزت سے مجھے کھانا کھلایا اور پھر بولا۔ "بابا صاحب کہیں باہر سے آئے ہیں؟"

"ہاں ایک لمبا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"مجھے معاف کر دیجئے گا اصل میں آپ کو پتہ نہیں ہے کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کھانے والوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"اگر آپ چاہیں تو ہوٹل کے پچھلے حصے میں چھپر پڑا ہوا ہے نیچے چارپائی بھی ہے خالی جگہ ہے آپ وہاں آرام کریں۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ واقعی مجھے کسی قیام گاہ کی ضرورت بھی تھی پھر میں وہاں آرام کرنے کے لئے گیا۔ حیرت کی بات تھی کہ جب میں نے کلہاڑی اٹھائی تھی تو میرے منہ سے بے اختیار ہی "بسم اللہ" نکل گیا تھا اور اس کے بعد جب لکڑیوں کے سارے کندے ختم ہو گئے تھے تو مجھے ہوش آیا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میرے جسم کو ایسی سخت مشقت کی عادت نہیں تھی لیکن ریزہ ریزہ لکڑیوں کو دیکھ کر میرے دل میں ایک احساس ابھرا تھا کہ میں نے "بسم اللہ" کہہ کر کام شروع کیا ہے۔ پھر میرے دل کو جس خوشی اور تقویت کا احساس ہوا تھا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ہوٹل کے اس مالک کا نام سید احمد تھا۔ سید احمد کے ساتھ خاصے دن گزرے' مجھے ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوتا تھا' میں وہاں سارے کام کرتا تھا اور اب یہ میری عادت بن چکی تھی کہ میں ہر بات میں "بسم اللہ" کہا کرتا تھا اور میرے کام اس قدر آسان ہو جاتے تھے کہ مجھے سمجھ ہی نہیں آتا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا۔ پھر اس رات میں اپنی چارپائی پر سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں سرسوتی کو دیکھا ایک جگہ خاموش کھڑی سینے پر ہاتھ باندھے حسرت بھری نگاہوں سے سامنے تک رہی تھی۔ میرے دل کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ میں نے سوچا کہ میں نے سرسوتی سے بہت وعدے کئے ہیں اور اس کے بعد میں اسے چھوڑ کر یہاں آگیا ہوں' بے شک سارے معاملات اپنی جگہ لیکن سرسوتی سے کیا ہوا وعدہ میں نے پورا نہیں کیا۔ گج راج وہاں موجود ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ یہاں تک نہیں آیا لیکن اس بات کے پورے پورے امکانات موجود ہیں کہ میرے سلسلے میں سرسوتی پر ظلم ہو رہا ہو گا۔ وہ اس سے پوچھ رہا ہو گا کہ میرے اندر کیا کمی باقی رہ گئی تھی' میں تو اس کا چیلا بن چکا تھا اور اپنی زبان سے اسے گرو مان چکا تھا پھر میں باغی کیسے ہو گیا۔ یہ کیا قصہ ہے۔

آنکھ کھل گئی۔ دل کو ایک عجیب سی خلش کا احساس ہونے لگا۔ ایک مجرمانہ احساس اور اس کے بعد ذہن نہ جانے کہاں کہاں اڑنے لگا۔ دل چاہا کہ جس طرح بھی بن پڑے سرسوتی کے پاس پہنچ جاؤں۔ جیسا بھی وقت گزرے جیسے بھی حالات ہوں مجھے سرسوتی سے کیا ہوا قول نبھانا چاہئے۔ افسوس بھرے انداز میں اپنی رہائش گاہ کی طرف دیکھا آنکھیں بند کیں اور "بسم اللہ" کہہ کر چل پڑا۔ دل میں یہ احساس تھا کہ بے چارہ سید میرے بارے میں سوچتا رہ جائے گا۔ اس کے بعد سے بڑا اچھا سلوک کرتا رہا تھا وہ میرے ساتھ۔ میں آنکھیں بند کئے آگے بڑھتا رہا۔ بس اس ماحول سے نکلتے ہوئے اپنے آپ کو اس احساس سے دور کرنا چاہتا تھا کہ میں سید کو دھوکا دے کر جا رہا ہوں' پھر مجھے ایک ٹھوکر سی لگی اور میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا کہ آنکھیں بند کر کے سفر کرنا بھی کوئی سفر ہوتا ہے۔ ٹھوکر تو لگتی ہی ہے لیکن اس وقت میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں جب میں نے اپنے سامنے وہی جگہ دیکھی جہاں سے میں نے اس طویل ترین سفر کا آغاز کیا تھا۔ آہ واقعی یہ وہی جگہ تھی جہاں گج راج رہتا تھا اور جہاں سرسوتی بھی ہوتی تھی۔ اچانک ہی مجھے اپنے بائیں سمت کوئی آتا ہوا نظر آیا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ گج راج تھا جو ٹھٹک کر رک گیا تھا اور عجیب سے انداز میں مجھے دیکھنے لگا تھا گویا اب کسی کھیل کا آغاز ہو جائے گا کیونکہ بہرحال میں نے گج راج کے حکم سے غداری کی تھی۔

مجھے اس بات پر شدید حیرت ہوئی تھی کہ ایک ٹھوکر نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا.....؟ اصل میں حیرت کی بات یہ تھی کہ اس سے پہلے تو میں گجراج کے سحر میں تھا' وہ جو چاہتا تھا کر ڈالتا تھا اور میں اس کے اثرات کا شکار رہتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ گجراج کے بغیر ایک ایسا عمل ہو گیا تھا۔ حیرانی کی بات تھی۔ بہرحال..... ساری باتیں اپنی جگہ گجراج کو سامنے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میرے اندر بوکھلاہٹ سی پیدا ہو گئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں.....؟ پھر گجراج نے اچانک ہی اپنا موڈ بدل لیا۔ کچھ اور قدم آگے آیا اور بولا۔ "وقت سے کچھ پہلے ہی تیرا جاپ ختم نہیں ہو گیا؟"

میں اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ پتا نہیں طنز کر رہا ہے یا واقعی اسے یہ بات نہیں معلوم کہ میں اس کے پاس سے چلا گیا ہوں "آ میرے ساتھ آ....." پھر وہ مجھے لیے ہوئے اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو گیا جسے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا یہاں پہنچ کر اس کا موڈ بدل گیا اور اس نے کہا۔

"گرو کہنے کے بعد جو غداری تو نے مجھ سے کی ہے اس کے لئے سزا بھی تو خود ہی

تجویز کرے گا۔" میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ غصے کی ایک لہر میرے وجود میں سرایت کر گئی۔ اصل میں بات تو صرف سمبان کی تھی۔ سمبان سے میں نے کہا تھا کہ اگر میں انسانی چلتر پر اتر آؤں تو گجراج مجھے اپنا قیدی بنا کر نہیں رکھ سکتا۔ نکل سکتا ہوں میں یہاں سے اور اللہ نے مجھے اپنی بات پوری کر دکھانے کا موقع دیا تھا۔ اب جب نوبت یہاں تک آ گئی تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ مجھ پر رحمتوں کا سایہ ہے تو میں کافی نڈر ہو گیا تھا میں نے فوراً ہی گجراج کے ساتھ سخت ردِ عمل کا فیصلہ کیا اور کہا۔

"بے وقوف..... سادھو! تو جو کچھ بھی ہے لیکن احمق ضرور ہے۔ تو کیا سمجھتا تھا.....؟ شروع سے لے کر آخر تک میں نے تیری شیطانیت کے عمل کو تسلیم نہیں کیا تو کیا میں تجھے گرو مانوں گا۔ میں تجھے صرف شیطان مان سکتا ہوں اور تجھے شیطان ہی سمجھتا ہوں۔"

"ارے..... تو نے ہماری شیطانیت دیکھی کہاں ہے.....؟"

"ٹھیک ہے..... اگر یہ بات ہے تو آج فیصلہ ہو جائے گا گجراج..... بلکہ یہ سمجھ لے کے تیرے پاس میں فیصلے کے لیے ہی آیا ہوں۔"

"سرسوتی کہاں ہے.....؟" گجراج چونکا پھر بولا۔ "سرسوتی سے تیرا کیا تعلق ہے.....؟"

"اسے میرے حوالے کر دے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اسے بھی تیرے چنگل سے نکالوں گا۔" جواب میں گجراج نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔

"واہ..... رے واہ..... تو نے ساری دنیا کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور ایک بات تجھے ماننا پڑے گی کہ تیری محبت کا مرکز سندر ناریاں ہی ہوتی ہیں۔ پہلے شمائلہ کے پھیر میں آیا۔ پھر سرسوتی کا ہمدرد بن گیا۔ نہ پہلا کام کر سکا تو اب تک نہ دوسرا کر سکے گا۔"

"میں دونوں کام کروں گا گجراج..... اور تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔"

"پاگل کے بچے..... میں نے تجھے جاپ کرنے کے لئے کہا تھا۔ لگتا ہے تو نے اپنا جاپ پورا کر لیا ہے اور کوئی چھوٹی موٹی شکتی حاصل ہو گئی ہے تجھے' جس کے بل پر تو چوہے کی طرح دُم پر کھڑا ہو گیا ہے۔ پر تو مجھے نہیں جانتا..... میں نے تو اپنا سارا جیون انہی منتروں میں گزارا ہے۔ تو نے ابھی صرف ایک ہی منتر پورا کیا ہے اور اپنی طاقت پر اتنا گھمنڈ کر رہا ہے۔ میرے بارے میں تجھے صحیح بات نہیں معلوم۔ چل..... اب تو ایسا کر مجھ پر اپنی شکتی آزما اور تماشا دیکھ۔ کیا سمجھا.....؟" وہ اپنی جگہ سے دو قدم پیچھے ہٹا تو میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گجراج..... سرسوتی کو میرے حوالے کر دے۔ میں چپ چاپ چلا جاؤں گا اور تجھے نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" گجراج پھر زور سے ہنسا اور بولا۔

"لے جانا..... لے جانا..... جلدی کیا ہے.....؟ لے جانا....." اس نے میرے چہرے پر نگاہیں جمادیں اور میں نے دل ہی دل میں اللہ کو یاد کیا اور بڑی گڑگڑا کر دعا کی کہ "معبود..... میں جو کچھ کہوں کسی اور کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تو جانتا ہے سب کچھ۔ اس وقت ایک شیطانی قوت کے آگے مجھے تیری مدد درکار ہے۔ میں تیرے نام سے اس شیطان کا مقابلہ کرنے کا آغاز کرتا ہوں۔" پھر میں نے خلوصِ دل سے ..... بسم اللہ ..... کہا ادھر گجراج کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی خوفناک آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ کچھ لمحے وہ مجھے دیکھتا رہا اور اس کے بعد اس کے ہونٹ تیزی سے ہلنے لگے اور کوئی منتر پڑھنے لگا لیکن یہاں میں نے ذرا سی ذہانت سے کام لیا۔ وہ تو منتر پڑھ رہا تھا اور میں نے اپنے سارے وجود کو اپنے عمل کی طاقت سے منور کر لیا تھا۔ چنانچہ ایک زور دار لات آگے بڑھ کر میں نے گجراج کے پیٹ پر ماری۔ گجراج کا منتر ادھورا رہ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر جھکا۔ میں نے اچھل کر ایک اور لات منہ پر ماری اور وہ زمین پر چت گر گیا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بہرحال بڑا سنسنی خیز تھا۔ زمین پر گرتے ہی وہ کمر کے بل کسی لٹو کی طرح گھومنے لگا اور اس کے دونوں ہاتھ..... دونوں پاؤں ایک دم لجلجے اور عجیب سے ہو گئے۔ وہ پھیل رہے تھے لمبے ہو رہے تھے اور اس کے بعد وہ سانپوں کی طرح پھنکار کر کھڑے ہو گئے۔ گجراج زمین پر تھا اور چار کالے ناگ جو دو اس کے ہاتھوں سے نمودار ہوئے تھے اور دو پیروں سے میری جانب لپکے میں نے ایک بار پھر بسم اللہ کہا..... اور اپنے آپ کو ان سانپوں سے بچانے کی کوشش کی۔ اچانک ہی پھنکارتے ہوئے ناگ اپنی لمبائی کم کرنے لگے اور کچھ لمحوں کے بعد گجراج کے دونوں ہاتھ اور پاؤں اس کی جگہ محدود ہو گئے۔ اس نے حیرت سے اپنے دونوں ہاتھوں اور پیروں کو دیکھا اور پھرتی سے الٹی قلابازی کھا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے دیوار پر بنی ہوئی پتھر کی تصویر پر ہاتھ مارا اور اچانک ہی وہ بھیانک شکل کی تصویر انسانی شکل میں آگے بڑھی۔ گجراج نے کہا۔

"پاکھنڈا..... مزہ چکھا دے اسے۔" اور بھیانک شکل والا بت میری جانب بڑھنے لگا۔ وہ اب بھی پتھر کا وجود ہی محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سیاہ تھا۔ یہی کیفیت اس کے بدن کی تھی لیکن آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں پتلی کا وجود نہیں تھا۔ وہ میری جانب بڑھنے لگا۔ بہرحال..... میں بھی اس وقت قوتِ ایمان سے مرصع تھا۔ مجھے صرف یہ

بات یاد آ رہی تھی جب کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک سہارا پکڑ لے، بس کافی ہے۔ گجراج کے منتر جو کچھ بھی ہوں میں نے ایک بار پھر بسم اللہ..... کہا اور آگے بڑھ کر ایک زور دار گھونسا پتھر کے اس مجسمے پر رسید کر دیا اور مجسمہ زمین پر گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ گجراج نے ایک بار پھر حیرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ فرار ہونے کی فکر میں ہے۔ وہ پھرتی سے دروازے کی طرف بھاگا تو میں نے زمین پر بیٹھ کر اس کے پیروں میں سوئپ لگا دی۔ اس کے حلق سے ایک زور دار آواز نکلی اور وہ زمین پر گر کر مجسمے ہی کی طرح ٹوٹ گیا۔ اس کی گردن..... اس کا چہرہ..... اس کے بدن کے مختلف حصے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور پھر اس کے بعد اس کے چہرے سے خول سا اتر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک اجنبی شکل میرے سامنے تھی۔ اس کی یہ پتھر جیسی گردن کچھ فاصلے پر پڑی تھی اور اس کے ہونٹوں سے آواز نکل رہی تھی۔

"ہم گجراج نہیں ہیں..... ہم گجراج نہیں ہیں..... گجراج مہاراج تو کہیں اور ہی ہوں گے ہم تو ان کے داس ہیں۔" یہ کہہ کر آواز بند ہو گئی اور پتھر کے مجسمے نے آنکھ بند کر لی۔ میرے بدن میں خوف کی سرد لہریں دوڑ گئی تھیں۔ یہ جادو نگری عجیب تھی لیکن اس مرتے ہوئے شخص نے جو الفاظ کہے تھے وہ نہ جانے کیوں مجھے بالکل سچ محسوس ہوئے تھے۔ واقعی..... یہ گجراج نہیں تھا بلکہ راجن تھا جس نے کچھ دیر کے لئے گجراج کا روپ دھار لیا تھا یا پھر اس بات کے بھی امکانات تھے کہ گجراج اس کے روپ میں میرے سامنے آیا تھا۔ میں ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر اس جگہ سے باہر نکل آیا۔ اب مجھے سرسوتی کی تلاش تھی ساری باتیں اپنی جگہ..... دل میں تو بہت سے خیالات تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید گجراج کی موت کے بعد شمائلہ کا پتا بھی مجھے مل جائے لیکن راجن کے یہ الفاظ کافی تھے کہ وہ گجراج نہیں ہے۔ سرسوتی بے شک یہیں ہو گی لیکن گجراج اب بھی شمائلہ پر قبضہ جمائے ہوئے بیٹھا ہے۔ میں نے آخرکار سرسوتی کو تلاش کر لیا۔ اس کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ جو حسن و خوبصورتی اس کے چہرے پر تھی اب وہ نہیں رہی تھی۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد اور آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔ کچھ لمحے وہ مجھے دیکھتی رہی پھر بری طرح روتی ہوئی آگے بڑھی اور مجھ سے لپٹ گئی میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"سرسوتی.....!"

"شازل جی....." وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا سرسوتی! کہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ تم مجھ سے جو بھی رشتہ قائم کرو میرے دل میں تمہارے لئے بہنوں جیسا پیار ہے۔ انسان کا دھرم ایک

ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ انسان ہوتا ہے اور اس کے بعد اس کا دھرم..... اس کا دین..... اس کا مذہب اسے بتایا جاتا ہے۔ تم میرے لئے اس نوزائیدہ بچے کی مانند ہو جو اس دنیا میں نیا نیا آیا ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس کا دین دھرم کیا ہے.....؟ ہمارے رشتے ایک طرف ڈال کر میں تمہیں خلوص دل سے اپنی بہن کہتا ہوں۔" وہ میرے قریب تھی۔ اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور میرا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے.....؟ بھیاجی..... کہاں چلے گئے تھے..... شازل؟"

"بس..... یوں سمجھ لو کہ کچھ ذمہ داریاں ہیں میرے شانوں پر' جن میں سے ایک ذمہ داری ایک اور لڑکی ہے۔ باقی میری اپنی بے کار سی زندگی ہے۔ جس کا کوئی مصرف فی الحال نہیں ہے۔ تمہیں پالیا' کافی ہے۔ آؤ..... اب یہاں سے نکلتے ہیں۔" میں نے کہا اور سرسوتی کو بازو سے پکڑ کر وہاں سے نکال لایا۔

"بھیاجی..... راجن یہاں موجود ہے۔ اس نے گجراج کا روپ دھار رکھا ہے۔ پر وہ گجراج نہیں ہے۔ میرے سامنے وہ اپنی اصل شکل میں ہی آتا ہے اور بھیاجی..... بھیاجی....." وہ بڑی بے بسی سے رونے لگی۔

"آؤ..... میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ راجن کہاں ہے.....؟" پتھر کے وہ ٹکڑے اپنی جگہ پڑے ہوئے تھے اس نے انہیں دیکھا اور اس کی کیفیت بھی وہی ہونی چاہئے تھی۔

"یہ..... یہ....."

"مر گیا..... کمینہ..... .....؟"

"مم..... مگر..... کیسے.....؟"

"بس سرسوتی! تمہاری محبت نے مجھے یہ طاقت دی اور میں نے اپنے اللہ کی مدد سے اس ایک شیطان کا خاتمہ کر دیا اور اس کے علاوہ سرسوتی! تم دیکھ لینا کہ وہ بدبخت بھی میرے ہاتھوں ہی مرے گا۔ تیلی کی اولاد..... اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتا ہے؟ آؤ یہاں سے نکلیں۔"

پھر ہم دونوں وہاں سے چل پڑے تھے اور ہم نے یہ فاصلے طے کر لئے تھے۔ خاصا طویل سفر تھا۔ اس کے بعد ہم بستی میں داخل ہوئے تھے۔ میں نے سرسوتی سے کہا۔

"سرسوتی میں تم سے یہ بات بالکل نہیں پوچھوں گا کہ تم کہاں جاؤ گی..... لیکن ہمارا جو حلیہ ہے ہمیں وہ تبدیل کرنا ہے۔ اس کے لئے ہمیں تھوڑا سا وقت درکار ہو گا۔ پونم پور میں اپنے لئے کوئی جگہ تلاش کرنا ایک اہم کام تھا۔ بہرحال..... ہمیں

سرائے میں جگہ مل گئی۔ میں یہ بات نہیں جانتا تھا کہ راجن کے قتل کے سلسلے میں میرے خلاف کیا کارروائی ہو گی.....؟ لیکن بہرحال میرے لئے وقت نکالنا بہت ضروری تھا۔ تاکہ اپنے حلئے تبدیل کر لئے جائیں۔ دوسرے دن میں نے اس سلسلے میں اہم کیا اور جس طرح بھی بن پڑا تھوڑا بہت انتظام کرنے کے بعد سب سے پہلے میں نے پونم پور چھوڑ دیا اور خاص کام یہ کیا تھا میں نے کہ سرسوتی کے لئے ایک برقعہ خریدا تھا۔ پردے کی اہمیت اور افادیت کا مجھے تو پہلے ہی سے علم تھا۔ یہ پردہ ہزاروں عیب ڈھک لیتا ہے اور کبھی کبھی اس قدر معاون ہوتا ہے کہ بیان سے باہر..... برقعے میں چھپی سرسوتی ہر بری نگاہ سے محفوظ ہو گئی تھی۔ وہ ہر لمحے مجھ سے تعاون کرتی تھی۔ ہم نے ایک چھوٹا سا سفر کیا۔ ابھی ہمیں بہت سے کام کرنے تھے۔ اس سفر کا اختتام جس آبادی پر ہوا تھا وہ بھی ایک چھوٹی سی آبادی تھی لیکن یہاں رک کر ہمیں آگے کے لئے مؤثر فیصلے کرنے تھے۔ میں نے اپنی نئی قیام گاہ پر سرسوتی سے کہا۔

"سرسوتی..... میں اس بات کے لئے اللہ کا شکرگزار ہوں کہ جو وعدہ میں نے تم سے کیا تھا کسی حد تک اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔ اس کے بعد مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کہ کہاں جانا چاہتی ہو..... اور آگے کے لئے کیا منصوبہ ہے تمہارے ذہن میں.....؟"

سرسوتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہنے لگی۔

"شازل بھیا..... سب کچھ ہی تو جانتے ہو میرے بارے میں۔ میں کیا کروں اور کیا کہوں تم سے.....؟"

"اگر کچھ نہیں کہنا چاہتی ہو تو کیا اپنے بھائی کا ایک مشورہ مان لو گی.....؟"

"مان لیا میں نے..... پوچھنے کے کیا امکانات ہیں.....؟"

"اپنے گھر کا مکمل پتا بتاؤ..... میں تمہیں لے کر تمہارے گھر چلوں گا اور قسمت آزماؤں گا۔ بے شک بہت عرصہ گزر چکا ہے لیکن پھر بھی تمہارے لئے سب سے بہتر ٹھکانہ وہی ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں محفوظ ہاتھوں میں پہنچانے کے بعد میں دوسرا کام سرانجام دوں۔"

سرسوتی اس طرح زار و قطار روئی تھی کہ میرا دل بھی پگھل کر پانی ہو گیا تھا لیکن بہرحال..... اس نے مجھ سے تعاون کیا اور اپنے ماں باپ کے بارے میں بتاتی رہی۔ پھر دو دن قیام کرنے کے بعد ہم لوگ وہاں سے چل پڑے تھے اور فاصلہ طے ہوتا رہا تھا۔ جب ہم سرسوتی کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچے تو میں نے یہاں ہری رام کا پتا معلوم کیا۔ یہ سرسوتی کے باپ کا نام تھا۔ ہری رام کے گھر کے بارے میں معلوم ہو گیا تو میں سرسوتی کو

لے کر اس کے گھر پہنچ گیا۔ پھر وہی سب کچھ ہوا جس کی مجھے توقع تھی۔ سرسوتی کے
خاندان میں بہت سے افراد کا اضافہ ہو چکا تھا لیکن میں نے ان لوگوں کو سرسوتی کے بارے
میں تفصیلات بتائیں تو وہ اس کے دیوانے ہو گئے اور برقعے میں لپٹی سرسوتی کا برقعہ اتر
گیا۔ غرضیکہ اپنے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد آخر کار میں نے اپنی منزل کا رخ
یہ بات تو مجھے معلوم تھی کہ امیر شاہ صاحب یہاں سے چلے گئے ہیں لیکن وہ جگہ تو
نہیں جا سکتی تھی۔ جہاں یہ سارا معاملہ اصل میں موجود تھا۔ راج پور کا وہی ویران علاقہ
میرے اقدامات کا مرکز بن گیا اور نہ جانے کیسے کیسے مراحل سے گزر کر آخر کار میں
تہہ خانے میں پہنچ گیا اور اس وقت بھی گجراج تیلی اس تابوت میں موجود تھا جس میں
نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور اس کے خاموش بدن
دیکھنے لگا پھر میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اٹھ گجراج..... دیکھ میں واپس آگیا ہوں۔ تُو نے میرے بارے میں صحیح اندازہ
نہیں لگایا تھا..... تُو نے یہ نہیں سوچا تھا کہ امیر شاہ صاحب کے عقیدت مند اتنی آسانی
سے تیرے جال میں نہیں پھنس سکتے بے وقوف سادھو! تُو نے یہ نہیں سوچا کہ میرا تعلق
کس مذہب سے ہے.....؟ دیکھ تیرے چنگل سے نکلنے کے بعد میں پھر واپس آیا ہوں
تُو نے مجھے شیطانی قوتوں کے حصول کے لئے بھیجا تھا لیکن دیکھ..... میں نے ان شیطانی
قوتوں پر تھوک دیا ہے۔ آ اب میرے سامنے آ اور مجھ سے مقابلہ کر....."

"ہم تو تمہارے پیچھے کھڑے ہیں میاں جی....." گجراج کی آواز سنائی دی اور میں
بری طرح اچھل کر واپس پلٹا۔ تابوت میں گجراج کا بدن پڑا ہوا تھا لیکن میرے عقب میں
وہ اصل میں موجود تھا اور مسکرا رہا تھا کہنے لگا۔

"خیر..... اب ایک بات تو ہم نے تجھ سے شروع سے ہی کہی تھی کہ تیرے دل
میں ایک ایسی سیاہی موجود ہے جس کے اس پار نہیں دیکھا جا سکتا۔ پر تُو نے راجن کو مار کر
ہمیں حیران کر دیا ہے۔ کیا اب بھی نہیں بتائے گا..... کہ یہ طاقت تیرے پاس کہاں
سے آئی.....؟"

"گجو تیلی..... تُو نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ میں امیر شاہ صاحب کو نقصان نہ
دوں۔ اب دیکھ امیر شاہ صاحب کیا چیز ہیں.....؟ تُو تو میرے گیان کو نہیں چھین سکا
لیکن امیر شاہ صاحب کی محبت کی نشانی میرے پاس ایک قوت کی حیثیت سے موجود ہے
اور تُو اس قوت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"باؤلے..... ہم نے پہلے ہی تجھ سے کہا تھا کہ دل کو پسند آگیا ہے تُو.....

نہیں پہچانا چاہتے تھے تجھے..... پر تُو نے ہمارا بڑا نقصان کر دیا۔ دیکھ..... ایک
آخری پیشکش کر رہے ہیں تجھے۔ مان لے..... جیون بھر اپنے فیصلے پر خوشی محسوس
کرے گا۔ نہیں مانا تو سمجھ لے کہ اس کے بعد ہمارے من میں تیرے لئے کوئی گنجائش
نہیں ہو گی۔ تُو نے اپنے ہاتھوں سے راجن کو ختم کر کے اپنے لئے ایک جگہ بنائی ہے۔
..... یہ جگہ ہم تجھے دیتے ہیں۔ ہمارا چیلا بن کر سچے من سے ہماری بتائی ہوئی باتوں پر
عمل کر۔ راجن کی جگہ تجھے پونم پور میں مقرر کر دیں گے۔ یہ آخری پیشکش ہے۔ تُو اگر
اسے نہیں مانے گا تو پھر کچھ نہیں ملے گا تجھے....."

"مجھے تجھ پر افسوس ہے تُو نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ موت قبول کر کے گزارا
ہے۔ صرف اس لئے کہ باقی زندگی امر کر لے لیکن ایک بات میں تجھے بتاؤں کہ تیرا
دین..... تیرا دھرم..... بلکہ تیرا دھرم ہے ہی کیا.....؟ ہندو دھرم کا بھی ایک مان
ہوتا ہے پر تُو تو کالے دھرم کا پیروکار ہے۔ تُو نہ اُدھر کا ہے نہ اِدھر کا..... اور دیکھ
تیرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں.....؟"

"ٹھیک ہے رے..... جا پھر جہنم میں جا۔"

اس نے اچانک ہی اپنا منہ کھول دیا اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل پڑے۔
ان شعلوں نے پورے ماحول میں آگ لگا دی تھی۔ ایک لمحے کے لئے سب کچھ میری
نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں شعلوں میں گھر گیا اور مجھے یوں لگا جیسے میرے پورے
لباس نے آگ پکڑ لی ہو لیکن میں نے آنکھیں بند کر کے خلوصِ دل سے بسم اللہ پڑھی اور
شعلوں کی تپش میرے وجود سے ختم ہو گئی۔ یہاں تک کہ یہ شعلے سرد ہو گئے اور مجھے
زندہ سلامت دیکھ کر گجراج کے چہرے پر عجیب سے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے اچانک ہی
دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور اس کے ساتھ ہی زمین سے ایک خوفناک سنسناہٹ ابھری
اور گرم گرم کھولتا ہوا پانی ایک دم کمرے میں بھرنے لگا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں لیکن
اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے میرا بدن فضا میں بلند ہو گیا ہو اور میں اونچا اڑتا چلا جا رہا
ہوں۔ میں نے گجراج کو دیکھا وہ گردن اٹھائے..... حیرت سے منہ کھولے مجھے دیکھ رہا
تھا۔ پھر اچانک ہی اس نے تہہ خانے کی سیڑھیوں کی جانب چھلانگ لگا دی لیکن مجھے یوں
لگ رہا تھا جیسے میں کسی پرندے کی مانند اس کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہا ہوں۔ ماحول بدلتا
چلا گیا۔ اب میرے سامنے وہ پتھریلی چٹانیں تھیں جو میں نے بھی دیکھی تھیں لیکن اس
عالم میں کہ زندگی مجھ پر دوبھر ہو رہی تھی۔ میں پرندے کی طرح پرواز کرتا ہوا گجراج پر
سے گزر رہا تھا۔ گجراج دوڑتا رہا۔ پھر وہ ایک چٹان کی آڑ میں سے گزرا تو اس کا سینہ

دھونکنی کی مانند پھول پچک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ دہل کر رہ گیا۔ اب وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا لیکن شیطان اپنی شیطانیت سے کہاں باز آتا ہے.....؟ دفعتاً وہ جھکا اور اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور ایک چکر لگا کر اسے چاروں طرف بکھیر دیا۔ مٹی کا ایک دائرہ بن گیا تھا۔ وہ اس دائرے میں تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گیا اور اس نے خوف بھری آواز میں کہا۔

"دیکھ..... اس چکر کے اندر مت آنا..... ورنہ جل کر بھسم ہو جائے گا۔"

"گجراج..... تو خود مجھے راستے دکھا رہا ہے میں کیا کروں.....؟ سن..... میرے پاس کوئی علم ہے نہ میں کوئی ایسی قوت حاصل کر سکا ہوں جو تیری شیطانیت کا مقابلہ کر سکے۔ بس یوں سمجھ لے کہ یہ شیطان کو فنا کرنے کے لئے ایک لمحے کی ذمہ داری ہے جو مجھے سونپ دی گئی ہے۔"

"پاپی..... ذرا اس دائرے کے اندر آ کر دیکھ تیرا کیا حال ہوتا ہے.....؟"

"آجاتا ہوں گجراج! لیکن اس کے بعد....."

"اس کے بعد..... جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا۔" پھر میں نے آنکھیں بند کر کے بسم اللہ پڑھی اور دائرے میں قدم رکھ دیئے۔ پھر آگے بڑھ کر میں نے گجراج کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا اور اسے گھسیٹ کر دائرے سے باہر نکال دیا تھا۔ بے جسم کا گجراج اب میرے لئے بے جسم نہیں تھا اور اسے خود بھی احساس ہو رہا تھا کہ اس کی بہت سی قوتیں میرے سامنے ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ اس نے حیران لہجے میں کہا۔

"جے بھوانی..... آخر تو یہ کون سی شکتی لے کر آیا ہے.....؟"

"میری بات تو نہیں مانے گا گجراج۔ مگر میں اس سے زیادہ تجھے کہنا بھی نہیں چاہتا۔ بول شمائلہ کہاں ہے.....؟"

"ایک بات سن ہم نے شکتی کی جنگ لڑ لی۔ میرا شریر اب گم نہیں ہو سکتا۔ پر..... آ..... انسان ہے تو انسان بن کر مجھ سے لڑ لے۔ اگر تو نے میرے بدن کی شکتی کو بھی شکست دے دی تو پھر میں تیری ہر بات مان لوں گا یا تو مجھے مار دینا یا میں تجھے مار دوں گا۔ پر شرط یہ ہے کہ اب شکتی کی جنگ نہیں ہو گی۔"

"تیری مرضی ہے گجراج..... میں تو تجھ سے کہہ ہی چکا ہوں کہ میں ہر کام کے لئے تیار ہوں۔ جس سے تجھے تیری شیطانیت کی موت کا احساس ہو۔"

"تو پھر آجا....." اس نے کہا اور میں نے شانے ہلا دیئے۔ درحقیقت اس وقت میں اپنے آپ کو فلمی ہیرو سمجھ رہا تھا۔ دل میں موجود احساس اپنی جگہ لیکن بڑا لطف آ

رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ مجھے جو قوت حاصل ہو گئی ہے اس کے آگے یہ شیطانی قوتیں بیکار ہیں۔ بڑا لطف آ رہا تھا اس تصور کے ساتھ۔ ایک طرف ناظم ارسلان..... میری زندگی بچانے کے لئے مصروف ہے۔ دوسری طرف امیر شاہ صاحب کی دعائیں اور تیسری طرف ایک لازوال قوت میری مددگار ہے۔ ایسے شخص کے لئے کتنی آسانیاں ہوتی ہیں۔ مجھے اس کا اندازہ تھا۔ مگر گجراج کسی پہلوان کی طرح اپنا لباس درست کر کے میرے مدِمقابل آ گیا تھا اور مجھ پر داؤ لگانے کی فکر میں تھا لیکن بہرحال..... میرا طریقۂ جنگ مختلف تھا۔ گجراج نے جھکائی دے کر میری کمر پکڑ لی لیکن یہی چیز اس کے لئے بڑی خطرناک ثابت ہوئی۔ اس کے مضبوط ہاتھ میری کمر سے لپٹ گئے۔ بے شک ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میری پسلیاں ٹوٹ رہی ہوں لیکن دوسرے لمحے میں نے اس کی کمر پکڑی اور یا اللہ کہہ کر اسے سر سے بلند کر کے کمر ہی کے بل زمین پر دے مارا۔ گجراج نیچے گرا تھا اس کے حلق سے ایک درد بھری چیخ نکلی تھی لیکن اچانک ہی وہ گول گول گھومتا ہوا مجھ سے دور نکل گیا اور کچھ لمحوں کے بعد پھر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اس نے مجھ پر دوسرا حملہ کیا اور میں اس کی مرمت کرنے لگا۔ اس کی کہنیاں..... ناک اور پیشانی پتھروں اور چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر شدید زخمی ہو چکی تھیں اور اس کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر گر پڑا تو میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ہاں..... اب تو مجھے یہ بتا دے کہ شمائلہ کہاں ہے؟"

"ایک وعدہ کر..... اگر میں تجھے اس کا پتا بتا دوں تو مجھے چھوڑ دے گا۔"

"نہیں گجراج..... شمائلہ کا اللہ حامی و ناصر ہے تیری موت اس وقت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت سی خلقِ خدا کا فائدہ ہے۔ شمائلہ کی تقدیر میں اگر اس کی زندگی کی واپسی نہیں ہے تو یہ اللہ کا کام ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے اسے پکڑ لیا اور وہ جلدی سے بولا۔

"وہ تہہ خانے ہی میں ہے..... وہ وہیں تہہ خانے میں ہے۔ مگر تو مجھے جانے دے۔"

"میں نے پہلے ہی تجھ سے کہا تھا کہ تو مجھے اس کا پتا بتا یا نہ بتا لیکن میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے بسم اللہ کہہ کر اس کی گردن پکڑی اور اسے دباتا رہا۔ گجراج کا بدن سانپ کی شکل اختیار کر گیا تو یہ سانپ بھی آہستہ آہستہ ہوا میں تحلیل ہونے لگا اور کچھ لمحوں کے بعد میری مٹھیوں میں کچھ نہ رہا لیکن زمین پر بہت سا خون جمع ہو گیا تھا۔ پھر خون

اس طرح ابلنے لگا جیسے ہانڈی میں کوئی چیز ابلتی ہے۔ ایک بھیانک منظر میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ حالانکہ یہ خون اور یہ غلاظت پتھر کی ایک چٹان پر پڑی تھی لیکن چٹان کا وہ حصہ بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ پگھلتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ چٹان میں ایک گہرا گڑھا ہو گیا اور سب کچھ اس گڑھے میں گم ہو گیا۔ یہ سارا منظر اگر کوئی عالم ہوش میں دیکھ لیتا اور گجراج کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو یقینی طور پر اس کے دل کی حرکت بند ہو جاتی لیکن میں سب کچھ جانتا تھا اور مجھے علم تھا کہ ایک شیطان کی موت پتھر کی ان چٹانوں پر ہو رہی ہے۔ جو کچھ ہو جائے وہ کم ہے۔ پھر جب میں وہاں سے پلٹا تو ایک انتہائی خوشگوار احساس میرے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا کہ میں نے دو نیک کام کرنے ہیں۔ سرسوتی کو اس کے گھر پہنچا دیا۔ شمائلہ مل جائے تو اسے بھی اس کے گھر پہنچا دوں۔ ان کاموں کے لئے میں نے مشقت کی تھی اور صرف نیک نیتی کے ساتھ کوئی برائی میرے دل میں نہیں ہے۔ یقینی طور پر مجھے اس کا صلہ ملے گا۔ آخرکار میں واپس اسی تہہ خانے میں پہنچ گیا اور پھر کافی تلاش کے بعد مجھے اس تہہ خانے میں وہی کمرہ نظر آ گیا جو بڑا وسیع اور کشادہ تھا اور اسی کمرے میں شمائلہ ایک آرام دہ نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ آج بھی وہ اتنی حسین اور پاکیزہ تھی۔ اس کے انداز سے پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ جنون کی کون سی منزل میں داخل ہو چکی ہے.....؟ بہرحال اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

"شمائلہ..... پہچانتی ہو مجھے.....؟"

"تم..... ہاں شاید میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔"

"تمہارا نام شمائلہ ہی ہے نا۔"

"ہاں شمائلہ ہی ہے۔"

"حسن تمہارا بھائی ہے اور تمہارے ماں باپ....."

"میرا دماغ کام نہیں کرتا۔"

"آؤ شمائلہ..... ضروری نہیں ہے کہ تم مجھے پہچان لو لیکن مجھے یقین ہے کہ اس شیطان کے چنگل سے نکلنے کے بعد تمہیں سب کچھ یاد آ جائے گا۔ آؤ..... میرے ساتھ چلو۔" اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے شمائلہ کے پورے بدن میں تھرتھری پیدا ہو گئی ہو وہ متوحش انداز میں مجھے دیکھنے لگی اور اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں اس کے بعد اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ پھر اس کے منہ سے کراہتی ہوئی آواز نکلی۔ "میرے خدا..... میرے خدا....."

اور میرے دل میں مسرت کا ایک طوفان ابل پڑا۔ اس کا مطلب تھا میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میں نے دل میں سوچا۔ اس نے چہرے سے ہاتھ اٹھا کر دیکھا اور بولی۔

"شازل..... شازل آپ....."

"خدا کا شکر ہے شمائلہ....."

"مم..... مگر میں کہاں ہوں.....؟"

"آؤ..... اب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تمہارے ساتھ ہوں جس طرح حسن تمہارا بھائی ہے شمائلہ' اسی طرح میں بھی تمہارا بھائی ہوں۔ بے فکر رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھے تھے اور میرے الفاظ سے کافی مطمئن ہو گئی تھی۔ اس کے بعد ہم وہاں سے چل پڑے۔ بے شک وہ میرے ساتھ تھی اور اس کا حال بھی بہتر تھا لیکن بہرحال ..... وہ کچھ کھوئی کھوئی سی لگ رہی تھی۔ پھر اس کے بعد ہم نے ایک طویل سفر طے کیا تھا اور آخرکار اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے۔ زمان گڑھی کا وہ مکان مجھے یاد تھا اور میری خوش قسمتی تھی کہ وہ لوگ وہاں موجود تھے۔ دستک دی تو اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور کچھ لمحوں کے بعد حسن نے دروازہ کھول دیا۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ حالت خراب تھی لیکن ایک لمحے تک وہ مجھے کھوئی کھوئی نگاہوں سے دیکھتا رہا اور پھر ایک دم جیسے اس کی آنکھیں جاگ اٹھیں۔

"شازل..... شازل تم....."

"حسن..... میرے دوست۔ یہ میں ہی ہوں دیکھو کسے ساتھ لایا ہوں.....؟"

حسن نے میرے عقب میں دیکھا شمائلہ کو دیکھ کر اس پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اس کے پورے بدن میں کپکپاہٹ دوڑ گئی تھی۔ پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"ش..... شمائلہ....."

"ہاں..... شمائلہ!" میں نے کہا اور حسن کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی۔ اس کے چیخ نے اندر موجود لوگوں کو متوجہ کر دیا تھا۔ امتیاز علی..... ناصر علی دوڑتے ہوئے آئے تھے اور پھر جو کیفیت یہاں ہوئی وہ قابل دید تھی کہرام مچ گیا تھا۔ "شمائلہ آ گئی..... شمائلہ آ گئی۔" اور تمام لوگ شمائلہ کے گرد جمع ہو گئے تھے بڑی عجیب و غریب صورت حال ہو گئی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان اب مجھے نہیں رہنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد سپاس گزاری کا دور شروع ہو گا۔ میرے بارے میں تعریفی اور توصیفی الفاظ کہے جائیں گے۔ میں اپنی کوششوں کی وصولیابی نہیں چاہتا تھا۔ بس

جو اللہ کا حکم تھا وہ ہو گیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ان لوگوں کو میری وجہ سے ایک بڑی مصیبت سے نجات ملی تھی اور ایک ایسی شیطانی قوت کا خاتمہ ہو گیا جو..... بہرحال نہ جانے کتنے انسانوں کے لئے باعثِ عذاب تھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن مجھے ایک ایسی قوت حاصل ہو گئی تھی جو میری ساری زندگی پر محیط تھی۔ باقی سارے معاملات تو جیسے ہونے ہیں ہوں گے لیکن میں اپنی اس قوت سے انسانوں کے لئے کچھ کر سکتا ہوں تو ضرور کروں گا۔ بہرحال ان لوگوں نے میری پذیرائی کی۔ اب تو میں ان کی آنکھوں کا تارا بن گیا تھا اور ان میں سے ہر ایک میری محبت سے سرشار تھا لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے.....؟ محبتوں کا خراج وصول کروں یا یہاں سے نکل جاؤں۔ فوراً نکلنا بھی مناسب نہیں تھا۔ شمائلہ کو ان کے حوالے کرنے کے بعد کچھ وقت تو یہاں رکنا ہی تھا تو میں نے ایسا ہی کیا لیکن رات کی تاریکی میں جب یہ تمام لوگ اپنی خوشیوں میں مگن تھے میں نے خاموشی سے یہ گھر چھوڑ دیا اور دبے قدموں وہاں سے نکل کر ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ یہاں سے ٹرین میں بیٹھ کر آگے کے سفر کا آغاز کر دیا۔ رات کا وقت تھا ہر طرف خاموشی سناٹے کا راج تھا۔ مجھے وہ لمحات یاد آ گئے جب مجھے ایک ایسے بزرگ نے عطیہ بخشا تھا جو بظاہر کچھ بھی نظر نہیں آتے تھے اور جو صاحبِ علم ہوتے ہیں وہ اپنی نمائش نہیں کرتے لیکن جو کچھ انہیں کرنا ہوتا ہے خاموشی سے کر گزرتے ہیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے..... نہ کوئی منزل نہ کوئی شناسائی' اجنبی دنیا..... اجنبی لوگ دل میں کبھی کبھی گھر کی یاد آتی تھی تو دل تڑپنے لگتا ہے لیکن ایسی جگہ جانے کا کیا فائدہ.....؟ جہاں دوستوں کا کوئی نشان تک نہیں تھا۔ اجنبی چہرے بلکہ اگر میں ان کے درمیان واپس لوٹ بھی گیا تو نہ جانے کیا سوچیں گے وہ.....؟ بہرحال سارے معاملات اسی طرح تھے۔ میں ٹرین میں چلا جا رہا تھا' بعد میں نوٹ کیا تھا میں نے کہ پہلے کی مانند اس وقت بھی فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں ہی تھا تو اس کمپارٹمنٹ میں پہلے کی طرح ویرانی نہیں تھی لیکن بہرحال پھر بھی یہاں صاحبِ حیثیت لوگ سفر کر رہے تھے۔ میری نگاہ ایک ایسے خاندان پر پڑی جو آٹھ دس افراد پر مشتمل تھا اور خاصے خوشحال لوگ نظر آتے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر یہاں ٹکٹ چیکر آ جائے اور مجھے چیک کر لے تو میری خاصی بے عزتی ہو گی کیونکہ میں نے ٹکٹ وغیرہ نہیں لیا تھا۔ خاندان میں نوجوان لڑکے اور ایک دو لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک بزرگ بھی تھے۔ میں نے چند لمحات ان پر نگاہیں جمائے رکھیں پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا لیکن زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ریلوے ٹکٹ چیکر کو میں نے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور

ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں الجھنوں کا بسیرا ہو گیا۔ ٹکٹ چیکر نے ان لوگوں سے ٹکٹ تو طلب نہیں کئے تھے بس اپنے پاس موجود لسٹ میں مسافروں کے نام دیکھ رہا تھا۔ فرسٹ کلاس کے مسافر تھے۔ ٹکٹ چیکر ان سے ٹکٹ طلب نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ مجھے اس وقت حیرت ہوئی جب وہ مجھے بھی اپنی لسٹ میں چیک کر کے نکل گیا۔ یہ کیا ہوا۔ میں نے دل میں سوچا۔ بہرحال تقدیر اچھی تھی جو ان لوگوں کے سامنے بے عزتی نہیں ہوئی۔ شاید ریلوے کے کرتا دھرتاؤں نے میرے حق میں بہتری کی تھی اور اپنی ناقص کارکردگی سے ایک انسان کی عزت بچالی تھی' حالانکہ یہ ایک بہتر عمل نہیں تھا' لیکن میری مجبوریاں مجھے خاموش رہنے پر اکسا رہی تھیں' کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ بہرحال ٹکٹ چیکر کے چلے جانے کے بعد مجھے خاصا سکون ہوا اور کچھ نہیں تو کم از کم تھوڑا سا وقت بہتر رہے گا۔ اپنے لئے کوئی اور مناسب ٹھکانہ تلاش کروں گا' ویسے ایسے لمحات میں دل کو ایک عجیب سی ویرانی کا احساس ہوتا تھا' میں جو ایک بھرے پُرے خاندان کا فرد تھا اب بالکل بے یار و مددگار زندگی بسر کر رہا تھا۔ نہ کوئی مونس نہ کوئی ہمدرد..... اگر اصولی طور پر دیکھا جائے تو مجھے اس دنیا میں اپنے لئے کوئی مناسب ٹھکانہ تلاش کرنا چاہئے۔ یہاں رہنے والے عام انسانوں کی مانند زندگی گزارنی چاہئے' لیکن میں کیا کرتا میری زندگی انسانی راستوں سے ہٹ چکی تھی' جن ہولناک واقعات سے گزرا تھا' کسی اور کے ساتھ پیش آئے ہوتے تو وہ ذہنی توازن بھی کھو بیٹھتا' کیا کیا مشکلیں نہ گزری تھیں مجھ پر اور صحیح معنوں میں بظاہر اس کا کوئی نتیجہ نہیں تھا' بس ذہن میں یہ خیال آیا تھا۔ اگر وسیع النظری سے کام لیتا تو بات دل کو سکون دینے کے لئے کافی تھی۔ کمال صاحب اور اس کے بعد بزرگ محترم امیر شاہ نے میرے ہاتھوں دو معصوم لڑکیوں کو زندگی کے عذاب سے بچایا تھا' شمائلہ کے ساتھ تو اس کا پورا خاندان ملوث تھا اور شیطان گجراج سے ایک مسلمان لڑکی کی عزت اور آبرو بچا کر میں نے ایک پورے خاندان کو نئی زندگی دی تھی' یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی' میں نے دل میں سوچا کہ کس قدر راہنمائی ہوئی ہے میری' سچائیاں چھپی تھیں ان سوچوں میں۔ پھر میں نے اپنے ذہن کو اس اداس تصور سے نکال لیا اور سامنے والے خاندان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے ان بزرگ خاتون کو دیکھا جو پرانے طرز کے لباس میں ملبوس تھیں اچھے بلند و بالا قد و قامت کی مالک چوڑی دار پائجامہ پہنے' چاندی جیسے سفید بال' مگر اچھے خاصے لمبے' چہرے سے کافی تیز طرار نظر آتی تھیں' ہونٹوں پر پانوں کی دھڑی جمی ہوئی تھی' رنگ خوب گورا چٹا' پان کھانے کی عادی' پھر میں نے دوسرے لوگوں کو دیکھا' لڑکیاں انتہائی حسین لباسوں میں ملبوس' سب سے حسین شخصیت اس لڑکی

کی تھی جسے دیکھ کر ایک بار میں جی نہیں بھرتا تھا' لباس بہت عمدہ سا' سادہ سا حسین چہرہ' دھلی دھلی آنکھیں' ساتھ میں دو لڑکیاں اور بھی تھیں' اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک شوخ شریر نوجوان بھی۔ میں ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور یہ کوشش کر رہا تھا کہ انہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہونے پائے لیکن جوانی کہاں باز رہ سکتی ہے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے ہوا تھا کہ دوسری دو لڑکیوں نے ان بزرگ خاتون کے کان میں کچھ کہا اور بزرگ خاتون نے خاص طور سے نگاہیں گھما کر مجھے دیکھا۔ نہ جانے کیوں مجھے کسی خطرے کا احساس ہوا تھا اور میرا یہ احساس غلط نہ ثابت ہوا۔ اچانک ہی بڑی بی مجھ پر نازل ہو گئی تھیں اور وہ نوجوان چونک کر بڑی بی کو دیکھنے لگے تھے' جن میں سے ایک کے چہرے پر شرارت لپٹی ہوئی تھی۔ بڑی بی میرے پاس آکر کھڑی ہو گئیں۔

"کون ہو تم.....؟" انہوں نے پاٹ دار آواز میں پوچھا۔

"جج..... جی..... مم..... میں.....!"

"یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" بڑی بی نے کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑنے والے انداز میں پوچھا اور میں واقعی بوکھلا گیا۔ اس وقت ایک نوجوان پیچھے سے ان کے قریب پہنچا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں تائی اماں.....!"

"تم چپ رہو' میں کہتی ہوں یہ غیر مرد ہمارے ڈبے میں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں!"

"آپ کمال کر رہی ہیں' یہ ڈبہ ہمارے والد صاحب کی ملکیت نہیں ہے' چلیں آپ چل کر واپس بیٹھیں۔"

"ارے ذمہ داری ہے میری' بچیوں کے ساتھ سفر کر رہی ہوں' یہ غیر مرد میرے سامنے آکر بیٹھ گیا ہے اس سے کہو کسی اور کونے میں جا کر بیٹھ جائے۔"

"آپ چلتی ہیں ادھر یا نہیں۔" نوجوان نے بڑی بی کا بازو پکڑا اور بڑی بی نے اپنا بازو چھڑا لیا۔

"دیکھو میاں میں نے ہزار بار کہا ہے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا کیا سمجھے' اللہ میاں نے کچھ حدود مقرر کی ہیں' میرے بچے ہو تم' مگر پھر بھی.....!"

"آپ یہاں سے ہٹتی ہیں یا نہیں.....!"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے' تمہاری آنکھ کا پانی مر گیا مگر یہ اچھی بات نہیں ہے۔" بڑی بی واپس چلی گئیں اور وہ نوجوان مجھ سے کہنے لگا۔

"معاف کیجئے گا جناب' اصل میں بزرگ خاتون ہیں' زمانہ قدیم کی آخری یادگار۔ بات اصل میں یہ تھی کہ ہمیں پورا کمپارٹمنٹ ریزرو کروانا تھا جو اتفاق سے نہیں ہو

سکا' تائی اماں سمجھ رہی ہیں کہ پورا کمپارٹمنٹ ہمارا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے' ویسے کمپارٹمنٹ میں تو اور بھی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"بس کیا کیا جائے آپ یوں سمجھ لیجئے کہ تائی اماں اپنی عمر کا صحیح فائدہ اٹھا رہی ہیں' میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں؟"

"بیٹھ جائیے۔" میں نے کہا اور نوجوان میرے برابر بیٹھ گیا۔ "اچھی خاصی بے عزتی ہو گئی میری' وہ تو شکر ہے کہ دوسرے لوگ اس جانب متوجہ نہیں ہوئے۔"

"میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اس سلسلے میں' میرا نام شہریار ہے' بس اتنا کافی ہے' ہم لوگ مہتاب گڑھی جا رہے ہیں' خیر آپ اپنے ذہن سے یہ لمحات نکال دیجئے' شکریہ۔" نوجوان میرے پاس سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے جا کر کچھ کہا تھا اسے تو میں نہیں سمجھ سکا' لیکن بڑی بی زور سے چیخی تھیں۔

"دیکھ شہریار زبان سنبھال کر بات کر میں کوئی ایسی ویسی نہیں ہوں۔"

"تائی ا ں آپ خاموش نہیں بیٹھ سکتیں۔" خوبصورت سی لڑکی نے سخت لہجے میں کہا۔

"شہریار کو کچھ نہیں کہو گی' میرا مسلسل مذاق اڑا رہا ہے۔"

"اسی لئے تو میں کہتا تھا کہ تائی اماں کی شادی کرا دیں شوہر پر سارا غصہ نکال لیا کریں گی' بلاوجہ ہم لوگ مشکل کا شکار ہو گئے ہیں۔"

شہریار خاصا شریر فطرت کا معلوم ہوتا تھا۔ لڑکیاں بے ساختہ ہو کر ہنس پڑیں لیکن بزرگ خاتون آگ بگولہ ہو گئیں۔

"دیکھو منع کر لو شہریار کو ہمیشہ میرے ہی پیچھے پڑا رہتا ہے بس میں کہے دے رہی ہوں' میں اٹھ کر کہیں اور بیٹھے جاتی ہوں۔" بڑی بی اپنی جگہ سے اٹھیں' لیکن اسی وقت ٹرین کو ایک جھٹکا سا لگا تھا اور وہ گرتے گرتے بچی تھیں۔ وہ تو سنبھال لیا تھا لڑکیوں نے انہیں' ورنہ نیچے گر پڑی ہوتیں' خاصی ہری مرچ تھیں۔ ریلوے والوں کو کوسنے لگیں' مجھے ان لوگوں سے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ بڑا دلچسپ خاندان ہے مگر بہرحال میرا ان سے کیا تعلق' شہریار غالباً خاصی شرارتیں کرتا تھا ان کے ساتھ۔ کون لوگ ہیں' کیا ہیں' کچھ نہیں معلوم تھا۔ بہرحال اس کے بعد خاموشی سی طاری ہو گئی۔ ٹرین تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہی تھی' خوبصورت لڑکی آرام سے سیٹ پر پشت لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ دونوں لڑکیاں اب اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں' تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک لڑکی کی آواز میرے کانوں میں ابھری غالباً بڑی بی سے کہہ رہی تھی۔

"تائی اماں آپ آرام سے لیٹ جایئے' بیٹھے بیٹھے آپ کی کمر دکھ جائے گی۔"

"لیٹ جاتے ہیں تاکہ اس کے بعد آنکھ مٹکے کرسکو' تمہارے دیدے جیسے چل رہے ہیں میں دیکھ رہی ہوں۔"

"ارے' ارے' دوسرے سن رہے ہیں آپ کی آواز لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہی آسمان تک پہنچتی ہے ذرا ہوش کے ناخن لیجئے تائی اماں.....!"

"بس بس بیٹا تم کیا جانو ان مردوں کو' کیسے بیٹھا ٹکر ٹکر گھور رہا ہے۔"

میں ایک بار پھر جزبز ہو گیا تھا' شہریار کہنے لگا۔ "ان سے کچھ نہ کہو افشاں' تم نے دیکھا نہیں آج تک رشتہ نہیں مل سکا' جتنے رشتے آئے ہوں گے ان کی زبان سن کر ہی بھاگ گئے ہوں گے۔"

"دیکھو شہریار' میں کہتی ہوں میرے منہ مت لگو' بڑھاپے میں میرا مذاق اڑاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی' دادی کے برابر ہوں میں تمہاری۔"

"ہم تو آپ کو تائی اماں کہتے ہیں' آپ کہیں گی تو دادی اماں کہنے لگیں گے لیکن سوچ لیجئے اس کے بعد آپ کی زندگی میں کم از کم شادی کا چانس نہیں رہے گا۔"

"خاموش ہو جاؤ شہریار' بری بات ہے' تم بہت پریشان کرتے ہو تائی اماں کو۔" اس خوبصورت لڑکی نے کہا۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ان لوگوں میں کوئی نمایاں حیثیت رکھتی ہو۔ بہرحال میں نے رخ بدل لیا تھا لیکن میرے کان انہی آوازوں کی سمت لگے ہوئے تھے۔ بزرگ خاتون نے براہِ راست مجھے نشانہ بنایا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے یہاں سے اٹھ ہی جانا چاہئے' کچھ اور سیٹیں خالی تھیں' اتنی باتوں کے بعد ڈھٹائی سے یہاں بیٹھے رہنا کچھ غیر مناسب تھا۔ چنانچہ کچھ لمحوں کے بعد میں خود وہاں سے اٹھ گیا اور ان لوگوں سے کافی فاصلے پر جا کر بیٹھ گیا۔

یہاں بھی میں غیر مطمئن نہیں تھا بلکہ یہ حصہ زیادہ پُرسکون تھا کیونکہ آس پاس کوئی اور موجود نہیں تھا البتہ واش روم کو جانے کا راستہ ادھر سے ہی گزرتا تھا لیکن کافی دیر ہو گئی کوئی واش روم کی طرف نہیں آیا تھا۔ میری آنکھوں میں غنودگی سی تیرنے لگی۔ اپنی دانست میں بہتر ہی کیا تھا میں نے کہ ان لوگوں کا نشانہ بننے سے بچ گیا تھا ویسے بھی بلاوجہ کسی پر مسلط رہنا اچھی بات نہیں تھی جبکہ یہاں دوسری جگہ موجود تھی اس خاندان سے میرا بھلا کیا واسطہ۔

غنودگی کچھ گہری ہوئی تو رات بھی گہری ہو گئی تھی اور شیشوں کے باہر کے مناظر تاریک ہو گئے تھے' نہ جانے کتنی دیر تک آنکھ لگی تھی کہ کسی نے میرے شانے کو پکڑ کر

نیند اتنی گہری نہیں تھی کہ جاگ نہ جاتا۔ چونک کر سیدھا ہو گیا لیکن سامنے جسے دیکھا اسے دیکھ کر شدید حیرانی ہوئی تھی۔ یہ وہی خوبصورت سفید چہرے والی لڑکی تھی' میں نے منہ کھولا لیکن آواز نہ نکل سکی۔ تب ہی لڑکی کی آواز میرے کانوں میں ابھری۔

"سنو مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں' جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرو' حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے شازل' براہ کرم اپنے ذہن کو نیند سے آزاد کر کے میری بات سنو۔"

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس اجنبی چہرے کو دیکھتا رہ گیا تھا جس سے میری کوئی شناسائی نہیں تھی۔

☆=========☆=========☆

مجھے اس لڑکی کا نام یاد آگیا تھا۔ اسے افشاں کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا لیکن شدید حیرت کی بات تھی کہ اس نے مجھے میرے نام سے مخاطب کیا تھا اور اس کے انداز میں حکم جیسی کیفیت تھی۔ اس نے کہا۔

"ہم مہتاب گڑھی پر اتریں گے۔ تم بھی مہتاب گڑھی میں ہی اترو گے۔ سمجھے..... تمہیں مہتاب گڑھی میں اترنا ہے۔ نواب منصور کے گھر..... تمہارے لئے تمام بندوبست ہو جائے گا۔ کام ہو گیا ہے..... بس اس سے زیادہ تمہیں ابھی کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔" وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی اور میں شدید حیرانی کے عالم میں عقب سے اسے دیکھتا رہ گیا..... یہ کیا قصہ ہے.....؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ تو اس طرح مجھے ہدایت دے دی گئی ہے جیسے میری گہری شناسا ہو جبکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ تو شاید واش روم چلی گئی تھی اور میں اس دلچسپ واقعہ پر غور کرنے لگا تھا لیکن یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی تھی کہ اس سے پہلے نہ تو میں نے اس خاندان کو دیکھا تھا اور نہ اس لڑکی کا چہرہ میرے لئے شناسا تھا۔ پھر..... یہ سب کیوں.....؟ اور ایک عجیب سی کیفیت میرے دل و دماغ پر سوار ہو گئی۔ میں لڑکی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ ہرچند کہ صورتِ حال بہتر نہیں تھی۔ کسی اجنبی لڑکی کو اور وہ بھی ایسی لڑکی جو ان تائی اماں جیسی خاتون کے زیر اثر ہو۔ مخاطب کرنا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ لڑکی تو جو کچھ کہنا چاہتی تھی کہہ کر چلی گئی تھی لیکن میری کھوپڑی بہت دیر تک ہوا میں تیرتی رہی تھی۔ بہت دیر ہو گئی وہ واپس ہی نہیں آئی تو مجھے حیرت ہوئی پھر..... واقعی اتنا وقت ہو گیا کہ میری حیرت عروج کو پہنچ گئی۔ ان لوگوں کو جا کر صورتِ حال بتانا تو خیر مناسب نہیں تھا۔ خود اٹھ کر واش روم کی طرف چل پڑا۔ لڑکی چونکہ خود مجھ سے مخاطب ہوئی تھی اس لئے اگر اب میں بھی اس سے مخاطب ہو جاتا تو یہ کوئی اتنی بری بات نہیں تھی لیکن یہ بات دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ واش روم کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس کمپارٹمنٹ میں دونوں طرف واش روم تھے۔ دونوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لڑکی وہاں نہیں

تھی۔ نہ جانے میرے دل کو کیوں ایک خوف کا احساس ہوا.....؟ خدانخواستہ..... اس کے ساتھ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو اور اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں ان لوگوں کو اس بات کی اطلاع دوں۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کی طرف چل پڑا۔ وہ سب نیم غنودگی کی کیفیت میں تھے لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ لڑکی انہی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے خدا..... نظر اس طرح دھوکا نہیں کھا سکتی وہی لڑکی تھی۔ غالباً سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ بہرحال..... مجھے جس طرح بھی دھوکا ہوا ہو اور میں اسے واپس جاتے ہوئے نہ دیکھ سکا ہوں لیکن یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ وہ ان کے درمیان موجود ہے۔ وہاں سے واپس پلٹا اور اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا لیکن دل و دماغ یہاں بھی مشکل کا شکار ہو گئے تھے۔ واقعہ ہی ایسا تھا کہ..... عقل ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ پورے کمپارٹمنٹ کے لوگ آرام کی نیند سو رہے تھے اور میں بے وقوف بنا بیٹھا تھا۔ ساری باتیں حیران کن تھیں۔ پھر یہ فیصلہ بھی کرنا تھا منزل تو کوئی تھی نہیں۔ سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ میں نے ان لوگوں کو اپنا نام تک نہیں بتایا تھا لیکن لڑکی نے مجھے شازل کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ وہ مجھے کیسے جانتی ہے.....؟ قدیم شناساؤں میں سے بھی کوئی لڑکی نہیں تھی۔ ماضی میں دور دور تک نگاہیں دوڑائی تھیں اور فرض کیجئے کہ اگر وہ شناسا تھی بھی..... تو یہ پُراسرار انداز اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی.....؟ کم از کم مجھ سے اپنا تعارف تو کراتی۔ اس دوران بیشتر تجربات ہوئے تھے لیکن انسانی فطرت کو دفن نہیں کر سکا تھا۔ جن حالات سے گزرا تھا اور گجراج نے جس طرح مجھ سے چوہے بلی کا کھیل کھیلا تھا اور پھر جس طرح قدرت نے مجھے گجراج پر فتح دلائی تھی اس سے دل میں بڑی وسعت بڑا اعتماد پیدا ہوا تھا۔ جو اعتماد مجھے بخشا گیا تھا اس نے بھی میرے اندر ایک عجیب سی روحانی کیفیت پیدا کر دی تھی لیکن..... انسانی فطرت سے دور نہیں ہو سکا تھا اور تجسس کا مادہ ذہن میں اس حد تک موجود تھا۔ بہت دیر تک فیصلے کرتا رہا تھا۔ اب اگر ان لوگوں کو نظرانداز کر کے اور لڑکی کی بات کو بھول کر آگے بڑھ جاتا اور مہتاب گڑھی نہ اترتا تو ذہن میں مستقل خلش رہتی کہ واقعہ کیا تھا۔ مہتاب گڑھی کے بارے میں تو جانتا بھی نہیں تھا میں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ پہلی بار نام سنا تھا۔ پتا نہیں کون سی جگہ ہے ٹرین جس سمت جا رہی تھی وہاں راستے میں بہت سے ہل اسٹیشن پڑتے تھے۔ ہو سکتا ہے..... مہتاب گڑھی ان ہی میں سے کسی کا نام ہو۔ نہ جانے..... کتنی دیر تک انہی سوچوں میں گم رہا تھا۔ پھر..... کسی نے سنبھالا دے کر اٹھایا تھا۔ ایک بار پھر میں نے چونک کر اسے دیکھا تو شہریار تھا۔ مسکرا کر بولا۔

"معاف کیجئے گا..... آپ برتھ سے نیچے گر رہے تھے آپ یقین کیجئے اگر آپ کو سرکا کر پیچھے نہ کرتا اور ٹرین کو ایک ہلکا سا جھٹکا بھی لگتا تو آپ گر پڑے ہوتے۔" میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا تو شہریار نے پھر کہا۔

"انتہائی معافی چاہتا ہوں۔ میں واش روم جا رہا تھا کہ میں نے آپ کو دیکھا۔"

"آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے اور مسلسل معافیاں بھی مانگے جا رہے ہیں۔ بہت بہت شکریہ..... آپ کو حیرت ہو گی کہ میں جاگ رہا تھا۔ کب لیٹا اور کب سو گیا.....؟ اس کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔"

"نیند تو اُڑ گئی ہو گی۔"

"جی ہاں۔ ویسے بھی سفر میں نیند ایک بے معنی سی چیز ہوتی ہے۔"

"میں ابھی آیا....." شہریار نے کہا اور اس کے بعد وہ واش روم چلا گیا۔ میں سنبھل گیا تھا۔ شہریار کچھ لمحوں کے بعد واپس آ گیا اور بولا۔

"اب میں نے نیند تو خراب کر ہی دی ہے آپ کی' آیئے..... بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ منہ ہاتھ دھو آیئے....." میں مسکرا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں شہریار کے پاس آ بیٹھا۔

"آپ نے بلاوجہ وہ جگہ چھوڑ دی..... تائی اماں تو بڑے مزے کی چیز تھیں۔ بس..... یوں سمجھ لیجئے کہ ہری مرچ ہیں..... پوری ہری مرچ۔"

"بزرگ بہرحال..... خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔" اور ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس طرف سے دو لڑکیاں آتی ہوئی نظر آئیں اور شہریار کہنے لگا۔

"لیجئے..... گشت شروع ہو گیا۔" ان دونوں لڑکیوں نے شاید شہریار کی بات سن لی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"شہریار بھائی..... آپ ہمیشہ یہ گندا جملہ استعمال کرتے ہیں۔ آپ کی شکایت کی جائے گی۔"

"ارے..... ارے..... رے..... اس میں گندے وندے کی کیا بات ہے.....؟"

"گشت کرنے والے مرد اگر گشت کرتے ہیں تو پہریدار کہلاتے ہیں اور لڑکیاں اگر چہل قدمی کرتی ہیں تو انہیں گشتیاں کہا جاتا ہے۔ ہم..... معاف کیجئے گا واش روم جا رہے تھے۔"

"تو جاؤ بھئی..... بلاوجہ ہمارے سر کیوں پڑ رہی ہو۔" شہریار نے کہا۔

"نمٹیں گے..... نمٹیں گے..... آپ سے تو نمٹیں گے..... ہم نے آپ کی بات سن لی ہے۔"

"اچھا..... اچھا..... ٹھیک ہے..... نمٹ لینا..... دیکھ لیں گے۔"

ویسے بھی صبح ہو رہی تھی۔ ڈائننگ کار کا ویٹر "ناشتہ ناشتہ" کی رٹ لگاتا ہوا کمپارٹمنٹ میں آیا تو شہریار نے کہا۔ "بہت اچھی سی چائے مل سکے گی۔"

"نہیں صاحب..... ناشتہ چاہئے تو چائے بھی مل جائے گی۔"

"دیکھ رہے ہیں آپ..... یہ قانون ہیں ہمارے ملک کے حالانکہ ان لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مسافروں کو ان کی مطلوبہ اشیاء فراہم نہ کریں لیکن ٹھیکیدار صاحب کسی کے منظورِ نظر ہوں گے اور ویسے بھی ایک ہی ٹھیکیدار کی کیا بات ہے ہر جگہ ایسے ہی ٹھیکیدار قابض ہو چکے ہیں۔ سنو بھائی..... ناشتے کی قیمت میں چائے لے آؤ گے بہت اچھی سی.....؟"

"صاحب..... لے آئیں گے۔ پر پیسے آپ کو پورے ناشتے کے دینے پڑیں گے۔"

"اور اگر چائے اچھی نہ ہوئی تو اس سے تمہارا منہ دھلا دیا جائے گا۔" شہریار نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر ویٹر کو دیتے ہوئے کہا اور ویٹر ہنستا ہوا واپس چلا گیا۔ اسے تو فائدہ ہی فائدہ تھا۔ ناشتہ الگ بیچ دے گا اور چائے کے پیسے الگ مل جائیں گے۔ چائے آ گئی اور دونوں لڑکیاں ندیدی نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ شہریار سُڑک سُڑک کر کے چائے کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ دونوں جو ہیں نا..... سمجھ لیں چائے کی دیوانی ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ تھرماس میں چائے ختم ہو چکی ہے ناشتہ تو یہ کسی قیمت پر نہیں کریں گی۔ آپ اگر اس ناشتے کی صورت دیکھ لیں جو ٹرینوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ چاہے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ ہو یا..... تھرڈ کلاس..... تو آپ زندگی بھر ناشتہ کرنا چھوڑ دیں۔ شاید..... مہینے کی پہلی تاریخ کو یہ لوگ خریداری کرتے ہیں۔ ڈبل روٹی..... قیمے' کباب..... انڈے تیار کر کے رکھ لیتے ہیں اور پورے مہینے بیچتے رہتے ہیں۔ ایک بار ناشتہ کر لو زندگی بھر ناشتہ کرنے کی حاجت نہ رہے۔" شہریار خاصا دلچسپ نوجوان تھا۔ لڑکیاں واقعی برداشت نہ کر سکیں تھوڑی دیر کے بعد آ گئیں اور ہمارے سامنے ہی بیٹھ گئیں۔

"ہم بھی چائے پئیں گے۔"

"ضرور پئیں..... اللہ آپ کو مبارک کرے۔" شہریار نے کہا۔

"چائے منگوائیے۔"

"منگوائی جا سکتی ہے لیکن جانتی ہیں..... ویٹر کی کیا شرط ہے.....؟ ناشتہ بھی ساتھ کرنا پڑے گا۔"

"آپ منگوا لیجئے ہماری مرضی..... کریں یا نہ کریں۔" بہرحال ..... انہی دلچسپیوں میں خاصا وقت گزر گیا۔ شہریار نے مجھ سے سوال کیا۔ "آپ کہاں جائیں گے؟"

"مہتاب گڑھی....." میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ اسی وقت ٹرین کو ایک زبردست جھٹکا لگا اور کمپارٹمنٹ میں سوئے ہوئے سارے مسافر جاگ اٹھے۔ دور سے تائی اماں کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور شہریار پھرتی سے اس طرف دوڑ گیا۔ تائی اماں برتھ سے نیچے گر پڑی تھیں اور باقی لوگ خاصے ڈسٹرب ہو گئے تھے۔ تائی اماں بری طرح چیخ رہی تھیں، کراہ رہی تھیں اور ٹرین ایک جھٹکے کے بعد نارمل انداز میں چل رہی تھی۔ غالباً ڈرائیور کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی جس کی بناء پر اس نے ایمرجنسی بریک لگائے تھے لیکن یہ ایک غلط طریقہ تھا۔ تاہم اس غلط طریقے پر ڈرائیور کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ مسافروں کو جو تکلیف اور نقصان ہوا تھا وہ انہی کے حساب میں تھا اور اس حساب کو قبول کرنے کے لئے کوئی تیار نہ ہوتا۔ تائی اماں کو بڑی مشکل سے اٹھا کر نچلی برتھ پر لٹایا گیا تائی اماں بری طرح کراہ رہی تھیں چیخ رہی تھیں۔

"ارے ستیاناس تمہارا..... ارے مرجاؤ تم خدا کرے..... کمر ٹوٹ گئی میری تو....."

"کہا تھا نا آپ سے..... کہ نیچے کی برتھ پر لیٹیں مگر آپ کو تو لوگوں کے سروں پر چڑھنے کی عادت ہے۔" شہریار نے کہا۔

"تو اب بھی نہیں مانے گا شہریار۔ اللہ تجھے سمجھے۔ ارے..... میری مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ میں کیا کہوں..... کیا نہ کہوں۔"

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے..... تائی اماں! یہ میری آپی ہیں جو ہمیشہ آپ کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ زندگی بھر آپ سے عشق کرتا رہا لیکن اتنا نہ ہوا آپ بھی کبھی میری طرف محبت کی نظر ڈال لیتیں۔" تائی اماں اپنا درد بھول کر اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"ہائے..... ہائے..... خدا تجھے سمجھے..... شہریار! کتنا بے باک ہو گیا تو..... اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ نہیں..... اب نہیں گزرے گی۔ کہنا پڑے گا نواب صاحب سے ارے میں بھی عزت دار ہوں، محنت بیچی ہے عزت نہیں بیچی۔ غضب خدا کا..... ساری زندگی اللہ اللہ کر کے گزار دی۔ اس عمر میں یہ سننے

ملے گا۔ ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔" لڑکیاں اور لڑکے بری طرح ہنس رہے تھے۔ لڑکیاں منہ اور پیٹ دبائے ہوئے تھیں۔ میں بھی چونکہ شہریار کے ساتھ اس طرف آ گیا تھا۔ اس لئے میں بھی اپنی مسکراہٹیں نہ دبا سکا تھا۔ افشاں بھی ہنس رہی تھی۔ شہریار نے کہا۔

"تائی اماں..... جتنا ہی برا بھلا کہہ لو۔ مگر مجھ جیسا تمہیں دوسرا نہیں ملے گا۔ اب دیکھو نا ایک لمحے میں تمہاری کمر ٹھیک کر دی۔ اتنی اوپر سے گری تھیں۔ اصولی طور پر تو تمہاری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جانی چاہئے تھی یا کچھ اور نہ ہوتا تو ایک آدھ آنکھ ہی پھوٹ جاتی یا کندھے میں فریکچر ہو جاتا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ میرے ان چند الفاظ نے تمہاری کمر کا درد ایک دم ٹھیک کر دیا۔ اصل میں تائی اماں..... اب بھی تو میں تائی اماں ہی کہہ رہا ہوں لیکن نفسیات جانتی ہو..... نفسیات..... یہ ایک نفسیاتی طریقہ کار تھا کہ تم کمر کے درد کو بھول گئیں۔ ورنہ مجھے پتا تھا کہ بقیہ سفر میں تم کمر کا درد کمر کا درد..... کمر کا درد کر کے ہم لوگوں کی زندگی برباد کر دیتیں۔"

افشاں نے کہا۔ "واقعی شہریار..... تم شیطان کے دوسرے بھائی ہو۔"

بریکوں کی چرچراہٹ سنائی دی اور سب نے اپنے اپنے جسموں کو اکڑا لیا۔ نہ جانے ٹرین ڈرائیور کیا کر رہا تھا.....؟ میں نے شیشوں سے باہر جھانکا صبح کا اجالا پوری طرح پھوٹ رہا تھا اور ایک پلیٹ فارم نظر آ رہا تھا۔ ساتھ میں ایک سہمی سہمی سی آبادی بھی، جس کے آخری سرے پر برف پوش پہاڑیوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔

"کوئی اسٹیشن آیا ہے۔" شہریار نے چونک کر باہر دیکھ پھر بولا۔

"ارے..... ارے..... ارے..... آج ٹرین کو یہ کیا ہو گیا.....؟" اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولا۔

"پونے آٹھ بجے اسے مہتاب گڑھی پہنچنا تھا لیکن ابھی تو سوا چھ بجے ہیں۔ واہ بھئی واہ..... کمال ہو گیا۔ میرا خیال ہے ڈرائیور صاحب کو تائی اماں کا خیال آ گیا۔ سنبھالو بھئی اپنے آپ کو جلدی سے۔ مہتاب گڑھی آ گیا۔"

"مہتاب گڑھی آ گیا..... مہتاب گڑھی آ گیا۔" بہت سی آوازیں ابھری تھیں۔ میں نے بھی باہر مہتاب گڑھی کا بورڈ دیکھ لیا تھا اور ایک لمحے تک سوچتا رہ گیا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے.....؟ افشاں کی طرف سے اس کے بعد سے اور کوئی اظہار نہیں ہوا تھا۔ آخر کار جب وہ لوگ مہتاب گڑھی اترے تو میں بھی نیچے اتر گیا۔ تائی اماں نے ایک بار پھر حسرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا لیکن ظاہر ہے کہ نہ کمپارٹمنٹ ان کے باپ کا تھا..... اور نہ مہتاب گڑھی۔ کچھ لوگ وہاں موجود تھے جو ان لوگوں کے استقبال کے لئے آئے

تھے انہوں نے فوراً ہی ان کی جانب لپک کر ان کے سامان وغیرہ اٹھانا شروع کر دیئے۔ اچھی خاصی تعداد میں لوگ آئے تھے۔ ملازم ٹائپ کے لوگ معلوم ہو رہے تھے۔ ویسے نواب منصور کا نام لیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے..... بہت اچھے کھاتے پیتے لوگ ہوں۔ چنانچہ اس بات پر حیرت نہیں کرنی چاہئے البتہ میں بھی نیچے اتر گیا تھا۔ فوراً ہی ایک عمر رسیدہ شخص میری جانب لپکا اور میرے قریب پہنچ کر بولا۔ "آپ کا نام شازل ہے؟"

"جی..... جی ہاں۔"

"میرا نام غیاث علی ہے۔ مجھے آپ کے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔ آیئے....." یہ الفاظ شہریار بھی سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"غیاث چچا..... کیا یہ..... کیا یہ.....؟"

"ہاں میاں..... وہ جو میں نے کہا تھا نا..... کہ میرے لئے ایک معاون آرہے ہیں۔ جنہیں میرے ایک شناسا بھیج رہے ہیں۔ یہ وہی ہیں۔ نام ان کا شازل ہے۔"

"ارے واہ..... اب تو تم گلے مل لو دوست..... بات ہی کچھ اور ہو گئی۔ ارے خدا کی قسم..... انسان بھی کیا چیز ہے.....؟ ایک لمحے کے لئے میں نے دل میں سوچا تھا کہ اگر میرا اور تمہارا ساتھ ہو جائے تو لطف ہی آجائے یعنی یہ کہ ساتھ رہیں گے۔ تائی اماں کے ساتھ کھیلیں گے۔ بھائی شازل..... گلے مل لو۔" وہ فوراً ہی میرے گلے سے لپٹ گیا تھا۔ مخلص اور شوخ قسم کا نوجوان معلوم ہوتا تھا لیکن حیرت تھی میں نے ایک نظر افشاں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک غیر محسوس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر محسوس کی اور ایک بار پھر سر چکرا کر رہ گیا۔ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے.....؟ لیکن بہرحال..... بات اتنی سنسنی خیز تھی کہ میں اپنی دلچسپیوں کو روک نہیں سکا۔ افشاں نے مجھے میرے نام سے مخاطب کیا تھا اور باقی صورتِ حال سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ یہ سارا ماجرا کسی طور بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ افشاں تو اپنے طور پر تھی ہی پُراسرار شخصیت..... لیکن یہ بزرگ جنہوں نے مجھے میرے نام سے پکارا تھا یہ کیا حیثیت رکھتے تھے..... یہ کیا چکر ہو سکتا ہے.....؟ کوئی پُراسرار اور سنسنی خیز سازش ہے۔

یا پھر کوئی اور سلسلہ میرے لئے کوئی ایسی ذمہ داری تو تھی نہیں کہ جسے انجام دینے کے لئے میں جا رہا ہوں۔ راستے میں اگر ٹھہر گیا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ قصہ کیا ہے..... میرے کرم فرما بزرگ کا نام غیاث علی تھا اور انہوں نے بھی مجھے شازل کے نام سے پکارا تھا۔ گویا کہیں کوئی وہم نہیں رہ گیا تھا۔ البتہ یہ میں نے ضرور فیصلہ کر لیا تھا کہ خود اس

بارے میں کسی حیرت کا اظہار نہیں کروں گا اور نہ ہی معلومات حاصل کروں گا بلکہ انتظار کروں گا کہ اصل واقعات خود مجھ تک پہنچیں۔ چند الفاظ میں غیاث علی صاحب نے میری حیثیت تو واضح کر دی تھی۔ انہوں نے مجھے اپنی معاونت کیلئے طلب کیا ہے۔ بہرحال..... اس کے بعد ہم گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑے تھے۔ وہ جو مالکان تھے شاندار گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ غیاث علی صاحب خود ایک فورڈ ڈرائیو کر رہے تھے۔ جس میں ان کے برابر کی سیٹ پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ غیاث علی صاحب نے کہا۔

"نواب منصور..... بہت ہی اچھے انسان ہیں اور بیٹے! سب سے بڑی بات ہوتی ہے کہ جس کا نمک کھایا جائے اس کے نمک سے وفا کی جائے۔"

"یقیناً۔" میں نے جواب دیا۔

"میں وقت سے بہت پہلے تمہیں صورتِ حال سے آگاہ کر رہا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نواب صاحب کے محل میں کئی عہدے رکھتا ہوں۔ چیف اکاؤنٹنٹ بھی ہوں۔ ہاؤس کیپر بھی ہوں یعنی کیئر ٹیکر..... تقریباً بائیس ملازموں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ میں نے نواب صاحب سے فرمائش کی تھی کہ میری معاونت کے لئے کسی کو طلب کر لیا جائے اور مجھے تمہاری آمد کی اطلاع دی گئی تھی۔ شازل نام بتایا گیا تھا تمہارا..... بہرحال..... شازل تمہارا تعلق جس سے بھی ہو لیکن یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو کچھ بھی دیکھو، آنکھیں بے شک استعمال کرو زبان نہ استعمال کرنا۔ بس..... سمجھدار کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ عزت سے یہاں وقت گزارو گے۔ رفتہ رفتہ صورتِ حال سے آگاہی حاصل ہو جائے گی۔ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے اس ماحول میں گزارا کرنا۔ درحقیقت جس عمارت کو محل کہا گیا تھا واقعی محل سے کم نہیں تھی۔ ملازموں کی پوری فوج نظر آرہی تھی۔ عمارت شاندار ترین تھی اور دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بہرحال..... میں غیاث علی کے ساتھ محل میں داخل ہو گیا۔ محل والے تو اپنے طور پر اپنی جگہوں پر چلے گئے تھے لیکن ہمارے لئے ایک انیکسی تھی جو اس محل..... حویلی یا کوٹھی کے مغربی حصے میں بنی ہوئی تھی۔ اس کی لوکیشن ایسی تھی کہ تقریباً ساری عمارت ہی نگاہوں میں رہتی تھی۔ میرے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا۔ اس کمرے کی بڑی بڑی تین کھڑکیاں حویلی کی تین سمتوں میں کھلتی تھیں۔ یہاں داخل ہونے کے بعد میں نے اپنے آپ پر غور کیا۔ دیکھتا رہا اور اس کے بعد دل میں فیصلہ کیا کہ اس وقت ان لوگوں کو اپنی اصلیت سے آگاہ کروں گا۔ جب میری اصل حیثیت ان کی نگاہوں میں آجائے۔ سب سے پہلے تو مجھے افشاں کو دیکھنا تھا کہ محترمہ افشاں کس شخصیت کی مالک تھیں اور انہوں نے

مجھے یہ ہدایت کیوں کی ہے.....؟ میرے بارے میں کیا جانتی ہیں وہ.....؟ یہ تمام چیزیں قابلِ غور تھیں۔ جس کمرے میں مجھے منتقل کیا گیا تھا وہ بہترین حیثیت کا حامل تھا۔ راستے ہی میں غیاث علی صاحب سے ملاقات ہوگئی تھی اور میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میں بے سرو سامانی کی حالت میں آیا ہوں میرے پاس پیسے وغیرہ نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کی پروا نہ کی جائے۔ اب میں نواب منصور کا ملازم ہوں اور باقی ذمہ داریاں وہ لوگ خود اٹھالیں گے۔ اس وقت بے شک کچھ نہیں تھا لیکن بہرحال..... دیکھنا تھا کہ وقت میرے سلسلے میں کیا فیصلے کرتا ہے.....؟ پھر بقیہ دن میں نے اپنے کمرے ہی میں گزارا۔ کسی نے مجھ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ کھانا..... چائے..... پھر رات کا کھانا ملازم میرے کمرے ہی میں لے آئے تھے۔ میں نے صبروسکون کے ساتھ وقت گزارا۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں کسلمندی سے دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ آخرکار اٹھا اور باتھ روم میں داخل ہوگیا۔ لباس وہی پہننا پڑا تھا لیکن لباس اتنا بھی برا نہیں تھا۔ باتھ روم سے فارغ ہوکر باہر آیا۔ غسل کرنے سے طبیعت شگفتہ ہوگئی تھی۔ پھر میری نگاہیں ایک کھڑکی کی جانب اٹھ گئیں۔ کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر آرہے تھے۔ میں کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بہت خوبصورت موسم تھا۔ میں نے کھڑکی کے دوسری طرف نظر دوڑائی انتہائی حسین باغ تھا۔ پھولوں کے تختے بچھے ہوئے تھے جن پر رنگ برنگے پھول لگے ہوئے تھے۔ ہوا میں ان پھولوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری نظر اس طرف اٹھ گئی جہاں یہ رنگین پھول بڑی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ رنگین کپڑوں میں ملبوس چار پانچ لڑکیاں باغ کی سیر کررہی تھیں۔ انہی میں افشاں بھی تھی اور وہ دونوں لڑکیاں بھی..... جنہیں میں ٹرین کے کمپارٹمنٹ میں دیکھ چکا تھا۔ افشاں اس وقت ایک ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے بال الجھے الجھے سے تھے۔ عجیب حسن تھا۔ بے شک اسے دیکھ کر انسان ایک نگاہ سے سیر نہیں ہوسکتا لیکن میں نے فوراً ہی کھڑکی بند کردی۔ میرے ذہن میں اگر کسی اور لڑکی کے حسن کا خیال آجائے تو میں سمجھتا تھا کہ یہ شعاع سے بے وفائی ہے اور میں شعاع سے بے وفائی نہیں کرسکتا تھا۔ پھر کوئی دس بجے کے قریب غیاث علی صاحب میرے پاس آگئے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اصل میں کچھ ایسی مصروفیات ہیں میری جن کے بارے میں ابھی تمہیں بعد میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ نواب منصور..... بہت ہی نفیس طبیعت کے مالک ہیں۔ اس لئے نفاست پسند کرتے ہیں۔ تمہیں تھوڑے ہی عرصے بعد معلوم ہوجائے گا کہ نواب صاحب

نفیس طبیعت کے مالک ہیں۔ تم تو خیر ایک تعلیم یافتہ اور اچھے عہدے پر یہاں آئے ہو۔ یہاں مالی تک کی اتنی عزت ہوتی ہے جتنی کہ ایک بڑے آدمی کی۔ بس اپنی نگاہوں کو قابو میں رکھنا۔ ماحول بہت صاف ستھرا ہے۔ لڑکیاں بھی ہیں یہاں' برا مت ماننا..... نوجوان آدمی ہو۔ خوبصورت ہو..... یوں سمجھ لو..... کہ تمہیں اپنی یہ ذمہ داری بھی پوری کرنا پڑے گی۔ بیگم صاحبہ پردہ نشین ہیں لیکن لڑکیوں کو مکمل آزادی دے دی گئی ہے۔ میں تمہیں ابھی کوئی کام نہیں سمجھا سکوں گا۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے گا لیکن بے فکر رہنا..... تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم آئے گا جس کے ساتھ درزی ہوگا۔ وہ تمہارا ناپ لے جائے گا۔ کچھ لباس فوراً مہیا کردیئے جائیں گے' کچھ بعد میں آجائیں گے۔ یہ ایک لفافہ ہے..... سمجھ لو تین ماہ کی ایڈوانس تنخواہ ہے۔ فکر مت کرنا..... کام غلط نوعیت کا نہیں ہے۔ میں تمہیں خود سمجھادوں گا۔ کیا سمجھے.....؟"

"اتنی ساری مراعات دے دیں مجھے اور یہ بھی نہ دیکھا کہ جس کام کے لیے آپ نے طلب کیا ہے۔ اسے پورا کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہوں کہ نہیں۔"

"بس..... میں نے کہا نا کہ اچھے بچوں کی مدد کرنی چاہئے۔ کام میں کہیں کچے ہوئے تو میں سنبھال لوں گا۔ فی الحال اصل میں کچھ مہمان آنے والے ہیں اور ہمیں ان کے لئے تیاریاں کرنی ہیں۔ یہ مہمان ہمارے مالک کی بیٹی افشاں کے سلسلے میں آرہے ہیں۔ اصل میں..... احتشام احمد جنہیں شامی کہا جاتا ہے۔ ذرا مختلف طبیعت کے مالک ہیں۔ ان سے افشاں کا رشتہ طے کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کی خاطر مدارت کے لئے خصوصی انتظامات ہورہے ہیں۔ سمجھے.....؟ اور کوئی سوال پوچھنا چاہو تو پوچھ لو..... میں اس کا جواب دے کر تمہیں مطمئن کردوں گا۔ باقی سارے معاملات تقریباً تمہیں سمجھا ہی چکا ہوں۔"

"نہیں..... غیاث علی صاحب..... مجھے کوئی اور سوال نہیں کرنا۔" میں نے کہا۔ غیاث علی صاحب تو چلے گئے لیکن میں شدید ذہنی الجھنوں کا شکار ہوگیا تھا۔ اس لڑکی نے یہ سارا کھیل شروع کیا تھا لیکن دوبارہ ابھی تک مجھ سے تنہائی میں نہیں ملی تھی۔ کم از کم..... مجھے بتانا تو چاہئے تھا اسے کہ قصہ کیا ہے.....؟ وہ مجھے شازل کی حیثیت سے کیسے جانتی ہے.....؟ جبکہ میں نے اسے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔ میں اس بات کو صرف ایک لڑکی کی اپنی کوشش سمجھتا' اگر وہ مجھے میرے نام سے مخاطب نہ کرتی اور اس کے انداز میں یہ حکم نہ ہوتا۔ میں نے اسے باغ میں دوسری لڑکیوں سے ساتھ دیکھا تھا لیکن ظاہر ہے کہ سب کے سامنے اسے مخاطب نہیں کرسکتا تھا۔ یہ ایک خطرناک بات

ہوتی..... بہرحال..... وقت کا انتظار کرنا ضروری تھا۔ فی الحال یہاں کوئی مشکل نہیں تھی۔ بس ضمیر میں ایک خلش تھی۔ وہ یہ کہ میں اصل میں وہ نہیں ہوں کہ جس حیثیت سے مجھے خوش آمدید کہا گیا ہے۔ بے شک غیاث علی صاحب نے بھی مجھے شازل کے نام سے مخاطب کیا ہے لیکن..... نہ تو میں نے ملازمت کے لئے یہاں کوشش کی اور نہ ہی میں ملازمت کرنا چاہتا تھا۔ اگر شازل کوئی اور شخص ہوا تو..... میرے لئے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ ایک بار..... بس ایک بار..... اس لڑکی سے مل لوں۔ جس کا نام افشاں لیا گیا ہے۔ اس کے بعد دیکھوں گا..... شہریار بہت شوخ، شریر زندگی سے بھرپور لڑکا تھا۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"جب سے یہاں آئے ہیں، گوشہ نشیں ہیں۔ وجہ بتائیں گے آپ؟"

"نہیں..... وجہ تو کوئی نہیں ہے شہریار صاحب۔"

"دیکھو بھائی..... یہ خانۂ بے تکلف ہے۔ نواب منصور میرے پھوپھا ہیں۔ میں ماں باپ سے محروم ہو چکا ہوں۔ پھوپھی ہی نے پرورش کی ہے میری۔ یہیں رہتا ہوں۔ یہیں پلا بڑھا ہوں۔ نواب صاحب ایک نیک فطرت انسان ہیں کہ انہوں نے مجھے اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھا۔ افشاں ان کی اکلوتی صاحبزادی ہیں۔ باقی سب خاندان کے وہ بچے ہیں یہاں..... جو نواب منصور کے زیر سایہ پرورش پا رہے ہیں۔ ایک بے تکلف ماحول ہے۔ ابھی کچھ وقت کے بعد ایک صاحب یہاں آنے والے ہیں خاندانی رئیس ہیں۔ احتشام احمد نام ہے۔ شامی..... کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ زیادہ تر وقت امریکہ اور یورپ میں گزارا ہے۔ افشاں سے ان کا رشتے کا معاملہ چل رہا ہے۔ چنانچہ پہلی بار بر دکھاوے کے لئے آرہے ہیں۔ یہ ہے..... یہاں کا ماحول لیکن ان کے آنے میں کچھ وقت ہے۔ اس وقت تک لوگوں کے درمیان بے تکلفی سے وقت گزاریئے۔ میں آپ کو پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کو یہاں کسی ذہنی کوفت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اب آیئے..... اور ذرا ہماری دلچسپیوں میں حصہ لیجئے۔ ویسے بھی یہ بات طے ہے کہ انسان کو زندہ دل ہونا چاہئے۔ زندہ دلی زندگی بڑھاتی ہے۔"

میں مسکرا دیا۔ ماضی یاد آگیا تھا۔ جب لاہور میں تعلیم حاصل کرتا تھا اور دوستوں کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ کچھ دوست بہت ہی مخلص اور جاں نثار تھے لیکن وقت بدل گیا۔ اپنوں نے بے وفائی کی اور غیروں کے رحم و کرم پر آپڑا۔ زندگی میں ایک سہارا تھا شعاع کی محبت دل میں جان گزیں ہوگئی تھی اور اس کے بعد یوں لگا تھا جیسے کسی اور کی ضرورت باقی نہ رہی ہو۔ بعد کے حالات یہاں تک لے آئے تھے لیکن زندگی سے دلچسپی

اب تک نہیں ہوئی تھی۔ میں ایک سادہ کتاب تھا جس پر صرف ایک لفظ تحریر تھا..... شعاع..... اس سے منسلک کتنی ہی داستانیں منظرِ عام پر آجاتیں مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

بہرحال میں تیار ہو کر شہریار کے ساتھ باہر نکل آیا تھا اور شہریار مجھے لے کر اندرونی حصے میں پہنچ گیا تھا۔ یہاں افشاں اور چار پانچ لڑکیاں اور موجود تھیں۔ وہ شہریار کو دیکھ کر مسکرا دیں۔ پھر انہوں نے مجھے دیکھا۔ میں نے ایک نگاہ افشاں پر ڈالی۔ سیدھا سادا سپاٹ چہرہ، اس کی آنکھوں میں مجھے دیکھ کر ایسی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی جیسی شناساؤں کو دیکھ کر پیدا ہو جاتی ہے۔ بہرحال..... شہریار نے کہا۔ "غضب ہوگیا..... تائی اماں کہاں ہیں؟"

"کیوں.....؟ خیریت کیا بات ہے.....؟"

"بلاؤ..... انہیں بلاؤ....." اور پھر چند ہی لمحے گزرے تھے کہ تائی اماں خود ہی یہاں پہنچ گئیں۔

"اسے کہتے ہیں..... بے تابیٔ دل کہ مطلوب خود کھنچا چلا آئے۔" لڑکیوں نے حیرت سے شہریار کو دیکھا۔ میں بھی اس کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ شہریار نے کہا۔

"تائی اماں..... معافی چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی زبان سے وہ نکل جاتا ہے جو ایک لمحے میں پورا ہو جاتا ہے۔ ٹرین میں میں نے آپ سے شادی کے لئے کہا تھا۔ یہ صاحب تو دیوانے ہی ہوگئے۔ تائی اماں اس گھر میں بہت سے پھول کھلنے والے ہیں۔ افشاں کے لئے شامی صاحب بر دکھاوے کے لئے آرہے ہیں۔ ان صاحب کا نام شازل ہے۔ دیکھ لیجئے۔"

"مطلب کیا ہے.....؟"

"یہ آپ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" شہریار نے کہا اور تائی اماں کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ انہوں نے شہریار کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بڑے بے شرم ہو چکے ہو بچے تم۔ اس بڑھاپے میں میرا مذاق اڑاتے ہوئے شرم تو نہیں آئی تمہیں۔"

"سوچ لیں تائی اماں..... ہم تو آپ کا آخری وقت سکون سے کاٹنے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔"

"جھاڑو پھرے تمہارے منہ پر..... کٹے تمہاری زبان۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہہ سکتے۔ بچہ خاموش بیٹھا ہے۔ میری زبان سے اسے بُرا کہلوانا چاہتے ہو۔"

"بس..... دیکھ لیجئے آپ..... ہم تو آپ کے خادم ہیں۔ بچے ہیں آپ

کے..... ہمیشہ آپ کی بہتری کے لئے سوچتے ہیں۔"

"خاک پڑے تمہارے منہ پر....." تائی اماں نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئیں۔ افشاں نے کہا۔

"شہریار..... آپ ان کو کیوں تائی اماں کے منہ سے برا بھلا کہلوانا چاہتے ہیں۔ تائی اماں کو آپ سب جانتے ہیں۔ اب ایک بات آپ نے ان کے سامنے کہہ دی ہے جب بھی انہیں دیکھیں گی انہیں وہ بات یاد آجائے گی اور بس..... بلاوجہ ان سے نفرت دلادی آپ نے۔" شہریار ہنسنے لگا پھر بولا.....

"بھائی..... ہم تو قومی خدمت گار ہیں۔ یہی سب کچھ کرتے رہتے ہیں۔ آپ لوگوں کو منظور نہیں..... ٹھیک ہے۔" تھوڑی دیر تک یہ دلچسپ گفتگو جاری رہی۔ اس کے بعد میں خود ہی وہاں سے اٹھ گیا تو شہریار نے کہا۔ "کہاں چلے بھئی.....!"

"بس..... ذرا وہ....." شہریار میرے ساتھ ہی باہر نکل رہا تھا۔ ذرا چھوٹی قسم کا نوجوان تھا لیکن مخلص تھا۔ ورنہ اسے کیا پڑی تھی کہ مجھ سے اس قدر دلچسپی کا اظہار کرتا۔ باہر آکر کہنے لگا۔

"یار..... زندگی میں لطف لیا کرو۔ اپنی عمر سے کافی بڑے نظر آتے ہو۔ ویسے یہ بتاؤ پہلے یہ علاقہ دیکھا ہے یا نہیں۔"

"نہیں..... مہتاب گڑھی پہلی بار آنا ہوا ہے۔"

"کیسا لگا.....؟"

"ابھی دیکھا ہی کہاں ہے.....؟"

"گھر میں جو گھسے رہتے ہو۔ ذرا یہ حضرت آکر نکل جائیں تو پھر تمہیں مہتاب گڑھی کی سیر بھی کروائیں گے۔ یہ شہر قدرتی مناظر سے مالامال ہے۔ البتہ ابھی باقاعدہ اس کی تفریح گاہیں نہیں بنی ہیں۔ جہاں خاص طور سے وقت گزارا جاسکے۔ تاہم تم اس جگہ کو دیکھو گے تو تمہیں بے حد پسند آئے گی۔ آسمان کو چھوتے ہوئے پہاڑ..... برف سے ڈھکے ہوئے..... برف کے پگھلنے کے بعد زمین پر نظر آنے والی خوبصورت گھاس۔ یہ طویل اور ہموار میدان' برف کی سفیدی' اس سرزمین پر چمکتی ہوئی اور ان کے درمیان ایک چھوٹی سی دنیا..... خوشحال اور مطمئن محنت کش لوگ..... سرخ و سفید آسودگی کی سانسیں لیتے ہوئے۔ یہ ہے..... ہماری مہتاب گڑھی کا ایک نقشہ۔"

میں نے تعجب سے شہریار کو دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا۔ "کیا یہ شہر زمین پر ہی آباد ہے۔"

"دکھاؤں گا تمہیں....." اور اس کے بعد شہریار مجھ سے رخصت ہوگیا تھا۔ کیونکہ غیاث علی سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے تھے۔ وہ میرے پاس پہنچ گئے اور بولے۔ "آؤ..... ذرا میرے ساتھ..... تھوڑے سے کام کرنے ہیں۔"

کتنا خوبصورت ماحول تھا۔ کتنے اچھے لوگ تھے۔ میرا دل چاہا کہ ان کے درمیان کافی وقت گزاروں لیکن افشاں کا رویہ عجیب لگتا تھا۔ خصوصی طور پر اس نے مجھے یہاں آنے کی ہدایت کی تھی۔ ایک بار بس یہ پتا چل جائے کہ وہ مجھے کیسے جانتی ہے.....؟ پھر شاید یہ بے سکونی نہ رہے لیکن اس کے لئے موقع درکار تھا جو ابھی تک نہیں مل سکا تھا۔ کیونکہ میں انکیسی میں تھا اور افشاں ظاہر ہے مالکان کی بیٹی..... یہاں کچھ ایسی ہی کیفیت ہوگئی تھی۔ البتہ یہ میں نے ضرور محسوس کیا تھا کہ افشاں بہت گہری لڑکی ہے۔ وہ ضرور مناسب وقت کا انتظار کر رہی ہے۔ مجھے بھی اس وقت کا انتظار کرلینا چاہئے۔ ویسے بھی یہاں کوئی مشکل تو پیش آنہیں رہی تھی۔ چنانچہ وقت گزرنے لگا۔ پھر وہ وقت آگیا جب بر دکھاوے کے لئے احتشام احمد تشریف لائے۔ ایک اعلیٰ درجے کی مرسڈیز داخل ہوئی تھی۔ غالباً پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی کہ شامی صاحب پہنچ گئے ہیں۔ میں نے بھی غیاث علی کے ساتھ تھوڑے سے فاصلے سے مرسڈیز کو دیکھا جو پورچ میں آکر رکی تھی اور اس سے جو صاحب نیچے اترے تھے وہ دیکھنے کے قابل شخصیت کے مالک تھے۔ عمدہ قسم کے سوٹ میں ملبوس..... آنکھوں پر گہرے رنگ کی عینک لگائے لیکن حقیقت یہ تھی کہ شکل سے ہی لفنگے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے پیچھے جو تین افراد اترے تھے' وہ بھی اپنی مثال آپ تھے۔ ایک کا سر فلمی ولن کی طرح بالکل گنجا تھا اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ استرے سے گنجا کروایا گیا ہے۔ باقی دو کے چہروں پر زخموں کے گہرے نشان تھے۔ ان کے جسموں پر بھی اعلیٰ درجے کے سوٹ تھے۔ اس وقت نواب منصور بھی استقبال کرنے والوں میں شامل تھے۔ فاصلہ چونکہ زیادہ نہیں تھا اس لئے میں ان لوگوں کی آوازیں سن سکتا تھا۔ نواب منصور نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا۔ ادھر شامی صاحب..... جو انتہائی بدنما نقوش کے مالک تھے دانت نکال کر نواب منصور کی جانب لپکے۔

"ہیلو انکل..... کیسے مزاج ہیں آپ کے.....؟ آپ تو میری توقع کے بالکل برعکس نکلے۔ حالانکہ ڈیڈی نے مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ بہترین شکاری ہیں اور بڑے بڑے درندوں کا شکار کھیل چکے ہیں۔ ان نازک اور کمزور ہاتھوں سے آپ درندے کیسے مار لیتے ہیں انکل!"

نواب منصور کی آواز میرے کانوں تک پہنچی تھی۔ "نہیں بیٹے..... میں نے

ہاتھوں سے آج تک کوئی درندہ نہیں مارا۔ ہاں رائفل سے ضرور مارا ہے۔" جواب میں احتشام احمد عرف شامی نے اتنا خوفناک قہقہہ لگایا کہ وہاں موجود تمام لوگ چونک پڑے۔ اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ جب قہقہے کی آواز کچھ مدھم ہوئی تو ان کے ساتھ آنے والے تینوں آدمی ہنس پڑے تھے اور انہوں نے بھی شامی صاحب کی تقلید کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ لوگ ایک بار پھر چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔ یہ بے تکی ہنسی کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن سب نے برداشت کی تھی۔ نواب منصور نے کہا۔

"آیئے شامی صاحب..... اندر آیئے۔ آپ کا انتظار کیا جارہا ہے۔" شامی صاحب نے قدم آگے بڑھائے تو ان کے ساتھ تینوں مسخرے بھی آگے بڑھے لیکن نواب منصور نے انہیں روک دیا اور کہا۔

"آپ مہمان خانے میں جایئے..... اندر زنان خانہ ہے۔"

"مہمان خانہ..... زنان خانہ..... کتنے خانے ہیں یہاں.....؟" شامی صاحب نے کہا اور ایک بار پھر ہنس پڑے۔ وہ کیفیت دوبارہ بھی ہوئی تھی۔ یعنی جب وہ خاموش ہوئے تو ان کے تینوں ساتھی ہنس پڑے۔ شہریار تھوڑے فاصلے پر موجود تھا اور عجیب نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ نواب منصور' شامی صاحب کو لے کر اندر چلے گئے اور کچھ اور ملازم ان تینوں مسخروں کو لے کر..... شہریار کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ وہ ناک پھلائے ہوئے آگے بڑھا۔ مجھ پر نظر پڑی تو میرے قریب آگیا پھر بولا۔ "یہ ہماری نسل کے جتنے افراد یورپ یا امریکہ چلے جاتے ہیں وہاں سے وہ چمپنزی بن کر آتے ہیں۔ بندر کی نسل کا یہ شخص اپنے آپ کو منفرد ظاہر کرنے کے لئے یہ تین گدھے پکڑ لایا ہے جو مقامی ہی معلوم ہوتے ہیں لیکن سچ مچ کے گدھے۔ اس نے شاید انہیں سمجھایا تھا کہ جب وہ ہنسا کرے تو یہ تینوں بھی ہنسا کریں تاکہ اس کی بات میں لطیفے کی سی کیفیت پیدا ہو جائے لیکن یہ بتانا بھول گیا کہ انہیں اس کی بات کے فوراً ختم ہونے کے بعد ہنسنا چاہئے۔ وہ مستقل لیٹ ہو جاتے ہیں اور یقینی طور پر اس سے مار کھاتے ہوں گے۔ آؤ..... ذرا تم سے گپیں رہیں گی۔" شہریار میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "دیکھو..... میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میرے دوست بن جاؤ۔ یہاں ملازمت وغیرہ اپنی جگہ۔ میری دوستی زیادہ قیمتی چیز ہے۔ فائدے ہی فائدے ہوں گے۔"

"میں آپ کا دشمن تو نہیں ہوں۔ شہریار صاحب۔"

"الفاظ سے مت کھیلو۔ میں لفظوں سے کھیلنا نہیں جانتا۔ اصل میں ویسے تو بہت سے ہیں یہاں پر لیکن طبیعت صرف تم سے ملتی ہے۔ مان لو میری بات' کسی غلط کام کے

لئے مجبور نہیں کروں گا۔ اکیلا پڑ جاتا ہوں بعض معاملات میں۔ اب تم خود بتاؤ کہ افشاں کو دیکھا ہے نا تم نے۔"

"جی۔"

"اور اسے دیکھ رہے ہو۔"

"جی۔"

افشاں کے رشتے کے لئے آیا ہے اور پھوپھا صاحب جو ہیں وہ بھی اس سلسلے میں کچھ تیار نظر آتے ہیں۔ اب ایسا تو نہیں ہونا چاہئے۔ آپ خود دوستی نبھائیں جس سے آپ کا دل چاہے۔ اپنے بچوں کو کیوں داؤ پر لگاتے ہیں.....؟ تم خود بتاؤ ایمان سے..... قسم کھا کر..... کیا یہ گدھا افشاں کے قابل ہے.....؟ دیکھو..... ایک بات اور کہوں' افشاں میری کزن ہے لیکن میں اسے بہنوں کی طرح ہی چاہتا ہوں یہ نہ سوچ بیٹھنا کہ میں خود افشاں کا طلب گار ہوں۔ اصل میں بات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی ان الفاظ کے بعد۔ مگر افشاں جتنی نفیس لڑکی ہے اس معاملے میں شاید وہ کچھ بول نہ پائے کیونکہ وہ بزدل بھی ہے۔ مگر تم خود بتاؤ ہمارا کچھ فرض نہیں بنتا۔ ارے بھائی..... ہم نوجوان ہیں اور ایک طرح سے یوں سمجھ لو کہ ایک نوجوان کو دوسرے کا ساتھ دینا چاہئے۔ یہ بزرگ تو عقل سے عاری ہوتے ہیں۔ صاحبِ حیثیت نہیں ہوتے تو رونا شروع کردیتے ہیں کہ ان کی حیثیت ختم کردی گئی ہے اور جب ان پر بھروسہ کیا جائے تو یہ گل کھلاتے ہیں۔ میں اور کچھ نہیں کہتا شازل لیکن یہ رشتہ طے نہیں ہونے دوں گا اور..... تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

"مجھے.....!" میں حیران رہ گیا۔

شہریار کے چہرے پر جذبات کے سائے لرز رہے تھے۔ اس نے کسی قدر نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں شازل..... تم یقیناً یہ بات سوچ سکتے ہو کہ میں اپنی مطلب براری کے لئے تمہیں اپنا شریکِ کار بنا رہا ہوں۔ بات یہ نہیں ہے..... بات اصل میں یہ ہے کہ ہم آخر کیا کریں.....؟ اب دیکھو نا..... نہ جانے نواب منصور کیا سوچ رہے ہیں.....؟ حالانکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پھوپھی جان ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس بندر کو پسند نہیں کریں گی لیکن یہ بندر صاحب جو ہیں نا..... یہ پھوپھا صاحب کے دوست کے بیٹے ہیں اور وہ دوست جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں دولت کے انبار رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ افشاں جیسی حسین لڑکی ان صاحب کے پیچھے پیچھے پھرے گی۔ میں تمہیں کیا بتاؤں میرے دوست کہ وہ کس مزاج کی لڑکی ہے۔ اس قدر نفیس طبیعت کی

مالک..... اتنی صاحبِ ذوق کہ اگر اس سے بیٹھ کر باتیں کرو تو اندازہ ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود پھوپھا صاحب کے فیصلے کے سامنے ایک لفظ نہیں بولے گی جو کچھ وہ کہیں گے اسے خاموشی سے برداشت کر لے گی لیکن..... یار ہمارا بھی تو کچھ فرض ہے۔"

شہریار کے جذبات کچھ ٹھنڈے ہوئے تو میں نے کہا۔ "میں سو فیصد تمہارے ساتھ ہوں..... شہریار..... مگر ایک بات بتاؤ..... کرو گے کیا.....؟"

"کچھ نہ کچھ کریں گے اگر اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم اس گدھے کی ٹانگیں ہی توڑ دیں گے اتنا تو کر سکتے ہیں ہم۔" میں ہنسنے لگا پھر میں نے کہا۔

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ صاحب یہاں کب تک قیام کریں گے.....؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا باپ کا گھر ہو چکا ہے ان کا۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے.....؟"

بہرحال..... شہریار کے دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی کیونکہ..... بہرحال وہ اس کی کزن تھی۔ اپنی نیت بھی واضح کر چکا تھا کہ وہ خود اس کا طلب گار نہیں ہے چنانچہ اس کا خلوص بھی مشکوک نہیں رہا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے.....؟ جہاں تک میرا معاملہ تھا تو سچی بات یہ ہے کہ چونکہ راستے ہی بھٹک گئے تھے کوئی ایسا کام کرنے کے لئے نہیں رہا تھا جس میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا جائے۔ زندگی کی ڈگر ہی کھو گئی تھی۔ شروع ہی سے بھٹکا دیا گیا تھا۔ اگر بھائی ہی اپنے ساتھ رکھ لیتے اور انصاف کر لیتے تو شاید شعاع کی محبت دل میں سجائے زندگی کا سفر اختتام تک پہنچا دیتا لیکن اب راستے ہی بدل گئے تھے۔ ایک انوکھا پیار نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرا رہا تھا.....؟ خیر بددلی تو اس میں بھی نہیں تھی لیکن وقت ذرا کچھ عجیب سا ہو گیا تھا کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اپنے راستوں سے ہٹ کر کوئی جرم کر رہا ہوں لیکن کیا کرتا.....؟ ناظم ارسلان نے کسوٹی ہی عجیب رکھی تھی۔ کوئی اور فیصلہ کر لیتے میرے بارے میں..... کر کے تو دیکھتے کبھی اعتراض نہ کرتا کیونکہ بہرحال..... آج بھی یہ پورے دعوے سے کہتا تھا کہ..... میرا پیار دنیا کا سب سے انوکھا پیار ہے۔ جس میں پانے کی کوئی جستجو نہیں ہے بلکہ پانے سے احتراز ہے۔ ایسا شاید کم ہی لوگوں نے کیا ہو گا ورنہ ہر پسندیدہ چیز کے لیے دل میں ایک ہی جذبہ ہوتا ہے کہ وہ قریب آ جائے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ افشاں نے مجھے میرا نام لے کر کیوں مخاطب کیا تھا.....؟ وہیں سے راستے بھٹک گئے تھے ورنہ بھول کر بھی نہ سوچتا اس کے بارے میں۔ بھلا مجھے کیا غرض

تھی کہ کسی کے معاملے میں ٹانگ اڑاتا۔ بہرحال ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے یہاں سے جانے یا بھاگنے کے بارے میں سوچتا۔ ابھی تو ایک دلچسپ سلسلے کا آغاز ہوا تھا۔ شہریار کی مخالفت کی شدت بتاتی تھی کہ شہریار' شامی صاحب کے وجود کو کسی طور برداشت نہیں کرے گا اور یقینی طور پر کوئی ایسا ردِ عمل سامنے آئے گا جو خطرناک ہو گا۔ نواب منصور ایک نفیس انسان تھے۔ حالانکہ غیاث علی ذرا اپنے آپ کو محدود رکھتے تھے لیکن نہ جانے کیوں نواب منصور مجھے خاصی محبت اور اہمیت دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ رات کے ڈنر پر میں اسی جگہ موجود تھا جہاں ڈنر روم تھا۔ ایک ملازم کے طور پر بے شک میں اس میز پر موجود نہیں تھا جہاں باقی سب افراد تھے لیکن ایک کیئر ٹیکر کی حیثیت سے مجھے وہیں موجود ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت احتشام احمد عرف شامی بڑے کروفر کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ بہت قیمتی لیکن انتہائی گھٹیا ڈیزائن کے لباس پہنتا تھا یہ شخص اور بالکل اچھا نہیں لگتا تھا بار بار کہے جا رہے تھا۔

"چچا منصور..... افشاں کہاں ہے.....؟" ویسے تو خیر اور کوئی بات نہیں تھی لیکن اس کے اس سوال میں جو بیہودگی پائی جاتی تھی اس پر نواب منصور بھی کئی بار بے چین نظر آئے تھے۔ آخر کار..... انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔

"بھئی..... بلاؤ ان لوگوں کو کہاں ہیں یہ.....؟ کھانے میں دیر ہو رہی ہے۔"

میں نے محسوس کیا تھا کہ نواب صاحب کے انداز میں کچھ جھلاہٹ ہے۔ افشاں آ گئی..... بیگم نواب منصور بھی موجود تھیں کچھ اور افراد بھی تھے۔ یہی غنیمت تھا کہ وہ تینوں گدھے جو ساتھ آئے تھے موجود نہیں تھے اور انہیں ملازموں کا درجہ دیا گیا تھا۔ جب افشاں اندر آئی تو احتشام شامی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ افشاں اس وقت ایک سادہ سے لباس میں ملبوس انتہائی پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ اس کے انداز میں ایک حُسن تھا چال میں ایک شاہانہ کیفیت تھی۔ بلاشبہ اس وقت وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ احتشام جلدی سے اپنی جگہ سے آگے بڑھے ان کی آنکھوں میں ایک شوخ چمک لہرا رہی تھی۔ بڑے دلربا انداز میں انہوں نے افشاں کو ہیلو..... کہا اور داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ افشاں ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ اس نے وحشت زدہ نظروں سے نواب منصور کو دیکھا۔ نواب منصور خود سکتے میں رہ گئے تھے۔ ادھر شہریار کی آنکھوں میں جنون کی سی کیفیت تھی۔ شامی نے جب افشاں کو ہاتھ ملاتے نہ دیکھا تو خود آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی لیکن افشاں پیچھے ہٹ گئی تھی۔ شامی صاحب جھینپے جھینپے انداز میں ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ پھر واپس اپنی جگہ پلٹے اور اپنے برابر کی کرسی سرکا کر بولے۔

"آیئے..... یہاں تشریف رکھئے۔ ذرا دیکھیں گے کہ ہم اور آپ بیٹھے ہوئے کیسے لگتے ہیں.....؟ اس کے ساتھ ہی وہ "ہو..... ہو..... ہو..... ہو" کر کے ہنسنے لگے تھے۔ افشاں نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر آگے بڑھی اور نواب منصور کے قریب کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ شامی ان چند لمحات میں دو مرتبہ تو ذلیل ہو چکے تھے۔ بہرحال..... بیوقوف تو نہیں تھے' بیٹھ گئے ادھر اُدھر دیکھا پھر جھینپے جھینپے انداز میں بولے۔

"بھئی..... یہ سب کیا ہے.....؟ آپ نے اپنے ماحول کو آج تک اتنا ہی فرسودہ رکھا ہوا ہے..... نواب منصور صاحب..... چلئے ٹھیک ہے..... وہ جو کہتے ہیں نا کہ ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں بے نیازی تیری عادت ہی سہی۔ یہ کہہ وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ ڈھیری کیفیت ہو رہی تھی اس وقت ان کی اپنی بے عزتی کے خیال سے کچھ غصے کے تاثرات بھی چہرے پر نظر آئے تھے لیکن حالات کو سنبھال گئے اور کہنے لگے۔

"انکل..... اصل میں ہم لوگ جس آزاد خیال ماحول کے مالک ہیں اس میں یہ ساری چیزیں نہیں چلتیں۔ آپ کے پورے گھر کو سنبھالنا پڑے گا۔ چلئے ٹھیک ہے یہ ذمہ داری بھی ہم قبول کر لیں گے بھئی..... بہت بھوک لگی ہے افشاں۔ آپ کھانا شروع کریں تو ہم بھی شروع ہو جائیں۔"

"جی ہاں..... جی ہاں..... آپ معزز مہمان ہیں ابتدا کیجئے۔" نواب منصور نے کہا اور شامی پلیٹیں اپنے آگے کھینچنے لگے۔ بہرحال حقیقت تو یہ ہے کہ افشاں سے مجھے اس کے علاوہ اور کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اس نے میرے سلسلے میں ایک عجیب انداز اختیار کیا تھا لیکن اب مجھے کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ ذرا دلچسپ ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ البتہ میں شہریار کے چہرے پر جنون کے آثار محسوس کر رہا تھا۔ یہ نوجوان جذباتی تھا ایک ایک چیز کو نوٹ کر رہا تھا اور خاصی ہیجانی کیفیت کا شکار تھا۔ دوسری طرف افشاں کی کیفیت بھی خراب تھی چہرے پر نفرت کے نقوش نمایاں تھے اور ایک عجیب سی بے بسی اور بے کسی بھی۔ احتشام کا کیا حدود اربعہ تھا ظاہر ہے مجھے ابھی اس بارے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی۔ چنانچہ..... میں اپنے کاموں میں مصروف رہا لیکن شامی شاید..... اپنی حیثیت کو واضح کرنے پر بھی تلے ہوئے تھے۔ دوران گفتگو بھی ان کی گوہر افشانی جاری تھی کہنے لگے۔

"میرے دوستوں اور والدین کا خیال ہے انکل..... کہ میں بڑا زمانہ شناس ہوں لمحوں میں صورتِ حال جان لیتا ہوں۔ ویسے آپ یقین کریں کہ ڈیڈی نے کبھی کوئی ذمہ

داری شانوں پر نہیں ڈالی۔ اکلوتا جو ہوں حالانکہ میں چاہتا ہوں کہ ذمہ داریاں قبول کروں لیکن بس..... بزرگوں کی محبت بھی عجیب ہوتی ہے۔ انکل..... آپ کے ہاں کا ماحول بڑا فرسودہ ہے۔ اب میں نے اس کوٹھی ہی کو دیکھا بہت خوبصورت اور وسیع ہے لیکن اس کی تعمیر میں سلیقہ بالکل نہیں ہے۔ ہم لوگ جدید ہیں اکیسویں صدی میں داخل ہونے والے ہیں۔ اکیسویں صدی کی کچھ مانگ ہے۔ انکل ہم نہیں پوری کریں گے تو کون کرے گا.....؟ یعنی وہی بات ہوئی کہ ہر شخص کو اپنا اپنا تو فرض پورا کرنا ہی چاہئے۔ میں..... مگر ٹھہریئے..... ایک بات بتایئے۔"

شامی نے یہ انتظار نہ کیا کہ نواب منصور اس بات کو پوچھنے کی اجازت دیں خود ہی بولے۔

"ظاہر ہے..... افشاں بھی آپ کی اکلوتی صاحبزادی ہیں اور وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ..... اکلوتی اولاد..... جیسے میں..... آنکھ کا نور ہوتی ہے اور ساری کائنات ان کے سامنے بے مقصد..... یہ بات تو طے ہے کہ آپ کا سب کچھ افشاں ہی کا ہے۔ یہ کوٹھی بھی یقیناً اسی کے لئے ہو گی۔ ایسی صورت میں جب یہ کوٹھی افشاں کو مل جائے گی تو ہماری ملکیت ہو گی کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.....؟"

"ہاں..... ہاں..... ٹھیک کہا آپ نے۔" نواب منصور نے کہا۔

"تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہم اسے اپنی پسند کے مطابق ترتیب دیں گے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا اور پھر یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ یا تو حج کرنے چلے جائیں گے آنٹی کے ساتھ یہ پھر اگر نہ بھی گئے تو آپ کو ایک گوشہ درکار ہو گا ایک چھوٹا سا ٹھکانہ آپ کے لئے کافی ہو گا۔ آپ دیکھئے تو سہی..... ہم یہ کوٹھی کیسی بنائیں گے.....؟"

افشاں سے نہ رہا گیا۔ بغیر اجازت اپنی جگہ سے اٹھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی' ایک لمحے کے لئے سب کے منہ حیرت سے کھلے لیکن اس کے بعد سب کے چہرے پر ہنسی احتشام کی ابھری تھی۔

"مشرق کا بس ہمیں یہ انداز پسند تھا۔ لڑکیاں والدین کے سامنے شرمائے بغیر نہیں رہ سکتیں غالباً شرم سے واپس چلی گئی ہیں مگر خیر..... انہیں بھی ٹھیک کر لیں گے۔"

نواب منصور کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ خون کے گھونٹ پی رہے تھے۔ بے چارے نہ جانے کس کرب کا شکار تھے..... افشاں چلی گئی تھی۔ نواب منصور نے اسے آواز دینے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ ڈنر شروع ہو گیا شامی نے اور بھی بہت سی بیہودگی کی تھی اور نواب منصور پر ایک عجیب سی سکتے کی کیفیت طاری رہی تھی۔ میرا ایسے

معاملات میں کوئی خاص تجربہ نہیں تھا لیکن جو باتیں سنی تھیں وہ یہ تھیں کہ اس مشرقی کے ماحول میں والدین چاہے کسی بھی حیثیت کے مالک ہوں لیکن اپنی بیٹیوں سے منسوب رشتوں کے سامنے عجیب سی بے بسی کا شکار ہوتے ہیں۔ صورتِ حال تو کسی حد تک سمجھ میں آ ہی گئی تھی۔ شہریار نے بتا بھی دیا تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ نواب منصور ہر قیمت پر یہ رشتہ کرنا چاہتے ہیں اسی لئے شامی کی فضول بکواس برداشت کر رہے تھے لیکن یہ کچھ حد سے زیادہ تھا۔ افشاں کا رویہ بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ شامی کی بکواس اور ان کی شخصیت سے سخت برگشتہ ہے۔ شامی نے اس کوٹھی پر بھی قبضہ جما لیا تھا کچھ روایتی سی باتیں چل رہی تھیں۔ میرے ذہن میں جو خیالات بھی تھے وہ اپنی جگہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس معاملے سے براہِ راست تو میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں تو بس افشاں کے رویے سے حیران تھا۔ ٹرین میں جو الفاظ اس نے مجھ سے کہے تھے ان کی وضاحت چاہتا تھا اور بس اس کے علاوہ مجھے اس ماحول سے اور کیا دلچسپی ہو سکتی تھی.....؟ چنانچہ خاموشی اختیار کئے رکھی اور دل میں سوچا کہ ایک بار افشاں سے ضرور پوچھوں گا کہ اس نے ٹرین میں میرے ساتھ یہ رویہ کیوں اختیار کیا تھا.....؟ کیا چاہتی ہے مجھ سے.....؟ اور میرا نام کیسے جانتی تھی.....؟ بہرحال ڈنر ختم ہو گیا میز پر جیسا سوگ طاری رہا تھا اس سے مجھے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بیچارے گھر والے کسی مشکل کا شکار ہیں۔ پھر دوسرے دن بھی شہریار سے ملاقات ہوئی تھی۔ شہریار تو اس وقت..... بس..... آگ بگولہ نظر آتا تھا۔ تنہائی میں مجھے ملا تھا اور اس نے کہا تھا۔

"انسانی نقطۂ نظر سے ایک بات بتاؤ مجھے۔" میں نے مسکراتی نگاہوں سے شہریار کو دیکھا اور کہا۔

"شہریار..... یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا.....؟"

"یار..... دیکھو ایک بات سنو خدا کی قسم..... مجھے اس بات کا احساس ہے کہ بلاوجہ تمہیں اپنے معاملات میں گھسیٹ رہا ہوں مگر مجھے یہ بتاؤ کہ یہ چھالے کہاں پھوڑوں.....؟ اس کوٹھی میں ہو تم..... عظیم الشان کوٹھی ہے۔ مختلف قسم کے بندر نظر آ رہے ہوں گے تمہیں۔ ان میں ایک ہی بندر ایسا ہے جس سے میں دل کی بات کہہ سکوں۔ تمہارے چہرے میں یہ اپنائیت کے نقوش نہ جانے کیوں نظر آنے لگے ہیں.....؟ دیکھو..... مکھن بازی نہ سمجھنا خدا کی قسم..... بڑا کھرا انسان ہوں کبھی کسی سے چاپلوسی کی بات نہیں کرتا۔ مجھے بتاؤ تم..... خود بتاؤ..... اپنے ایمان کو سامنے رکھ کر بتاؤ..... وہ ریچھ کی اولاد کیا اس قابل ہے کہ افشاں جیسی حسین اور نرم

نازک لڑکی کا مالک بنے اور پھر اس کا انداز..... خدا کی قسم..... دل چاہ رہا ہے کہ پیالوں بھروں اور سارے کا سارا اس پر خالی کر دوں۔ اس سے بھی شاید میری طبیعت سیر نہ ہو سکے۔ کیا کیا بکواس کر رہا ہے وہ.....؟ کوٹھی کا مالک بن بیٹھا وہ اس یقین کے ساتھ کہ یہ کوٹھی تو اسے جہیز میں مل جائے گی۔ نواب منصور اپنی بیٹی کو کچھ بھی دے دیں یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے لیکن اس نے خود نواب صاحب کے لئے کوٹھی کا ایک گوشہ منتخب کر دیا یا پھر سرے سے اس کا قائل ہی نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ رہیں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں ساری باتوں پر میرا اپنا ٹھکانہ تو آسانی سے ہو جائے گا لیکن ایک بات کہے دے رہا ہوں کہ افشاں کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا بچپن سے میرے ساتھ پلی بڑھی ہے۔ ٹھیک ہے..... میں معمولی حیثیت کا انسان ہوں لیکن بھائی جیسے بھی ہوں بہن کو کسی ایسے جنگلی کے ہاتھوں میں تو نہیں دے سکتے۔ پتا نہیں..... کیا کیا فضول بکواس کر رہا ہوں تم سے.....؟ یار مجھے کوئی ترکیب بتاؤ میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ کیسے بچاؤں اسے؟"

"شہریار صاحب! آپ ایک بات تو دیکھیں نا' نواب منصور صاحب اس کی تمام باتوں کو پی گئے۔ اس قدر گھٹیا گفتگو کے باوجود نواب منصور نے اس سے کوئی ایسا لفظ نہ کہا جو اعتراض کے قابل ہوتا۔"

"بس کیا کہوں..... جو کچھ بھی کہوں گا ان کی شان میں گستاخی ہو گی کچھ نہیں کہہ سکتا میں..... کچھ نہیں کہہ سکتا۔" شہریار نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا میں اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"میں آپ کی ہر طرح سے مدد کرنا چاہتا ہوں شہریار صاحب..... دماغ کو اس طرح پریشان کرنے کی بجائے کوئی مؤثر ترکیب سوچئے۔ پہلا مشورہ یہ ہے کہ افشاں سے اس موضوع پر بات کیجئے۔ خود افشاں اس بارے میں کیا کہتی ہیں.....؟ آپ یقینی طور پر ان سے اس قدر بے تکلف تو ہوں گے۔ اگر خود مس افشاں اس شخص سے شادی کے لئے راضی ہیں تو ہم یا آپ بلاوجہ اس راستے کا پتھر کیوں بنیں۔"

"کمال کرتے ہو یار..... کمال کرتے ہو..... ارے بھائی..... ہم دونوں بچپن سے ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں ہے کیا؟ کچھ نہیں جانتا کیا میں.....؟ ارے میں اس کی ایک ایک بات کو پہچانتا ہوں۔ اگر اسے اس شادی کے لئے مجبور کیا گیا تو خودکشی کر لے گی۔ یہ اس کا آخری قدم ہو گا۔"

"بعض اوقات شہریار صاحب..... جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہوتا۔ میری تو رائے یہ ہے کہ آپ ایک بار ضرور اس سے معلومات حاصل کر لیجئے۔"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ بھی ٹھیک ہے میں بات کروں گا اس سے۔"

"اصل میں یہ سب کہنے کی ایک وجہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ درپردہ کوئی ایسا معاملہ ہو جس کی وجہ سے مس افشاں بھی شامی سے شادی کرنے پر رضامند ہوں۔ آپ اپنے طور پر بے شمار جذباتی فیصلے کر لیجئے نتیجہ کچھ نہ نکلے۔ کیا فائدہ.....؟"

شہریار گردن جھٹک کر خاموش ہو گیا تھا جیسے اسے اپنی بات کا پورا پورا یقین ہو۔ غرض یہ کہ..... بات اس وقت ختم ہو گئی۔ کوٹھی کے معاملات میں میری ہر طرح کی مداخلت بے مقصد ہوتی۔ غیاث احمد تو ایک طرح سے اس کوٹھی کے سب سے وفادار آدمی تھے۔ جب وہ اس معاملے کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے تو پھر مجھے آگے بڑھ کر یہ سب کچھ کرنا بڑا عجیب لگتا تھا۔ بات اگر شہریار کی نہ ہوتی تو شاید اس مسئلے میں آنکھیں ہی بند کر لیتا لیکن میرا اپنا کام اپنی جگہ تھا کہ ایک بار افشاں سے گفتگو کر کے اپنا ذہن مطمئن کر لوں اس کے بعد خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا کیونکہ معاملہ میرا اپنا نہیں ہے۔ کچھ اور وقت گزرا۔ غالباً اس روز کے تیسرے دن احتشام کی خواہش پر پکنک کا پروگرام بنایا گیا۔ یہاں کے لوگ اچھے خوش مزاج تھے لیکن اس ماحول میں شاید پکنک کا کوئی پروگرام نہ بنتا۔ یہ صرف احتشام شامی کی خواہش تھی چنانچہ بات طے ہو گئی اور یہ ذمہ داری شہریار کو سونپ دی گئی۔ شہریار مجھ سے ملا اور مسکرا کر بولا۔

"مزہ آگیا..... یقین کر لو مزہ آگیا۔ میں اسے پکنک کراؤں گا' ایک یادگار پکنک۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اور اس پکنک میں تم بھی شریک ہو گے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے انکار مت کرنا۔"

"میں تو ملازم ہوں..... شہریار صاحب! آپ جو حکم دیں گے میں اسے اپنے مالکوں کا حکم سمجھوں گا۔"

"لعنت بھیجو..... مالک اور ملازم پر..... یار پہلے انسان بن کر بات کر' میں تمہارا مالک نہیں ہوں۔ مگر ایک بات سمجھ لو جانا ضرور ہے تمہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں.....؟" شہریار مطمئن ہو گیا بہرحال..... خاصے دلچسپ حالات چل رہے تھے۔ پکنک کی تیاریاں شہریار ہی کے سپرد تھیں میرے سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ خود نواب منصور اس پکنک میں شریک نہیں تھے۔ لیکن باقی تمام اہلِ خانہ موجود تھے۔ تین گاڑیاں رکھی گئی تھیں۔ جن میں سے ایک

بڑی لینڈ کروزر تھی اس لینڈ کروزر میں احتشام شامی اور ان کے تینوں ساتھی تھے۔ تینوں ساتھیوں کو پچھلی نشست پر بٹھایا گیا تھا۔ اس کے بعد والی نشست پر احتشام تھے۔ برابر کی نشست کے لئے انہوں نے خصوصی طور پر جگہ رکھی تھی اور کہا تھا۔ "یہاں افشاں بیٹھیں گی اس لئے کسی اور کی گنجائش نہیں۔" یہ بات اس نے شہریار سے کہی تھی اور شہریار نے بڑے ادب سے گردن جھکا کر کہا تھا۔

"کسی اور کو افشاں کے ساتھ بیٹھنا بھی نہیں چاہئے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا۔"

"تم میرے ساتھ بیٹھو گے۔" شہریار نے مجھ سے کہا اور میں نے گردن خم کر دی۔ گاڑیاں تیار تھیں ایک گاڑی میں ملازم تھے۔ افشاں ان تینوں لڑکیوں کے ساتھ نکلی جو ان کی قریبی عزیز تھیں اور ان کے نام بھی مجھے معلوم ہو چکے تھے۔ ایک فرزانہ تھی..... ایک سیما..... اور ایک انیلا..... یہ وہی شوخ لڑکیاں تھیں جو مجھے ٹرین میں ملی تھیں اور خاصی شوخ و شریر نظر آتی تھیں۔ اس کے علاوہ شاید افشاں کی بہت قریبی عزیز بھی تھیں۔ چنانچہ..... جیسے ہی وہ سب باہر نکلیں احتشام شامی نے کہا۔

"میاں..... بات سنو کیا نام ہے تمہارا.....؟" مخاطب شہریار تھا۔

"جی..... خادم کو شہریار کہتے ہیں۔" شہریار نے کہا۔

"ذرا جاؤ..... ایسا نہ ہو کہ وہ لڑکیاں بھی ادھر آجائیں۔ صرف افشاں کو یہاں بلا لاؤ۔"

"جی بہت بہتر....." شہریار بولا میں ڈرائیونگ سیٹ کی برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور یہ تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ پھر شہریار وہاں پہنچا اور اس نے کوئی بات بھی کی ان لوگوں سے لیکن افشاں ان تین لڑکیوں کے ساتھ دوسری گاڑی میں بیٹھ گئی اور شہریار گردن لٹکائے واپس آگیا۔

"انہوں نے یہاں آنے سے انکار کر دیا ہے۔" اسی وقت دو گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئیں اور احتشام کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "یہ..... یہ..... کیا بدتمیزی ہے؟ یعنی کہ میں اکیلا یہاں بیٹھوں گا۔"

"نہیں ہم لوگ ساتھ میں ہیں اور آپ کے ساتھی بھی۔"

"چلو..... چلو..... ان کے پیچھے چلو یہ کیا گڑبڑ ہے.....؟"

"یہ لوگ تو شاید ریس لگا رہے ہیں۔" شہریار نے کہا اور اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ احتشام کے چہرے پر ناخوشگواری کے آثار تھے لیکن شہریار نے اس کے بعد جو حرکت کی

وہی کافی تھی۔ لینڈ کروزر طاقتور انجن کی مالک تھی۔ بندوق کی گولی کی طرح آگے بڑھی اور برق رفتاری سے دوڑنے لگی۔ احتشام کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا لیکن..... ایک لمحے کے لئے وہ کچھ نہ بولے۔ پھر جب دونوں گاڑیاں پیچھے رہ گئیں تو بمشکل تمام احتشام نے کہا۔

"روکو.....ذرا رکو..... انہیں ذرا قریب آنے دو۔" شہریار نے پوری قوت سے بریک لگائے اور احتشام صاحب کے ساتھ آنے والے تینوں افراد جو پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اپنی جگہ سے اچھل کر احتشام پر سوار ہو گئے اور احتشام کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"یہ..... یہ..... یہ..... یہ کیا بدتمیزی ہے.....؟ پیچھے ہٹو۔" انہوں نے دونوں ہاتھ گھمائے۔ گاڑی چونکہ رک چکی تھی میں خود بھی سامنے والے شیشے سے ٹکرایا تھا شہریار اس وقت انتہا پسندی کے موڈ میں تھا اس نے ایک دم پھر گاڑی آگے بڑھائی اور تینوں پیچھے جا پڑے۔ خود احتشام کی بری حالت ہو گئی تھی۔ اس دوران گاڑیاں پھر آگے نکل گئی تھیں۔ احتشام بہت بُری کیفیت کا شکار تھا۔ رفتار اب پھر تیز ہو گئی اور ان لوگوں کا کچومر بن رہا تھا۔ اس کے بعد احتشام شامی نے کچھ نہ کہا۔ شاید غصے کی حالت میں اس کی زبان بند ہو گئی تھی۔ تمام راستے شدید جھٹکے لگتے رہے اور خود میری ریڑھ کی ہڈی جواب دینے لگی۔ شہریار کسی کو کوئی بات کرنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک انتہائی خوبصورت علاقے میں آگے جانے والی دونوں گاڑیاں رک گئیں اور شہریار نے بھی اپنی لینڈ کروزر تھوڑے فاصلے پر روک دی۔ اگلی دونوں گاڑیوں سے لوگ نیچے اتر رہے تھے لیکن وہ سب تروتازہ تھے جبکہ میرا یہ اندازہ تھا کہ شامی اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہ ہو سکیں گے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ وہ بھی نیچے اترے تھے لیکن اس طرح ڈول رہے تھے جیسے سخت نشے میں ہوں۔ میں اور شہریار بھی نیچے اتر گئے تھے۔ شامی نے شہریار کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اماں..... ایسے گاڑی چلاتے ہیں۔"

"سر..... آپ جو کہہ رہے تھے میں نے وہی کیا ہے۔" شہریار نے کہا اور پھر ایک دم ایک سمت مڑ گیا۔ انداز ایسا تھا جیسے کسی نے اسے بلایا ہو۔ لڑکیاں مسکرا رہی تھیں میں نے شامی سے کہا۔ "کتنا خوبصورت منظر ہے یہ.....؟"

شامی نے مجھے بھی گھورا تھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولے تھے اور ڈولتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ شہریار' افشاں کو باقاعدہ ہدایات دے رہا ہے۔ افشاں نے رخ بدل لیا تھا جبکہ احتشام تیز رفتاری سے اس کی جانب بڑھ رہے تھے تو جیسے

ہی وہ افشاں کے قریب پہنچے۔ افشاں آگے بڑھ گئی۔ میں دلچسپی سے یہ تمام حالات دیکھ رہا تھا۔ شہریار میرے قریب پہنچ گیا اور پھر مجھے دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑا۔

"سوری..... دوست..... حالت تمہاری بھی خراب ہو گئی ہو گی لیکن ذرا دیکھو اس ڈسکو ڈانسر کو..... ٹانگیں ابھی تک کانپ رہی ہیں اور اس کے تینوں ساتھی بیہالے۔"

"افشاں کا کیا حال ہے؟....."

"ہنسی روک رہی ہے ہماری حرکت دیکھ کر لیکن تم سے میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"کیوں.....؟ کیا تم نے مجھے کوئی بوڑھا آدمی سمجھ رکھا ہے۔" میں نے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ "سوری..... شہریار صاحب۔"

"سوری کس سلسلے میں؟"

"ذرا بے تکلفی میں آپ کو مخاطب کر گیا۔"

"اگر اسے قائم رکھ سکو تو تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔" شہریار نے کہا پھر ہنس کر بولا۔ "ویسے میں نے افشاں کو پوری طرح ٹرینڈ کر دیا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ انکل نہیں ہیں۔"

"اگر شکایت کی احتشام نے تو۔"

"چھوڑیں..... کیا شکایت کریں گے.....؟ میں ڈرتا نہیں ہوں کسی سے۔" شہریار نے کہا پھر احتشام' افشاں کے قریب پہنچ گئے۔ نہ جانے انہوں نے افشاں کو کیا پڑھایا تھا.....؟ یکدم وہ مجبور ہو گئی تھی۔ اتنی دیر میں تینوں لڑکیاں..... فرزانہ انیلا اور سیما ہمارے قریب پہنچ گئیں تینوں ہنس رہی تھیں۔

"شہریار بھائی..... آپ واقعی زہر کے بجھے ہوئے ہیں۔" انیلا نے کہا۔

"بکواس بند کرو تم سے ایک سوال کروں جواب دو گی مجھے۔"

"کیجئے۔"

"اگر تمہاری شادی اس لنگور کے ساتھ کر دی جائے تو کیسا رہے گا۔"

"میں اسے پہاڑ سے دھکا دے دوں گی۔" انیلا نے ایک لمحہ رکے بغیر کہا۔

"بس میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"اب وہ دیکھو..... اس کے پیچھے پیچھے لنگور کہاں گیا ہے.....؟ ہائے اللہ..... افشاں کی زندگی تو عذاب ہو جائے گی۔ اس شخص کے ساتھ۔"

"آؤ.....؟" شہریار نے کہا اور لڑکیاں اس کے ساتھ آگے بڑھ گئیں میں پیچھے رکا

رہا تو شہریار بولا۔ "یار تم کمال کے آدمی ہو..... آؤ نا۔"

میں مسکراتا ہوا اس کے پیچھے چل دیا۔ کافی فاصلے پر ایک برفانی جھیل تھی۔ کہیں سے برف کا پانی بہتا ہوا آیا تھا۔ اچھی خاصی بڑی جھیل بن گئی تھی لیکن گہری نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ چار فٹ گہری تھی تہہ میں پتھر نظر آرہے تھے۔ ایسی شفاف جھیل بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ جھیل کے قریب شامی اور افشاں نظر آئے۔ دونوں وہیں کھڑے ہوئے تھے۔ افشاں بری طرح بدحواس نظر آرہی تھی اور شامی اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ ہم لوگ تیزی سے ان کے قریب پہنچ گئے تو افشاں نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر بولی "کیا ابو نے یہ کہا تھا تم سے شہریار..... کہ مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"تم تنہا کہاں ہو.....؟ میں جو ہوں تمہارے ساتھ۔" شامی نے کہا۔

"تو اور کیا..... شامی صاحب جو ہیں تمہارے ساتھ اور یہ حسین مناظر..... کیوں شامی صاحب.....؟"

"بڑی خوبصورت جگہ ہے....."

"یہ جھیل دیکھ رہے ہیں آپ....."

"چاندی کی جھیل معلوم ہوتی ہے....."

"ویسے..... یہاں آنے کے بعد اس جھیل میں نہ نہایا جائے تو سنا ہے گناہِ عظیم ہوتا ہے۔"

"زیادہ گہری تو نہیں ہے۔" شامی بولے۔

"نہیں..... بالکل گہری نہیں ہے۔ یہاں تو لڑکیاں تک نہا لیتی تھیں، پھر آپ تو ایک دلیر اور بہادر آدمی ہیں۔" شہریار نے عجیب سے لہجے میں کہا اور افشاں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں..... وہ تو ٹھیک ہے لیکن پانی کچھ ٹھنڈا معلوم ہوتا ہے۔"

"یقیناً..... یقیناً..... آپ بیمار نہ پڑ جائیں چلو بھئی ہم لوگ نہاتے ہیں....." شہریار نے کہا.....

"کیا مطلب.....؟..... بیمار پڑ جانے سے تمہاری کیا مراد ہے.....؟"

"بھئی..... نزلہ زکام ہو جائے گا آپ کو؟"

"تو اس سے کیا فرق پڑے گا.....؟ میں نہاؤں گا۔"

"یہی تو ہم کہہ رہے تھے۔"

"چلئے..... لباس تبدیل کرلیں۔"

"لباس تو میں لایا نہیں۔"

"تو کیا فرق پڑتا ہے.....؟ ہم لوگ بھی اس طرح نہائیں گے۔ آؤ بھئی شہریار..... " شہریار بولا اور مجھے اشارہ کر کے ایک طرف چل پڑا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا۔ لڑکیاں اور افشاں احتشام کے پاس بیٹھ گئی تھیں لڑکیاں بھی شاید احتشام کو پانی میں نہانے کے لئے چڑھا رہی تھیں میں قریب پہنچا تو شہریار نے کہا.....

"بھول کر بھی پاؤں نہ رکھنا اس پانی میں۔ برف کا پگھلا ہوا پانی ہے ایک بھی غوطہ لگایا تو نمونیہ ہو جائے گا۔"

"ارے تو پھر؟"

"ہمارا شیر دل جوان ہمارے بدلے میں نہا لے گا۔ کیا سمجھے.....؟" اور میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا اور میں نے کہا۔

"یار..... بیمار نہ ہو جائے....."

شہریار نے مجھے گھور کر دیکھا تو میں خاموش ہو گیا پھر ہم نے وہیں سے احتشام کو پانی میں چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا اور شہریار بولا۔ "تمہاری ذمہ داریاں کچھ بڑھ جائیں گی پہلے تدفین کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ تیسرے دن سوم اور اس کے بعد چالیسواں اچھے خاصے مصروف دن گزریں گے۔" میں ہنس پڑا۔ شہریار میرے ساتھ ان لڑکیوں کے پاس پہنچ گیا اور افشاں ہمیں دیکھ کر بولی.....

"چلئے..... آپ لوگ بھی جائیے..... ارے..... دیکھو اس کی کیا حالت ہو رہی ہے.....؟"

"ہمارا کوئی دماغ خراب ہے کہ اس برفانی جھیل میں غوطہ لگا کر اپنا مستقبل خراب کر لیں۔" تینوں لڑکیاں بری طرح ہنس پڑیں۔ افشاں بھی ہنس رہی تھی دوسری طرف شامی کا برا حال تھا دانت بھنچ گئے تھے آواز نہیں نکل رہی تھی اور اب شاید پاؤں بھی شل ہو گئے تھے۔ شہریار نے وہیں سے آواز لگائی.....

"ہم آرہے ہیں..... شامی صاحب! پانی ٹھنڈا تو نہیں ہے۔" شامی کوئی جواب نہیں دے سکا۔ البتہ وہ بدحواسی سے ہاتھوں پیروں کو جنبش دے کر واپس آرہا تھا۔ نہ جانے کس طرح اوپر پہنچا لیکن کیفیت یہ تھی کہ ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"میں نے منع کیا تھا، کہا تھا کہ پانی ٹھنڈا ہو گا اور نزلہ زکام ہو جائے گا۔" بمشکل تمام شامی کے منہ سے نکلا۔ "ان کتے کے بچوں کو بلا دو نہ جانے کہاں عیش کر رہے ہیں؟"

غالباً یہ الفاظ کتے کے بچے ان تین بچوں کے لیے کہے گئے تھے جو اپنے طور پر تفریح کر رہے تھے۔ شامی کی آواز تک نکل نہیں پا رہی تھی۔ شہریار نے کہا..... "کیا بہت سردی لگ رہی ہے..... شامی صاحب....."

"مم..... مم..... مجھے..... مجھے گاڑی میں..... مجھے گاڑی میں....." شامی اب بھی جملہ مکمل نہیں کر سکا اور شہریار نے کہا۔

"گاڑی میں آپ جائیں گے تو گاڑی کی سیٹیں بھیگ جائیں گی یہیں آرام سے بیٹھیں سوکھ جائیں گے۔" شامی اکڑوں بیٹھ گیا۔ لڑکیاں وہاں سے کھسک گئی تھیں کیونکہ ان کے لیے ہنسی روکنا مشکل ہو رہا تھا۔ دوسری طرف شامی سردی کھائے ہوئے پلے کی طرح کانپ رہا تھا۔ شہریار نے کہا۔ "ان تینوں کو دیکھو..... نہ جانے کیا کر رہے ہیں؟"

اشارہ میری طرف تھا میں آگے بڑھ گیا اور شامی کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ اتنے میں ان کے تینوں ساتھی آگئے اور نہ جانے شہریار نے ان سے کیا کہا..... انہوں نے اپنے اوپری لباس اتار کر شامی کو پہنا دیئے تھے اور اس کے بعد شامی کو اٹھاتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گئے تھے شامی کو لینڈ کروزر میں بٹھایا گیا تو افشاں نے شہریار سے کہا۔ "شہریار بھائی! ابو کو جواب صرف آپ دیں گے۔"

"ارے بابا..... کم از کم تم اتنا تو بتا سکو گی کہ میں نے منع کیا تھا۔ مگر وہ شیخی میں آگئے۔"

"منع کیا تھا آپ نے کہ چڑھا دیا تھا انہیں۔" سیما بولی اور شہریار اسے گھورنے لگا پھر بولا۔

"تم شادی کر لو اس سے' بہت زیادہ ہمدرد بنی ہوئی ہو۔ اس کی شکایت کر دینا میری جا کر....." سیما ایک دم نروس ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد شامی صاحب کے ان تینوں ساتھیوں میں سے ایک ہمارے قریب پہنچا اور کہنے لگا۔ "باس کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے واپس جانا چاہتے ہیں....."

"ارے..... کیا کرنا چاہئے.....؟"

"انہیں واپس بھیج دیں ہم تو واپس نہیں جائیں گے۔" افشاں نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں..... بالکل ٹھیک ہے نا منع کیا تھا کہ پانی میں نہ اتریں اب ہم کیا کریں.....؟ میں دیکھتا ہوں۔" شہریار نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لینڈ کروزر کے قریب پہنچا اور شاید ان لوگوں سے مذاکرات کرتا رہا پھر اس نے شامی صاحب کو دوسری گاڑی میں بٹھا کر روانہ کر دیا تھا اور ایک ڈرائیور ان چاروں کو لے کر چل پڑا تھا۔

شہریار افشاں کے پاس آگیا۔

"اب تمہیں میرا ساتھ دینا پڑے گا۔"

"کس سلسلے میں.....؟"

"اب دیکھو نا..... ہم اپنی پکنک تو خراب نہیں کر سکتے تھے ہو سکتا ہے کہ انکل اس بات پر ناراضگی کا اظہار کریں اور یہ کہیں کہ یہ پکنک شامی صاحب کیلئے ترتیب دی گئی تھی۔"

"تو کس نے یہ بات کہی تھی..... کہ وہ اس برفانی جھیل میں کود جائے۔" افشاں بولی.....

"بالکل..... بلکہ ہم تو منع کر رہے تھے۔"

"میں بات کر لوں گی ابو سے..... اب ایسا بھی کیا کہ کسی کے لیے ہم لوگوں کی زندگی ہی چھین لی جائے۔"

"بالکل..... پوری ہمت سے کام لینا۔" شہریار نے کہا اور افشاں کو خوب چڑھاتا رہا۔ میں نے اس وقت افشاں کا بغور جائزہ لیا تھا بظاہر ایک سیدھی سادی سی لڑکی لگتی تھی لیکن بات وہی ہو جاتی تھی کہ..... آخر اس نے مجھ سے یہ الفاظ کیوں کہے تھے.....؟ تفریحات کا آغاز ہو گیا شہریار میرے قریب پہنچا اور بولا۔ "کیسا.....؟"

"بہت ٹھنڈا پانی ہے کہیں واقعی شامی کو کوئی شدید نقصان نہ پہنچا جائے۔"

"نہیں چاہتا تھا میں..... یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا..... لیکن اس کی حرکتیں دیکھ رہے ہو۔ اس کے الفاظ سن رہے ہو۔ کیا کہہ رہا ہے وہ.....؟ ارے یہ سب کچھ ہمارا ہے۔ بے شک..... کچھ بھی ہو جائے کوئی بھی مسئلہ ہو جائے لیکن تقدیر پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اللہ نے چاہا تو افشاں کو اچھے سے اچھا رشتہ مل جائے گا لیکن اس جنگل کے جانور کے تو سپرد کسی طور نہیں کیا جا سکتا۔ تم خود دیکھ لو اس کی کیا کیفیت ہے' کیا لگ رہا ہے ایسا جیسے اسے ذرہ برابر اس گدھے کی پروا ہو۔ وہ بالکل مطمئن ہے اس سے کیا انداز ہوتا ہے تمہیں؟"

"یہی کہ افشاں بھی انہیں پسند نہیں کرتیں۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں یہ حقیقت معلوم کر کے رہوں گا کہ آخر انکل اس سے کیوں اتنے متاثر ہیں۔" بہرحال میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ پھر تفریحات کا آغاز ہو گیا۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد افشاں بھی کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہی تھی ایک بار بھی اس نے یہ نہ کہا کہ اس شخص کی حالت معلوم کی جائے البتہ شہریار نے مجھ سے کہا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ کیا ہو گا' ناراض تو بہت ہوں گے اس بات پر کہ اگر ایسا ہو بھی گیا تھا تو ہم لوگوں کو پکنک جاری نہیں رکھنی چاہئے تھی لیکن ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں' اب یہاں آنے کے بعد اتنی جلد واپس جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں نے بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا اس بارے میں بہرحال شہریار کی اپنی بھی ایک حیثیت تھی انہی لوگوں میں سے ایک تھا اور ہر طرح کی صورتِ حال سے نمٹ سکتا تھا' پھر میری کوئی ذمہ داری بھی نہیں تھی' چنانچہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ تفریحات میں مشغول رہا اور بہت لطف آیا' لڑکیاں بڑی تیز طرار تھیں کھانے پینے کا مکمل انتظام کر کے آئے تھے ہم لوگ چنانچہ تفریح ہوتی رہی۔ یہ صرف اتفاق تھا کہ اس وقت شہریار کافی فاصلے پر تھا افشاں اسی جھیل کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی اور میں اس طرف نکل آیا تھا' میں نے افشاں کو دیکھا تو افشاں نے خود ہی اشارہ کیا۔ میں ایک لمحے کے لیے سناٹے میں رہ گیا تھا کیونکہ اشارہ کرنے کا یہ انداز مجھے بڑا عجیب محسوس ہوا تھا تاہم میں افشاں کے قریب پہنچ گیا۔

"آپ کا نام شازل ہے نا.....؟"

"جی۔" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں کسی خاص وجہ سے نہیں پوچھ رہی' بس ایسے ہی آپ ادھر نکل آئے تھے' آپ یہاں ملازمت کرنے آئے ہیں.....؟"

"جی۔"

"ارے میرا کوئی مقصد نہیں تھا خاص' آپ اس طرح سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہے ہیں' جیسے میں آپ سے کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہوں' بتا رہی ہوں نا بس ایسے ہی۔" نہ جانے کیوں افشاں گھبرا سی گئی تھی' لیکن ایک دم سے میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے کہا۔

"لیکن میں آپ سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں؟"

"جی؟" وہ کسی قدر چونک پڑی۔

"جی افشاں صاحبہ آپ یہ بتائیے کہ آپ مجھے کب سے جانتی ہیں؟"

"ارے کوئی بات ہے کیا..... آپ تو بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں بس مجھے یہ بتا دیجئے کہ کسی خاص وجہ سے یہ سوال کر رہے ہیں آپ؟"

"جی ہاں۔"

"کیا بات ہے؟" وہ بہکے بہکے لہجے میں بولی۔

"افشاں صاحبہ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے ٹرین میں مجھ سے کیا کہا تھا۔"

"نہیں مجھے تو کچھ یاد نہیں..... ٹرین میں میری آپ سے بات ہی کب ہوئی تھی۔"

"یہی معلوم کرنا چاہتا تھا میں آپ سے' کیا آپ کو یہ بالکل یاد نہیں ہے کہ اس وقت میں آپ لوگوں سے جب الگ ہٹ کر بیٹھ گیا تھا آپ نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے مجھ سے کچھ الفاظ کہے تھے۔"

"ایک بات کہوں میں آپ سے' سفر چاہے چالیس گھنٹے کا کیوں نہ ہو ٹرین میں' میں کبھی واش روم نہیں جاتی اور شاید میں نے اپنی زندگی میں' یہ دوسرا ٹرین کا سفر کیا ہے بہت عجیب لگتا ہے یہ مجھے۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ آپ نے مجھ سے اپنے ساتھ آنے کے لیے نہیں کہا تھا۔"

"ہاں!"

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ آپ نے مجھ سے اپنے ساتھ آنے کیلئے نہیں کہا تھا۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ پریشان لہجے میں بولی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گئی اور میں اسے دیکھتا رہ گیا' میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اگر ایسی بات ہے تو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس احمقانہ ماحول میں وقت گزاروں' نہ مجھے اس نوکری کی ضرورت تھی اور نہ ہی یہاں کے حالات سے میرا کوئی تعلق تھا۔ شہریار بے شک ایک بہت اچھا انسان تھا لیکن پھر بھی میں تو یہاں صرف اس لئے آگیا تھا کہ اس نے مجھے اس کی دعوت دی تھی اور میں ایک اجنبی لڑکی سے اپنا نام سن کر حیران رہ گیا۔ نہ جانے میرے ذہن میں کیا کیا تصورات تھے لیکن افشاں نے اس وقت اپنی بالکل لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اب یہاں رکنا بے مقصد ہی ہو گا' غیاث احمد سے حقیقت بیان کر کے یہاں سے نکل جاؤں گا' صورتِ حال چاہے کچھ بھی ہو' میری کون سی مشکل پڑی ہے' یہ فیصلہ میں نے حتمی طور پر کر لیا اور مجھے یہ افسوس بھی ہونے لگا کہ میں نے بلاوجہ افشاں سے یہ سوال کر ڈالا۔ نہ کرتا تو بہتر تھا یہی انتظار کرتا کہ وہ خود ہی کچھ کہے' لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا' مجھے بھلا اس لڑکی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے' افشاں نے شاید کسی کو میرے اس سوال کے بارے میں نہیں بتایا تھا کیونکہ ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور سب لوگ اپنی اپنی تفریحات مناتے رہے۔

اس دوران دوسری لڑکیاں مجھ سے کافی بے تکلف ہو گئی تھیں افشاں البتہ کچھ سنبھلی سنبھلی سی نظر آرہی تھی' لیکن میں نے دوبارہ اسے مخاطب نہیں کیا' کھانا وغیرہ ساتھ ہی کھایا گیا تھا' شہریار بہت خوش نظر آرہا تھا وہاں سے کوئی خبر نہیں ملی تھی' سوچا ایک بار شاید کوئی احتشام کی موت کی اطلاع دینے کیلئے آجائے لیکن احتشام صاحب مر کر نہیں دیئے تھے' ہم لوگ واپس پہنچ گئے۔ میں تو اپنی جگہ آگیا لیکن ظاہر ہے شہریار کی تھوڑی بہت شامت آئی ہو گی البتہ میں افشاں کے رویے پر غور کرتا رہا میرے سوال پر اس کے چہرے پر جو تاثرات ابھرے تھے وہ اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ واقعی وہ مجھ سے بے تعلق ہے اور اسے یہ یاد نہیں ہے کہ اس نے مجھ سے کچھ الفاظ کہے تھے۔ کیونکہ زندگی کے بیشتر لمحات انہی پُراسرار باتوں میں گزرے تھے اس لئے اس بات پر بھی کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے تھی لیکن اب یہاں رکنے کا کوئی سوال نہیں تھا' کھانا میں نے اپنی رہائش گاہ میں ہی کھایا اندر کے حالات کے سلسلے میں تجسّس تھا' کوئی ساڑھے دس بجے کے قریب شہریار خود میرے پاس پہنچا' مطمئن اور مسرور تھا کہنے لگا۔

"نمونیہ ہو گیا' حالت کافی خراب ہے' ڈاکٹر تمام انتظامات کر گئے تھے لیکن امکان اس بات کا ہے کہ ٹھیک ہو جائے گا' خیر بچہ ہم سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

"نواب صاحب ہم سے ناراض تو ضرور ہوں گے!"

"بہت ناراض تھے لیکن اس وقت افشاں نے بڑی مدد کی اور باقی لڑکیوں نے بھی' سب نے یہی کہا کہ انہیں منع کیا گیا تھا کہ برفانی جھیل ہے اس میں نہ اتریں لیکن شیخی خوری پر آمادہ تھے۔ ویسے شازل' ساری حقیقت معلوم ہو چکی ہے پتہ چل گیا ہے کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔"

"یعنی؟"

"یار بڑی دکھ بھری خبر ہے۔" شہریار بے تکلفی سے بولا اور میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تجسّس تو مجھے بھی ہے مسٹر شہریار اگر آپ بتا دیں گے تو میری عزت افزائی ہو جائے گی۔"

"بتانے تو آیا ہوں۔ اصل میں یہ نوابین جو ہوتے ہیں ماضی میں بھی انہوں نے اپنی حرکتوں سے اپنی ریاستیں گنوائیں اور آج بھی ان حرکتوں سے گریز نہیں کرتے۔ کیا کہوں میرے انکل ہیں اپنی حماقتوں سے سب کچھ گنوا چکے ہیں اور یہ احتشام جو ہے نا یہ ایک بہت بڑے بزنس مین کا بیٹا ہے۔ اس بزنس مین کے کروڑوں روپے نواب منصور پر

واجب الادا ہیں اور نواب منصور اسی لئے اس احتشام کے پاؤں کے نیچے دبے ہوئے ہیں' یہ قرضے اس صورت میں معاف ہو سکتے ہیں کہ شامی کی شادی افشاں سے کر دی جائے اور جو بچی کھچی چیزیں ہیں یعنی کوٹھی اور دوسرے اثاثے' وہ افشاں کے نام سے احتشام شامی کو مل جائیں۔ ان کے والد صاحب نے ایک یہی تجویز پیش کی ہے' دوسری صورت میں بھی یہ تمام چیزیں ان کی تحویل میں چلی جائیں گی' لیکن باقاعدہ حیثیت سے نواب منصور ایک قلاش آدمی کی حیثیت سے مشہور ہو جائیں گے' یہ درمیانی تجویز ہے جو احتشام کے والد بزرگوار نے پیش کی ہے اور نواب منصور اپنی عزت بچانے کیلئے اس بات پر آمادہ ہیں۔ یار شازل' اور کوئی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی جس سے افشاں کو بچایا جا سکے؟"

مجھے بھی افسوس ہوا تھا لیکن ہر حال میں بات یہی سچ تھی جو شہریار کہہ رہا تھا' نواب منصور ہی کا کیا دھرا تھا جسے اب وہ بیٹی کی قربانی دے کر بھگت رہے تھے' میں نے فیصلہ کیا کہ دوسرے ہی دن غیاث صاحب سے بات کروں گا اور انہیں اصلیت بتا کر یہ بات کہوں گا کہ میں کیونکہ وہ نہیں ہوں جس کے دھوکے میں وہ مجھے یہاں لے آئے ہیں چنانچہ میں جا رہا ہوں البتہ رات کو اپنی آرام گاہ میں آرام کرتے ہوئے میں نے یہ سوچا تھا کہ ان لوگوں نے مجھے شازل کے نام ہی سے مخاطب کیا ہے' میرا ہمشکل میرا ہم نام بھی ہے۔ آہ وہ کون ہے اور غائب کہاں ہو گیا؟ بہرحال یہی باتیں سوچتے ہوئے آنکھوں میں غنودگی سی آئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک پڑا دروازہ بند نہیں تھا میں نے کہا۔

"کون ہے آجاؤ۔" لیکن جو شخصیت دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا' وہ افشاں تھی جس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا' آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے قریب پہنچی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"جی۔"

"ہاں' میں نے ٹرین میں تم سے کہا تھا اور اس کی کچھ وجہ تھی۔ سنو اٹھو اس بریف کیس میں بہت کچھ ہے چلو یہاں سے نکل چلیں' اٹھو..... پلیز شازل دیر ہو گئی تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے افشاں جو کچھ کہہ رہی تھی میں اسے سمجھ رہا تھا لیکن.....

نرم و نازک' خوبصورت' پُروقار اور سادہ سے چہرے والی افشاں مجھے پسند تھی' اس کے انداز میں اس کی شخصیت میں ایک ایسی پاکیزگی نظر آتی تھی جو مجھے اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتی تھی' لیکن اس کا یہ انداز اس وقت مجھے بالکل پسند نہیں آیا تھا' یہ تو

ایک بالکل عام سی بات تھی۔ ٹرین میں اس نے مجھے مخاطب کیا تھا اور میں حیران ہوا تھا اور اس کے بعد سے آج تک اس تجسس میں مبتلا تھا کہ آخر وہ میرا نام کیسے جان گئی۔ کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا اور ابھی تک اس کا کردار میرے لئے پُراسرار تھا' لیکن اس وقت اس کی شخصیت میں ایک ایسا جھول نظر آیا تھا جو مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ وہ بے وقوف نہیں جانتی تھی کہ میں کس طرح کا انسان ہوں یا میرے اندر کون سی کمی ہے' وہ مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے کے بے چین نقوش میں کچھ اور بے چینی نظر آرہی تھی' جب میں دیر تک کچھ نہ بولا تو وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم اٹھ نہیں رہے شازل' کیا تمہیں میری اس کیفیت کا احساس نہیں ہے' میرے اس بریف کیس میں تقریباً پچاس لاکھ روپے کی مالیت کا خزانہ موجود ہے۔ یہ خزانہ ہماری زندگی میں خوشیوں کے لئے کافی ہے۔ اتنے دور دراز مقام پر نکل چلیں گے کہ کوئی ہماری گرد بھی نہ پا سکے اور اس کے بعد ہم بدلے ہوئے ناموں کے ساتھ ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ شازل پلیز تم نے دیر کی تو کوئی جاگ جائے گا اور سارا منصوبہ دھرا رہ جائے گا۔ میں بدنام ہو جاؤں گی تمہارے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا' اٹھو پلیز اٹھو شازل دیر مت کرو' کچھ مت سوچو' میرے پاس مکمل منصوبہ موجود ہے میں جانتی ہوں کہ ہمیں کہاں جانا ہے' تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا' لہجے میں کرختگی آگئی آنکھوں میں وہ احساس پیدا ہو گیا جو افشاں کی اس حرکت سے میرے دل میں نمودار ہوا تھا۔ میرے لہجے میں خاصی تلخی تھی میں نے کہا۔

"مس افشاں' حیرت کی بات ہے تم لڑکیاں اپنے آپ پر اتنا ناز کیوں کرتی ہو۔ سفید چمڑی حسین نقوش بے شک دلکش ہوتے ہیں' اچھے لگتے ہیں' لیکن تم نے یہ کیوں سوچ لیا کہ تم سب کچھ کر سکتی ہو۔ تم نے یہ کیوں سوچ لیا کہ مرد کی کوئی آبرو نہیں ہوتی' تم اپنے آپ کو جس قدر پاکیزہ اور پُروقار سمجھتی ہو میرا اندازہ ہے کہ مرد تم سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور پُروقار ہوتا ہے۔ تم جیسی لڑکیاں ہی اسے راستے سے بھٹکاتی ہیں' مجبور کرتی ہیں کہ وہ برائیوں کی جانب قدم بڑھائے' کیا سمجھتی ہو تم اپنے آپ کو..... تم کیوں یہ سمجھتی ہو کہ نواب منصور بھی میری ہی طرح ایک بے حقیقت انسان ہیں یا میں نواب منصور کی طرح ایک مجبور انسان ہوں' مس افشاں' عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ واپس لوٹ جاؤ' ارے لُوٹ کا مال سمجھا ہے تم نے مجھے کہ تم ایک اشارہ کرو گی اور میں جانور کی طرح دم ہلاتا تمہارے پیچھے چل پڑوں گا اور اپنے پیچھے لاتعداد المیے چھوڑ جاؤں گا۔ ایک

ہے جس نے تمہیں تمام تر محبتوں کے ساتھ پروان چڑھایا ہے' ایک ماں یا خاندان کل دن کی روشنی میں سر پکڑے بیٹھے ہوں گے۔ اس حویلی کے کونے کھدروں میں منہ چھپائے اپنی ذلت سے بچنے کی کوشش کر رہے ہوں گے' میری وجہ سے.....؟ کیوں کروں گا میں ایسا مس افشاں' کیا واسطہ ہے میرا تم سے' کیوں سوچ لیا تم نے کہ پچاس لاکھ روپے کی مالیت کے زیورات یا جو کچھ بھی اس بریف کیس میں ہے' مجھے دکھا کر تم مجھے اپنے پیچھے دُم ہلانے پر مجبور کرو گی' کون سا رشتہ ہے میرے اور تمہارے درمیان' جواب دو.....!"

"آہ تم نہیں جانتے' تم نہیں جانتے' تم نے اس جنگل کے جانور کو دیکھا ہے جس کا نام شامی ہے' اسے میری زندگی کا مالک بنایا جا رہا ہے' جانتے ہو کیوں' اگر تم نواب منصور کی اس کوٹھی کے رہنے والوں سے اتنی ہمدردی رکھتے ہو تو میں تمہاری دشمن کیوں ہوں یا تم میرے دشمن کیوں ہو۔ میری زندگی کو کیوں قربان کیا جا رہا ہے۔ جانتے ہو' نواب منصور نے کیا کیا ہے؟ اپنی تفریحات اپنی فضول خرچیوں کے ذریعے انہوں نے اپنا بال بال قرض میں باندھ لیا ہے' شامی کے والد سے انہوں نے کروڑوں روپیہ قرض لے رکھا ہے اور اب اس کے نتیجے میں میرا نیلام کر دیا گیا ہے۔ مجھے احتشام شامی کے سپرد کیا جا رہا ہے کیا اتنی ہی حیثیت ہے میری۔ یہی اوقات ہے؟ میری عیش کوئی کرے اور بیچ مجھے دیا جائے۔

بے شک وہ میرے والد ہیں پروان بھی چڑھایا ہے انہوں نے مجھے' لیکن میں تو ایک ایسے کھیت کی مانند ہو گئی جس کی بالیں پکائی گئیں اناج کٹا گیا اور پھر اسے دور فروخت کر دیا گیا' کیا ایسا ہونا چاہئے بتاؤ مجھے کیا ایسا ہونا چاہئے.....؟"

"بے شک ایسا نہیں ہونا چاہئے' مجھے تم سے بہت زیادہ ہمدردی ہے' لیکن افشاں جس مقصد کے لئے تم یہاں آئی ہو وہ تو ایک بہت ہی گھناؤنا عمل ہے' کسی بھی گھرانے کی بے حرمتی میں نہیں کر سکتا' ٹھیک ہے ساری باتیں اپنی جگہ' لیکن وہ نہیں کر سکتا میں' جو تم کہہ رہی ہو....."

"دیکھو ہر طرح سے سوچو' میری مظلومیت پر غور کرو اور اس کے بعد اس کو بھی نظر انداز کرو' مجھے یہ بتاؤ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں.....؟"

"بہت خوبصورت ہو بہت پاکیزہ نقوش کی مالک ہو' لیکن ابھی ابھی تم نے اپنے جسم کی پاکیزگی گناہ کے پانی سے دھو ڈالی ہے۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں.....!"

"تقدیر کے فیصلوں کا انتظار کرو۔" میں نے کہا اور افشاں میری صورت دیکھتی رہی، پھر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ اس ہنسی میں کوئی دیوانگی نہیں تھی بلکہ ایک پیار بھرا انداز تھا۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے اور وہ رونے لگی' اب اس کی کیفیت عجیب دیوانوں جیسی ہو رہی تھی' وہ ہنس بھی رہی تھی رو بھی رہی تھی' اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے' جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو پھر بمشکل تمام اس کی آواز نکلی۔

"شازل' شازل' میں شعاع ہوں' شازل میں شعاع ہوں۔"

"کیا.....؟" میرے وجود کو ایک شدید جھٹکا لگا میرا سارا بدن کانپ کر رہ گیا۔ ساری باتیں اپنی جگہ' لیکن شعاع کی آواز کو میں نہ پہچانوں یہ تو شاید مرنے کے بعد بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ موت کے بعد بھی اگر شعاع میری قبر پر آتی اور مجھے آواز دیتی تو میں اس کی آواز کو پہچان لیتا۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا تو وہ بولی۔ "ہاں میں شعاع ہوں' میں اس لئے ہنس رہی ہوں شازل کہ تم کس قدر ثابت قدم اور محبت کرنے والے ہو' تم نے افشاں کی حیثیت سے مجھے ٹھکرا دیا' شازل نہ یہ چہرہ میرا ہے' نہ یہ بدن میرا ہے بس یوں سمجھ لو کہ میں اپنی پُراسرار قوتوں سے افشاں کے وجود پر مسلط ہو گئی تھی۔ شازل میں شعاع ہوں تمہاری شعاع' میں نے بغاوت کی ہے اپنے گھر والوں سے' نکل بھاگی ہوں میں وہاں سے' انہوں نے مجھ سے میرا وجود چھین لیا ہے میری صورت چھین لی ہے میری شخصیت چھین لی ہے تو میں نے ان کے خلاف بغاوت کر ڈالی ہے۔ میں بے بدن وہاں سے نکل آئی ہوں اور اب میرے اندر یہ قوت موجود ہے کہ میں اپنی پسند کا ہر جسم اپنی گرفت میں لے لوں۔ شازل میں افشاں نہیں ہوں' لیکن میں نے افشاں کے وجود کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے' میں نے سوچا تھا کہ اگر تم افشاں سے متاثر ہو گئے تو میں افشاں کا جسم چھوڑ کر چلی جاؤں گی لیکن شازل تم نے اپنی بلندی اپنی محبت کی انتہا کا ثبوت دیا ہے۔ شازل جسم کسی کا بھی سہی لیکن روح تو میری ہے' میں تمہاری شعاع ہوں چلو اب تو چلو میرے ساتھ شازل' ہم واقعی اپنی دنیا الگ بسائیں گے' وہ اگر مجھے تلاش کر لیں گے تو میں یہ بدن چھوڑ دوں گی' کوئی اور بدن میرے اختیار میں آسکتا ہے مگر شازل روح تو میری ہی ہو گی' میری روح تو تم سے قربت حاصل کر سکے گی۔ اٹھو شازل دیر مت کرو اٹھو دیر مت کرو' تمہیں خدا کا واسطہ جلدی کرو۔"

میں پتھرا گیا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے افشاں کو دیکھ رہا تھا' جو کچھ اس نے سنایا تھا وہ میرے لئے انتہائی حیرت انگیز تھا۔ ہاں آتش زادی ایسا کر سکتی تھی' آتشیں مخلوق کا اپنا

ایک انداز ہوتا ہے' ان کا طرزِ زندگی واقعی بہت مختلف ہوتا ہے انسانوں سے۔ کسی بھی انسان پر اپنا قبضہ جما کر اس کی زندگی پر قابض ہو جانے کا کھیل میں نے بہت سنا تھا۔ یہ سنا تھا کہ جن انسان پر مسلط ہو جاتے ہیں اس انسان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتے ہیں اور شعاع نے بھی ایسا ہی کیا تھا لیکن میں کیا کروں؟ ایک لمحہ' ایک فیصلہ' ایک مؤثر اور مدلل فیصلہ کرنا تھا مجھے اور میں نے جلد ہی یہ فیصلہ کر لیا اور یہ فیصلہ کرنے میں مجھے دقت نہیں ہوئی' بہت ہی آسان اور سادہ سی بات تھی۔ ناظم ارسلان کی مشکل یہ تھی کہ میں ایک انسان تھا اور شعاع جن زادی۔ ناظم ارسلان نے مجھے نہیں سمجھا تھا میں نے تو ہمیشہ یہی اظہار کیا تھا کہ شعاع کی محبت بچپن سے میرے وجود پر حاوی ہے' ایک ایسا مرحلہ ہے کہ انسان کسی کو پسند کرتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اس کی پرستش کرتا ہے لیکن وہ اسے اپنی گرفت میں نہیں لینا چاہتا اپنی ملکیت نہیں بنانا چاہتا۔ بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ انسان کسی کو اپنا مرکز سمجھتا ہے اس مرکز سے متاثر ہوتا ہے لیکن اور بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اس مرکز کے پجاری ہوتے ہیں' کوئی بھی شخص اس کا حقدار یا دعوے دار تو نہیں بن سکتا۔ یہی میری کیفیت تھی' میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا اور کہا۔

"شعاع..... واقعی کیا تم شعاع ہو؟"

"ہاں شازل خدا کی قسم میں شعاع ہی ہوں میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ صورتِ حال کیا ہے۔"

"شعاع' تم نے تو ہمیشہ مجھ سے محبت کی ہے' تم نے تو ہمیشہ میری عزت میرا احترام بھی کیا ہے۔ ایسا کیسے ہو گیا کہ تم مجھے ذلیل اور رسوا کرنے پر آمادہ ہو گئیں۔"

"کیا.....؟" افشاں کے روپ میں شعاع حیرت سے بولی۔

"ہاں شعاع میں ڈاکو تو نہیں ہوں' مجھے بتاؤ کیا میں نے کبھی ایسا کوئی جرم کیا ہے' شعاع ناظم ارسلان تمہارے والد ہیں' ایک باعزت باوقار شخصیت کے مالک ہیں' شعاع ان کا ایک احترام ہے تمہاری اپنی آبادیوں میں۔ کیا تم یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ ناظم ارسلان اپنی بیٹی کے ہاتھوں شکست کھا گئے' کیا تم کہلوانا چاہتی ہو کہ جنوں کی نگری کے ایک تاجدار کو ایک انسان نے شکست دے دی۔ وہ ان کی مرضی کے خلاف ان کی بیٹی کا مالک بن گیا۔ شعاع میں تمہیں ایک عجیب بات بتاؤں شاید تم اس بات کی گہرائیوں کو نہ سمجھ سکو۔ مجھ سے اور تم سے پہلے ناظم ارسلان تھے' اس کے بعد شعاع تم وجود میں آئیں۔ ناظم ارسلان نے تمہاری پرورش کی۔ تمہیں دنیا کی ہر آسائش مہیا کی۔ تمہیں اپنے وجود کے سائے میں ہر طرح کی دھوپ سے بچایا۔ پھر میں نے تمہیں دیکھا۔ ناظم ارسلان کے

سرمائے کی حیثیت سے تم ان کی ملکیت تھیں اور ہو' میں تمہیں اس طرح اپنے ساتھ شامل کر لوں شعاع' تمہیں لے کر یہاں سے نکل جاؤں شعاع' بے شک تم اپنی قوتوں سے کام لے کر انہیں دھوکا دے سکو گی لیکن شعاع' تمہارے ذریعے میرا ان سے بھی تھوڑا سا رشتہ قائم ہے۔ شاید تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو کہ ناظم ارسلان نے مجھے ہمیشہ سخت اور خوفناک واقعات سے بچایا ہے۔ انہوں نے اپنی پردہ پوشی کے لئے سہی میرے ذہن پر تاریک پردے ڈال دیئے ہیں اور کوئی دوسرا میرے ذہن میں داخل ہو کر تمہیں نہیں تلاش کر سکتا اور یہ بات میرے لئے بھی فائدہ مند رہی ہے۔ اور تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں ناظم ارسلان کے ناموس پر ڈاکہ ڈالوں۔ نہیں شعاع مجھے ڈاکو قرار نہ دو' وہ میرے لئے کس قدر محترم ہیں تمہارے رشتے سے' تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہو گا میں لاکھ بار مر جاؤں' شیطان دل میں یہ خیال ڈال دے کہ تمہارا حصول ہی میری زندگی ہے' تب بھی میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ ناظم ارسلان کو دھوکا نہیں دوں گا۔ میں کبھی دھوکا نہیں دوں گا' میں تو تمہارا طلبگار ہی نہیں رہا ہوں' میں تو اپنے دل کے ایک گوشے میں' تمہاری محبت کی شمع جلائے رکھنا چاہتا ہوں' اس شمع کی روشنی میری زندگی کی سب سے بڑی روشنی ہے شعاع! اور میں نے ہمیشہ ایک مطمئن وقت گزارا ہے' محبت کرنی ہو تو محبت کو خراج ادا کرو' یہ کیا کہ ہوس پرستوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر زندگی گزارنے کو ہی زندگی سمجھیں۔ ہمارے دل میں جو روشن کرنیں موجود ہیں انہیں کبھی بجھانا نہیں' میں ناظم ارسلان کی ناموس کا محافظ ہوں۔ کبھی اپنی ذات سے انہیں ایسی کوئی تکلیف نہیں دوں گا ایسا غلط خیال کبھی بھی دل میں نہ لانا۔"

شعاع پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔ "یہ سب خیالات ہیں شازل' مختصر سی زندگی لے کر ہم اس دنیا میں آتے ہیں ادوار ہم پر سے گزرتے ہیں' بچپن سے جوان اور جوان ہو کر بوڑھے ہو جاتے ہیں' بچپن کی معصوم آرزوئیں ماں باپ پوری کرتے ہیں جوانی کی خواہشوں میں اگر ماں باپ کا تعاون شامل ہو جائے تو خوشگوار ہو جاتی ہے' میں تمہیں چاہتی ہوں شازل' میں تمہاری قربت چاہتی ہوں' تمہارے ساتھ رہنا ہی میری پہلی اور آخری خواہش ہے اور تم اس خواہش کو تاویلوں کا کفن پہنا کر دفن کر دینا چاہتے ہو.....؟"

"ہاں شعاع' اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میں اقدار کا احترام کرتا ہوں' میں عزتوں کا محافظ بھی ہوں میں ڈاکو نہیں ہوں' جاؤ شعاع واپس جاؤ' ایسا نہیں کروں گا میں' بھول کر بھی نہ سوچنا۔"

"نہیں شازل' دیکھو شاید مجھے دوبارہ اس کا موقع نہ مل سکے۔"

"اور یہ بہت ہی اچھی بات ہو گی کہ تمہیں دوبارہ اس کا موقع نہ مل سکے۔"

"لیکن اگر موقع ملا تو اب میں دوسرے انداز میں سوچوں گی' میں کوشش کروں گی شازل کہ تم وہ مان لو جو میں چاہتی ہوں' شاید مجھ سے غلطی ہوئی یہ کہہ کر کہ میں شعاع ہوں' میں کچھ اور کوشش کرتی اور میں کچھ اور کوشش کروں گی' آئندہ بھی کروں گی کیونکہ تم نے مجھ سے تعاون نہیں کیا۔"

"تم جب بھی یہ کوشش کرو گی شعاع میں ہاتھ جوڑ کر تم سے معذرت کروں گا اور کہوں گا کہ ناظم ارسلان سے بھی شاید مجھے وہی محبت ہوتی جا رہی ہے جو تم سے' میں اگر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تو ناظم ارسلان کو بھی نہیں پہنچا سکتا۔"

"ٹھیک ہے جو کچھ بھی چاہو کہہ لو' تم نے مجھے رسوا کر دیا۔"

"جاؤ شعاع دیر نہیں کرتے' بری بات ہے' افشاں کا بدن چرا کر تم میرے پاس آئی ہو۔ اگر کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو تم افشاں کے وجود سے نکل جاؤ گی افشاں بدنام ہو جائے گی۔"

شعاع مایوسی سے واپسی کے لئے مڑ گئی اور میں دروازے سے اسے گزرتے دیکھتا رہا۔ میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سا سحر طاری تھا۔ اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرا قد بڑھتا چلا جا رہا ہو' میرا سر چھت سے جا لگا ہو' مجھے ایک فخر' ایک غرور اور ایک خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ بہت خوش تھا میں' بے حد مسرور..... بہت دیر تک میں اسی سرور میں ڈوبا رہا۔ پھر میرے دل پر ایک بوجھ سا پڑنے لگا' سوچنے کے انداز میں ایک ذرا سی تبدیلی رونما ہوئی' شعاع میری زندگی میری محبت میں سرشار میرے لئے زندگی کے مصائب سے گزرتی ہوئی' اس کی آنکھیں اس سے چھین لی گئی تھیں' وہ آنکھیں جن کا طلسم میرے لئے سرمایۂ حیات تھا' وہ آنکھیں جن میں حسنِ کائنات سمٹا ہوا تھا' وہ آنکھیں اس سے چھین لی گئیں تھیں' اس کا چہرہ مسخ کر دیا گیا تھا سب کچھ تو چھین لیا گیا تھا اس سے اور اب اس کا بدن بھی رہن رکھ لیا گیا تھا' کتنے مصائب اٹھا رہی ہے وہ میرے لئے کس طرح وہ میری قربت کے لئے بے چین ہے' اس نے اپنے ماں باپ سے بغاوت کر دی ہے' وہ بھٹکتی پھر رہی ہے' نہ جانے اور کیسے کیسے مصائب اٹھانے پڑ رہے ہوں گے اسے اور دوسری طرف میں ہوں کہ آرام کی زندگی گزار رہا ہوں' کبھی یہاں کبھی وہاں دوسروں کے مصائب میں ان کا شریکِ غم لیکن شعاع کے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آہ یہ کیا ہے' کیا یہ خراجِ عقیدت ہے۔ کیا یہ محبت کا جواب ہے کہ میں نے اپنا ایک محور بنا لیا

ہے' ایک مقصد بنا لیا ہے میں نے اور بس مطمئن ہوں۔ نہیں یہ تو غلط ہے یہ واقعی غلط ہے تو پھر کیا کروں۔ کسی بھی وجود میں کسی بھی حیثیت میں شعاع کو قبول کر لوں' اپنا وہ عہد بھول جاؤں جو میں نے کیا ہے اور جس کی وجہ سے مجھے استقامت حاصل ہوئی ہے' امیر شاہ' کمال علی کی تربیت بھول جاؤں' جو عطا کیا ہے انہوں نے وہ بھول جاؤں۔ کیا کروں اس بے تابی دل کو۔ کیسے سنبھالوں' اتنا الجھ گیا ذہن کہ چند لمحے پہلے کا ایثار خواب معلوم ہونے لگا۔ افشاں کی حیثیت سے شعاع کو ٹھکرا کر جو سرور ملا تھا وہ ایک دم گم ہو گیا' کیا کروں اپنی شعاع کے لئے میں' کیا کروں' کیا کرنا چاہئے.....! بڑی پریشانی ہو گئی تھی۔ میں بے چینی سے اپنی رہائش گاہ میں ٹہلنے لگا۔ اچانک ہی میری نگاہ سامنے دیوار پر لگے ہوئے طغرے پر پڑی' اس پر کلامِ الٰہی کی ایک آیت لکھی ہوئی تھی جس کا ترجمہ اس کے ساتھ ہی تھا۔ یہ ترجمہ میری نگاہوں میں واضح ہو گیا۔ "اگر تم ایثار کرو اگر کوئی نیکی کرو تو اس کو استحکام بخشو اور اس پر کار بند رہو' تاکہ تمہاری وہ نیکی پائیدار ہو اور تمہارے خلوص کا مظہر ہو۔" اس آیت کو بار بار پڑھتا رہا' اور پھر دل چاہا کہ جب تک ہوش و حواس ساتھ دیں اس آیت کا ورد کرتا رہوں اور اس کے بعد ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ رات گزرنے کا احساس ہی نہ رہا' میں صبح کی روشنی تک اسی جگہ ساکت کھڑا اس آیت کو بار بار پڑھتا رہا۔ جب سورج کی پہلی کرن ایک روشن دان سے میری پیشانی کو چھونے لگی تو میں چونکا اور اس کے بعد وہاں سے ہٹ آیا' لیکن دل و دماغ پر جو بوجھ چھایا تھا وہ ایک بار پھر ختم ہو گیا تھا۔ میں خاصا پُرسکون ہو گیا تھا دوپہر تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی' دوپہر کے بعد شہریار مسکراتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔ کہنے لگا۔

"کہئے جناب کیسی کیفیت ہے' یار آؤ تو سہی' ذرا اپنے دوست کو دیکھ لو' بیچارے کی حالت بہت خراب ہے۔" میں نے مسکرا کر شہریار کو دیکھا اور کہا۔ "میرا خیال ہے احتشام شامی کے ساتھ کچھ زیادتی نہیں ہو گئی۔"

"فرشتہ بننے کی کوشش مت کرو' کم از کم مجھے تو میرے خیالات میں تنہا نہ رہنے دو' آؤ ذرا ایک نظر ڈال کر آتے ہیں۔" میں شہریار کے ساتھ چل پڑا تھا' احتشام اس وقت بھی سخت بخار میں مبتلا تھا' نواب منصور کہیں گئے ہوئے تھے' احتشام کے تینوں دوست اس طرح سوگوار صورت بنائے اس کے اردگرد جمع تھے' جیسے تین موکل اپنے آقا کے منتظر ہوں' تھوڑی دیر تک ہم وہاں رکے اور اس کے بعد وہاں سے واپس آ گئے۔

"شہریار یہ انتہا پسندی ہے۔"

"تو کیا میں نے اسے اٹھا کر پانی میں پھینک دیا تھا۔" شہریار نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"یار کہیں بیچارے احتشام کو کچھ ہو ہی نہ جائے۔"

"دیکھو میں اس سلسلے میں واقعی بہت زیادہ جذباتی ہوں شازل' اسے اپنی دولت کے بل پر یہ کھیل نہیں کھیلنا چاہئے تھا' خدا کی قسم اگر وہ کوئی اچھی شخصیت کا مالک ہوتا اور افشاں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہوتا تو میرا کون سا دماغ خراب تھا کہ اس کے پیچھے پڑ جاتا۔ پھر ہم لوگ ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے کہ افشاں ہمیں نظر آ گئی اور شہریار نے اسے آواز دے ڈالی' افشاں کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی' آنکھیں جھکی ہوئی تھیں' شہریار کے انداز میں تو شرارت تھی ہی' لیکن میں افشاں کا چہرہ دوسرے انداز میں دیکھ رہا تھا اب مجھے یقین تھا کہ افشاں کو رات کے عمل کے بارے میں شبہ تک نہیں ہو گا' شہریار کی آواز پر وہ اس کے قریب آ گئی اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"خیریت تو ہے افشاں' کیا شامی صاحب چل بسے؟" میں شہریار کے الفاظ پر چونک کر افشاں کو دیکھنے لگا' لیکن افشاں کے انداز میں کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوئی تھی اس نے کہا۔ "نہیں وہ ٹھیک ہے۔"

"مجھے تم ان کے لئے پریشان معلوم ہوتی ہو۔" شہریار نے کہا اور افشاں کی جھکی ہوئی گردن اوپر نہ اٹھی' لیکن پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے زمین پر ٹپک پڑے' تو شہریار جلدی سے سنجیدہ ہو کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"سوری..... افشاں سوری..... سوری افشاں....."

"مجھ سے..... مجھ سے....." افشاں نے کہا اور جملہ پورا نہ کر سکی۔

"افشاں تم جانتی ہو کہ میں تمہیں کوئی دکھ نہیں پہنچانا چاہتا سوری افشاں' آئندہ خیال رکھوں گا۔"

افشاں مڑ کر ایک طرف چلی گئی تھی' بہرحال یہ اندازہ مجھے ہو گیا تھا کہ خود افشاں اس سلسلے میں ذہنی طور پر سخت پریشان ہے لیکن پریشان تو میں بھی تھا ایک عجیب سی بے کلی۔ ایک عجیب سی بے چینی' میرے حواس پر مسلط تھی۔ میں شعاع کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب بھی شعاع یہاں موجود ہے' رات ہو گئی تھی' کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کر لی گئی تھی۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر مصروف تھا اور پھر آرام کرنے چلا گیا تھا' شامی کے بارے میں آخری رپورٹ یہ ملی تھی کہ ٹھیک ہو رہا ہے۔ بہرحال اس بے چینی اور بے کلی کو رفع کرنے کے لئے میں باہر نکل آیا اور رات کی تاریکیوں میں ایک آوارہ روح کی مانند اس عظیم الشان حویلی کی سیر کرنے لگا' افشاں کے کمرے کی طرف میرا رخ جان بوجھ کر نہیں ہوا تھا' بس ادھر سے گزر ہی رہا تھا کہ میں نے افشاں کو دیکھا۔ وہ ایک

سیاہ رنگ کی چادر اوڑھے چوروں کی طرح ایک طرف جا رہی تھی' میں حیران ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے دل میں خیال آیا کہ کہیں اس کا رخ میرے کمرے کی جانب نہ ہو' لیکن تھوڑی ہی دور چل کر یہ احساس ہو گیا کہ افشاں میرے کمرے کی طرف نہیں آ رہی پتہ نہیں کہاں جا رہی ہے' میں اس کے پیچھے چل پڑا' زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ افشاں کا رخ ملازموں کے کوارٹر کی طرف ہو گیا' وہ بڑی احتیاط سے چل رہی تھی' کوارٹر کے قریب پہنچ کر وہ رکی اور پھر کھڑکی سے اندر جھانکنے لگی' لیکن اسی وقت ایک اور سایہ بائیں سمت سے نمودار ہوا اور مجھے ستون کی آڑ لینی پڑی' افشاں بھی پلٹ کر دیکھنے لگی تھی' آنے والا بھی افشاں کے قریب پہنچ گیا' مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے افشاں اسے دیکھ کر نہ تو حیران ہوئی ہے اور نہ ہی اس نے وہاں سے جانے کی کوشش کی ہے' تب میں نے پہلی بار اس شخص کو دیکھا' الجھے الجھے بالوں والا ایک حسین سا نوجوان تھا' چہرہ بے حد خوبصورت لیکن تفکرات کا شکار' معمولی سے لباس میں تھا' قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ "افشاں کیا کر رہی ہو؟"

"کہاں چلے گئے تھے تم؟"

"بس ایسے ہی محبت کی تلاش میں نکل جاتا ہوں' درختوں کے سائے مجھے مہربان ماں کی طرح اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں۔" افشاں خاموش کھڑی رہی پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تم اپنے آپ کو سنبھالو گے نہیں صدام۔" میں نے یہ نام زیرلب دہرایا' صدام ایک اجنبی کردار تھا اس شخص کو میں نے دیکھا بھی پہلی بار تھا' لیکن پھر میں نے سوچا کہ ملازموں پر تو میں نے غور کیا ہی نہیں' ہو سکتا ہے یہ میری نگاہوں میں آیا ہو' لیکن میں نے اس پر توجہ نہیں کی ہو۔

"جتنی محرومیاں میرے مقدر میں ہیں افشاں وہ مجھے ملیں گی اور انہیں حاصل کرنا میری زندگی کا مقصد ہے۔"

"صدام' مجھے بھی سکون کی آغوش میں لے چلو' میں بھی اس درخت کے نیچے جانا چاہتی ہوں' جس کے سائے میں ماں باپ کی محبت ہے' تم تو بن ماں باپ کے ہو' یتیم ہو' لیکن میں تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بے سکون ہوں' مجھے بھی اس مہربان درخت کی آغوش میں لے چلو۔"

"آؤ۔" صدام نے کہا اور اس کے بعد واقعی وہ دونوں ایک برگد کے بڑے درخت کے نیچے پہنچ گئے' اس کا تنا بہت موٹا تھا اور اس کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔

"اس کا ہر پتہ میرا راز دار ہے افشاں اور میرا یہ مہربان بزرگ بڑا قابلِ احترام ہے' میری ہر بات سن لیتا ہے اور اپنے سینے میں سما لیتا ہے یہ کبھی کسی سے میرا برائی نہیں کہتا۔" دونوں سخت جذباتی ہو رہے تھے افشاں نے کہا۔

"سکون کے درخت' مجھے بھی اپنی آغوش میں پناہ دے' میرے ذہن میں انگارے دہک رہے ہیں' میرا وجود تپ رہا ہے۔ میری ہنستی کھیلتی زندگی ایک انقلاب سے دوچار ہو گئی ہے' سکون کے درخت' مہربان باپ' تھوڑا سا سکون مجھے بھی دے دے۔"

"افشاں..... افشاں' خدا کے لئے اپنی آواز میں یہ یاس نہ پیدا ہونے دو' ہم نے وعدے کئے ہیں کہ ہم ایثار کا ایک پودا لگائیں گے اور اسے تن آور درخت بنائیں گے' اس میں بے حد حقیر ہوں..... بے حد حقیر....."

"نہیں صدام' حقیر تم نہیں ہو' میں ہوں' تمہارے بارے میں تو دنیا جانتی ہے کہ تم خوبیوں کے شکار ہو' تم سے تمہاری شخصیت چھین لی گئی ہے اور چھیننے والے ہم ہیں' صدام میں خود کو بہت بلند سمجھتی تھی' مجھے میرے غرور کی سزا ملی ہے مجھے پتہ چل گیا ہے کہ میں کس قدر حقیر ہوں' زر و جواہر کے ڈھیر مجھ سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں' میں اپنے آپ کو بہت قیمتی شے سمجھتی رہی' میں نے خود کو بہت بلند سمجھا تھا لیکن تم دیکھو' میرے سوداگر مجھے کتنی معمولی قیمت پر فروخت کر رہے ہیں۔ میں بہت سستی بک رہی ہوں' لیکن مجھے بیچنے والے اچھا نہیں کر رہے' صدام! میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے کہ جب میرے باپ کو میری قیمت وصول ہو جائے گی تو میں اپنے آپ کو زندگی سے دور کر لوں گی' وہ قیمت میرے جسم کی ہو گی' میری روح کی قیمت نہیں لگا سکتے یہ لوگ' میں اپنی روح کو فضاؤں میں منتشر کر دوں گی اور یہ ثابت کر دوں گی کہ میں اس قدر بے قیمت نہیں تھی۔"

"تم خودکشی کر لو گی؟"

"ہاں اور تمہیں میرے پیچھے آنا پڑے گا' سمجھ رہے ہو صدام' یہی منصوبہ بتانے کے لئے میں یہاں آئی ہوں۔"

"تمہیں خدا کی قسم' افشاں ایسا نہ کرنا۔"

"دیکھو کوئی قسم نہ دو مجھے' تم جانتے ہو کہ ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

"مگر میری ایک بات سن لو۔" صدام نے بے قراری سے کہا اور افشاں اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔ "کہو۔"

"جب تک مشکل کے آخری لمحات بالکل قریب نہ آجائیں وہ نہ کرنا جو فیصلہ کرنا ہو' آخری وقت کا انتظار کرنا۔ ایک قول ہے کسی بڑے کا کہ امید کا دامن سانس کے آخری لمحے تک ہاتھ سے نہیں چھوڑو۔ جب سانس ختم ہو گی تو دامن خود بخود چھوٹ جائے گا' کیا وعدہ کر سکتی ہو اس بارے میں.....؟" افشاں نے کچھ لمحے سوچا پھر آہستہ سے بولی۔

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ اب چلتی ہوں وقت سے پہلے کسی بات کا ظاہر ہو جانا بہتر نہ ہو گا' اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا جو مجھ سے کہا ہے وہی خود بھی کرنا۔"

"وعدہ۔" اور اس کے بعد افشاں وہاں سے واپس پلٹ پڑی' صدام اسے دیکھتا رہا اور میں صدام کو اور افشاں کو' لیکن یہ نئی اور انوکھی کہانی میرے لئے بڑی سنسنی خیز کیفیت کی حامل تھی۔ ویسے تو کسی کی ٹوہ میں رہنا ایک ناجائز عمل ہے' اور کسی انسان کو یہ نہیں کرنا چاہئے' لیکن میری بات اور تھی' میں تو یہاں آیا ہی ایک سنسنی خیز تصور کے تحت تھا ورنہ مجھے کیا پڑی تھی کہ میں بلاوجہ اپنے راستے ترک کر کے یہاں اس گھر میں آپڑتا' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کا ماحول دلچسپ تھا اور یہاں کچھ ایسے افراد مل گئے تھے جو سنسنی خیز کیفیت کے حامل تھے جیسے افشاں..... جو دوبار مجھے شعاع کے روپ میں ملی تھی شہریار جو ایک اچھا دوست تھا اور جس کے ساتھ بڑے دلچسپ لمحات گزر رہے تھے۔ یہاں آنے والی ایک دلچسپ شخصیت احتشام شامی' اور اب اس کے بعد افشاں کا یہ معاملہ' ویسے بھی کچھ ذمہ داریاں سپرد کر دی گئی تھیں جو غیاث صاحب کی زیر نگرانی سرانجام دینا پڑتی تھیں۔ گویا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہاں حرام خوری کر رہا ہوں۔ ایک طرح سے نوکری ہی کی کیفیت تھی۔ چنانچہ فرشتہ بھی نہیں بن سکتا تھا کہ تجسس کی یہ دنیا چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اب یہ معاملات خود بخود میرے علم میں آئے تھے تو انسانی فطرت کے تحت ان سے گریز میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ مگر صدام صاحب ہیں کیا چیز؟ اصل میں بات یہ تھی کہ افشاں کے لئے میرے دل میں ایک اچھا مقام تھا ایک پُروقار لڑکی کی حیثیت سے میں نے اسے اعلیٰ شخصیت کا مالک پایا تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ میری شعاع نے اس کے وجود میں بسیرا کیا تھا۔ ہو سکتا ہے شعاع دوبارہ اس کا روپ اپنانے کی کوشش کرے' یہ ایک الگ بات تھی لیکن صدام صاحب بہرحال ایک اچھی شخصیت کے مالک نظر آتے تھے۔ ایک ایسی شخصیت ملازموں کے کوارٹر میں کیوں پڑی ہوئی ہے۔ افشاں اس سے کب سے محبت کرتی ہے' یہ ساری چیزیں بہرحال ایک سنسنی خیز احساس رکھتی تھیں۔

وہ رات تو گزر گئی' لیکن دوسرے دن بھی جب میں سو کر جاگا تو رات کے واقعات

ذہن میں تھے۔ اپنے ضروری کام نمٹانے کے بعد جب فرصت ملی تو میں نے سوچا صدام سے ملاقات کروں' شخصیت تو بہت اچھی تھی' معصوم سی شکل و صورت کا ایک نوجوان' حیرت کی بات یہ تھی کہ شہریار نے بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ایک بات کا احساس اور ہوتا تھا کہ شاید شہریار کو بھی صدام اور افشاں کی محبت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ پھر ذہن میں یہی خیال آیا کہ شہریار سے ہی اس سلسلے میں معلومات حاصل کی جائیں' احتشام شامی کی شخصیت تو نگاہوں میں آگئی تھی باقی رہ گئی شہریار' تو شہریار کچھ زیادہ ہی گہرا آدمی تھا۔ اس نے شامی صاحب کو ٹھنڈے پانی میں ڈبو رکھا تھا' کم از کم ان کی سرگرمیاں محدود کر دی تھیں' شامی صاحب ویسے تو بڑے تیس مار خان تھے لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے کچی طبیعت کے ہوں چونکہ ابھی تک انہوں نے نہیں چھوڑا تھا۔ شہریار سے ملاقات ہوئی دلچسپی سے مسکراتا ہوا میرے پاس آگیا۔ کہنے لگا۔

"بھائی آپ کو ہمارے معزز مہمان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کیا؟"

"کیوں نہیں میں شامی کی صحت کا خواہشمند ہوں۔"

"لیکن ان کی عیادت کو تو نہیں گئے آپ!"

"اپنی اوقات کا اندازہ ہے۔" میں نے جواب دیا اور شہریار نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

"ہاں ظاہر ہے ہونا تو چاہئے۔ ویسے محترم لمبا پروگرام رکھتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے بھی آرام کے لئے کہا ہے کم از کم یہ کام تو ذرا بہتر ہوا' اگر اچھل کود رہے ہوتے تو خاصی ہم آرائیاں کرتے خدا کا شکر ہے کہ اوقات میں ہیں۔"

میں ہنسنے لگا' شہریار کے ساتھ ٹہلتا ہوا میں پارک کے اس حصے میں آگیا جہاں سامنے ملازموں کے کوارٹر نظر آتے تھے اور خاص طور سے وہ کوارٹر جس میں صدام رہتا تھا۔ جان بوجھ کر یہاں ایک جگہ بیٹھ گیا تو شہریار بھی میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے' پھر اچانک ہی میں نے موضوع نکال لیا' میں نے کہا۔

"شہریار اس سامنے والے کوارٹر میں کون رہتا ہے؟"

شہریار نے میرے اشارے کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "صدام..... کیوں.....؟"

"جس شخصیت کو میں نے اس کوارٹر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے وہ کسی ملازم کی شخصیت نہیں لگتی ایک انوکھا سا وقار ہے اس کی شخصیت میں' خیر میرا تو اس سے کوئی

تعارف نہیں ہوا لیکن میں نے دل میں یہ بات سوچی تھی کہ اگر وہ ملازم بھی ہے تو اس حویلی میں تو کسی اچھے گھرانے کا فرد ہے۔"

شہریار خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا' پھر اس نے چونک کر کہا۔ "تم نے یہ پوری حویلی کا حصہ دیکھا.....؟"

"ہاں..... میرا خیال ہے آپ لوگوں نے اسے میوزیم کی حیثیت دے رکھی ہے کوئی ادھر آتا جاتا نہیں ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ملازم باقاعدہ وہاں جا کر اس کی صفائی کرتے ہیں۔ اصل میں وہ ہمارا ماضی ہے اور نواب منصور نے اس ماضی کو ذرا محدود رکھا ہے۔ وہاں زیادہ کسی کو آنے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"مگر وہاں اس کے دروازے کو تالا تو نہیں لگا ہوا ہے؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے' وہاں پرانے فرنیچر اور ماضی کی داستانوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے تمام قیمتی چیزیں وہاں سے ہٹالی گئی ہیں۔"

"گڈ....." میں نے کہا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "ویسے بھی اگر مسٹر شہریار آپ مجھے اس شخص کے بارے میں نہ بتاتے جس کے بارے میں..... میں نے پوچھا ہے تو میں آپ سے کوئی اصرار نہ کرتا' وہ تو بس ایک تجسس دل میں جاگا تھا تو میں نے پوچھ ڈالا۔"

شہریار ہنس پڑا' پھر بولا۔ "حالانکہ میں نے تمہارے خیالات بٹانے کی کوشش کی تھی لیکن آدمی خطرناک ہو۔"

"نہیں شہریار' پلیز میں آدمی خطرناک نہیں ہوں' دوست ہوں اور وعدہ کرتا ہوں جو بات تم نہیں بتانا چاہو گے اس کے بارے میں کبھی نہیں پوچھوں گا لیکن ابھی چند لمحات قبل ایک لفظ کہا تھا میں نے شامی صاحب کے بارے میں اور تم نے مجھے غور سے دیکھا تو تمہارے انداز میں ناخوشگواری تھی جیسے تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں خود کو ملازم کیوں سمجھتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس لئے ملازم سمجھتا ہوں کہ ملازم ہوں' اور ایک ملازم کو کیا رہنا چاہئے' یہ تھی وہ وجہ' گھر کے معاملات میں ایک عام آدمی کو نہ تو بہت زیادہ ملوث ہونا چاہئے اور نہ ہی بہت زیادہ کرید کرنی چاہئے' میں تو تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا۔"

شہریار خوب ہنسا اور بولا۔ "پڑھے لکھے آدمی میں یہی خوبی ہوتی ہے' طنز بھی کرتا ہے تو اس طرح کہ اس کا ایک معیار ہو..... بھائی وہ صدام ہے اور اس کے پس منظر میں ایک دلدوز کہانی ہے۔"

میں بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے اٹھ گیا تو شہریار چونک کر مجھے دیکھنے لگا

"کہاں.....؟"

"بس۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب!" شہریار حیرت سے بولا۔

"نہیں شہریار' کچھ نہیں کہوں گا۔"

شہریار ایک لمحے تعجب سے مجھے دیکھتا رہا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے زور سے مجھے کھینچا اور بولا۔ "بیٹھو.....!"

میں بیٹھ گیا تو وہ زور سے ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "سخت ناراض ہو گئے ہو نا.....!"

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اچھے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔"

"بات یہ نہیں ہے شہریار۔"

"تو پھر اصل بات بتاؤ۔"

"نہیں اصل بات بھی کچھ نہیں ہے۔"

"پھر جھوٹ۔" شہریار بولا' پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ "صدام کا کردار بے حد عجیب ہے شازل۔ تم یقین کرو ایسا معصوم اور پاکیزہ نوجوان ہے وہ کہ اگر تم اس سے ملو گے تو اس کے گرویدہ ہو جاؤ گے..... لیکن بدنصیب ہے بے چارہ۔"

"وہ یہاں ملازم ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں.....!" شہریار کے جواب پر میں چونک پڑا۔ جب شہریار آگے کچھ نہ بولا تو میں نے کہا۔

"ملازم نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"لیکن....."

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ اس کوٹھی کے رہنے والوں سے اس کا گہرا رشتہ ہے۔"

"واقعی؟"

"سو فیصد۔"

"تم نے میرا تجسس بہت بڑھا دیا ہے شہریار..... میں اسی لئے زیادہ کچھ نہیں پوچھنا چاہتا تھا۔"

"بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان چاہنے کے باوجود ان کا حل نہیں تلاش کر

سکتا۔ صدام نواب منصور کا سگا بھتیجا ہے۔" شہریار پُرخیال لہجے میں بولا۔

"اوہ۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"نواب منصور کے چھوٹے بھائی نواب ریحان اوباش طبع انسان تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹاتے رہے۔ اپنا تو خیر کوئی چھوٹا بڑا ہے ہی نہیں اس لئے کوئی تجربہ نہیں ہے لیکن لوگ کہتے ہیں کہ والدین کو اپنی چھوٹی اولاد سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔ شاید نواب ریحان اسی لئے والدین کے لاڈلے تھے۔ بڑے نواب کا تو انتقال ہو گیا۔ کاروبار جائداد کی مکمل دیکھ بھال نواب منصور کے شانوں پر آ گئی۔ بڑی ماں بھی نواب ریحان کے لاڈ اٹھاتی تھیں اور انہوں نے نواب ریحان کو اور خراب کر رکھا تھا۔ نواب منصور کو بھی بھائی سے محبت تھی لیکن باپ اور باپ کی موت کے بعد ماں کا بے پناہ لگاؤ اور پھر نواب ریحان کی حرکتوں نے آہستہ آہستہ نواب منصور کے دل میں بھائی کے لئے نفرت پیدا کر دی تھی۔ پھر بھی وہ نبھا رہے تھے۔ نواب ریحان کئی بار پولیس کے جال میں پھنسے کئی بار طوائفوں کے کوٹھوں پر زخمی ہوئے تو بڑی ماں کو سنبھلنا پڑا اور پھر ایک اچھے خاندان میں ان کی شادی کر دی گئی۔ اس خیال سے کہ شاید شادی شدہ ہو کر وہ سنبھل جائیں لیکن ایسا نہ ہوا..... نواب ریحان کی کیفیت وہی رہی۔ وہ گھر سے زیادہ بُری جگہوں پر پائے جاتے تھے۔ پھر وہ ایک بیٹے کے باپ بن گئے' یعنی صدام کے باپ۔"

"اوہ....." میں پھر چونک پڑا۔

"ہاں۔ صدام بے چارہ نواب ریحان کا بیٹا ہے۔ صدام کی والدہ صبا بیگم انتہائی نیک خاتون تھیں لیکن ان کے ساتھ جو المیہ ہوا وہ آج تک اس خاندان کو خون کے آنسو رُلاتا ہے۔"

"کیا المیہ.....؟"

"نواب ریحان نے نشے کے عالم میں صبا بیگم کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا.....!" شہریار نے انکشاف کیا اور میرا سر گھوم کر رہ گیا۔ میں شہریار کو دیکھتا رہا۔ شہریار کچھ لمحے رک کر بولا۔ "صبا بیگم بھی معمولی گھرانے کی فرد نہیں تھیں' لینے کے دینے پڑ گئے۔ اس خاندان کے پاؤں پکڑ کر نواب ریحان کی زندگی بچائی گئی لیکن وہ خاندان اس خاندان کا دشمن بن گیا۔ بزرگ تو مان گئے تھے لیکن نوجوان نہ مانے..... اور پھر ایک دن ایک ریلوے اسٹیشن پر نواب ریحان کی لاش ملی۔ انہیں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ یوں صدام کے ماں باپ ختم ہو گئے۔ صدام قابلِ رحم تھا لیکن اس کے خلاف شدید نفرت اس وقت پیدا ہوئی جب پتہ چلا کہ نواب ریحان نے درپردہ تمام جائداد' باغ' فیکٹریاں فروخت

کر دی تھیں اور دولت عیاشی میں اُڑا چکے تھے۔ نواب منصور قلاش ہو گئے۔ ان کی تباہی کا اصل راز یہ ہے۔ صدام نواب ریحان کا بیٹا تھا۔ نواب منصور اس سے نفرت کرتے تھے۔ صرف بڑی ماں تھیں یعنی نواب منصور اور ریحان کی والدہ جن کے دم سے صدام کی پرورش ہوئی۔ جب وہ زیادہ نفرتوں کا شکار ہوا تو بڑی ماں نے اسے ننھیال بھیجا اور چاہا کہ وہ وہاں پل جائے لیکن ان لوگوں نے بھی اسے نفرت سے نکال دیا اور کہا کہ سانپ کے بچے کو وہ نہیں پال سکتے اس کے باپ نے ان کی بیٹی کی جان لی ہے۔ چنانچہ وہ واپس آ گیا۔ بس یوں سمجھ لو..... یہ ہے اس بے چارے کی کہانی۔ بڑی ماں نے بیٹے سے درخواست کی کہ اسے ملازموں کا درجہ ہی دے دیا جائے اور بہرحال نواب منصور ماں کی بات نہیں ٹال سکے لیکن اس کے ساتھ اور کوئی رعایت نہیں کی گئی۔"

"کمال ہے' شہریار' صدام دیکھنے میں تو ایک پُروقار نوجوان لگتا ہے۔ اپنی اس توہین پر اس نے خود یہ گھر کیوں نہیں چھوڑ دیا۔"

میرے اس سوال پر شہریار مسکرایا پھر بولا۔ "پتہ نہیں۔"

ایک داستان تھی' بہت سی داستانوں کی طرح' ممکن ہے شہریار نے اس سے آگے کی کہانی جان بوجھ کر نہ سنائی ہو۔ کون اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے۔ صدام کے یہاں سے نہ جانے کی وجہ ہو سکتا ہے اسے بھی معلوم نہ ہو' لیکن مجھے معلوم ہو گئی تھی۔ وہ بھی عشق گزیدہ تھا۔ پیار میں رسوائی برداشت کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

بہرحال مجھے اس داستان سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ بہت غور کرتا رہا تھا اور پھر اس رات میں خاص طور سے اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلا تھا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ اگر ممکن ہو سکا تو صدام سے ملاقات کروں گا' میں تو یہاں ملازم تھا' میرے اس سے ملنے پر تو کوئی پابندی بھی نہیں ہو گی۔ اگر آج بھی افشاں وہاں نہیں ہے تو صدام سے مل کر اس کے دل کی واردات پوچھوں گا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں ایک آوارہ روح کی مانند چلتا ہوا ملازموں کے کوارٹر کی طرف چل پڑا۔ صدام کے کوارٹر میں مدھم سی روشنی تھی جبکہ دوسرے کوارٹر تاریک پڑے ہوئے تھے۔ ایک دم ٹھٹک گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ افشاں آج بھی یہاں موجود تھی۔ وہ ہر طرح کا خطرہ مول لے رہی تھی۔ اپنا تجسس نہ دبا سکا اور کوارٹر کے کمرے کی پشت کی کھڑکی پر پہنچ گیا جہاں شفاف شیشہ لگا ہوا تھا اور اس پر کوئی پردہ نہیں تھا۔ میں نے احتیاط سے اندر جھانکا۔ نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں اندر کا منظر نظر آیا لیکن اندر کا منظر دیکھ کر دل کو ایک دھکا سا لگا۔ صدام سامنے تھا اور افشاں ایک سفید چادر میں لپٹی اس کے بہت قریب بیٹھی تھی۔ صدام کا سر اس کی آغوش میں تھا۔

اتنی قربت' اتنی یگانگت اور بے حجابی شیطان کو قریب لے آتی ہے۔ جس طرح صدام کا سر افشاں کی آغوش میں تھا وہ ایک قابلِ اعتراض عمل تھا۔ جذبات کے سیلاب کو روکنا ہی تو محبت کی معراج ہوتی ہے۔ کم از کم میرا یہ نظریہ تھا۔ فاصلے محبت کی پاکیزگی کے امین ہوتے ہیں اور قربتیں رسوائیوں کا سبب' میرے علاوہ اور کوئی بھی یہاں آکر ان دونوں کو اس عالم میں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا۔

افشاں کا میرے دل میں ایک مقام تھا' صدام کے چہرے کو بھی ایک پاکیزہ انسان کا چہرہ سمجھا تھا لیکن ایک دم طبیعت پر تکدر چھا گیا اور میں منہ بنا کر وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ اب مجھے نہ صدام سے دلچسپی رہ گئی تھی نہ افشاں سے۔ اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہا تھا کہ نگاہ ایک روشن کھڑکی پر پڑ گئی۔ یہ افشاں کا کمرہ تھا..... اور کھڑکی کے پاس افشاں موجود تھی۔

دماغ میں ایک زور کا چھناکہ ہوا..... افشاں..... افشاں تو اپنے کمرے میں موجود ہے تو..... تو پھر وہ کون تھی؟

کچھ دیر تک چکرائی ہوئی آنکھوں سے افشاں کو دیکھتا رہا۔ کمرے کے اندر روشنی تھی اور روشنی میں افشاں کے چہرے کو پہچان لینا مشکل کام نہیں تھا۔ کچھ لمحوں تک غور کرتا رہا کہ آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں' لیکن بینائی اتنی کمزور نہیں تھی کہ افشاں کو نہ پہچان سکتا۔ چند ہی لمحوں پہلے صدام کے کوارٹر کا منظر دیکھ کر افشاں کے بارے میں دل میں جو کبیدگی پیدا ہوئی تھی' کم از کم افشاں کی طرف سے تو وہ دور ہو گئی لیکن اب صدام کے بارے میں الجھن میں پڑ گیا۔ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ کیا چہرے اس طرح دھوکا دیتے ہیں۔ صدام دیکھنے میں تو انتہائی معصوم صورت کا پاکیزہ سا نوجوان تھا۔ پھر یہ کیا قصہ ہے۔ ذہن میں خیال آیا کہ بعض اوقات نظر بھی اس طرح دھوکا دیتی ہے کہ انسان فیصلہ ہی نہ کر پائے۔ حالانکہ ان معاملات سے میرا براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا' میں تو بس ٹرین میں پیش آنے والے واقعہ کی وجہ سے یہاں آگیا تھا۔ شعاع نے افشاں کے روپ میں وہاں بھی مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور یہاں بھی وہ اپنی معصوم سی خواہش لے کر مجھ تک آگئی تھی اور میں نے اپنا انسانی فرض پورا کیا تھا۔ انسانوں کی نگری میں تو انسان بدنام ہے ہی' جنوں کی نگری میں اگر وہ اپنا کوئی کردار قائم کر لے تو اچھی بات ہے' کچھ تو اعتماد ہو اس پر کسی کا۔ چنانچہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا اور مجھے اس پر خوشی تھی۔

اصولی طور پر مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے آپ کو کتنا ہی سنبھال لے' ایسے واقعات جو اس کے لئے پُر تجسس ہوں نظر انداز کرنا مشکل ہو

جاتے ہیں۔ احتشام' نواب منصور' افشاں' شہریار یہ ایسے کردار تھے جن میں سے ہر ایک کے اندر ایک کہانی چھپی ہوئی تھی اور کہانی بچپن ہی کا شوق نہیں بلکہ شاید زندگی کے اختتام تک کے لئے ایک دلچسپ چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ اب میرا تجسس مجھے یہاں روکے ہوئے تھا۔ افشاں کے بارے میں پورا یقین کر کے کہ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے اور وہ نسوانی وجود جس کی قربت میں صدام کو دیکھا تھا کوئی اور ہے لیکن کون؟ ایسا کون ہے جس سے صدام اس قدر قربت رکھتا ہے۔ اگر وہ کوئی ڈبل گیم کھیل رہا ہے تو پھر شامی صاحب ہی کیا برے تھے افشاں کے لئے۔ صدام اگر دھوکے باز ہے تو افشاں کو اس کی حقیقت سے آگاہ ہونا چاہئے' یہ تجسس مجھے واپس صدام کے کوارٹر تک لے گیا اور آخر کار میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے میں نے یہ منظر دیکھا تھا۔ وہ خاتون اب بھی وہیں موجود تھیں' البتہ صدام نے اپنا سر ان کی آغوش سے ہٹا لیا تھا اور پھر ان خاتون کا چہرہ روشنی میں آیا تو میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

تقریباً اسّی سالہ بزرگ خاتون تھیں دودھ کی طرح سفید چہرہ' نہایت پُر وقار' سفید بال جو بے شک سفید ہو گئے تھے لیکن ان کی لمبائی اب بھی بے مثال تھی چہرے سے عمر کا اندازہ بے شک ہو جاتا تھا' لیکن صحت بہت عمدہ تھی۔

مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور اس وقت ایک اور احساس دل میں پیدا ہوا' سوچ کو غلط رخ پر موڑ لیا جائے تو غلط فہمیاں گندگی کے پہاڑ کھڑے کر دیتی ہیں۔ انسان کوئی بھی ہو' اس کی حقیقتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ ان بزرگ خاتون کی آغوش میں صدام کا سر یقینی طور پر مامتا کے جذبوں کے تحت ہو سکتا ہے۔ صدام کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بھی پتہ چل گئی تھی۔ بہرحال خاتون نے اپنے بدن پر چادر برابر کی' صدام کی آنکھوں میں آنسو خشک کئے اور اس کے بعد دروازے کی جانب چل پڑیں۔ صدام دروازے تک ان کے ساتھ آیا تھا اور خاتون کے جانے کے بعد دروازہ بند کر لیا تھا اس نے۔ پھر وہ ایک چارپائی پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ میں بھی سر پکڑ کر بیٹھ جاؤں' کیسی احمقانہ غلط فہمی ہوئی تھی' اگر افشاں کھڑکی میں نظر نہ آتی تو اسی غلط فہمی کو دل میں پالے ہوئے افشاں کو بری لڑکی سمجھتا اور ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات قائم کر لیتا۔

بہرحال وہ بزرگ خاتون بھی میرے لئے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھیں۔ ان کا چہرہ نگاہوں میں محفوظ ہو گیا تھا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بہرحال حقیقتیں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ صدام بھی ذہن میں صاف ہو گیا تھا۔ پھر اپنی آرام گاہ میں آکر لیٹ گیا۔ ان واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے خود پر ہنسی آنے لگی۔ درحقیقت شعاع کی

محبت نے دل میں جو پاکیزگی پیدا کر دی تھی۔ اب یہ دل چاہتا تھا کہ دنیا بالکل صاف ستھری ہو اور محبت کرنے والے پاکیزہ جذبوں کی مثال بن جائے۔ ہنسی یوں آئی تھی کہ میں خود کیا بن کر رہ گیا تھا۔ لوگوں کی زندگی کے مختلف انداز ہوتے ہیں گزارنے والے زندگی کو ہر طرح کے حالات کے باوجود ضرورتوں کے مطابق گزارتے ہیں۔ میں کیا کر رہا ہوں' کیا میں اس دنیا کے لئے کوئی کار آمد ہستی ہوں۔ کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ رشتے چھوٹ چکے ہیں اور اس دنیا میں بے یارومددگار ہوں۔ ان تمام باتوں کو سوچتے سوچتے نیند آگئی تو خواب میں دیکھا کہ کمال علی میرا ہاتھ پکڑ کر کہیں جا رہے ہیں' جس جگہ رکتا ہوں وہاں ایک چھوٹا سا مکان بنا ہوا ہے۔ دروازے پر احترام کھڑا ہوا ہے۔ ہمارے لئے دروازہ کھولتا ہے تو کمال علی میرا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ تخت پر امیر شاہ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں' مجھے دیکھ کر امیر شاہ صاحب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہیں اور پھر کمال علی سے کہتے ہیں۔

"کمال علی' شازل اپنے آپ کو اس کائنات میں ایک بے مصرف انسان سمجھتے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں.....؟"

"محترم شاہ صاحب' ادھر آفس سپرنٹنڈنٹ اور اس سے بڑے عہدوں کے لوگ اور حکومتی ارکان ملک چلاتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اہلِ وطن کے لئے بنیادی سہولتیں فراہم کریں' ملک کا تحفظ کریں' انسانی آبادیوں کو زندگی فراہم کریں' ملکی اور خارجی پالیسیاں بنائیں یہ سارے کام دن کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ کچھ کام رات کی تاریکیوں میں بھی ہوتے ہیں۔ وہ ایک الگ نظامِ حکومت ہے دنیاوی ضرورتیں کچھ تو انسان خود پوری کرتا ہے اور کچھ دوسری امداد کے ساتھ پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح تاریکیوں کی حکومت میں بھی کام کرتا ہے۔ ذمہ داریاں تو ہوتی ہیں نا' روحانیت اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے اور نظامِ عمل کو سنبھالتی ہے۔ روحانی کارکن بھی تو ضروری ہوتے ہیں اب انہیں دیکھ لیجئے' چلئے دنیا کی ساری باتیں چھوڑ دی جائیں جو ان کے علم میں ہے وہ انہیں بتایا جائے' گجراج اگر جیتا رہتا تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ کتنے انسانوں کو زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا' ان کے ذریعے فنا ہوا نا وہ' یہ ان کی ذمہ داری ہے بات یہیں تک ختم نہیں ہو جاتی۔ پتہ نہیں انہیں آگے کیا کیا ذمہ داریاں سونپی جائیں گی۔ انہیں سمجھایئے کہ یہ دل جمعی سے اپنا کام کریں۔ جن راستوں پر یہ جا رہے ہیں وہ بالکل راست ہیں' ان سے کہئے کہ جہاں ان کے راستے سچائیوں سے الگ ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سیدھے راستوں پر ڈال دیا جائے گا۔ ذمہ داریوں سے گریز نہ کریں' دنیا کو ہی سب کچھ نہ سمجھیں' کسی دفتر میں بیٹھ کر کام کرنا ایک سطحی عمل ہے۔ وہاں سے یہ ریٹائر ہو جائیں گے

لیکن جن ذمہ داریوں کو یہ پورا کر رہے ہیں' وہاں سے تو ریٹائرمنٹ کی کوئی عمر نہیں ہوتی' ان سے کہئے کہ سلسلہ جاری رکھیں۔"

میں یہ ساری باتیں پورے حواس کے عالم میں سن رہا تھا' پھر یوں لگا جیسے فلم ختم ہو گئی ہو' جو منظر چل رہا تھا وہ ایک دم تاریک ہو گیا اور میری آنکھوں میں روشنی چبھنے لگی۔ بالکل ابھی سویا تھا' ابھی صبح ہو گئی تھی' خواب کا ایک ایک منظر ان کی کہی ہوئی ایک ایک بات کانوں میں گونج رہی تھی اور میں حیرانی سے آنکھیں پھاڑے چھت کے نزدیک بنے اس روشن دان کو دیکھ رہا تھا جس کے رنگین شیشوں سے سورج شرارتیں کر رہا تھا' میں حیران ہو کر اٹھ گیا۔ یہ تو راہنمائی ہے' سب کچھ میرے سوالوں کا جواب ہے۔ وہ سوال جو ایک لمحے کے لئے میرے دل میں پیدا ہوا تھا اور دوسرے لمحے اس کا جواب مجھے دے دیا گیا تھا لیکن ایک حقیقت اور بھی تھی اس خواب کو ذہن میں دہرا کر دل کو جو سکون حاصل ہوا تھا وہ بے مثال تھا۔ آہ کیا ہی عمدہ بات ہے' کیسی سنی ہے میرے معبود نے میری' ساری الجھنوں کا حل پیش کر دیا جاتا ہے لمحوں میں' یہ خواب نہیں' سوتی آنکھوں میں ایک سوال کا جواب تھا' گویا میں نے ایک امتحانی پرچہ حل کیا تھا' نیند بالکل پوری نہیں ہوئی تھی' لیکن طبیعت پر ایک ایسی بشاشت طاری تھی کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا' کچھ لمحے بیٹھا رہا' پھر مسکراتا ہوا غسل خانے کی جانب چل پڑا۔ غسل کر کے لباس تبدیل کیا ہی تھا کہ معمول کے مطابق ناشتہ آگیا۔ یہ روزانہ کا طریقہ کار تھا۔ نواب منصور کی مہربانی تھی کہ انہوں نے مجھے گھر کے ایک فرد کا سا درجہ دے رکھا تھا لیکن ظاہر ہے وہ اپنے آپ پر مجھے زیادہ مسلط تو نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ بہرحال..... ایک ملازم کی حیثیت رکھتا تھا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد غیاث علی صاحب کے پاس طلبی ہو گئی۔ انہوں نے کچھ کام مجھے سونپے اور میں ساری باتیں بھول کر ان کاموں میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر تک فرصت نہیں ملی۔

رات کے واقعات بے شک دلچسپ تھے لیکن اب صرف انہی تفریحات میں تو حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ جس حیثیت سے یہاں مقیم تھا اسے بھی مدِنگاہ رکھنا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد باہر نکلا تھا کہ شہریار نظر آگیا۔ میرے پاس آکر مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ کوئی خاص موضوع نہیں تھا۔ حالانکہ میرے دل میں کئی بار یہ سوال ابھرا تھا کہ اس سے ان بزرگ خاتون کے بارے میں معلوم کروں جنہیں میں نے صدام کے کوارٹر میں دیکھا تھا لیکن لاکھ بے تکلفی کے باوجود ہمت نہیں پڑی۔ ہم دونوں باتیں کر رہے تھے کہ ہم نے دور سے احتشام کو دیکھا جو ایک خوبصورت سی اسٹک ہاتھ میں لئے اس طرف آرہے

تھے۔ میں نے چونک کر کہا۔ "ارے..... احتشام صاحب ٹھیک ہو گئے۔"

"ہاں..... اور اب فرمائش کر رہے ہیں کہ ان کا غسلِ صحت منایا جائے۔"

"یہاں.....؟" میں نے سوال کیا۔

"باپ کا گھر سمجھتے ہیں اس حویلی کو..... یہ تو تم نے سن ہی لیا ہو گا کہ وہ افشاں کے جہیز میں اس حویلی کو افشاں کے نکاح سے پہلے ہی قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ فرمائش کی جا رہی ہے نواب صاحب سے ایک شاندار سا غسلِ صحت کا جشن ترتیب دے لیا جائے۔"

"نواب صاحب کا کیا کہنا ہے؟" میں نے پوچھا تو شہریار گردن جھکا کر خاموش ہو گیا۔ ایک دم سے سنبھل گیا تھا۔ شہریار کی خاموشی سارے سوالوں کا جواب تھی۔ یعنی نواب صاحب کی مجبوری..... وہ شامی کی ہر خواہش پر سر جھکانے پر مجبور تھے۔ میں نے بات ٹال دی۔ شامی ہماری ہی طرف آ رہے تھے۔

شہریار نے کہا۔ "خدا خیر کرے..... ویسے حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کو دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ مگر وہی بات ہے کہ مدعی سست گواہ چست۔ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔" شامی قریب آ گئے اور انہوں نے خلافِ توقع بڑی گرم جوشی سے ہم دونوں سے ہاتھ ملائے اور ہنستے ہوئے بولے۔ "بھئی..... حقیقت یہ ہے شہریار صاحب! کہ آپ انتہائی ستم ظریف انسان ہیں مجھے تو مروا دیا تھا آپ نے....."

"ارے نہیں شامی صاحب! آپ خود ہی جذباتی ہو گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے خود بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ آپ کو اس طرح نقصان پہنچ جائے گا۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ میں نے کس طرح رو رو کر آپ کے لئے دعائیں مانگی ہیں۔"

شامی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی دوستی پر مجھے ناز ہے۔ دوست ہی دوستوں کی صحت کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ چلئے چھوڑیئے..... جو ہوا سو ہوا لیکن ایک حقیقت ہے۔ وہ جگہ بڑی حسین تھی۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس رہا کہ ہم ان مناظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکے۔ آئیڈیل جگہ تھی۔"

"آپ دوبارہ وہاں جانا پسند کریں گے؟" شہریار نے پوچھا۔ میرے لئے ہنسی روکنا مشکل ہو رہا تھا۔ شہریار کی شرارتوں سے تو میں خیر اچھی طرح واقف تھا لیکن..... یہ شامی واقعی کمال کی چیز تھے۔ شہریار کے سوال پر انہوں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"واقعی..... اب فضولیات سے بچ کر ذرا وہاں کی سیر کی جائے۔ میرے دل میں تو آرزو ہے لیکن بزرگ اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔"

"انہیں تیار کرنا میرا کام ہے۔" شہریار چٹکی بجا کر بولا۔ اس کے چہرے پر شرارتیں رقصاں تھیں لیکن نہ جانے مجھے کیوں شامی کے چہرے پر ایک مکار سی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی جسے وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

"اگر ایسا ہے تو آپ کوشش کر لیجئے..... شہریار صاحب' البتہ ایک تجویز میں بھی پیش کر سکتا ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور....." شہریار جلدی سے بولا۔

"اس بار ہم لوگ یہ پروگرام ایسے نہیں مناتے۔ افشاں صاحبہ کو لے لیجئے اور کوئی جانا چاہے اسے بھی لے لیجئے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ لڑکیاں جو اس دن بھی ہمارے ساتھ گئی تھیں۔ آپ..... میں بس یہ تمام افراد یونہی سیر و سیاحت کا بہانہ کر کے نکلیں۔ وہاں تھوڑا سا وقت گزاریں اور اس جگہ سے لطف اٹھائیں۔"

"میری ذمہ داری ہے..... میری ذمہ داری ہے۔" شہریار نے مسرور لہجے میں کہا۔

"بس..... تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ جب کہیں گے ہم تیار ہو جائیں گے۔ مگر ذرا کچھ پہلے سے بتا دیجئے گا۔" شامی چلے گئے تو شہریار نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"وہ جو محاورہ ہے نا..... کہ گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے اور احتشام کی جب موت آتی ہے تو وہ بار بار برفانی جھیل کی طرف بھاگتے ہیں۔" میں نے شہریار کے قہقہے میں اس کا ساتھ نہیں دیا اور کہا۔

"شہریار..... کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے مجھے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو بالکل نہیں بتا سکتا لیکن نہ جانے کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ شامی صاحب دوبارہ وہاں بے مقصد نہیں جا سکتے۔"

"یار! بہت معصوم آدمی ہو شازل۔ اتنا بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس بدبخت پر شیطان سوار ہے۔ تنہائی میں بیچاری افشاں کو بور کرنا چاہتا ہے اور کچھ نہیں....."

"ہوں..... تمہارا مطلب ہے.....؟"

"ہاں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ..... اسے سبق کیا دیا جائے؟"

"میرا خیال ہے..... کہ یہ سب تمہاری سوچ ہے شہریار۔ جب نواب منصور اس کے سامنے مجبور ہیں تو کوئی اور کیا کر سکتا ہے.....؟"

میں نے کہا اور شہریار پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"بہرحال سوچیں گے' غور کریں گے اس بارے میں ویسے تمہارا کیا خیال ہے.....؟"

"نہیں..... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"چلو گے تو سہی نا ہمارے ساتھ۔"

"اگر تم چاہو گے..... شہریار!"

"وہ سب کچھ میں کرلوں گا۔" شہریار نے نہ جانے کیا چکر چلایا لیکن بہرحال دوسرے ہی دن سارا پروگرام ترتیب پا گیا۔ افشاں بھی تیار تھی۔ فرزانہ' سیما اور انیلا بھی۔ بڑی لینڈ کروزر ساتھ لی گئی تھی۔ شامی صاحب منصوبے میں شریک تھے۔ مجھے خاص طور سے شامل کیا گیا تھا۔ شہریار ہی نے غیاث علی صاحب سے بات کرلی تھی میرے بارے میں۔ مجھے اعتراض نہیں تھا۔ شامی صاحب نے البتہ اپنے تینوں ساتھیوں کو ہمراہ نہیں لیا تھا اور کہا کہ یہ خفیہ پکنک ہوگی جس کے راز دار صرف یہ چند افراد ہوں گے۔ بڑی لینڈ کروزر میں بیٹھ کر ہم لوگ باہر نکل آئے۔ شہریار ڈرائیو کر رہا تھا۔ باہر آنے کے بعد بازار سے خریداری کی گئی۔ کھانے پینے کی اشیاء پیک کروائی گئیں۔ افشاں خاموش تھی اور صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اپنی مرضی کے خلاف آئی ہے۔ طریقہ کار کیا اختیار کیا گیا یہ کچھ معلوم نہیں تھا مجھے ابھی۔ شہریار سے تنہائی کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ویسے بھی بس اس نے ہی سارا پروگرام ترتیب دیا تھا اور خواہش احتشام صاحب کی تھی جو اب تندرست و توانا تھے راستے میں انہوں نے یہی الفاظ کہے کہ..... جب تک پکنک میں تھوڑی سی مشکلات نہ ہوں' مزہ نہیں آتا۔ کھانے پینے کی اشیاء بھی باہر ہی سے لی گئی تھیں۔ جن کے بارے میں انہوں نے یہی بات کہی تھی۔ راستے طے ہوتے رہے اور سب سے زیادہ تفریح سیما اور فرزانہ وغیرہ کر رہی تھیں۔ افشاں بھی کبھی کبھی ہنس دیتی تھی میں نے کئی بار چور نگاہوں سے اسے دیکھا تھا لیکن..... بے مقصد تھا۔ ظاہر ہے کہ اسے مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا تھا وہ تو اس کے وجود میں شعاع نے داخل ہو کر کیا تھا۔ آخر کار وہ حسین علاقہ آگیا جہاں وہ دلچسپ واقعہ پیش آیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ شہریار نے اس سلسلے میں اور کوئی شرارت کی ہے یا نہیں..... لیکن حقیقت یہ ہے کہ شامی کی شخصیت مجھے مشکوک نظر آرہی تھی نہ جانے کیوں میرے دل کو یہ احساس تھا کہ شامی کے ذہن میں کوئی گڑبڑ ہے۔ میں اپنے طور پر ہوشیار تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ ہم اس تفریح گاہ پہنچ گئے تھے اور یہاں ہم نے اپنے ٹھکانے بنائے۔ شہریار..... میں اور تینوں لڑکیاں تفریحات کر رہے تھے۔ شامی باقاعدہ افشاں سے درخواست کرکے اسے اپنے ساتھ ایک طرف لے گیا

تھا۔ شہریار نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بیچاری افشاں..... انسان کس طرح حالات سے مجبور ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی زندگی کے بدترین لمحات سے گزر رہی ہے" لڑکیاں سنجیدہ ہو گئیں۔ انیلا نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

"کوئی اس کی مدد نہیں کرسکتا شہریار صاحب؟"

"یہ سوال بے معنی ہے انیلا! تم بھی جانتی ہو۔" انیلا ایک دم خاموش ہو گئی۔ غالباً اسے میری موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ شہریار نے بھی یہ اظہار نہیں کیا کہ میں یہ سارا راز جانتا ہوں۔ بہرحال..... سب پر تھوڑی بہت پابندیاں تو تھیں ہی' پھر..... افشاں اور شامی ٹہلتے ہوئے اس طرف آگئے۔ افشاں آگے آگے تھی اور شامی صاحب پیچھے پیچھے۔ وہ جھیل بھی تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ جس میں شامی صاحب کو ایک دن سخت تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا لیکن ایک اور تجربہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہمیں ہوا۔ شہریار کا سو فیصد یہی خیال تھا کہ شامی افشاں کو تنہائی میں کچھ وقت ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ پتا نہیں..... بیچاری کو کس طرح بور کر رہا ہوگا لیکن میرے ذہن میں شروع ہی سے یہ احساس کھٹک رہا تھا کہ بات صرف اتنی سی ہی نہیں ہے۔ جو کام شامی افشاں کو اتنی دور لا کر رہا ہے' وہ وہاں حویلی میں بھی کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے مستقبل میں افشاں کا مالک بننے کا فخر حاصل تھا۔ اندازہ میرا ہی درست نکلا۔ اچانک ہی ہمیں فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ آواز بالکل قریب سے آئی تھی۔ گولیاں درختوں کے پتوں کو توڑ کر نیچے برس رہی تھیں۔ ہم نے وہ افراد دیکھے جو مخصوص قسم کے لباس میں ملبوس تھے ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے اور وہ ہماری جانب دوڑ رہے تھے۔ انہوں نے ہی گولیاں چلائیں تھیں۔ غالباً ڈاکو تھے قرب و جوار چونکہ سنسان تھے اور ویسے بھی عام دن تھا۔ ورنہ کہیں نہ کہیں سے چھٹی منانے والے پکنک پر نکل آتے تھے۔ اس لئے ڈاکوؤں نے ہمیں تاک لیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہمارے قریب پہنچ گئے اور وحشیانہ انداز میں ایک دائرے کی شکل میں رقص کرنے لگے۔ ہمارے پاس اسلحہ وغیرہ نہیں تھا اس لئے گھبراہٹ لازمی تھی۔ لڑکیوں کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ آنے والے وحشیانہ انداز میں ہنسنے لگے میں نے ایک لمحے تک تو بات نہ سمجھی لیکن دوسرے لمحے نہ جانے میرے ذہن میں کیسے یہ خیال آیا کہ اصل بات کچھ اور ہے۔ ڈاکوؤں نے آگے بڑھ کر شہریار کو پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ نائیلون کی رسیوں سے باندھ دیئے گئے۔ پھر وہ مجھ پر حملہ آور ہوئے ظاہر ہے میں بھی سپر مین نہیں تھا۔ ان کے پاس پستول تھے اور تعداد ہم سے کہیں زیادہ..... لیکن میری نگاہ ایک لمحے

کیلئے شامی کی طرف اٹھی تھی۔ جو آسودگی..... جو مسکراہٹ ان کے چہرے پر تھی اس نے میرے خیال کی تصدیق کر دی۔ سو فیصد یہ ان کے اپنے آدمی تھے۔ جنہیں وہ اپنے ساتھ نہیں لائے تھے لیکن جو منصوبے کے تحت یہاں آچکے تھے۔ چنانچہ وہ مجھ پر حملہ آور ہوئے ایک نے پستول میری گردن پر رکھ دیا۔ دوسرے نے ہاتھ میری پشت پر کئے اور انہیں کس کر باندھنے لگا۔ پھر..... ان میں سے ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ان دونوں کو اٹھا کر جھیل میں پھینک دو۔"

ابھی اس کے یہ الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ اچانک ہی میں نے کچھ اور افراد کو دیکھا جو درختوں کے تنوں کی آڑ سے ایک دم نکلے تھے۔ یہ ذرا مختلف قسم کے لباسوں میں ملبوس تھے۔ ان کے جسموں پر چغے لہرا رہے تھے اور چہرے ایک خاص انداز سے سیاہ رنگ کے کپڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ آن کی آن میں ان لوگوں تک پہنچ گئے۔ شاید کسی اور نے ان کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ قہقہہ انگیز بھی تھا اور خوفناک بھی۔ میں نے دیکھا ان لڑاکوں کی پستولیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں اور ان لبادہ پوشوں کے قبضے میں پہنچ گئیں۔

پھر لبادہ پوشوں نے ان سب کو زمین پر گرا دیا۔ وہ سب خوف و دہشت سے چیخ رہے تھے۔ لڑکیوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن اس وقت ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہو گئی۔ جب ان لوگوں کے چہرے نمایاں ہوئے جو پستول بردار ڈاکو بنے ہوئے تھے۔ یہ احتشام شامی کے ہی ساتھی تھے۔ احتشام شامی کی حالت خراب ہو گئی۔ انہوں نے وحشت زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ ان کا چہرہ بری طرح بدحواس ہو رہا تھا۔ ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکلا تھا لیکن پھر آنے والے حملہ آوروں نے انہیں اٹھا اٹھا کر پانی میں پھینکنا شروع کر دیا اور جب انہوں نے شامی کو گریبان سے پکڑ کر جھیل کے طرف گھسیٹا تو شامی کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔

"بچاؤ..... بچاؤ..... بچاؤ ارے یہ کیا ہو رہا ہے..... بچاؤ کیا ہو رہا ہے یہ..... بچاؤ۔" مگر حملہ آوروں نے انہیں اٹھا کر پانی میں پھینک دیا تھا اور شامی کی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ شہریار پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ چار آدمی جو یہ سارا عمل کرتے رہے تھے۔ واپسی کے لئے مڑے ایک لبادہ پوش آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس نے میرے ہاتھ کھولے اور اس کے بعد اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دی۔ میں اس کا چہرہ دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ یہ غلام سمبان تھا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں تو غلام سمبان نے اپنا چہرہ دوبارہ نقاب میں ڈھکتے

ہوئے کہا۔

"تمہارا احسان ادا ہو گیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمیں احسانوں کے بوجھ تلے دبا لو گے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ درحقیقت میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ تصور نہیں تھا کہ آنے والے غلام سمبان اور اس کے ساتھی ہوں گے۔ میں تو بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ غلام سمبان یہ الفاظ کہہ کر واپسی کے لئے مڑا اور وہ لوگ درختوں کے تنوں کی آڑ میں روپوش ہو گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر شہریار کے ہاتھ کھولے تو وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ..... کیا ہو رہا ہے شازل؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ میں نے یہ دیکھا کہ شامی کے آدمی بھیگے ہوئے چوہوں کی طرح پانی سے باہر نکل آئے تھے اور شامی کو پانی سے باہر کھینچ رہے تھے جن پر غشی طاری تھی۔ شہریار کے ہاتھ کھل گئے تو وہ بھی اس طرف دوڑا اور اس نے شامی کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچا۔ شامی کا پورا چہرہ نیلا ہو رہا تھا۔ ان کے حلق سے دہشت بھری آوازیں نکل رہی تھیں اور پھر وہ بے ہوش ہو گئے۔ بڑی سنگین صورتِ حال ہو گئی تھی۔ شامی سے زیادہ مضبوط ان کے آدمی تھے۔ جنہوں نے پہلے اپنے اپنے کپڑے پہنے۔ پھر اس طرح بھاگے کہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔ شہریار کی کپکپاتی آواز میں بولا۔

"خدا کی قسم..... مجھے اپنے ہوش و حواس پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے۔ یہ آخر ہے کیا ڈرامہ.....؟"

"یہ بتاؤ شامی سے ہاتھ دھونے کے لئے تیار ہو' اگر ایسا ہے تو دوبارہ انہیں جھیل میں پھینک دو اور چھٹی کر کے واپس چلو۔"

"ارے نہیں..... یہ کیا کہہ رہے ہو.....؟"

"تو پھر انہیں ڈھکو۔" ہم نے بمشکل تمام شامی کو لپیٹا تھا لیکن حیران کن بات تھی کہ شامی تھوڑی ہی دیر کے بعد حواس میں آگئے تھے اور انہوں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"شہریار صاحب! ابھی میں واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ براہِ کرم میرے اردگرد آگ جلوا دیجئے۔ براہِ کرم..... میری مدد کیجئے۔ ابھی میں واپس نہیں جاؤں گا۔" کچھ ایسی مظلومیت تھی ان کی آواز میں کہ ہم لوگوں نے ان کی بات مان لی۔ شہریار اور میں بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ چاروں لڑکیاں سخت پریشان تھیں لیکن بہرحال وہ بھی ہماری مدد کر رہی تھیں۔ تیز آگ جلا دی گئی۔ خشک لکڑیاں یہاں کافی تعداد میں موجود تھیں۔ اس لئے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ شہریار کے چہرے کی نیلاہٹیں آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئیں۔ ویسے بھی ہم

نے انہیں ڈھیر سارے کپڑوں سے ڈھک دیا تھا لیکن میرے ذہن میں بڑے عجیب و غریب خیالات آرہے تھے۔ سمبان کے الفاظ..... سمبان کی کوشش درحقیقت اس وقت صرف میری مدد کی تھی وہ لوگ مجھے بھی پانی میں پھینکنے جا رہے تھے لیکن ناظم ارسلان کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ مجھے کوئی جسمانی تکلیف پہنچے۔ ناظم ارسلان میرے محسن..... میرے دوست میرے محافظ نفرت کا اظہار کر رہے تھے لیکن ان کے سارے سلوک میرے ساتھ محبت کے سلوک تھے۔ کیا عجیب رشتہ قائم ہو گیا تھا ان کے اور میرے درمیان۔ بہرحال..... میرے دل میں ان کا احترام تھا نہ جانے سمبان کون سے احسان کی بات کر رہا تھا۔ بھلا میں نے کیا احسان کیا ہے ان پر.....؟ احسانات تو وہ مجھ پر مسلسل کر رہے ہیں۔ گجراج میرے ذہن کی گہرائیوں کو نہیں جان سکا تھا۔ اس کی وجہ بھی ناظم ارسلان تھے۔ میرے ہونٹوں پر ایک مسرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی اس احساس کے ساتھ۔ شہریار اور میں بدستور احتشام کا جائزہ لے رہے تھے۔ لڑکیاں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ تھیں کچھ عجیب سے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ جن کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات بھی نہیں کہہ سکتے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر احتشام صاحب کی حالت بہتر ہوتی چلی گئی۔ آگ کی تپش نے انہیں بڑا فائدہ پہنچایا تھا۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے بدن پر لدے ہوئے کپڑے اتارے اور پھر بولے۔

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں اپنا لباس خشک کر لوں۔ گاڑی میں جا کر لباس اتار لیتا ہوں۔ یہ آپ کے دیئے ہوئے لباس لے جاتا ہوں۔" ہم نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے خود ہی سارے کام کئے تھے۔ شہریار نے کہا۔

"یہ حیرت انگیز بات ہے۔ آج غیر معمولی طریقے سے شامی کی حالت بہتر ہے۔"

"کوئی اندرونی احساس انہیں ہمت بخش رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر یہ سب ہوا کیا.....؟ تمہاری سمجھ میں کچھ آیا ہو تو مجھے بتا دو۔ کچھ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی فلمی سین چل رہا ہے کہ پہلے احتشام کے آدمی ہمارے درپے ہوئے۔ اس کے بعد ایسا لگا جیسے کسی نے انہیں پکڑا ہو اور پانی میں پھینک دیا ہو۔" شہریار کے ان الفاظ پر میں چونک پڑا تھا۔ اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ جو کچھ ہوا وہ نادیدہ رہا ہے یعنی یہ کہ..... میرے سوا سمبان اور اس کے ساتھیوں کو کوئی نہیں دیکھ سکا۔ مجھے ایک دم احساس ہوا کہ بڑی غلطی کرنے جا رہا تھا۔ ان افراد کے بارے میں تذکرہ کرنے ہی والا تھا میں' جو سمبان کے ساتھی تھے لیکن مجھے یہ نہیں کہنا چاہئے۔ وہ تو مسئلہ ہی دوسرا ہے۔ ان لوگوں میں سے کوئی انہیں نہیں دیکھ سکا اور دیکھ

ہی نہیں سکتا تھا۔ میں فوراً سنبھل گیا اور میں نے زبان بند کر لی اور بعد میں میرے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ کیا ہوا ہے.....؟ لیکن جو کچھ ہو گیا تھا اب اس کی تشریح بھی بے کار تھی۔ شہریار کو بھی میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ وہ تو بالکل ہی ایک الگ کھیل تھا۔ چنانچہ..... بہت دیر تک ہم لوگ وہاں موجود رہے۔ پھر افشاں نے بے چینی سے کہا۔

"جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد بھی آپ رکے ہوئے ہیں آپ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اگر وہ دوبارہ آگئے تو ہم مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ خدا کے لئے فوراً واپس چلئے..... واپس چلئے آپ....." افشاں کے لہجے میں ایک ہیجانی کیفیت تھی۔ شاید اب وہ اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کر پائی تھی۔ چنانچہ فوراً ہی تیاریاں کی گئیں۔ راستے میں شہریار نے کہا۔ "جی شامی صاحب! اب کیسی کیفیت ہے.....؟"

"ٹھیک ہوں..... بہت بہتر ہوں لیکن سینے میں درد ہو رہا ہے۔ آپ لوگ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کیا ہوا.....؟"

میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "یہ آپ ہی بتائیں تو زیادہ اچھا نہیں ہو گا احتشام صاحب۔" شامی صاحب نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بولے۔ "آپ صحیح صحیح بتائیے کہ کیا یہ جگہ آسیب زدہ ہے۔"

"کیوں.....؟"

"مجھے کوئی نظر بھی نہیں آیا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی میرا گریبان پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے۔ پھر کسی نے انتہائی اطمینان سے مجھے اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔ میں خود پانی میں نہیں گرا۔ خدارا مجھے بتائیے کہ یہ سب کچھ کیا ہے.....؟"

"نہیں شامی صاحب! ایسا نہیں ہو گا آپ بتائیں کیونکہ وہ آپ کے آدمی تھے جو ڈاکو بن کر آئے۔ آپ انہیں نہیں لے کر آئے۔"

"میری بات سنئے' اصل میں یہ ایک دلچسپ مذاق تھا۔ کچھ نہ ہوتا آپ کے ساتھ۔ یہاں ہم نے..... میرا مطلب ہے کہ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر تھوڑی سی تفریح کا پروگرام بنایا تھا۔ آپ کو خوفزدہ کرنا تھا۔ آپ کے ہاتھ باندھ کر وہ لوگ آپ کو جھیل تک لے جاتے اور پھر میں ہنستے ہوئے انہیں روک دیتا اور کہتا کہ شہریار صاحب! کیئے کیا آپ پانی کا مزہ چکھیں گے لیکن بات بالکل ہی مختلف ہو گئی۔ آپ یقین کیجئے میرا ذہن سخت الجھا ہوا ہے۔ اگر آپ مجھے بتا دیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔"

شہریار نے سخت حیرت سے مجھے دیکھا میں نے کوئی اظہار نہیں کیا۔ شہریار بولا۔ "یہ

آپ کی غلط فہمی ہے۔ ویسے آپ کے بارے میں ہمیں اس بات کا یقین نہیں تھا۔ آپ ضرور انتقامی کارروائی کرنے جا رہے تھے۔"

"اوہ..... نہیں۔ آپ لوگ یقین کیجئے ایک درخواست آپ سے بھی کرنا چاہتا ہوں اور خواتین سے بھی۔ میری درخواست ہے آپ سے کہ براہِ کرم اس واقعے کے بارے میں انکل منصور کو کوئی اطلاع نہ دی جائے۔ آپ کا بے حد شکرگزار ہوں گا میں۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ احتشام شامی خاموش ہو گئے۔ چہرے پر تکلیف کے آثار تھے جس کا مطلب تھا کہ سنبھال تو لیا ہے انہوں نے خود کو لیکن تکلیف میں ہیں۔ ان کے آدمیوں کا نہ جانے کیا ہوا تھا.....؟ بہرحال ہم حویلی واپس پہنچ گئے لڑکیوں نے بعد میں میرے سامنے ہی شہریار سے پوچھا کہ اس بارے میں کیا واقعی خاموشی اختیار کرنی ہے تو شہریار نے کہا۔

"اگر آئندہ کسی تفریح کا پروگرام ہے تو خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہو گا۔ اگر ضرورت پیش آئی تو بعد میں کسی بھی وقت ہم احتشام شامی کی اس کوشش کے بارے میں انکل کو بتا دیں گے۔"

لڑکیوں نے وعدہ کر لیا۔ افشاں بدستور مضمحل تھی لیکن مسرور تھا تو میں' ایک عجیب سا لگاؤ محسوس ہو رہا تھا ناظم ارسلان سے۔ کیا عمدہ بات تھی۔ میرے لئے کیسا شاندار تحفظ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ بھی اللہ کا احسان تھا مجھ پر۔ ایک غیبی مدد تھی میرے لئے اور میں اس سے خوش تھا۔

دوسرے دن شہریار ہی نے مجھے اطلاع دی۔

"کافی طبیعت خراب ہو گئی ہے اپنے احتشام صاحب کی..... لیکن انہوں نے کچھ نہیں بتایا ہے۔ نواب صاحب پریشان ہیں کہہ رہے تھے کہ بار بار نمونے کا یہ حملہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ احتشام شامی نے کہا ہے کہ آئندہ وہ باہر نکلنے سے احتیاط کریں گے۔ یار مزے کا آدمی ہے یہ شخص لیکن تم بتاؤ..... کھیل کی صورت کچھ تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔"

"نہیں شہریار..... میں حیران ہوں' چلو یہ تو خیر مان لیا کہ شامی صاحب نے تسلیم بھی کر لیا کہ انہوں نے یہ سارا منصوبہ ایک سازش کے تحت بنایا تھا اور وہ ہمیں جھیل میں پھینکنا چاہتے تھے اس دن کا انتقام لینے کے لئے۔ انہوں نے مصلحتاً ہم لوگوں کے ساتھ مفاہمت کا رویہ اختیار کر کے ہمیں اس جگہ لے جانے پر تیار کر لیا تھا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے آدمیوں کو وہاں پہلے سے پہنچا دیا تھا تاکہ وہ اس

ح ڈاکو بن کر آئیں اور ہمیں جھیل میں پھینک دیں لیکن وہاں جو کچھ ہوا ہے وہ ناقابلِ ن ہے۔ میں خود اس بارے میں شدید الجھن کا شکار ہو گیا ہوں اور میری سمجھ میں نہیں تا کہ یہ سب کیا ہے.....؟ بڑی الجھی ہوئی داستان ہے یہ تو..... کیا کہتے ہو اس ے میں؟"

"کیا کہوں۔ خود میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تو تمہیں کیا سمجھاؤں۔" شہریار نے ہا۔ پھر وہ توقف کر کے بولا۔ "ویسے ایک بات کہوں..... افشاں بہت بددل ہو گئی ہے ن حالات سے۔ کہہ رہی تھی ان بدترین واقعات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم یقین کرو' ں نے کبھی مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ جس قدر اکتا گئی ہے ان حالات سے' اس ے تحت پہلی بار اس نے میرے سامنے زبان کھولی ہے۔"

"کیا کہہ رہی تھی افشاں.....؟"

"کہہ رہی تھی شہریار بھائی! ہمارے لئے بھی کسی کے دل میں کوئی درد ہے۔ ہمارے لئے بھی کوئی کچھ کر سکتا ہے۔ آپ ہمیں بتائیے۔ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اس میں ہمارے جینے کے لئے کوئی گنجائش ہے۔ ہمیں بھی زندگی دلوا دیجئے کہیں سے۔" اتنا درد تھا اس کے الفاظ میں کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"کچھ کریں گے شہریار..... کچھ کریں گے..... ویسے میں ایک سچ بات بتاؤں۔ نواب صاحب بھی اس سلسلے میں اگر ہمت کریں تو کام بن سکتا ہے۔ یہ اندازہ تو مجھے بھی ہو گیا ہے کہ خود نواب صاحب احتشام کو پسند نہیں کرتے۔"

"میں نے پھوپھی جان اور پھوپھا جان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی ہے۔ اتنی درد بھری گفتگو ہے کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھوپھا جان بھرائی ہوئی آواز میں پھوپھی جان سے کہہ رہے تھے کہ بتائیے کیا حل نکالا جائے اس بات کا' بیٹی جانور کی طرح قربان کرنی پڑ رہی ہے۔ دو ہی باتیں ہیں یا تو خودکشی کر لی جائے یا پھر یہ کڑوا گھونٹ پی لیا جائے۔"

میں بھلا کیا کہہ سکتا تھا اس بارے میں۔ دل میں ایک خیال آیا تھا کہ اگر ہو سکے تو ناظم ارسلان سے مدد کی درخواست کروں' لیکن فوراً ہی دوسرا خیال بھی آیا تھا۔ میری درخواست قبول کر لی جائے گی لیکن جو شرط لگائی جائے گی وہ یہ ہو گی کہ میں وہ کروں جو ناظم ارسلان چاہتے ہیں۔ بس اسی الجھن کا شکار ہو کر خاموش ہو گیا۔ شہریار کہنے لگا۔

"وہ گدھا' افشاں کو الگ لے گیا تھا اور اس کے ساتھ مستقبل کے منصوبے بنا رہا

تھا۔ باتیں تو نہیں بتائیں کہ کیا کیا کہہ رہا تھا لیکن یہ بات وہ صاف طور سے کہہ رہی تھی کہ..... اگر زندگی دینی پڑی تو خودکشی کا سارا گناہ ان لوگوں پر ہو گا جو مجھے قربان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کم از کم اس تصور کے ساتھ ایک لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتی کہ جنگل کا یہ جانور جو انتہائی بے تکی اور فضول بکواس کرتا ہے میری زندگی کا مالک بن جائے اور میں اس کے ساتھ زندگی کے بقیہ لمحات گزارنے پر مجبور ہو جاؤں۔ قسمیں کھا رہی تھی کہ ایسا نہیں ہو گا۔" شہریار خاصا دلبرداشتہ نظر آرہا تھا۔ بات واقعی وہی تھی کوئی کیا کر سکتا ہے.....؟ آخر میں شہریار نے کہا۔ "حالانکہ میں نے کبھی کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچایا' احتشام کے ساتھ بھی جو کچھ ہوا وہ پہلے تو مذاق کی حیثیت رکھتا تھا اب دوسری بار احتشام خود اپنا شکار ہوا ہے لیکن میں اپنی بہن کو مرنے نہیں دوں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے احتشام کو قتل کرنا پڑے۔"

"اس حد تک تو نہ جاؤ' شہریار۔ کوئی اور ترکیب سوچتے ہیں۔ کوئی ایسی ترکیب جس سے احتشام خود دلبرداشتہ ہو جائے۔"

"ایسی کیا ترکیب ہو سکتی ہے آخر؟"

"ایک ترکیب ابھی ابھی اچانک ہی میرے ذہن میں آئی ہے۔" میں نے کہا اور شہریار میری صورت دیکھنے لگا۔ واقعی ترکیب ابھی ابھی سوجھی تھی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد میں نے کہا۔

"شہریار! احتشام کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے اس سے ان کے حواس کچھ درست ہوئے ہیں۔ یوں کرتے ہیں بھرپور خدمت کرکے ہم انہیں صحت کی جانب لے آتے ہیں اور ان سے دوستی کرتے ہیں۔ اس دوستی میں یہ بات شامل ہونی چاہئے کہ ہم ان کا اس طرح احترام کریں جس طرح انہیں اب بھی توقع ہے اور اس کے بعد ہم انہیں ایک ایسے آسیبی ماحول میں پھنسا دیں جس سے انہیں یہ احساس ہو کہ اس دن جھیل کنارے پیش آنے والا واقعہ بھی افشاں ہی سے متعلق تھا اور افشاں کسی ایسے آسیبی چکر میں پھنسی ہوئی ہے کہ مختلف واقعات ہوا کرتے ہیں۔ تھوڑے سے کام کرنے ہوں گے ہمیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ کام بن جائے گا۔ کیا خیال ہے۔"

شہریار کی آنکھوں کی چمک اور اس کے چہرے کا جوش اس بات کا احساس دلاتا تھا کہ اس نے میری تجویز کو بے حد پسند کیا ہے۔ بے اختیار مجھ سے لپٹ گیا اور بولا۔ "جیتے رہو..... خدا کی قسم! جیتے رہو۔ اس سے عمدہ ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ویری گڈ..... ویری گڈ..... ویری گڈ..... مان گئے استاد۔ اب اس سلسلے میں آگے کی

منصوبہ بندی بھی تمہارے ساتھ ہی کریں گے۔ تم بھی چھپے رستم نکلے۔ کامیابی..... سو فیصد کامیابی۔ ویسے ایک بات اور بتاؤں۔ احتشام کے ساتھی بھاگ گئے ہیں غالباً انہیں یہ احساس ہو گا کہ ان کی ناکامی کی سزا بڑی زبردست ہو گی۔"

"ارے..... وہ واپس نہیں آئے؟"

"رخ ہی نہیں کیا انہوں نے اس طرف۔"

"کوئی اور بات بھی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے..... لیکن انہوں نے اس طرف کا رخ نہیں کیا ابھی تک۔"

"احتشام پریشان ہیں.....؟"

"بہت زیادہ..... مگر سب نے تعاون کیا ہے۔ خود احتشام نے بھی نواب صاحب کے پوچھنے پر کوئی بات نہیں بتائی۔"

اسی وقت غیاث الدین ہمارے پاس آگئے تھے۔ اس لئے بقیہ میٹنگ ملتوی ہو گئی لیکن شہریار کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ میری تجویز پر مکمل طور پر اتفاق کرتا ہے۔ غیاث صاحب نے کچھ ذمہ داریاں میرے سپرد کیں اور میں ان کی تکمیل میں مصروف ہو گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ذہن میں یہ خیال بھی تھا کہ اس بارے میں کوئی مؤثر منصوبہ بندی کرلی جائے۔ البتہ اس رات ایک عجیب و غریب اور سنسنی خیز واقعہ پیش آگیا۔ حویلی کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ سب کچھ جوں کا توں چل رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر احتشام شامی کی حالت بہتر بتائی جا رہی تھی۔ ان کے ساتھی رات گئے تک واپس نہیں آئے تھے۔ خاصی رات کو کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ عام حالات میں بھی اپنی ذمہ داریوں کے تحت حویلی کا ایک چکر لگا کر جائزہ لیتا تھا۔ صدام کے کوارٹر سے گزرا۔ آج وہاں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ مدھم روشنی میں اندازہ ہو گیا تھا کہ صدام سو رہا ہے پھر میں گھوم کر کوارٹروں کے عقبی حصے سے نکلا ہی تھا کہ ایک سفید سایہ مجھے نظر آیا۔ میرے قدم ٹھٹک گئے۔ اول تو رات اتنی ہو گئی تھی کہ کسی کا اس طرح آزادانہ حویلی میں گھومنا ممکن نہیں تھا۔ پھر سائے کا انداز بڑا عجیب تھا فاصلہ چونکہ کافی تھا اس لئے میں نے تیزی سے اس جانب قدم بڑھائے تاکہ دیکھوں تو سہی کہ وہ کون ہے.....؟ البتہ میں نے اپنے قدموں کی چاپ نہیں ہونے دی تھی۔ سائے کی رفتار بھی مناسب تھی۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے مجھے صحیح طور سے اندازہ تو نہیں ہو سکا کہ وہ کون ہے؟ اور کیا ہو سکتا ہے.....؟ لیکن جب سفید سایہ حویلی کے بغیر دروازوں والے گیٹ سے اندر داخل ہوا تو میرے دل میں ایک شدید کرید پیدا ہو گئی ہے۔ گجراج

کے مسئلے میں جن سنگین حالات سے گزرا تھا ان کے تحت ایسے واقعات کا خوف تو ہمیشہ کے لئے میرے دل سے نکل گیا تھا۔ اس لئے کسی ایسے پُراسرار سائے سے خوف تو بالکل محسوس نہیں ہوا البتہ تجسس اور سنسنی پورے وجود میں پھیل گئی تھی۔ سایہ حویلی کے اندر غائب ہو گیا تھا۔ میں نے رفتار تیز کر دی اور حویلی کا باہر سے جائزہ لیا تھا لیکن اندر کبھی نہیں گیا تھا۔ میں نے اندر قدم رکھے حویلی میں ایک سرد سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ اپنے قدموں تک کی آواز نہ پیدا ہونے دوں۔ اب یہ اندازہ تو نہیں تھا کہ وہ سایہ کوئی آسیب ہے یا پھر کوئی جیتا جاگتا انسان۔ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں چند لمحے پتھر کی سِل سے چپکا آہٹیں سنتا رہا۔ رات کی اس پُراسرار تاریکی میں یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ اور لباس کی سرسراہٹ زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ ویسے بھی میری آنکھوں نے کسی کو اندر داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ کوئی نہ کوئی تو ضرور ہو گا۔ پھر میں نے مزید آگے قدم بڑھائے۔ حویلی کا پُراسرار سناٹا' مدھم تاریکی' ٹھنڈی زمین' سنسان دیواریں۔ میرے سامنے ایک چوڑی راہداری آئی جس کے بائیں سمت بڑے بڑے ستون بنے ہوئے تھے۔ حویلی میں ایک عجیب سی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بس اتنی روشنی کہ تاریکی میں انسان آگے کی کیفیت کو محسوس کر لے۔ یہ روشنی قدرتی ہی کہی جا سکتی ہے کیونکہ اس کی وجہ کوئی نہیں تھی لیکن پھر یہ روشنی غیر قدرتی ہو گئی۔ ایک شمع روشن کر لی گئی تھی اور اس وقت میں نے اس پُراسرار وجود کو دیکھا تھا۔ یہ وہی بزرگ خاتون تھیں۔ میرے دل میں شدید سنسنی بیدار ہو گئی تھی۔ یہ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ تلاش کر رہی ہوں۔ آنکھ مچولی دیر تک جاری رہی۔ پھر مجھے احساس ہوا جیسے وہ واپسی کے لئے تیار ہوں چنانچہ میں نے بھی پھرتی سے باہر کی طرف قدم اٹھا دیئے۔ اسی وقت ان کی آواز ابھری۔ ''ٹھہرو۔''

میرے پاؤں ٹھٹک گئے اور میں ایک لمحے کے لئے ساکت سا ہو گیا۔ بزرگ عورت کے قدموں کی آواز سن رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا' تب وہ میرے قریب آگئی اور پھر اس کا لرزتا ہوا ہاتھ میرے شانے پر آٹکا' میرے جسم میں ایک ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی تب اس کی آواز ابھری۔

''میں تمہیں جانتی ہوں۔'' میں نے پلٹ کر اسے دیکھا اس کے چہرے کا وقار' اس کی آنکھوں کی گہرائیاں مجھے بہت متاثر کر رہی تھیں حالانکہ خاصی عمر رسیدہ خاتون تھیں' لیکن پھر بھی ایک گریس تھا' ایک چھب تھی اور اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ اس کی آواز پھر ابھری۔

''میرا پیچھا کیوں کر رہے تھے؟'' میرے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھلے لیکن آواز نہیں نکل سکی' رفتہ رفتہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس مسکراہٹ میں بھی ایک خوبصورت انداز تھا۔

''اگر میں تم سے کہوں کہ میرے دل میں یہ تصور بار بار آیا تھا کہ شاید تم آجاؤ' تو یقیناً تمہیں حیرت ہو گی' لیکن اس کے ساتھ ہی ایک بات میں تم سے اور کہنا چاہتی ہوں' وہ یہ ہے کہ میں جھوٹ نہیں بولتی' دل چاہے میرے ان الفاظ پر یقین کرو' نہ دل چاہے تو نہ کرو' مجھے تم سے شکایت نہیں ہو گی' آؤ میں جانتی ہوں کہ تم صرف میری کھوج میں یہاں تک آئے ہو' مجھے تھوڑا سا وقت دو۔ اگر کوئی الجھن تمہارے ذہن میں ہے تو مجھ سے گفتگو کے بعد ختم ہو جائے گی۔''

میں نے اس دوران اپنے آپ کو سنبھال لیا اور آہستہ سے کہا۔ ''محترم خاتون' آپ کا تعاقب میں واقعی' صرف اپنے فطری تجسس کے تحت کر رہا تھا' نہ آپ کے لئے میرے دل میں کوئی کھوٹ ہے اور نہ ہی میں آپ کے احترام کو اپنے ذہن سے دور کر سکتا ہوں میری اس کوشش سے اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو کیا میں آپ سے معافی مانگ سکتا ہوں اور کیا آپ مجھے معاف کر سکتی ہیں۔''

''آؤ..... براہِ کرم آؤ۔'' خاتون نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئی جیسے اسے یقین ہو کہ میں اس کے پیچھے پیچھے آؤں گا اور بہرحال میں کسی پُراسرار کیفیت کے تحت نہیں بلکہ مکمل ہوش و حواس کے عالم میں اور حقیقتوں کو جاننے کی خواہش کا شکار ہو کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے پرانی حویلی کے ایک اندرونی کمرے میں لے آئی' کمرہ مکمل طور سے مضبوط اور کشادہ تھا' تھوڑا بہت فرنیچر بھی پڑا ہوا تھا یہاں' ایک شمع دان رکھا ہوا تھا جس میں شمع روشن تھی اور پیلی پیلی مدھم روشنی کمرے کے ماحول کو اجاگر کر رہی تھی۔ ماحول کی پُراسراریت اپنی جگہ' لیکن وہاں خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ خاتون نے مجھے ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھو' میں تم سے اپنا تعارف کرادوں' میرا نام حرا ہے اور سب لوگ مجھے حرا خانم کہتے ہیں' بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں' جو میرے اور تمہارے درمیان ہو سکتی ہیں' میں نئی حویلی میں رہتی ہوں لیکن کبھی کبھی یہاں بھی آجاتی ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر وقت گزاروں۔ اصل میں جتنا پرانا رشتہ میرا اس حویلی سے ہے کسی اور کا نہیں' اس سے یہ مت سمجھ بیٹھنا کہ میں حویلی میں رہنے والی کوئی بھٹکتی روح ہوں' نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں اور اس حویلی میں کوئی ایسا آسیبی

عمل نہیں ہے جو کسی کے لئے نقصان دہ ہو۔"

میں نے نگاہیں اٹھا کر اس صاف ستھری گفتگو کرنے والی صاف ستھری بزرگ خاتون کو دیکھا اور گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں محترم خاتون آپ کی شخصیت ایسی کسی کیفیت کی حامل نہیں ہے۔"

"بیٹے تمہارا نام شازل ہے نا....."

"جی۔"

"اصل میں کچھ عجیب سا تصور ہے انسان کا ایک گھر ہوتا ہے جس کی تشکیل میں ایک یا دو افراد حصہ لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے ساتھ بہت سے لوگوں کی مدد شامل ہوتی ہے۔ کچھ ملازم' کچھ ایسے جو ان کے مقصد سے دلچسپی رکھتے ہیں یعنی ان کے قریبی عزیز ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنا کام سرانجام دے کر اپنے بچوں کے لئے ایک حسین ماحول دے کر گھر کے گوشے گوشے کو زندگی سے سجا دیتے ہیں اور ان کی نسلیں جوان ہو جاتی ہیں۔ یہ جوان نسلیں اگر بُری ہوں تو ان لوگوں کو بالکل نظرانداز کر دیتی ہیں۔ اچھی ہوں تو ان کا احترام کرتی ہیں۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھتی ہیں اور صرف یہ سوچتی ہیں کہ وہ ثواب کما رہے ہیں یا اپنی زندگی کا فرض ادا کر رہے ہیں یا ان احسانات کا قرض ادا کر رہے جو ان کے والدین نے ان پر کئے۔ بے شک یہ ایک اچھا جذبہ ہوتا ہے لیکن بیٹے جب انسان جوان ہوتا ہے تو زندگی کا ہر پہلو اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے اس کے قدموں تلے ہوتا ہے' اس کی مصروفیات کا ایک عمل ہوتا ہے اور جب وہ اپنی ضروریات سے فراغت حاصل کر کے اپنے بدن کی تھکن سے نڈھال ہو کر گوشہ نشین ہو جاتا ہے تو یہ جوان نسلیں صرف اس کا احترام کرتی ہیں اس کے ساتھ شامل نہیں ہوتیں' اسے نظر انداز کر دیتی ہیں۔ اسے صرف ایک محترم اور مقدس کتاب سمجھ کر طاق پر رکھ دیتی ہیں' جسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر کے رکھ دیا جاتا ہے' یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہی عمر تو ان کی توجہ کی عمر ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان پر توجہ دی جاتی رہی ہے' میں نے اتنی طویل گفتگو اس لئے کی ہے کہ میں جانتی ہوں کہ تمہارا نام شازل ہے غیاث نے تمہیں گھر کے امور کے لئے مخصوص کیا ہے' تم اپنے فرائض انجام دے رہے ہو' تم بہت اچھے انسان ہو' تمہاری دوستی شہریار سے ہے اور میں بتاؤں' تمہارے بارے میں یہ چند باتیں شہریار ہی نے مجھے بتائی ہیں' جبکہ یہ اس کے بتانے کی باتیں نہیں تھیں بلکہ گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے ایک پرانے منتظم کی حیثیت سے یہ فرض نواب منصور کا بنتا تھا کہ وہ تمہیں میرے پاس لاتے' مجھ سے روشناس کراتے' شاید میں نے ابھی تک تمہیں یہ نہیں بتایا کہ

میں نواب منصور کی ماں ہو' حرا خانم ہے میرا نام' سمجھے۔ تعارف کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا' آتا تو نہیں رہے ہو۔"

"نہیں۔" میں نے گردن ہلا کر کہا' خاتون حرا خانم کچھ دیر خاموش رہ کر جیسے سوچتی رہیں پھر آہستہ سے بولیں۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ جو باتیں میں تم سے کرنا چاہتی ہوں وہ اس قدر ذاتی ہیں کہ شاید کوئی بھی' کسی اجنبی سے ایسی باتیں نہ کر سکے' لیکن اس کی وجہ ایک خواب ہے' بات اصل میں یہ ہے کہ بہت پرانی بات ہے' اتنی پرانی کہ شاید میں اس وقت کا تعین بھی نہیں کر سکتی میرے والد نے مجھے ایک بزرگ شخصیت سے ملایا تھا انہوں نے محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا کہ میں چند الفاظ کا ایک وظیفہ یاد کر لوں اور جب بھی کسی مشکل میں گرفتار ہو جاؤں' یہ وظیفہ تین راتیں پڑھ لوں' عام طور سے اسے نہ پڑھوں' بلکہ کسی مشکل اور الجھن کا حل تلاش کرنے کے لئے میں یہ وظیفہ ضرورت کے وقت پڑھوں اس سے مجھے اپنی مشکل کا حل مل جائے گا' میری رہنمائی ہو گی۔ شازل پچھلے کچھ دنوں سے میں پریشان ہوں اور اچانک ہی مجھے یہ وظیفہ یاد آیا تو میں نے تین راتیں یہ وظیفہ پڑھا۔ وظیفہ پڑھنے کے بعد میری راہنمائی تمہاری شکل میں ہوئی اور اس خواب کے ذریعے مجھے بتایا گیا کہ میری مشکل کا حل کیا ہے' شازل جب میں تین راتیں یہ وظیفہ مکمل کر چکی تو خواب میں مجھے تمہاری صورت نظر آئی اور یہ تصور میں ذہن میں گزارا کہ تم میری مشکلات کا حل دریافت کر سکتے ہو' انسان کسی کے بارے میں سوچتا ہے کبھی کبھی اس کی سوچیں خواب بن جاتی ہیں' میں نے اپنی اس مشکل کے حل کے طور پر تمہارے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ بس دو چار بار تمہیں دیکھا تھا۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ راہنمائی ہے' اتفاق نہیں۔ اس وقت سے میں یہ سوچ رہی تھی کہ موقع ملا تو تم سے ملاقات کروں گی۔ اگر مناسب سمجھو اور مجھ پر اعتبار کرو تو بتاؤ تم میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟"

نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ تصور پیدا ہوا کہ میں سچ بولوں' حالانکہ میرا یہ سچ بڑا سنگین تھا' لیکن بات وہی آجاتی ہے' ایک حقیقت تھی جو میرے علم میں آچکی تھی یعنی یہ کہ وہ معصوم سی لڑکی افشاں' صدام سے محبت کرتی ہے اور صدام ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہے اور بے اعتنائی کا شکار ہے' صدام کا سر حرا خانم کی آغوش میں دیکھ کر مجھے یہ احساس بھی ہوا تھا کہ حرا خانم صدام سے محبت کرتی ہیں اور اب جب مجھے یہ رشتے معلوم ہوئے تو ایک احساس بھی دل میں جاگا کہ نواب منصور کے ساتھ ساتھ نواب ریحان بھی تو

حرا خانم کی اولاد تھا' ماں کے لئے یہ تفریق مشکل ہو جاتی ہے کہ کس بیٹے کو زیادہ چاہے' کسے کم چاہے' برا یا اچھا تو ہوتا ہی ہے' ماں تو برائیوں کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتی' ریحان کی نشانی ہے ریحان جو اس دنیا سے جا چکا ہے یہ تمام باتیں ایک بنیادی حیثیت رکھتی تھیں اور بات وہی ہے کہ اگر دل میں سچائیاں ہوں تو دل کی بات جھوٹی نہیں ہوتی اس میں سچ ہوتا ہے اور اس سچ کو تسلیم کرنا ہی چاہئے۔ میں نے کہا۔

"محترم خاتون' میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس وقت آپ کے نمک خواروں میں شامل ہوں' حویلی کی تھوڑی سی ذمہ داریاں مجھے سونپی گئی ہیں ان کے تحت حالات پر نگاہ بھی رکھتا ہوں' میں نے ایک رات محترمہ افشاں کو جو ایک معصوم اور پاکیزہ سی خاتون ہیں' ملازموں کے ایک کوارٹر میں جاتے ہوئے دیکھا' یہ کوارٹر صدام کا ہے' بات ذرا کچھ تجسس والی تھی اس لئے میں وہاں پہنچ گیا' تب مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ محترمہ افشاں اور صدام ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مایوسیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں نے آنے والے مہمان احتشام شامی کو بھی دیکھا جو معاف کیجئے گا میرے خیال میں انتہائی بے ہودہ شخصیت کے مالک ہیں۔ لیکن نواب منصور کے رویے میں ان کے لئے شدید لچک ہے اور یہ بات شہریار صاحب کے ذریعے ہی میرے علم میں آئی ہے کہ نواب منصور افشاں کا ہاتھ احتشام کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں' میں خدائی فوجدار نہیں' بلکہ نہ ہی مجھے مالکوں کے اس معاملے میں مداخلت کرنی چاہئے' لیکن ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ میں انسان بھی ہوں' ان حالات کو جان کر تھوڑا سا دکھ ہوا مجھے' پھر معاف کیجئے گا میں نے دوبارہ صدام کے کوارٹر میں آپ کو دیکھا اس وقت آپ کی ممتا اور شفقت صدام کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھی۔ وہاں سے آپ میری نگاہوں میں آئیں چونکہ میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اس لئے میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی کہ ذرا دیکھوں تو سہی کہ یہ صدام کی ہمدرد بزرگ خاتون کون ہیں؟ اس طرح خاتون میں آپ کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آگیا' بس اس سے زیادہ نہ میں کچھ جانتا ہوں اور نہ ہی میں نے آپ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کی ہے۔" میں نے یہ تفصیلات بتا کر حرا خانم کا چہرہ دیکھا' وہ شدتِ حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا' دیر تک وہ خاموشی سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھتی رہیں پھر بڑے پریشان لہجے میں بولیں۔

"خداوندِ عالم رحم کر ہم پر..... خداوند عالم ہم رحم کر' تم تو بہت آگے نکل گئے شازل..... تم تو بہت آگے نکل گئے۔ بیٹے اگر عزت دار والدین کی اولاد ہو تو ہماری عزت کا بھی خیال کرنا۔ خدارا کبھی کسی کے سامنے زبان نہ کھولنا اس بارے میں' تمہیں

خدا کا واسطہ....."

"معزز خاتون براہِ کرم مجھے ایک نیچ اور ذلیل انسان تصور نہ کریں تو میں آپ کا شکرگزار ہوں گا' شہریار مجھ سے بہت قریب ہے' یہ بات معلوم ہونے کے بعد میں نے اسے پوچھا تک نہیں' حالانکہ میرے اور اس کے درمیان جو رابطہ ہے اس میں سے کوئی سوال کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی۔"

"نہیں خدا کی قسم' تمہیں بالکل برا بھلا نہیں کہنا چاہتی' خوفزدہ ہو گئی ہوں' کچھ کہہ نہیں سکتی' بس سمجھ لو بے بس ہوں' ریحان میرا بیٹا تھا' بس ماں ہوں اس لئے اپنی زبان سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی' جو ہونا تھا وہ ہو گیا منصور یہ نہیں سوچتا کہ کوئی کچھ بھی ہو' ماں کے لئے تو بیٹا ہی ہوتا ہے' صدام بہت اچھا بچہ ہے بے شک ریحان کے ہاتھوں منصور کو بہت تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں' ورنہ منصور بہت ہونہار لڑکا تھا اب سب کچھ برباد ہو گیا ہے لیکن قصور صدام کا تو نہیں ہے' یہ دونوں بچے شروع ہی سے ایک دوسرے سے متاثر تھے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی محبت پروان چڑھتی چلی گئی' مگر منصور' ریحان کا انتقام صدام سے لینے پر آمادہ ہے' برا کیا ہے اس نے' صدام اس قدر بے غیرت نہیں ہے کہ ان حالات کے باوجود یہاں پڑا رہتا' بس اپنی آگ میں جھلس رہا ہے' بیٹے بڑی دردناک کہانی ہے اس کی' لمحہ لمحہ قتل ہوتا ہے وہ اور اب احتشام کے آنے کے بعد اس کی جو کیفیت ہے' میں تمہیں بتا نہیں سکتی' میں کیا کروں اپنے بچے کے لئے' صدام ریحان کی نشانی ہی نہیں' میرے دل کا ٹکڑا بھی ہے' منصور کا دل تو سیاہ ہو گیا ہے جوشِ انتقام میں' یہ نہیں سوچتا کہ صدام کا کوئی قصور نہیں ہے' خیر بات اس کی ہو رہی تھی کہ تمہیں ساری باتیں معلوم ہو گئیں' بیٹے ایک بات ابھی تمہارے علم میں نہیں آئی' اب جب میں نے تمہیں سب کچھ ہی بتا دیا ہے اور میں نے تم سے یہ بھی کہا ہے کہ خواب میں مجھے تمہاری صورت دکھائی گئی ہے۔ یقیناً تم میری بات کو جھوٹ نہیں سمجھ رہے ہو گے' تو بیٹے وہ آخری بات بھی میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں جو شاید کسی کو بھی معلوم نہیں ہے' ایک ایسا راز ہے جو میں نے ابھی تک منصور کو بھی نہیں بتایا ہے اور یہ سوچا تھا کہ جب اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گی یا ہونے لگوں گی تو منصور کو وہ تفصیل بتا جاؤں گی لیکن وقت کہتا ہے کہ میں تمہیں اپنا ہمراز بنالوں۔ ایک بہت ہی انوکھا راز ہے یہ لیکن اس وقت مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا' تم سے بڑا راز دار اور کوئی نہیں ہے چنانچہ میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتی' بیٹے مجھے میری والدہ نے بتایا تھا جیسا کہ میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ یہ ایک قدیم حویلی ہے۔ میری والدہ اور والد اسی پرانی حویلی میں رہا کرتے تھے

اس وقت یہ نئی حویلی موجود نہیں تھی۔ والدہ نے مجھے بتایا تھا کہ یہ پرانی حویلی ان کے سسر نے خریدی تھی اور اس وقت یہ حویلی سرکاری تحویل میں تھی' یہ حویلی ایک ہندو کی تھی اور یہ ہندو بے پناہ دولت مند تھا اتنا دولت مند کہ اگر چاہتا تو آدھا شہر خرید سکتا تھا۔ اس کا نام تیجومل تھا اور اس کی کہانیاں اب بھی پرانے لوگ سنا سکتے ہیں اس کی دولت کی کہانیاں عام تھیں اور وہ اپنی دولت چھپائے چھپائے پھرتا تھا۔ بہرحال تیجومل مرگیا اس کی اولادوں نے اس کی بے پناہ دولت تقسیم کرلی اور اِدھر اُدھر منتقل ہو گئیں' وہ دولت بھی اتنی تھی کہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا لیکن جاننے والوں کا خیال تھا کہ اس کی دولت جگہ جگہ پوشیدہ ہے۔ بہرحال پھر یہ حویلی ہمارے بزرگوں نے خرید لی اور اس کے بعد سے اب تک ہمارے ہی پاس ہے۔ یہ نئی حویلی بنوا لی گئی' یہ بھی بہت قدیم ہے لیکن پرانی حویلی جوں کی توں ہے تو یہ بات ایک دستاویز کی شکل میں کچھ لوگوں تک پہنچی اور ان کے بعد مجھ تک کہ اس پرانی حویلی کے کسی گوشے میں تیجومل کا عظیم الشان خزانہ موجود ہے' بیٹے نواب منصور مشکلات کا شکار ہو چکے ہیں' ویسے تو یہ تفصیل میں مرتے وقت ہی انہیں بتاتی لیکن اب جو معاملہ آگیا ہے وہ مختلف ہے اور ساری باتیں تمہارے علم میں ہیں اور وہ جو بندر کا بچہ افشاں کا حقدار بن کر یہاں آگیا ہے اور فضول باتوں سے اس نے ہم سب کا دل زخمی کر دیا ہے وہ اسی بناء پر اکڑ رہا ہے کہ مرحوم ریحان اس کے باپ سے بہت بڑا سرمایہ لے چکے تھے اور سب کچھ اس کے ہاتھ گروی رکھ دیا تھا۔ اب مشکل یہ ہے بیٹے کہ اگر نواب منصور افشاں کی شادی سے منحرف ہوتے ہیں تو انہیں یہ سب کچھ چھوڑنا پڑے گا' وہ اس پر بھی تیار تھے لیکن بات پُرکھوں کی آجاتی ہے کہ پُرکھوں کی روحوں کی تذلیل نہیں کرنا چاہتے ہم' گزارہ تو اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں کرا ہی دیتا ہے' بیٹے پہلے تو سچی بات یہ ہے کہ مجھے صرف دو روٹی اور تن ڈھکنے کے کپڑوں سے دلچسپی تھی' لیکن اب دل میں یہ آرزو لئے راتوں کو حویلی میں آوارہ روح کی مانند چکراتی رہتی ہوں کہ شاید میری تقدیر کے ستارے میرا ساتھ دے جائیں' مجھے کہیں سے اس خزانے کا نشان مل جائے' بیٹے پتہ نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں میرے لئے کس طرح فرشتہ بناتا ہے' مگر خواب میں تمہارا دیکھنا' اگر صرف ذہنی خلل سمجھ لیتی تو اس وقت تمہارا یہاں آنا کیا معنی رکھتا ہے اور حالات سے اس قدر واقفیت کیا حیثیت رکھتی ہے' ذرا تم بھی اس بارے میں سوچنا' لیکن بس ایک ہی درخواست کرتی ہوں ہاتھ جوڑ کر کہ بیٹے آبرو رکھنے والوں کی آبرو اللہ رکھتا ہے' بس اس کا خیال رکھنا۔" حرا خانم نے میرے سامنے ہاتھ جوڑے تو میں بے اختیار ہو گیا۔ میں نے کہا۔

"میں اپنے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا' بس ایک درخواست کرتا ہوں کہ ہو سکے تو مجھ پر اعتبار کر لیجئے' یہ نہ کیجئے جو آپ کر رہی ہیں۔ میں بھی بہرحال انسان ہی ہوں۔"

ہم لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد میں اور حرا خانم پرانی حویلی سے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلے تھے لیکن یہ رات بھی میرے لئے بے خوابی کی رات تھی۔ اس رات جو ذمے داری میرے شانوں پر آپڑی تھی میں سوچ رہا تھا کہ اسے کیسے سرانجام دے سکوں گا۔ حرا خانم کا انکشاف بڑا دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔ بہت سی باتیں سوچیں اس دوران' دل چاہا کہ شہریار کو بھی اس سلسلے میں شریک کرلوں' لیکن یہ مناسب نہیں تھا۔ اگر حرا خانم' شہریار پر اس قدر اعتبار کرتیں تو یقینی طور پر اس سے پہلے ہی اسے اس معاملے میں شریک کر چکی ہوتیں۔ کسی کا راز' راز رکھنے کا وعدہ کیا تھا تو وعدے کی تکمیل بھی ضروری تھی۔ ویسے بھی یہ بڑی سنسنی خیز بات تھی اور میں یہ سوچ رہا کہ کاش میں اس گھرانے کو خوشیاں دینے میں کامیاب ہو جاؤں۔

دوسری صبح معمول کے مطابق تھی' کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور میں اپنے کاموں میں مصروف رہا' شہریار سے ملاقات ہوئی' بڑا موڈ بگڑا ہوا تھا' میں نے مسکرا کر وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔

"یار لگتا ہے میرا یہاں گزارہ مشکل ہو جائے گا۔ تم یقین کرو تم سے کوئی ذاتی بات کہتے ہوئے دل کو کوئی تردّد نہیں ہوتا' کچھ ایسی ہی شخصیت بن گئے ہو تم ہم لوگوں کے لئے' میں افشاں کو دیکھتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مستقل حسرت ویاس کی تصویر بن گئی ہے۔ ظلم ہو رہا ہے اس بچی کے ساتھ' اور ادھر وہ کمینہ ایسی باتیں کرتا ہے کہ بس کیا بتاؤں' صبح کو ناشتے کی میز پر ہدایات دے رہا تھا کہ گھر کے لوگوں کو بہت سی باتوں کا سلیقہ نہیں ہے' ملازموں کو تبدیل کرنا پڑے گا' اس گھر کا سارا نظام بدلنا پڑے گا' جانتے ہو وہ بدبخت کیا کہہ رہا تھا' کہ نواب منصور میں اور اپنے درمیان کسی طرح کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے اس حویلی میں رہنا ہے' اس لئے میں چاہتا ہوں کہ حویلی کے نقش ونگار بھی بدل دوں۔ اب یہاں سے جاؤں گا تو یہاں کا ڈھانچہ ہی تبدیل کر کے جاؤں گا۔ پرانی حویلی کی اب کوئی گنجائش نہیں ہے' اس کو منہدم کرا کے وہاں ایک سوئمنگ پول بنانا ہے۔ اصل میں پرانی حویلی سے ہم لوگوں کا جو جذباتی رشتہ وابستہ ہے وہ بڑی عجیب و غریب حیثیت رکھتا ہے۔ پھوپھا جان اس پر ایک دم برافروختہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ میاں حقیقتوں کو جاننا سیکھو۔ کسی کے جذبات کا خیال رکھنا بھی بے

حد ضروری ہوتا ہے۔ تو جانتے ہو اس نے بدتمیزی سے کیا کہا' کہنے لگا نواب منصور صاحب! انسان کو یہ تمام باتیں پہلے سوچ لینی چاہئیں' یہ حویلی تو ویسے بھی ہماری ہی ملکیت ہے۔ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ ایک مہمان کی حیثیت سے یہاں رہ رہے ہیں' نواب منصور ناشتہ بھی نہیں کر سکے اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے' سارے گھر پر ایک تکدر سا چھا گیا ہے' میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں اسے گولی مار دوں..... اور یہ جانتے ہو کہ وہ بے غیرت پھر واپس آ گئے۔"

"کون.....؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کے ساتھی' کہیں باہر جا کر مذاکرات ہوئے ہوں گے' معذرتیں وغیرہ کی گئی ہوں گی' وہ مہمان خانے میں واپس پہنچ گئے ہیں اور ہر جگہ اس طرح جائزہ لیتے پھر رہے ہیں جیسے حویلی کا چارج لینے والے ہوں۔ وہ دیکھو' وہ سامنے..... وہ نشانات لگائے جا رہے ہیں۔" شہریار نے اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ احتشام کا ایک آدمی ایک فیتہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے کھڑا ہے اور دوسرا کچھ نشانات لگا رہا ہے' شہریار کہنے لگا۔

"وہ پارک ختم کر کے وہاں پختہ جگہ بنانا چاہتے ہیں' نہ جانے یہ بدبخت کیسے یہاں سے جائے گا' اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

ظاہر ہے شہریار کے دل کو لگی تھی' میں اس بارے میں اپنا خیال کیسے بتاتا' خاموشی سے شہریار کی سنتا رہا۔ بہرحال بات ٹل گئی' پورا دن گزر گیا رات کو خاصا وقت گزارنے کے بعد جب حویلی کے مکیں آرام کی نیند سو گئے تو میں خاموشی کے ساتھ پرانی حویلی میں داخل ہو گیا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں حرا خانم معمول کے مطابق یہاں نہ آ جائیں' لیکن بظاہر ان کا کوئی نشان نہیں ملا تھا' چنانچہ میں ٹارچ وغیرہ کا انتظام کر کے پرانی حویلی میں داخل ہو گیا۔ تیز روشنی والی ٹارچ میرے پاس تھی' حویلی میں قدم رکھ کر میں نے سب سے پہلے بسم اللہ پڑھی اور اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے گرد روشنی کا ایک ہالہ سا پھیل گیا ہو' ایک لمحے کے اندر دل پر کپکپی سی طاری ہو گئی مجھے اپنے جسم کے گرد ایک شدید ٹھنڈک کا احساس ہوا اور مجھے بہت کچھ یاد آ گیا۔ میں اپنے آپ کو قصوروار نہیں سمجھتا۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ قدرت کی طرف سے جب کسی کام کا آغاز ہوتا ہے تو انسان کو اس کام کے آغاز کا ذریعہ بنایا جاتا ہے' ورنہ بہت سی باتیں اس کے ذہن سے چھین لی جاتی ہیں' اس دائرے میں آنے کے بعد مجھے احساس ہوا اور یاد آیا کہ مجھے بسم اللہ کا ورد بخشا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ بسم اللہ کے ساتھ جس کام کا آغاز کروں گا اس کی تکمیل ہو گی اور اس کا فوری طور پر اندازہ بھی ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ روشنی کا وہ

دائرہ جو میرے گرد مرکوز ہو گیا تھا' آہستہ آہستہ مجھ سے جدا ہوا اور زمین پر آگے بڑھنے لگا' لیکن پھر دفعتاً ہی مجھے احساس ہوا کہ دائرہ ایک مخصوص سمت بڑھ رہا ہے۔

آہ' کیا میری رہنمائی ہو رہی ہے' معبود کریم میں تیری عظمتوں کا دل سے قائل ہوں اور جانتا ہوں کہ انسان کے لئے جو سخت مشکل ہے تیرے لئے اتنا ہی آسان' کیونکہ تو ہی ہر شے کا خالق' ہر خیال' ہر نفس' ہر سانس کا خالق ہے' بھلا تو جو کرنا چاہے اس کی راہ میں رکاوٹیں کیسی۔ ہاں' انسان کو ذریعہ بنا کر تو سرخروئی بخشتا ہے اور یہی تیری عظمت ہے۔ یہ دائرہ میرا رہنما دائرہ تھا جو کئی راہداریوں اور غلام گردشوں سے گزرتا ہوا ایک کمرے کے دروازے پر مرکوز ہوا' جس پر بڑا سا تالا پڑا ہوا تھا۔ زنگ خوردہ تالا جو دائرے کی زد میں آیا تو اس نے منہ کھول دیا۔ بھلا میں کیا اور میری بساط کیا۔ مجھے تو لے جایا جا رہا تھا۔ تالے کو کنڈے سے نکال کر میں نے زنجیر کھولی اور دروازہ تیز چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ اندر کمرے میں سیلن کی شدید بدبو پھیلی ہوئی تھی' لیکن یہ سب کچھ میرے لئے ہیچ تھا' میں تو اس دائرے کی رہنمائی میں اس دیوار کے قریب پہنچا تھا جہاں لوہے کا ایک کنڈا لگا تھا۔ یہ کنڈا بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی چیز کو باندھنے کے لئے بنایا گیا ہو لیکن میں روشن دائرے کی نمائندگی میں اس کنڈے تک پہنچا اور میں نے اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ زنگ' نمی اور مٹی کی وجہ سے وہ اپنی جگہ جما ہوا تھا لیکن جب میں نے اسے اوپر نیچے کرنے کے لئے قوت صرف کی تو اس پر سے مٹی اور زنگ جھڑ گئی اور مضبوط کنڈا اوپر نیچے ہونے لگا۔ میں نے اسے زور سے پکڑ کر کھینچا تو ایک دروازہ نما سل اپنی جگہ چھوڑنے لگی اور میں وحشت زدہ سا ہو گیا۔ جیسے ہی میں نے ٹارچ روشن کر کے سل کے عقب سے نمودار ہونے والی تاریک خلاء میں روشنی ڈالی تو مجھے ایک سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ ایسی زبردست پھنکار تھی کہ میرے پورے بدن میں دہشت کی لہر دوڑ گئی' تب میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس کوڑیالے سانپ کو دیکھا جو کوئی ڈیڑھ بالشت چوڑا پھن کاڑھ کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔ اس کی ننھی ننھی آتشیں آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور دو شاخہ زبان بار بار باہر نکل رہی تھی لیکن میرا خوف و دہشت صرف ایک لمحے رہا۔ بسم اللہ کی برکت کا نشہ مجھ پر طاری تھا جو کامیابی لمحوں میں حاصل ہوئی تھی اس نے میرا دل بے پناہ بڑھا دیا تھا اور میں کیف و سرور میں ڈوبا ہوا تھا۔ چنانچہ سانپ کو خاطر میں نہ لا کر میں نے پھر بسم اللہ کہا اور اس خوفناک تہہ خانے میں قدم رکھ دیا۔ ٹارچ میرے ہاتھ میں روشن تھی۔ میں نے دیکھا کہ سانپ کئی قدم پیچھے ہٹا۔ میں روشنی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا اور سانپ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ پیروں کے نیچے گرد کی اتنی موٹی تہہ تھی کہ میرے پاؤں اس گرد

میں ٹخنوں ٹخنوں تک ڈوب گئے تھے۔ سانپ پھن سمیٹ کر بھاگا اور کسی جگہ روپوش ہو گیا۔ میں نے تیز ٹارچ کی روشنی میں دور دور تک نگاہیں ڈالیں' پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا' سانپ کا اب کہیں پتہ نہیں تھا' پھر اس تہہ خانے کا جائزہ لینے کے لئے میں نے ٹارچ کی روشنی چھت کی جانب کی تو اچانک ہی خوفناک پھڑپھڑاہٹوں کے ساتھ بے شمار چمگادڑیں اِدھر سے اُدھر اڑنے لگیں۔ کچھ نے مجھ پر جھپٹے مارے تھے' میں جلدی سے نیچے بیٹھ گیا اور چمگادڑ میرے سر پر سے پرواز کرنے لگیں لیکن نیچے بیٹھ کر ٹارچ کی روشنی میں نے اوپر ہی کی سمت کر دی تھی۔ اس کی وجہ سے تاریکی کے حکمراں بے چین ہو گئے تھے' ویسے یقینی طور پر یہاں کوئی ایسی جگہ ضرور موجود تھی جس سے کم از کم ہوا ضرور آتی تھی اور یقینی طور پر یہ پرندے بھی یہیں پل بڑھ رہے ہوں گے' باہر بھی آتے جاتے ہوں گے۔ چنانچہ کچھ ہی لمحوں کے بعد میں نے پروں کی پھڑپھڑاہٹ میں کمی محسوس کی اور اس کے بعد وہ پرندے اس روشن دان سے نکل گئے جو دیوار کی آخری حد پر بنا ہوا تھا۔ جب ایک ایک کر کے سارے پرندے وہاں سے نکل گئے تو میں نے دل میں سوچا کہ یہاں ضرور روشنی کا کوئی نہ کوئی انتظام ہو گا۔ میری آنکھیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں اور پھر مجھے جو چیز نظر آئی وہ بھی قابلِ دید تھی۔ حویلی کی قدامت کا اندازہ تو حرا خانم کے الفاظ سے ہی ہو گیا تھا جو انہوں نے حویلی کی تعمیر کے بارے میں کہے تھے۔ ظاہر ہے جس دور میں یہ حویلی تعمیر کی گئی ہو گی اس دور میں روشنی کا کوئی معقول انتظام کہیں بھی نہیں ہو گا۔ بلکہ شمعدانوں کا تصور بھی یہاں موجود نہیں تھا۔ البتہ دیواروں میں چار مشعلیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے نیچے ان مشعلوں کو جلانے کا بندوبست بھی تھا لیکن مشعلوں پر بھی مٹی کی اتنی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی کہ ان کے جلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں میں نے یہ تجربہ بھی کرنے کا فیصلہ کیا اور آگے بڑھ کر ایک مشعل کو اس کی جگہ سے نکال لیا۔ مشعل خاص قسم کے سوراخ میں اڑسی ہوئی تھی' میں نے اس پر سے گرد کی تہہ جھاڑی تو قرب و جوار میں گرد کے بادل پھیل گئے' اور آخر کار مشعل کی اصل شکل نمودار ہو گئی۔ وہ غالباً کسی خاص قسم کی چربی میں ڈوبی ہوئی تھی یا پھر کسی ایسی چیز کی بنی ہوئی تھی جو جلنے میں بے مثال ہو' میں نے یہی کیا' جلانے والی چیز جو اس کے نیچے موجود تھی مشعل کو روشن کیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مشعل نے ایک لمحے میں آگ پکڑ لی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ قدیم میں جو کام بھی کیا جاتا تھا' وہ اصل مقصد کے تحت ہی کیا جاتا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا ہے' شاید صدیاں ہی گزر گئی ہوں جب یہ مشعل بنائی گئی ہو گی' لیکن ذرا سی کوشش سے جلنے کے بعد اس نے اس چوکور

کمرے میں جو روشنی کی وہ ناکافی تھی۔ میں نے ایک اور مشعل روشن کرنے کے لئے اس مشعل کا سہارا لیا اور پھر میری تھوڑی سی کاوشوں کے بعد دوسری مشعل روشن ہو گئی' ان دو مشعلوں نے اس جگہ اس قدر روشنی کر دی تھی کہ مزید روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس روشنی میں میں نے بڑے بڑے مٹی کے مٹکے رکھے ہوئے دیکھے اور میرا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ یہ مٹکے میرے قد سے بھی اونچے تھے اور ان پر ڈھکن ڈھکے ہوئے تھے۔ میرے دل میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہو رہا تھا' کیا میں اس وقت ان لوگوں کی مشکلوں کا حل بننے جا رہا ہوں؟ کیا واقعی قدرت نے مجھے ایک اور کامیابی عطا کی ہے؟ مٹکے پر چڑھنے کے لئے مجھے پتھر ہی کی ایک چوکی بھی نظر آئی' جو یقینی طور پر اسی مقصد کے لئے رکھی گئی ہو گی' اس چوکی پر کھڑے ہو کر اندر جھانکا جا سکتا تھا' ٹارچ میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور پھر پتھر کی وہ چوکی مٹکے کے قریب رکھ کر میں اس پر کھڑا ہو گیا' دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے مٹکے پر سے ڈھکن اٹھایا لیکن اندر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ مٹکے سے ڈھکن ہٹتے ہی مجھے یوں لگا جیسے اس میں سے آگ کے شعلے بلند ہو گئے ہوں' یہ شعلے چھت کو چھونے لگے تھے اور ان کا رنگ مختلف تھا۔ میرے دل میں نہ جانے کیا خیال گزرا' کچھ لمحے تو یہ تصور کرتا رہا کہ یہ آگ ہے لیکن' بعد میں رنگین آگ' میرے لئے ایک معمہ بن گئی' تب میں نے اس مٹکے کے اندر جھانکا اور یہ دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں کہ اس میں عظیم الشان جواہرات بھرے ہوئے تھے ایک قد آدم مٹکے میں جو جواہرات بھرے ہوئے تھے ان کی مالیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے' یہاں ایسے چار مٹکے رکھے ہوئے تھے اور درحقیقت یہ خزانہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس سے باقاعدہ ایک شہر ہی نہیں بلکہ ایک ملک تعمیر کیا جا سکے۔ میں اس شانِ کریمی کے قربان ہونے لگا۔ خوشی کا عالم دیکھنے کے قابل تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہاں دیکھنے والا کوئی موجود نہیں تھا اس مٹکے کو دوبارہ واپس بند کیا۔ پھر دوسرے مٹکے کو دیکھا سونے کے زیورات تھے' تیسرے مٹکے میں اشرفیاں منہ تک بھری ہوئی تھیں میں نے ان اشرفیوں کو چھونا مناسب نہیں سمجھا' جس کی امانت تھی اسی کے لئے تھی' مجھے تو بس یہ خوشی تھی کہ وہ کام کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کی فرمائش مجھ سے کی گئی تھی' جس کے لئے حرا خانم نے خواب دیکھا' چونکہ خود میرا تعلق ایسے واقعات سے رہ چکا تھا اس لئے میں نے حرا خانم کی بات پر شک کیا تھا' نہ کچھ اور سوچا تھا' یہ وہ کام ہوتے ہیں جن کی توجیہہ عقل نہیں تلاش کر سکتی' بہرحال اب اس خزانے کو محفوظ طریقے سے حرا خانم کے حوالے کر دینا تھا اور اس کے لئے بڑی احتیاط سے کام لینا تھا' میں واپسی کے لئے پلٹ پڑا' میں نے فیصلہ کیا کہ دن کی روشنی میں

ایک بار پھر اس تہہ خانے کا جائزہ لوں گا اور ممکن ہو سکا تو حرا خانم کے ساتھ آؤں گا۔ واپسی کا سفر بھی پُراحتیاط تھا' دروازے کو بند کیا اس کے باہر نکلا' پیروں کی مٹی کے نشانات بن رہے تھے انہیں صاف کیا' آخر کار اس دروازے سے بھی باہر نکل آیا' زنگ خوردہ تالے کو کنڈے میں ڈال کر دبایا تو وہ چپک گیا اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے بند ہو۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا پھر گہرے گھور اندھیرے میں خاموشی سے چلتا ہوا اپنی رہائش گاہ تک آیا' غسل خانے میں جا کر پاؤں اور ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد مسہری پر لیٹ گیا۔ مجھے ہنسی آرہی تھی' راتوں کی نیندیں بھی اس طرح خراب ہوئی تھیں کہ بس پلکیں جھکی ہی چلی جاتی تھیں' غرض یہ کہ رات کی سوچیں نہ جانے کیا کیا تھیں' ایک بار بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس خزانے کی کوئی ایک اشرفی بھی میری ملکیت ہے لیکن بڑا شاندار ڈرامہ ہو گیا تھا' بیچاری افشاں بچ گئی تھی اللہ نے اسے بچالیا تھا۔ میں دوسرے دن غیاث علی کے پاس پہنچا' چھوٹے موٹے کام کئے' میری پُراضطراب نگاہیں حرا خانم کی تلاش میں تھیں' کہیں وہ نظر آجائیں تو ان سے اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کر سکوں پھر شہریار' نواب منصور اور غیاث علی لینڈ کروزر میں بیٹھ کر کہیں جاتے ہوئے نظر آئے تو میں نے پُرمسرت انداز میں گردن ہلائی' یہ بندوبست بھی قدرتی طور پر ہی ہو گیا تھا' اس کے بعد میں نے حویلی کے ایک حصے میں نظر آنے والی ایک ملازمہ سے کہا۔

"سنو بی بی' حرا خانم سے ملنا چاہتا ہوں میں ان کے کچھ ضروری کاغذات میرے پاس ہیں' انہیں پہنچانا چاہتا ہوں' تم ذرا انہیں خبر کر دو کہ شازل ان کی خدمت میں حاضری چاہتا ہے۔"

حراخانم تک میری رسائی زیادہ مشکل نہیں ہوئی' بزرگ خاتون نے اپنی دور دراز رہائش گاہ میں مجھے طلب کر لیا۔ بہت وسیع کمرہ تھا' ایک مسہری پڑی ہوئی تھی' قالین بچھا ہوا تھا' جائے نماز تھی' بس یہ اس کمرے کی کُل کائنات تھی البتہ بڑی بڑی الماریاں دیواروں میں بنی ہوئی تھیں' جن میں ان کا دیگر سامان ہو گا' حرا خانم نے مشفق مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا اور بولیں۔

"کہو شازل میرے کون سے کاغذات ہیں تمہارے پاس' لاؤ مجھے دو' ویسے تم نے بہت اچھا کیا میرے پاس آگئے اور جب بھی تمہارا دل چاہا کرے آجایا کرو۔"

"شکریہ بزرگ محترم' میں آپ کے پاس ایک خوشخبری لے کر حاضر ہوا ہوں۔"

حراخانم کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی ایک لمحے کے لئے میں نے ان کے بدن میں کپکپاہٹ سی محسوس کی تھی' وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہیں تو میں

نے ان سے کہا۔

"دوپہر کو حویلی کے معاملات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ تمام لوگ کھانے کے بعد آرام کرنے کے لئے اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں' اس وقت نواب منصور صاحب' شہریار اور غیاث علی صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ زحمت کریں اور کھانے کے بعد پرانی حویلی پہنچ جائیں تو میں وہاں آپ کا انتظار کروں گا۔" حراخانم نے بے چینی سے مجھے دیکھا پھر بولیں۔ "کوئی خاص بات ہے؟"

"خاص بات ہی ہے' ورنہ میں آپ کو زحمت نہ دیتا۔"

"تمہارا آنا مجھے بہت اچھا لگا ہے' مگر مجھے اس خاص بات کے بارے میں بتاؤ۔ تمہارے الفاظ پر میں بڑی متجسس ہو گئی ہوں۔"

میں حرا خانم کو خزانے کے بارے میں بتانے سے گریز کرنا چاہ رہا تھا' بزرگ خاتون تھیں اور ایک خاص مقصد کے لئے جس کا تعلق سو فیصد مامتا اور محبت سے تھا' خزانے کا حصول چاہتی تھیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ خزانہ مل جانے کی خبر سن کر شادی مرگ میں مبتلا ہو جائیں یا کسی اعصابی دباؤ کا شکار ہو جائیں اور حویلی تک پہنچنے ہی نہ پائیں اس لئے میں چاہتا تھا کہ پرانی حویلی میں آنے کے بعد انہیں اس بارے میں بتاؤں لیکن غلطی سے خوشخبری کا تذکرہ کر بیٹھا تھا' بات برابر کرنے کی غرض سے میں نے کہا۔

"آپ جو خزانہ تلاش کر رہی تھیں' وہ مجھے مل گیا ہے..... لیکن افسوس وہ خزانے کے نام پر مذاق ہے۔"

میرے پہلے الفاظ نے حرا خانم کو پُرجوش کر دیا تھا لیکن دوسرے جملے نے انہیں جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔

"کیا مطلب.....؟"

"آپ ذرا پرانی حویلی آئیے تو سہی۔"

"مجھے پوری بات تو بتاؤ۔"

"پلیز بزرگ خاتون آپ ذرا آئیے میں آپ کو بہت کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔ کچھ ایسی چیزیں جن پر آپ کو یقین نہ آئے۔"

حرا خانم سوچ میں ڈوب گئیں' پھر آہستہ سے بولیں۔ "ٹھیک ہے تم چلو' میں آرہی ہوں۔"

میں خاموشی سے وہاں سے واپس چل پڑا اور پرانی حویلی پہنچ کر حراخانم کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد حراخانم پہنچ گئیں ان کے چہرے پر غم کے آثار تھے' میرے

سامنے آکر انہوں نے غم زدہ لہجے میں کہا۔ "صدام کی تقدیر کے ستارے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گئے' یہی ایک آس تھی' سو وہ بھی ختم ہوئی' لیکن تعجب ہے' خیر چھوڑو' تم مجھے کیا دکھانا اور بتانا چاہتے تھے؟"

"آیئے۔" میں نے کہا اور حراخانم کی رہنمائی کرتا ہوا اس پُراسرار تہہ خانے میں داخل ہو گیا۔ حراخانم شدید حیران تھیں' مشعل اب بھی جل رہی تھی اور تہہ خانے میں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ حراخانم نے سرد نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر ان کی نگاہیں مٹکوں پر جم گئیں اور وہ سرسراتی آواز میں بولیں۔

"ان میں کیا ہے.....؟"

میں مسکرایا اور میں نے کہا۔ "کبھی ان میں کچھ ہو گا اب یہ خالی ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ کوئی یہ خزانہ صاف کر گیا.....!"

"شاید ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر کون.....؟"

"ممکن ہے میں خود....." میں نے کہا اور حراخانم چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔ دیر تک دیکھتی رہیں' پھر بولیں۔

"نہیں وہ تم نہیں ہو سکتے اور میرے اس خیال کے بارے میں اور کچھ مت پوچھنا۔"

میں کچھ لمحے سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔ "آپ یقین کیجئے حراخانم میں نے چشم تصور سے ان عجیب و غریب برتنوں کو بیش قیمت دولت سے پُر دیکھا ہے' اشرفیوں کے انبار' قیمتی ہیرے' سونے کے زیورات' یہ سب بھرے ہوئے تھے ان میں' خاتون ایک بات بتایئے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ کی کیا کیفیت ہوتی؟"

جواب میں حراخانم کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی کہنے لگیں۔

"بیٹے جتنی میری عمر ہے نا اس سے تم خود اندازہ لگا سکتے ہو' بقول تمہارے اشرفیوں کے ڈھیر' جگمگاتے ہیرے یا اور کوئی شے' میری قبر کو روشن نہیں کر سکتی' تھوڑی سی خوراک' بدن ڈھکنے کے لئے لباس' ایک جائے نماز' ایک تسبیح' میرے لئے اس سے بڑا خزانہ اور کوئی نہیں ہو سکتا' ہاں ان روشنی کے اندھوں کے لئے یہ سب کچھ بڑی اہمیت کا حامل ہے' اس سے صدام کو زندگی مل جاتی' لیکن جو اللہ کا حکم' ارے ہاں یہ بتاؤ تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟"

"بس آپ سے وعدہ بھی کیا تھا دل میں لگن بھی تھی دماغ میں تجسس بھی تھا' کامیابی

حاصل ہو گئی' آیئے آپ کو دکھاؤں۔"

"مگر تم کہتے ہو کہ.....؟"

"اصل میں آپ اس دولت سے بالکل بے نیاز ہیں میں فوراً ہی آپ کو اس بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن آپ کی بے نیازی مجھے حوصلہ دیتی ہے' اب میں آپ کو یہ بتانے میں عار محسوس نہیں کرتا کہ ان مخصوص برتنوں میں دنیا کا عظیم خزانہ چھپا ہوا ہے۔" میں نے آگے بڑھ کر برتنوں کے منہ کھول دیئے۔ حراخانم نے جھانک کر ان میں دیکھا اور اس کے بعد لرزتے قدموں سے پیچھے ہٹ گئیں۔ ان کے دل و دماغ کی کیا کیفیت تھی یہ تو وہی جانتی تھیں' لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ سکتے کے عالم میں کھڑی تھیں' پھر انہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور پھر وہ دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"انہیں بند کر دو.....انہیں بند کر دو.....آؤ واپس چلیں۔" باہر آنے کے بعد حراخانم نے کہا۔ "آرام کرو' میں جا رہی ہوں۔" پھر مزید کچھ کہے بغیر وہ وہاں سے چلی گئیں' میں دیر تک انہیں دیکھتا رہا اور پھر اپنی رہائش گاہ میں پہنچ گیا' دن گزرا' رات' پھر دوسرا دن' اور پھر تیسرا دن' چوتھے دن صبح کو غیاث علی نے مجھ سے کہا۔ "نواب منصور نے مجھے ہدایت دی ہے کہ تمہیں بیگم حراخانم کے پاس بھیج دیا جائے' حراخانم بزرگ خاتون ہیں' نواب منصور کی والدہ ہیں' گوشہ نشین رہتی ہیں پتہ نہیں تمہاری ضرورت کیسے پیش آگئی اور کیسے جانتی ہیں وہ تمہیں' کیا مل چکے ہو ان سے.....!"

"جی ہاں..... ملاقات ہو چکی ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے' دیکھو کیا کہتی ہیں کیا چاہتی ہیں۔"

حراخانم نے مجھے اپنے کمرے میں خوش آمدید کہا تھا' بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور میں بیٹھ گیا تھا وہ کچھ دیر تک مجھے دیکھتی رہیں اور پھر بولیں۔ "انسانی کمزوریوں کے بارے میں جانتے ہو؟"

"جس حد تک میری عمر ہے' تجربہ ہے اس حد تک۔"

"یہ تو نہیں سوچو گے کہ میں نے تم پر شک کر کے غلطی کی!"

"شک.....!"

"ہاں..... خزانہ کس کی آرزو نہیں ہوتا۔ میں نے تمہیں اس خزانے کے بارے میں بتایا تم نے اسے تلاش کر لیا' میرے شک کا پہلا خاتمہ تو اس بات سے ہوتا ہے کہ تم نے مجھے اس خزانے کے بارے میں بتایا اور مجھے وہاں لے گئے' تم چاہتے تو خاموشی

سے اسے غائب کر سکتے تھے۔ تم چاہتے تو اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکتے تھے' تھوڑا بہت چھوڑ دیتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا' اس کے باوجود میں نے تمہیں تین دن دیئے صرف اس لئے کہ تم اسے وہاں سے لے جانے کا انتظام کر لو اور اسے لے کر غائب ہو جاؤ' لیکن تم یہاں موجود ہو' کیا خزانہ بھی موجود ہے؟"

"ہاں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اگر تمہارے ماں باپ زندہ ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں سارے جہاں کی خوشیاں بخشے' مر چکے ہیں تو انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' ان کی مغفرت کرے جنہوں نے تم جیسے نیک نفس کو جنم دیا۔ خیر بیٹے وہ خزانہ وہاں سے یہاں منتقل کرنا ہے الماریوں میں اور یہ کام صرف تمہیں سرانجام دینا ہے' تنہا..... میں کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتی' یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ سب کچھ بہت مشکل ہو گا۔ کر سکو گے یہ.....؟"

"جی....." میں نے جواب دیا۔

اور اس کے بعد بلاشبہ یہ مشکل کام سرانجام دینے میں دانتوں پسینے آ گئے' رات رات بھر جاگنا پڑتا تھا' لوگوں کو حیرانی بھی ہو گی کہ حراخانم سے میرا ایسا کون سا رابطہ قائم ہو گیا ہے کہ دن رات میں انہی کے پاس رہتا ہوں لیکن اعتراض کی مجال کسی کو نہ تھی۔ گھر کی سب سے بڑی شخصیت تھیں' اب میں اکثر حویلی میں اندر ہی رہتا تھا حالانکہ اپنے کام سے فراغت حاصل کر چکا تھا۔ تہہ خانے سے خزانے کی پُرمشقت منتقلی کا کام سرانجام دے چکا تھا لیکن اس کے باوجود حراخانم نے مجھے اپنے پاس سے جانے نہیں دیا تھا۔ اس دوپہر کو بھی میں وہیں موجود تھا' جب یہ سلسلہ شروع ہوا۔ احتشام شامی نے شاید میٹنگ طلب کی تھی۔ ان کے ساتھی بھی موجود تھے' نواب منصور' شہریار یہاں تک کہ غیاث علی بھی وہاں موجود تھے تب شامی صاحب نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"ہمیں آئے ہوئے بہت دن گزر گئے۔ اس دوران ہم نے آپ لوگوں کے رویے پر بھی غور کیا اور یہ محسوس کیا کہ آپ لوگ ہمیں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور اس کی وجہ ہم جانتے ہیں' آپ سچائی کے ساتھ ہمارا قرض ہمیں واپس نہیں کرنا چاہتے' آپ کے ذہن میں بددیانتی پل رہی ہے نواب منصور صاحب.....!" سب نے بے چینی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی حراخانم کرخت لہجے میں بولیں۔

"افسوس احتشام شامی' قصور آپ کا نہیں ہے آپ کی ذات اور چھوٹے پن کا ہے آپ رشتہ بھی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے قرض کا دباؤ بھی ڈالنا چاہتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اماں جان۔" نواب منصور نے بے چین لہجے میں کہا۔

"اس کی گفتگو سن رہے ہو۔" حراخانم نے نفرت بھری آواز میں کہا۔

"بڑی اماں بزنس مین کا بیٹا ہوں اور بزرگوں کا کہنا ہے کہ لین دین کے معاملے میں بالکل کھرے رہو' اب یہ بات تو آپ جانتی ہیں کہ یہ رشتہ سو فیصد بزنس ہے اور پھر ہم تو اللہ کے نام پر کسی کی عزت رکھنے کے لئے قربانی دے رہے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ جو رقم ہماری آپ پر واجب الادا ہے وہ آپ لوگ اپنے کپڑے بھی بیچ دیں تو پوری نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم نے آپ کی عزت کے لئے یہ تجویز دی ہے کہ آپ کے گھر میں شادی کر کے یہ سب کچھ جہیز کے طور پر وصول کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہمارا اتنا حق بھی نہیں بنتا کہ ہم اپنے جذبات کا اظہار کریں۔"

"بیٹے' تم پنج ذاتوں میں بے شک ایسا ہی ہوتا ہو گا۔ ہم خاندانی لوگ ہیں نہ تو ہم اس طرح کے سودے کرتے ہیں اور نہ تم جیسے کم ظرفوں سے رشتے کرتے ہیں۔"

"تو بڑی اماں ہمارے قرضے واپس کر دو نا۔"

"امی جان خدا کے لئے بات نہ بگاڑیئے' اگر احتشام میاں....." نواب منصور نے کہا۔

"ریحان نے یہ دولت اپنی عیاشیوں پر خرچ کر دی منصور' اور تم نے اس کا انتقام اس کے اکلوتے بیٹے صدام کو دربدر کر کے لیا۔ اسے مٹی میں لپیٹ دیا تم نے' بہت بلند ظرفی کا ثبوت دیا۔ واقعی' کمال کے انسان ہو تم لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ ماں کیا چیز ہوتی ہے۔ ایک بیٹا دنیا سے رخصت ہو گیا اس کی نشانی کی بے قدری اس ماں کے سامنے کرتے رہے ہو تم' لیکن میں مجبور تھی' تم نے کبھی میرے چہرے کی جانب نہیں دیکھا۔ بس تم صرف نواب منصور تھے اور اب اپنی عزت بچانے کے لئے بیٹی کو نیلام کر رہے ہو' کیوں یہی بات ہے نا.....؟"

نواب منصور کا پارہ چڑھ گیا اس کے چہرے پر تلخی ابھر آئی اس نے کہا۔

"ہاں ایسا ہی کر رہا ہوں میں' اس لئے کہ میرے پاس اور کوئی حل نہیں ہے امی جان۔ کل جب یہ حویلی سرِعام نیلام ہو گی تو میرا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہو گا' یہ نیلام گھر کے اندر ہی ہو جائے تو کیا ہرج ہے' میں واقعی اس قرض کے عوض اپنی بیٹی کو فروخت کر رہا ہوں کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ احتشام شامی اگر چاہے تو مجھے اور میری بیوی کو قرض کے بدلے وصول کر سکتا ہے۔ میں اور میری بیوی خوشی سے اس کی غلامی کریں گے۔ افشاں ان تمام چیزوں سے ہزاروں گنا زیادہ قیمتی

ہے۔ گھاٹے کا سودا کرنا پڑ رہا ہے مجھے' مگر کیا کروں' قرض واپس کرنے کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔" حراخانم نے بے رحم لہجے میں کہا۔ "نیلام گھر میں ہم بھی بیٹھے ہوئے ہیں' ہم بھی بولی لگائیں گے۔ اگر تم دولت کے عوض افشاں کو احتشام جیسے گھٹیا فرد کو بیچنے کو تیار ہو تو نیلام شروع کرو میں احتشام سے چار گنا زیادہ بولی لگاتی ہوں اور اپنے پوتے صدام کے لئے تمہاری بیٹی کو خریدنا چاہتی ہوں۔"

نواب منصور کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ اپنی ماں کو دیکھنے لگا پھر اس نے دانت بھینچ کر کہا۔ "ٹھیک ہے امی جان میں تیار ہوں' بولی لگائیے۔"

"احتشام شامی کے باپ کی جتنی رقم تم پر قرض ہے وہ اور اس کے بعد اتنی ہی رقم نقد ہیرے' سونے اور زیورات کی شکل میں۔ بولی لگاؤ احتشام۔" حرا نے احتشام کو گھورتے ہوئے کہا مگر احتشام تو سر کھجا رہا تھا۔

نواب منصور نے دیوانگی سے کہا۔ "مجھے منظور ہے' مجھے بالکل منظور ہے' نکالئے رقم..... نقد..... نقد ابھی....."

"اٹھو۔" حراخانم نے کہا۔ نہ ماں کم تھی نہ بیٹا۔ سین کلائمکس پر پہنچ گیا۔ جوش کے عالم میں نواب منصور حراخانم کے الفاظ پر حیرت بھی نہ ظاہر کر سکا تھا۔

نواب منصور' بیگم نواب' شہریار اور حرا خانم واپسی کے لئے مڑے۔ میں اور بقیہ افراد کھڑے رہ گئے تھے دروازے پر پہنچ کر حرا خانم نے رک کر مجھے دیکھا اور کہا۔ "آؤ شازل۔"

میرا دل اندر سے بہت مسرور تھا' میں ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔

ہم نے قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ احتشام شامی بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ہمارے پیچھے پیچھے آنے لگے۔ حراخانم کو جب یہ احساس ہوا تو انہوں نے رک کر احتشام کو دیکھا اور نفرت بھرے لہجے میں بولیں۔

"تم ساتھ کہاں آرہے ہو؟ اپنی اوقات اپنی حیثیت کو پہچانو ہماری برابری کرنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ دھکے دے کر باہر نکلوا دیئے جاؤ گے۔ اپنے آپ کو اس قابل کیوں سمجھتے ہو' گھٹیا نسل کے گھٹیا انسان کہ ہمارے قدموں سے قدم ملا کر چلو..... تم لوگ..... غیاث علی تم بھی آؤ۔" حراخانم نے کہا۔

نواب منصور کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ انتہائی خوفزدہ تھے اور ان کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ بمشکل تمام حواس پر قابو پائے ہوئے ہیں۔ ورنہ شاید اپنے ہاتھوں سے

اپنے بال نوچ ڈالتے۔ دیوانگی کی حد میں داخل ہو جاتے۔ بہرحال احتشام شامی کی جو بھی کیفیت ہوئی ہم اسے دیکھنے کے لئے رکے نہیں تھے اور حراخانم کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ان کے کمرے تک آگئے۔ حراخانم مجھے جس طرح خاص طور سے پذیرائی بخش رہی تھیں اس سلسلے میں یقینی طور پر شہریار' بیگم منصور اور خود غیاث علی بھی حیران ہوں گے لیکن ان کی حیرانی کا ابھی کوئی سدباب کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں تو اس ڈرامے کا کلائمکس دیکھنا چاہتا تھا۔ حراخانم سب کو ساتھ لئے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہو گئیں اور پھر انہوں نے دروازہ بھی بند نہیں کیا۔ آگے بڑھیں اور ایک الماری کھول دی۔ الماری کھولتے ہی بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ جو نواب منصور' غیاث علی اور بیگم نواب منصور کی تھیں۔ نواب منصور پتھرا کر رہ گیا تھا۔ کچھ لمحے اسی طرح گزر گئے اس کے بعد حراخانم نے کہا۔

"دوسری الماریاں بھی ہیں کیا انہیں بھی کھول کر دکھاؤں نواب منصور..... اب تو تمہیں یقین آگیا ہو گا کہ تمہاری بیٹی کی قیمت تمہیں تمہاری پسند کے مطابق ملے گی۔"

نواب منصور جیسے سکتے سے باہر آگیا۔ اس نے دو قدم آگے بڑھا کر کہا۔ "اماں جان۔"

"نہیں..... اس وقت نہیں..... تمہارے لئے دل کے تمام گوشے نرم رکھتی ہوں لیکن ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر غور کرو جس طرح تم میرے بیٹے ہو ریحان بھی اسی طرح میری اولاد تھا۔ برا تھا لیکن دنیا سے چلا گیا۔ ماں اپنے بیٹے کی برائیوں پر آنسو بہا سکتی ہے۔ اسے سمجھا سکتی ہے لیکن جب وہ دنیا سے چلا گیا تو ساری دنیا اسے کچھ بھی کہتی رہے..... ماں اسے یاد کر کے آنسو بہانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔ صرف آنسو بہا سکتی ہے۔ صدام میرے ریحان کی نشانی ہے۔ تم میری غلطی کا بدلہ اس سے لیتے رہے ہو۔ نواب منصور..... باقی ساری باتیں اپنی جگہ..... صدام کو تم نے جس طرح ذلیل و خوار کر کے کوارٹروں میں ڈلوا رکھا ہے۔ اس کے لئے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ آج تقدیر نے مجھے موقع دیا ہے کہ میں تمہارے اس نیلام گھر میں آکھڑی ہوئی۔ مجھ سے زیادہ کوئی بولی لگائے' لگا کر دیکھے۔ تم میری دی ہوئی بولی منظور کر چکے ہو۔ دیکھ لو یہ کتنا خزانہ ہے میرے پاس۔ ادائیگی کر دو اور اپنے لئے بھی لے لو۔ جو کچھ مناسب سمجھتے ہو۔ کیا سمجھے.....؟ اور اس کے بعد لڑکی میرے حوالے کر دو۔ پھر تم اس کے حقدار نہیں رہو گے۔"

"اماں جان..... ایسی باتیں کریں گی آپ؟"

"ہاں..... آج مجھے خوشی ہے کہ میں مرحوم ریحان کا قرض ادا کر رہی ہوں۔

سمجھے..... مرحوم ریحان کا قرض ادا ہو رہا ہے۔ نکال باہر کرو اس کمینی نسل کے کمینے انسان کو جس نے ہم سب سے ہمارے حواس چھین لئے ہیں اور جو میری معصوم بچی کا مالک بننے کی بات کر رہا ہے۔ میں بس اور کچھ نہیں کہوں گی تم سے۔ سوائے ایک آخری بات کے..... بولو نواب منصور! جو ادائیگی میں کر رہی ہوں اس کے بعد کیا افشاں تمہاری ملکیت رہے گی؟"

"نہیں.....!" نواب منصور نے پتھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس ڈرامے کا کلائمکس ہو گیا ہو اور اب اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ صرف ایک گھریلو داستان ہو گی۔ یعنی وہ جس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے اور زبردستی واسطے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اب جو کچھ کیا ہے' اس کا معاوضہ قبول کیا جائے۔ معاوضہ تو مجھے کسی سے کچھ چاہئے ہی نہیں تھا۔ میں تو مست مولا آدمی تھا۔ کسی نے کچھ دیا امانت کے طور پر..... اس وقت امانت کو واپس کر رہا تھا میں۔ جو مرتبہ' جو درجہ' جو بلندی مجھے عطا کی گئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ تو کسی کی امانت تھی میرے پاس اور جتنی بھی میری ذہنی سطح تھی اس کے مطابق میں یہ امانت واپس کر رہا تھا۔ منافع اس میں سے یہ لے رہا تھا کہ خود میری زندگی کے لمحات عام ڈگر سے ہٹ کر گزر رہے تھے اور اب اس کے بعد یہاں رکنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب ہنگامہ آرائیاں ہوں گی۔ احتشام شاہی کو نکال دیا جائے گا۔ صدام کی شادی بڑے کروفر اور اہتمام کے ساتھ کر دی جائے گی۔ یہ سب کچھ ہو گا اور بس..... اور بیچاری معزز اور بزرگ خاتون میری تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائیں گی۔ مجھ سے شکریہ کا اظہار کریں گی اور میں ان کا شکریہ وصول کر کے گویا اپنے کئے ہوئے کا معاوضہ حاصل کر لوں گا۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر خاموشی سے باہر نکلا اور حویلی سے دور چل پڑا۔ راستے کا تعین کئے بغیر ایک نامعلوم منزل کی سمت۔

عجیب سرخوشی کا سا عالم تھا۔ میں بستی سے نکل کر ویرانے میں آگیا اور اس وقت تک سفر کرتا رہا' جب تک سورج نہ چھپ گیا۔ رات نہ ہو گئی۔ ایک عجیب سی بے خودی دل و دماغ پر طاری تھی اور یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کہاں رکوں اور کہاں نہ رکوں.....؟ ہاں جب قدموں نے خود ہی آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ بدن میں شدید تھکن بیدار ہو گئی اور بھوک نے شدت اختیار کر لی تو میں چونک پڑا اور میرے قدم خود بخود رک گئے۔ میرے اطراف میں ویرانے بکھرے ہوئے تھے۔ جنگل تھا۔ درخت اُگے ہوئے تھے۔ کھردری زمین تاحدِ نظر پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ نظر نہیں آرہا تھا آس

پاس..... تاریکیوں نے فضا پر دبیز چادر ڈال دی اور میں ایک درخت کے نیچے تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے ان حالات کا تصور کرنے لگا جو میرے آنے کے بعد نواب منصور کی حویلی میں پیش آئے ہوں گے۔ احتشام شاہی کو دھکے دے کر باہر نکال دیا ہو گا یا نواب منصور نے ان سے شریفانہ درخواست کی ہو گی کہ وہ یہاں سے دفع ہو جائیں۔ اس کے علاوہ میری تلاش بھی ہوئی ہو گی لیکن فائدہ کیا.....؟ فضول باتیں تھیں ساری کی ساری' جن کا کوئی مقصد نہیں' تعریف کے چند کلمات بس۔ بہت دیر تک یہ تمام باتیں سوچتا رہا۔ اس کے بعد دل کے ویرانوں میں ایک شعاع چمکی' میری شعاع..... میں اسے بھول تو زندگی کے آخری سانس تک نہیں سکتا تھا البتہ میں نے ایک محفوظ سرمائے کی طرح اپنی ساری زندگی کے اثاثے کی طرح اسے اپنے دل کے سب سے خوبصورت گوشے میں سجا رکھا تھا اور بس..... قادر تھا اس بات پر کہ جب تصور کی آنکھ کھولوں شعاع کو اپنے سینے میں روشن کر لوں۔ سارا وجود منور ہو جاتا تھا۔ بس اتنی سی طلب تھی میری..... نہ جانے کیوں ناظم ارسلان اس معصوم سی طلب کو بھی چھین لینا چاہتے تھے۔ کچھ مزاج ایسے ہوتے ہیں جو اپنے تصور کو بھی کسی کے پاس رہنے نہیں دینا چاہتے۔ وہ تصور کو بھی اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ تاحدِ نظر ہو کا عالم طاری تھا لیکن وہ ننھی سی کرن نہ جانے کہاں سے آرہی تھی۔ ایک تیز روشنی جو لکیر کی شکل میں بڑھتی چلی آئی تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے مخاطب کرنا چاہتی ہو۔ میں تعجب سے اس روشن کرن کو دیکھنے لگا۔ کیا یہی میری زندگی ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور میرے قدم خود بخود اس روشنی کی جانب بڑھ گئے۔ ایک عجیب سا تصور ذہن میں تھا۔ ایک انوکھی سی بات دل میں تھی۔ کیا ہے یہ سب کچھ.....؟ ذرا دیکھوں تو آگے جا کر۔ انداز بے خودی کا تھا اور میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے یہ اندازہ بھی نہیں لگایا کہ یہ فاصلہ کتنا تھا بس چلتا رہا اور کچھ دیر کے بعد اس روشن دروازے کے قریب پہنچ گیا تھا جس کے دونوں پٹ اس طرح کھلے ہوئے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ میں تو بے خودی کیفیت کا شکار تھا ہی آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا' اس روشن دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ جیسے ہی میں نے قدم اندر رکھا میری نگاہیں اس وسیع و عریض ہال پر پڑیں جس کے درمیان ایک میز سجی ہوئی تھی۔ اس میز پر کھانے لگے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ہی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تبھی ایک آواز ابھری۔

"یہ تمہارے لئے ہے شازل! اور میں کمال علی ان کھانوں کی پاکیزگی اور حلال ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ انہیں استعمال کرو اور اس کے

بعد اس دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤ جو سامنے نظر آرہا ہے۔" کمال علی کی آواز کانوں کے پردے سے ٹکرائی ہی تھی کہ میں نے اسے پہچان لیا۔ دل نے کہا جس بزرگ شخص کی آواز سنی گئی ہے کوئی شیطانی قوت اس کی آواز کی نقل نہیں کر سکتی۔ بھوک کی شدت..... بے خودی کا عالم کرسی پر بیٹھا اور خوب سیر شکم ہو کر کھایا۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو ہوش و حواس جیسے جاگ سے گئے۔ تمام تر جسمانی قوتیں بحال ہو گئیں اور میں حیرت سے سوچنے لگا کہ کیا ہی عمدہ استقبال کیا گیا ہے میرا۔ جنگل کو منگل بنا دیا گیا۔ میں نے تیز آواز میں کہا۔

"آپ کی محبت اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا رہا ہوں کمال علی صاحب..... امیر شاہ صاحب استاد محترم..... مجھے روشنی بخشئے آگے کیا کروں.....؟" لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ البتہ سماعت نے وہ جملے دہرائے کہ سامنے والے دروازے سے باہر نکل جاؤں۔ کیا حسین استقبال کیا گیا ہے میرا اور کیا خوش نصیب انسان ہوں میں کہ میری ہر قدم پر راہنمائی ہوتی ہے۔ گویا آگے کے راستے کا تعین کر دیا گیا ہے۔ میری قوتیں مجھے نہ جانے کس سمت لے جانا چاہتیں تھیں۔ بہرحال..... میں محبت بھرے انداز میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اس ہال کے دوسری جانب بڑھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ ادھر کا راستہ مجھے بلاوجہ نہ دکھایا گیا ہو گا اور واقعی حیرت کے لاتعداد مناظر کی طرح اس دروازے کا دوسرا رخ بھی حیرت کی ایک ایسی ہی منزل تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس کے دوسری جانب صبح پھیلی ہوئی تھی حالانکہ مجھے پورا پورا اندازہ تھا کہ ایک طویل سفر طے کر کے رات ہونے تک میں اس جگہ پہنچا تھا اور رات کا آغاز ہوا ہی تھا کہ اس روشن راستے سے گزرا تھا لیکن یہاں صبح تھی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ علاقہ ہی عجیب تھا۔ ایک بستی کے نشانات نظر آرہے تھے دور کہیں گھنٹہ بج رہا تھا۔ ناقوس کی صدائیں بھی بلند ہو رہی تھیں۔ میں نے غور سے یہ آوازیں سنیں اور مجھے بخوبی یہ اندازہ ہو گیا کہ کوئی ہندو آبادی ہے۔ تو کیا سرحد کے دوسری طرف آگیا ہوں میں مندروں کے دیس میں' میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ خاصے فاصلے پر مجھے ایک مندر کا کلس نظر آیا اور میں اسے دیکھ کر یہ سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اگر یہاں بھیجا گیا ہے تو اس کا کوئی مقصد بھی ہو گا۔ میں مقصد کی تلاش میں آگے بڑھ گیا اور خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس مندر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے سے اندر داخل ہوا تو ایک ہیبت ناک بت پر نظر پڑی۔ میرے قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور میں اس بہت بڑے ہال میں پہنچ گیا جہاں پوجا ہو رہی تھی۔ موٹے تازے ننگ دھڑنگ پنڈت جو پجاری تھے' عبادت کر رہے

تھے..... درمیان سے گھٹے ہوئے سر' پلے ہوئے بدن..... سروں کے درمیان لمبی سی چوٹیاں۔ میں ان تمام چیزوں کو دیکھتا رہا اور میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات آتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے قدم ہال کی اندرونی جانب بڑھ گئے سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ میں آگے بڑھ رہا تھا لیکن مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ لوگ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود میری جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ کیا وہ مجھے دیکھ نہیں پا رہے.....؟ اگر ایسا ہے تو یہ تو ایک اور ہی عجیب بات ہے۔ بہرحال..... میں وہاں سے آگے بڑھا اور اس راہداری میں نکل آیا جس کے دونوں سمت کمروں کے چھوٹے چھوٹے دروازے تھے۔ مندر کے پجاری انہی کمروں میں رہتے تھے۔ میں اب بھی انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی دھوتیاں باندھے' گلے میں سفید دھاگے ڈالے ہوئے اِدھر سے اُدھر جا رہے تھے۔ میرے قدم آگے بڑھتے چلے گئے۔ میں نے زندگی میں کبھی کوئی مندر اندر سے نہیں دیکھا تھا۔ بس ان کے بارے میں سنا تھا۔ بہت سے واقعات میرے ذہن میں تھے لیکن اس وقت میں مندر دیکھ رہا تھا تو میری ذاتی دلچسپیاں بھی اس میں شامل ہو گئی تھیں۔ کیونکہ منظر بہت عجیب و غریب تھے۔ میں ہال کے ایک دروازے سے گزرا ہی تھا کہ میں نے ہنسی کی آوازیں سنیں۔ مترنم قہقہے عورتوں کے تھے۔ میں نے انہیں دیکھ لیا۔ حسین اور نوجوان لڑکیاں جو ایک دوسرے سے شرارتیں کر رہی تھیں اور ان کی تعداد اچھی خاصی تھی بلاشبہ انہیں دیکھ کر ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا لیکن عبادت گاہوں میں ان لڑکیوں کا کیا کام.....؟ میری نگاہ ایک لڑکی پر پڑی وہ اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ عمر بھی کم تھی۔ کنول جیسا چہرہ انتہائی پُرکشش آنکھیں لیکن اس کے چہرے پر اداسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ دوسری لڑکیاں اسے چھیڑ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر تک میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے بھی آگے بڑھ کر مندر کے عقب میں پہنچ گیا۔ نہ جانے کیوں اب مجھے یہ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اس وقت میری شخصیت کچھ عجیب سی ہو گئی ہے اور شاید مجھے کوئی دیکھ نہیں پا رہا۔ یہ بھی ایک انوکھا تصور تھا لیکن ناقابلِ یقین نہیں تھا اس لئے کہ مجھ پر بہت سی مہربانیاں تھیں اور مجھے خصوصی طور پر ادھر بھیجا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں کچھ ہے۔ میرے قدم اگر اس مندر میں داخل ہوئے ہیں تو اس کی بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ دیر تک میں قرب و جوار کے علاقے میں دیکھتا رہا۔ مندر کے عقب میں ایک کافی بڑا خوبصورت تالاب تھا اور اس کے کنارے ایک عالی شان رہائش گاہ نظر آرہی تھی۔ میرے قدم اس رہائش گاہ میں داخل ہو گئے اور میں آسانی سے اندر داخل ہو گیا۔ کیا اعلیٰ رہائش گاہ تھی۔ دیکھنے کے قابل..... میں اس کے مختلف گوشے

دیکھتا رہا۔ مندر میں پوجا ہو رہی تھی۔ بہرحال بہت دیر تک میں اس سارے جہان کی سیر کرتا رہا اور پھر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے سوچا کہ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ آرام کرنا چاہئے۔ وقت بھی بدل گیا تھا۔ ساعت بھی بدل گئی تھی لیکن بدن کی تھکن جوں کی توں تھی کیونکہ آرام نہیں کر پایا تھا۔ جس جگہ بیٹھا تھا وہاں نیند آگئی اور پھر اس وقت جاگا جب خاصی رات ہو گئی۔ کانوں میں ایک عجیب سی آواز آرہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے ساز بج رہے ہوں۔ نیند پوری ہو گئی تھی اور اب بدن میں تحریک جاگ رہی تھی چنانچہ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ سازوں کی یہ آواز پوجا کے ہال سے آرہی تھی اور اس آواز میں بڑی دلکشی تھی۔ چنانچہ میں ہال میں داخل ہو گیا لیکن ہال کا منظر دیکھ کر میں ساکت رہ گیا تھا بڑا پُر سحر منظر تھا۔ تھالیوں میں دیئے روشن کئے وہ حسین لڑکیاں قطار باندھے کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے اس قدر خوبصورت نظر آرہے تھے کہ ان پر نگاہیں نہ ٹک سکیں۔ بہت عجیب زرق برق لباسوں میں وہ بے پناہ دلکش نظر آرہی تھیں۔ چہروں پر جگمگاتے ہوئے ستارے ایک عجیب سماں باندھ رہے تھے اور..... سازوں کی دُھن پر ان کے پاؤں تھرک رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی فضا میں چرس کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ پنڈت اور پجاری چرس پی رہے تھے۔ پھر..... میری نگاہیں اس لمبے چوڑے آدمی پر پڑیں جو ابھی ہال میں داخل ہوا تھا۔ حسین لڑکیاں جو تھالیوں میں دیئے جلائے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے کھڑی تھیں۔ تھالیاں مخصوص انداز میں سیدھی کئے جھک گئیں۔ ننگ دھڑنگ پجاری کئی من وزنی تھا۔ فٹ بال کی طرح گول گھٹا ہوا سر' منڈی ہوئی مونچھیں۔ سر کے درمیان ایک موٹی سی چوٹی جھول رہی تھی۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ پھر وہ آگے بڑھ کر ایک تخت پر بیٹھ گیا اور اس کے بیٹھنے کے بعد سازوں کی دُھن تیز ہو گئی۔ حسین لڑکیاں آگئے آئیں اور انہوں نے رقص شروع کر دیا سازوں کی لے سے ان کے قدم ہم آہنگ ہو گئے اور پجاری ہُو..... ہا کرنے لگے۔ وہ جھوم رہے تھے۔ چرس اور بھنگ کے نشے میں۔ فضا میں ایک عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی جو چرس کے ساتھ ساتھ ان گندے پجاریوں کے جسم سے بھی اٹھ رہی تھی۔ بڑا پجاری پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ہولناک آنکھیں ان حسین لڑکیوں پر جمی ہوئیں تھیں۔ کچھ دیر کے بعد ایک پنڈت نے اس کے سامنے ایک بہت بڑا پیالہ رکھ دیا جس میں بھنگ بھری ہوئی تھی۔ پیالہ کیا اچھی خاصی بھینسوں کو چارہ کھلانے والی ناند جیسی چیز تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس پیالے کو اٹھایا اور اسے حلق کے راستے اپنی مٹکے نما توند میں الٹ دیا۔ پیالہ رکھ کر اس نے پھر رقص دیکھنا شروع کر دیا۔ ساری باتیں اپنی

جگہ..... ماحول عجیب تھا۔ منظر عجیب تھا ساری کی ساری چیزیں حیران کن تھیں لیکن سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ لوگ میری طرف توجہ نہیں دے رہے تھے اور ایسے لگ رہا تھا جیسے میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوں۔ زندگی میں کبھی کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس وقت تجسّس میرے ذہن میں تھا اور میں اس کی تصدیق چاہتا تھا۔ تھوڑی سی شرارت دل میں ابھری۔ میں آگے بڑھا اور اس تخت کے عقب میں پہنچ گیا۔ جس پر وہ عجیب و غریب شے رکھی ہوئی تھی جسے ہم پجاری کہہ سکتے ہیں۔ میں نے اس کی چوٹی پکڑی اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس ٹنوں وزنی شخص کو میں ہلا بھی سکوں گا لیکن غالباً یہ اس کے سر کی چوٹی کا معاملہ تھا۔ وہ کسی بینگن کی طرح ہی پیچھے لڑھک گیا تھا اور پھر تخت چھوٹا ہونے کی وجہ سے نیچے آرہا تھا۔ بڑی زوردار آواز کے ساتھ' وہ نیچے گرا تھا اور چاروں طرف ہنگامہ ہو گیا تھا پنڈت..... پجاری اچھل اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ دیوداسیوں کا رقص رک گیا تھا۔ بہت سے لوگ پجاری جی کی طرف دوڑ پڑے اور انہوں نے ان کی بغلوں وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر انہیں اٹھانے کی کوشش کی لیکن..... پجاری جی کو تو کسی کرین کے ذریعے ہی اٹھایا جا سکتا تھا۔ نہ جانے کیسی کیسی کوشش کر کے پجاری جی کو اٹھایا گیا۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑا ہوا تھا اور چوٹی کی جگہ پر سہلا رہے تھے۔ میں بے اختیار آنے والی ہنسی نہیں روک سکا تھا لیکن سب زیادہ مجھے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ میں نادیدہ کیسے ہو گیا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ نہیں پا رہے۔ البتہ حیرت کے لمحات اب ختم ہو گئے تھے۔ کیونکہ کمال علی کی آواز میرے کانوں میں پھر گونج اٹھی تھی جب مجھے یہاں بھیجا گیا ہے تو کچھ محفوظ قوتوں کے ساتھ بھیجا گیا ہو گا۔ ماضی کے واقعات بھی یاد آگئے جب گجراج سے میرا باقاعدہ مقابلہ ہو گیا تھا اور آخر کار علم و عمل کی قوتوں نے میرے ذریعے گجراج کو ختم کرا دیا تھا۔ یہاں بھی ہو سکتا ہے مجھے کسی خاص ہی مقصد کے تحت بھیجا گیا ہو۔ میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بسر و چشم میری بزرگ قوتو! جب میرے لئے دنیاوی عمل یہی ہے تو بھلا اس سے زیادہ باعثِ مسرت بات کیا ہو گی کہ میں ایسے عظیم اور کامل درویشوں کے زیر اثر کام کروں۔" بہرحال بڑے پجاری کے حواس بڑی دیر تک درست نہیں ہوئے تھے۔ سر کی دُکھن اور دماغ قابو میں آیا تو وہ تخت سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا اور غراتا ہوا بولا۔

"کون تھا.....؟ کس نے میری چوٹی پکڑ کر کھینچی تھی۔" قرب و جوار میں بکھرے ہوئے پنڈت حیران رہ گئے۔ انہوں نے ہمدردی سے کہا۔

"کیا ہوا مہاراج..... کیا ہو گیا تھا چکر آ گئے تھے کیا؟"

"ایسا چکر دوں گا تم سب کو کہ جیون بھر یاد رکھو گے۔ بتاؤ کون تھا وہ جس نے میری چوٹی پکڑی تھی؟"

"آپ کی چوٹی پکڑی تھی؟" پجاری حیران ہو کر بولے اور بڑے پنڈت جی نے سب سے آگے کھڑے ہوئے پجاری کی گردن پکڑ لی اور وہ بری طرح تھر تھر کانپنے لگا۔

"مہاراج کے بچے..... بتا میری چوٹی کس نے کھینچی تھی۔"

"کسی نے نہیں مہاراج..... ہم نے تو نہیں دیکھا۔" پجاری بولا۔ بہرحال مہاراج یہ بات نہیں مان رہے تھے کہ کسی نے ان کی چوٹی نہیں پکڑی۔ وہ بس ایک ہی بات کہے جا رہے تھے کہ چوٹی پکڑنے والے کو ان کے حوالے کر دیا جائے لیکن ظاہر ہے کون یہ کام کر سکتا تھا.....؟ پھر تھوڑی دیر کے بعد پجاری جی بھی وہاں سے چلے گئے۔ غالباً یہ کوئی ایسا پروگرام تھا جس کا تعلق عبادت سے نہیں تھا بلکہ خباثت سے تھا۔ مجھے اس بات کا تو یقین ہو گیا تھا کہ میں ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہا چنانچہ اب یہ ضروری تھا کہ یہاں آنے کے مقصد کے سلسلے کے بارے میں معلوم کروں اور یہ کام مجھے اپنے طور پر ہی کرنا تھا۔ چنانچہ یہاں سب سے پہلے ایسی کسی جگہ کو تلاش کرنا ضروری تھا جسے رہائش گاہ کے طور پر استعمال کروں۔ میں مختلف جگہوں پر گھومتا رہا اور ایک بار پھر ایک ایسے اندرونی ہال میں پہنچ گیا جہاں مجھے وہی پجاری جی نظر آ رہے تھے۔ غالباً تحقیقات کا سلسلہ اب خصوصی آدمیوں تک محدود ہو گیا تھا۔ وہ چھ آدمی تھے جو پجاری جی کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور پجاری جی کہہ رہے تھے۔

"دیکھو تم میرے ساتھی ہو۔ تم جانتے ہو کہ بھنگ کا نشہ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا میں تم سے بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ کسی نے میری چوٹی پکڑ کر کھینچی تھی۔"

"مہاراج..... آپ خود بتائیے۔ اگر ہم کسی کو یہ حرکت کرتے دیکھ لیتے تو کیا ہم اسے جیتا چھوڑتے جو ہمارے مہاراج کی توہین کرتا۔"

"سنو..... میں جانتا ہوں انہی پنڈتوں میں میرے مخالف بھی موجود ہیں۔ خاص طور سے چندر سنگھ اور اس کے ساتھی تو میری جان کے دشمن ہیں۔ کیا سمجھے.....؟ مجھے لگتا ہے میرے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں مہاراج..... لیکن چندر سنگھ کیا اتنا مہان ہو گیا کہ جادو سے کام لے سکے۔ اس بھانڈ کے پاس یہ شکتی کہاں ہے مہاراج..... کہ مہاراج پر ہاتھ ڈالے کوئی سادھو ہے وہ' اس کی مجال کہ ہمارے مہاراج پر وار کر سکے۔"

"مگر تم میری بات کا یقین کرو کسی نے میری چوٹی زور سے پکڑ کر کھینچی تھی کہ آنکھوں میں تارے ناچ گئے تھے میں بے بس ہو گیا تھا۔"

"ایک بات کہوں مہاراج..... پچھلے کچھ دنوں سے مندر میں کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

"کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے.....؟"

"مہاراج..... کیوں نہ ہم بڑی پوجا کر ڈالیں تاکہ فتح ہو۔"

"ہاں' ایسا کر لو۔"

"ٹھیک ہے مہاراج آج آپ کے حکم سے ہم ایسا ہی کریں گے۔"

"جاؤ..... اب جاؤ..... دروازہ باہر سے بند کر دینا۔"

"ٹھیک ہے....." ان لوگوں نے کہا۔ میں نے اسی ہال میں ایک جگہ منتخب کی اور یہ سوچنے لگا کہ یہ لوگ چلے جائیں تو ذرا پنڈت جی مہاراج کو قریب سے دیکھوں۔ ایک ایک کر کے وہ سب چلے گئے تھے اور دروازہ شاید باہر سے بند ہو گیا تھا۔ اب کمرے میں بڑے پجاری جی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے دروازہ بند کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ میں ان کے قریب پہنچوں' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی اور ایک اندرونی دروازہ کھل گیا۔ میں نے پہلے اس دروازے کو نہیں دیکھا تھا لیکن اب میری نگاہ اس پر پڑی تھی کھلے ہوئے دروازے سے دو لڑکیاں اندر داخل ہوئی تھیں۔

"جے ہو مہاراج کی۔"

"آؤ..... آؤ..... تم کہاں سے آئی ہو؟ ہمارے مندر کی تو نہیں لگتیں۔"

"جی مہاراج..... ہم دوسرے مندر سے آئی ہیں بڑے مہاراج کی سیوا کرنے کے لئے ہمیں بھیجا گیا ہے۔"

"چلو چلو میرے پاؤں دباؤ۔" انہوں نے کہا۔ ان کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔ میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ میں یہاں رہ سکوں گا۔ دروازہ بھی باہر سے بند تھا اور میں اس سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ پھر مجھے یہ اندرونی دروازہ یاد آیا اور میں اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ ایک چوڑی راہداری میں کھلتا تھا اور یہ راہداری اندر ہی اندر دور چلی جاتی تھی۔ دیکھوں ادھر کیا ہے۔ یہ سب کچھ تو بہرطور میں نے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ میں اس راہداری میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ مجھے اس بات سے دلچسپی نہیں تھی کہ آوارہ منش پجاری کیا کر رہا ہے.....؟ یہ بھی جانتا تھا کہ مجھے جس مقصد سے تحت

یہاں بھیجا گیا ہے اس کے لئے ضرور میری راہنمائی کی جائے گی اور بس وہی راہنمائی میرا اصل مقصد ہو گی۔ ورنہ مجھے کسی اور چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ اس راہداری کا اختتام جس جگہ ہوا وہ جگہ عجیب و غریب تھی۔ ایک ایسا دروازہ تھا جس میں پٹ نہیں لگے ہوئے تھے مگر اس کے سامنے ایک بڑا سا کمرہ تھا اور اس بڑے سے کمرے میں ایک خوبصورت سی کرسی پر وہی حسین لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جسے میں نے دوسری لڑکیوں کے درمیان اداس بیٹھے دیکھا تھا اور جس کے نقوش میں کوئی ایسی بات تھی جو انسان کو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی۔ حالانکہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ میں دوسروں کے لئے نادیدہ ہو گیا ہوں لیکن پھر بھی ایک جھجک میرے دل و دماغ میں موجود تھی اور مجھے یہ احساس تھا کہ یہ سب اچانک ہی ہوا ہے۔ میرے قدموں کی چاپ ہوئی تھی شاید' کیونکہ لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تھا اور پھر حیران سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر حیرت کے ایسے نقوش تھے جیسے وہ مجھے باقاعدہ دیکھ رہی ہو اور یہ نقش میرے چہرے پر بھی کندہ ہو گئے۔ کیونکہ یہ بات ذرا حیران کن تھی کہ کسی اور نے تو مجھے نہیں دیکھا یہ لڑکی مجھے دیکھ رہی ہے تب وہ بولی۔ "تم..... شازل ہو نا....."

"ایں....." میں شدتِ حیرت سے اچھل پڑا۔

"یہی نام بتایا گیا تھا مجھے۔"

"تمہیں؟"

"ہاں!"

"یہ بتاؤ مجھے دیکھ رہی ہو۔"

"میری آنکھوں میں روشنی ہے مہاراج..... یہ نام مجھے بتایا گیا تھا اس لئے میں نے تمہیں اس نام سے پکارا ہے۔"

"کس نے بتایا ہے تمہیں یہ نام اور کیوں بتایا ہے؟" میں نے شدتِ حیرت سے سوال کیا۔

"آؤ مہاراج..... آؤ..... بیٹھو..... مجھے حیرت ہے بھگوان کی سوگند..... مجھے حیرت ہے۔ خوابوں میں کبھی ایسا ہوتا ہے' مگر وہی صورت ہے تمہاری وہی سب کچھ ہے۔ میں نہیں مانتی اس بات کو..... مگر تم تو ہو' آؤ نا....." وہ آگے بڑھی اور اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ ایک لمحے کے لئے میں حیران ہوا تھا اور میں نے سوچا تھا لیکن پھر دوسرے لمحے میں نے خود کو یہ سمجھا کر مطمئن کر لیا کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے قدرتی طور پر ہو رہا ہے اور اس سے فرار ممکن نہیں ہے۔ مندر میں مجھے نہیں دیکھا گیا

لیکن یہاں مجھے دیکھنے والے موجود ہیں۔ لڑکی کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی کہنے لگی۔

"دیکھو..... میں سیدھی سادی لڑکی ہوں' میرے نانا جی بڑے مہان گیانی تھے حالانکہ میں نے ان کی صورت کبھی نہیں دیکھی لیکن ماتا جی کا کہنا تھا کہ جب کبھی ہم اور ہمارا خاندان مشکل میں پڑتا ہے تو نانا جی سپنوں میں آکر ہمیں اس مشکل سے نکلنے کا راستہ بتاتے ہیں۔ اس کے لئے ماتا جی نے مجھے ایک جاپ بتایا تھا اور کہا تھا کہ اگر کبھی مشکل میں ہو تو صرف ایک بار یہ جاپ کرنا ہوتا ہے۔ پچھلی رات میں نے یہ جاپ کیا تھا تو نانا جی نے مجھے بتایا کہ ایک لڑکا آئے گا۔ اس کی شکل ایسی ہو گی۔ انہوں نے مجھے ایک شکل دکھائی تھی اور وہ تم تھے۔ انہوں نے مجھے تمہارا نام شازل ہی بتایا تھا۔ پہلے مجھے تم یہ بتاؤ..... کہ تمہارا نام شازل ہی ہے نا.....!"

"ہاں....." میرے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

"تمہیں معلوم ہے مجھ پر کیا بیتی ہے' میں کون ہوں.....؟ بولو معلوم ہے تمہیں.....؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تم یہاں کیسے آگئے؟"

"اس بات کو چھوڑو کہ میں یہاں کیسے آگیا۔ تمہارے نانا جی نے تمہیں بتایا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ تو بس یہ سمجھ لو کہ میں یہاں تمہاری مدد کرنے کے لئے آیا ہوں لیکن اس سے پہلے تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گی۔"

"اور تم مجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔"

"میں نے کہا نا مجھ سے میرے بارے میں کچھ مت پوچھو اگر پوچھ لو گی تو یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔"

"کیوں کیا ہو گا؟" وہ کسی قدر خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"دیکھو لڑکی..... میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے سمجھو۔"

"اچھا تمہیں میرا نام معلوم ہے۔"

"نہیں..... تم بتاؤ۔"

"میرا نام الکا ہے..... کماری الکا اور میں سندر ناتھ کی بیٹی ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ سندر ناتھ کو تو جانتے ہو نا۔"

"نہیں..... سندر ناتھ کو بھی نہیں جانتا۔"

"تو پھر مجھے بچا کر کیسے لے جاؤ گے.....؟ اس کا جواب دو۔"

"تم مجھ سے جواب مانگے جا رہی ہو مختلف قسم کے' یہ نہیں ہے کہ اپنے بارے میں بتاؤ..... اچھا چلو ایک بات بتاؤ۔ کیا تم نے اس مندر کے پجاری کو دیکھا ہے۔"

"ہائے رام..... نام مت لو اس کا میرے سامنے۔ میں تو سوچتی ہوں کہ..... کہ..... کہ....." کہ کا مطلب تو میں نہیں سمجھ سکا تھا لیکن بس اب ایک عجیب سا احساس میرے دل میں پیدا ہوتا تھا۔ لڑکی سے بہرحال مجھے ہمدردی تھی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔

"اور چاچا راج رتن نے مجھے اغوا کرا کے یہاں بھیجا ہے۔ سنسار کتنا برا ہو گیا شازل جی..... چاچا راج رتن کو تو میں اپنا سگا چاچا سمجھتی تھی۔ میرے پتا جی رُوئی کا بہت بڑا کاروبار کرتے ہیں۔ ہماری جاگیریں ہیں۔ زمینیں ہیں..... زمین پر کپاس کی کاشت ہوتی ہے اور میرے پتا جی کاٹن کنگ کہلاتے ہیں۔ ہم دنیا کے کئی ملکوں میں کپاس بھیجتے ہیں اور ہماری کئی ملیں بھی چلتی ہیں۔ چاچا راج رتن ہماری ملوں کے منیجر ہیں۔ ہمارے ہی ہاں پلے بڑھے ہیں۔ ان کے باپ دادا اور پُرکھے سب ہماری حویلیوں کے نمک خوار رہے ہیں۔ چاچا راج رتن مجھے لے کر کوئی یاترا کرانے کے لئے نکلے تھے اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ انہوں نے کچھ پجاریوں سے بات کی۔ پجاریوں نے مجھے کوئی نشے کی چیز پلائی اور لے کر یہاں آ گئے۔ یہاں بھی میں نے چاچا رتن کو ایک بار دیکھا تھا۔ تم نہیں جانتے شازل جی..... سنسار کتنی بری جگہ ہے۔ پتا نہیں راج رتن نے میرے بدلے پتا جی سے کیا مانگا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"تمہاری بستی کا کیا نام ہے.....؟"

"بھوج پور کی رہنے والی ہوں میں..... بھوج پور کے بارے میں جانتے ہو نا۔"

"تم جانتی ہو کہ تم کس جگہ ہو.....؟"

"نہیں مجھے کیا معلوم.....؟" وہ معصومیت سے بولی۔ پھر ہنسنے لگی۔

"مگر جب تم میری مدد کرنے کے لئے آئے ہو تو تمہیں ساری باتیں معلوم کر کے آنا چاہئے تھا۔"

میں کچھ لمحے خاموش رہا۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ سارے کام کر کے کہاں آیا ہوں۔ مجھے تو خود نامعلوم منزلوں کی جانب بھیجا گیا ہے اور اب میں صرف راہنمائی کا منتظر ہوں لیکن بہت سے معاملات میں فیصلے خود کرنے ہوتے ہیں۔ میں نے لڑکی پر ایک نگاہ ڈالی۔ پہلی ہی نگاہ میں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ شکل و صورت سے معصوم تھی۔ اس کی باتوں میں بھی معصومیت تھی لیکن کوئی ایسی بات ضرور تھی اس کے اندر جس سے

س کی ذہنی پختگی کا اندازہ ہوتا تھا۔ کوئی ایسی کیفیت چھپی ہوئی تھی اس کی باتوں ں..... اس کے باوجود میں اس کی آنکھوں میں..... پھر اپنے اس خیال کو خود ہی پنے آپ میں سلا دیا بعض چہرے دھوکا دیتے ہیں۔ وہ جو کچھ ہوتے ہیں وہ ہوتے نہیں ں کچھ اور ہی ہوتے ہیں..... بلکہ بعد میں کچھ اور ہی نکلتے ہیں۔ لڑکی جس مشکل میں ڑی تھی وہ مختصر الفاظ میں میری سمجھ میں آئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ظاہر ہے یہ منظر میرے اپنے وطن میں تو ہو نہیں سکتے تھے۔ میں جس پُراسرار جگہ سے دوسرے دروازے سے باہر بھیجا گیا تھا۔ وہ یقیناً دوسرا دروازہ میرے وطن کی سرحدوں میں نہیں کھلتا تھا۔ بلکہ کسی اور ہی جگہ پہنچا دیا گیا تھا مجھے..... بہرحال جو کچھ بھی تھا میرے سپرد کچھ ذمہ داریاں کی گئی تھیں اور یہ ذمہ داریاں مجھے ہر قیمت پر پوری کرنی تھیں..... ممکن ہے کماری الکا کو ان ناپاک پجاریوں سے بچا کر اس کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری ہی میرے سپرد کی گئی ہو۔ عزت آبرو کسی کی بھی ہو اس کی محافظت کی ذمہ داری جس خوش نصیب کو سونپ دی جائے بہرحال اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنا فرض پورا کرے اور اس وقت شاید مجھے یہی فرض سونپا گیا ہے' ٹھیک ہے میرے بزرگوں نے اگر مجھے اس کام کے لئے منتخب کیا ہے تو اب میں پوری محنت کے ساتھ اپنا یہ فرض پورا کروں گا' اور عظیم بزرگو اب میری راہنمائی کام تمہارا ہے' جہاں میرا راستہ غلط ہو' میری مدد کرنا۔ میں نے دل میں سوچا اور بڑا سکون و اطمینان سا حاصل ہوا اور اب میں پوری طرح کماری الکا کی جانب متوجہ تھا جو اپنی مختصر کہانی تو مجھے سنا چکی تھی' تھوڑی سی تفصیل بھوج پور کے بارے میں اور جاننا چاہتا تھا اور اس کے بعد عمل کرنے کے لئے تیار تھا' لیکن کماری الکا کے بارے میں مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اس سے کوئی صحیح تفصیل معلوم نہیں ہو سکے گی۔ اب فیصلہ یہ کرنا تھا کہ یہاں رک کر آگے کے حالات کا تجزیہ کروں یا پھر پہلے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کروں' مندروں' پجاریوں اور جادو منتروں کے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا اس سے پہلے بس ان کی باتیں ہی سنی تھیں' کبھی یہ سب کچھ دیکھا نہیں تھا' اب پہلی بار اس سے سابقہ پڑا تھا' وہ مناظر ہی میرے لئے ناقابلِ یقین تھے جو میری نگاہوں سے گزر چکے تھے' میں نے سوچا تھا کہ صرف یہ کہانیاں ہی ہوتی ہیں' لیکن یہ ساری کہانیاں میری نگاہوں کے سامنے زندہ ہو گئی تھیں' کیا تھا کیا ہو گیا تھا' شعاع کی محبت نے کیسے کیسے زاویوں سے گزارا تھا' محبت اور عشق کی کہانیاں تو لاتعداد ہیں' کتابوں اور زبانوں پر بکھری ہوئی ہیں لیکن ایسی عجیب و غریب کہانی' شاید ہی کوئی دوسری ہو' جو مجھ سے گزر رہی ہے میں نے الکا سے کہا۔

"الکا' کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟" وہ آہستہ سے مسکرائی اور بولی۔

"اتنی ساری کہانی سننے کے بعد بھی اس سوال کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے' میں تو تمہارا انتظار کر رہی تھی مہاراج' بھلا تمہارے بغیر میں یہاں سے کیسے جا سکتی ہوں' جبکہ ناناجی نے مجھے یہی بتایا تھا۔"

"تو پھر چلو' جو کام بعد میں کرنا ہے وہ پہلے کیوں نہ کر لیا جائے۔"

"جیسا کہو۔"

میں جانتا تھا کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ ہمیشہ کی مانند عجیب ہے یعنی ایک بالکل نیا انداز جو گجراج کے مسئلے سے بھی زیادہ الجھا ہوا اور پُراسرار ہے کیونکہ بہت سے لوگ مجھے دیکھ نہیں پائے اور اس لڑکی نے مجھے دیکھ لیا' گویا میرے راستے درست ہیں اور جہاں جو مناسب سمجھا جا رہا ہے' کیا جا رہا ہے۔ اس دوران یہ تجربہ تو اچھی طرح ہو چکا تھا کہ پُراسرار رموز کی دنیا اس دنیا سے بہت مختلف ہے جس میں انسان رہتا ہے۔ روشنیوں کے پیچھے ایک تاریک زندگی رواں دواں ہے جس کے اپنے تمام تر وسائل ہیں' اور یہ وسائل اس زندگی سے بہت مختلف ہیں۔ مثلاً یہ کہ کیا کرنا ہے' کس چیز کی ضرورت ہے؟ اور کون اس ضرورت کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے؟ بہت ہی انوکھے اور دلچسپ تجربات تھے یہ جو مجھے ہو رہے تھے۔

الکا میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئی اور میں مندر کے مختلف راستوں سے اسے گزار کر آخر کار مندر کے عقبی حصے سے باہر لے آیا پھر اس کے بعد وہ میرے ساتھ چلتی رہی۔ اس کے بدن میں ہلکی ہلکی تھرتھری مستقل محسوس کر رہا تھا' بہت سے وہ معاملات تھے جن پر غور کرنا تھا' مندر کے عقب میں تھوڑا سا سپاٹ میدان تھا اور اس کے بعد ایک بستی شروع ہوتی تھی لیکن ہمیں بستی سے گزر جانا تھا بغیر کسی معلومات کے اور بستی کے آخری سرے پر ایک درخت کے نیچے دو گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے اور الکا وہاں رک گئی کہنے لگی۔

"شازل جی پیدل سفر کرنے کے بجائے اگر ہم ان گھوڑوں پر سفر کریں تو کیسا رہے گا' کیا تم گھوڑے کی سواری کر لو گے؟"

"مگر پتہ نہیں یہ گھوڑے کس کی ملکیت ہیں۔"

"شازل جی' جب میری مدد کرنے کا فیصلہ کر ہی چکے ہو تو پھر تھوڑے سے ایسے کام بھی کرنے پڑیں گے' مجبوری ہے' صبح کی روشنی ہو جائے گی تو پجاری کو پتہ چل جائے گا کہ میں مندر میں نہیں ہوں اور پجاری کے وسائل اتنے زیادہ ہیں کہ بستی بھر کے آدمی

ہمارے پیچھے دوڑ پڑیں گے' میں پھر پکڑی جاؤں گی اور پتہ نہیں میرا کیا حشر ہو گا' میرا جیون بچانا ہی چاہتے ہو تو یہ گھوڑے لے لو ہمارے سفر کی رفتار تیز ہو جائے گی۔"

میں نے ٹھنڈی سانس لے کر اس سے اتفاق کر لیا' کماری الکا ایک بڑے خاندان کی بیٹی تھی۔ ظاہر ہے بہت سے امور سے واقف ہو گی' میں نے دیکھا کہ وہ بہترین گھوڑے کی سواری کر رہی ہے۔ بہرحال راتوں رات ہم لوگ وہاں سے کافی دور نکل آئے' الکا راستے میں مجھ سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی اس نے کہا۔

"تمہیں اندازہ نہیں کہ پجاری دھن راج کیسے کیسے علم جانتا ہے وہ بڑا خطرناک آدمی ہے' میں نے بہت سے لوگوں کی زبانی اس دوران اس کے بارے میں سنا ہے۔"

"تمہارا راج رتن چاچا آخر اس سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تھوڑا سا سفر ہو جائے ہم اس خطرے سے نکل آئیں تو پھر باتیں کریں گے" الکا نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب صبح کا مدھم مدھم اجالا پھوٹنے لگا اور ہم کافی دور نکل آئے تو جنگل میں ایک جگہ ہم نے گھوڑے روک دیئے۔ مجھ پر بھی نیند اور تھکن کا غلبہ طاری تھا کماری الکا بھی بوجھل بوجھل نظر آ رہی تھی' لیکن اس کے باوجود ہم نے گھوڑوں کی حفاظت کا بندوبست کیا' پھر ایک صاف ستھری جگہ دیکھی اور تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئے الکا نے کہا۔

"میرا خیال ہے جتنا سفر ہم نے طے کر لیا ہے اگر کوئی ہمیں تلاش کرنے نکلا تو اتنی جلدی اتنا سفر نہیں کر پائے گا۔"

"ہاں مطمئن رہو' تم نے مجھے اپنے بارے میں مکمل تفصیل نہیں بتائی الکا۔"

"یقین کرو مکمل تفصیل کوئی ہے ہی نہیں' بس راج رتن کو چاچا نہیں کہوں گی' اس نے دولت کی خاطر مجھے راستے سے ہٹایا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس نے پتاجی سے کیا کہہ رکھا ہے یا مانگا ہو گا اس نے میرے بدلے' وہ بڑا سازشی ہے' بس بھگوان سے دعا کر رہی ہوں کہ میں اپنے گھر پہنچ جاؤں میں نے کبھی اکیلے گھر سے قدم باہر نہیں نکالا۔ یہی وجہ ہے کہ میں یہ نہیں جانتی کہ میں کہاں ہوں۔ بھوج پور تلاش کرنا ہو گا ہمیں' اب کوئی آبادی نظر آئے تو ہم بھوج پور کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔" اس کا کہنا ٹھیک تھا کوئی تفصیل طلب بات نہیں رہ گئی تھی چنانچہ میں بھی خاموش ہو گیا۔ میرے ذہن میں ایک خلش مسلسل تھی اور میں خود اس خلش کو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ بہرحال اس میں' میں نے زیادہ دماغ صرف نہیں کیا اور ہمیں اس کا موقع بھی نہیں مل سکا کیونکہ ہماری امید کے برخلاف ہمیں کچھ ایسے گھڑسوار نظر آئے تھے جن کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ

وہ ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔ ان میں دو گھوڑوں پر پجاری قسم کے دو افراد بھی سوار تھے جنہیں دیکھ کر الکا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہائے رام میں انہیں جانتی ہوں' یہ اسی مندر کے پجاری ہیں۔"

سوچنے کا موقع بالکل نہیں تھا یہاں سے فرار ضروری تھا چنانچہ ہم اپنے گھوڑوں کی پشت پر بیٹھ کر دوڑ پڑے اور ان لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرنے لگے۔ ہم نے جنگل کے ایسے راستے اختیار کئے تھے جو مشکل اور دشوار گزار تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ہمارے نشان پا جائیں۔ ہم ایک گھاٹی میں اتر گئے جس میں جھاڑ جھنکاڑ اُگے ہوئے تھے۔ اس کے دونوں کنارے اونچے تھے اور ہمارے گھوڑے جھاڑیوں میں چلتے جا رہے تھے۔ خاصی طویل گھاٹی تھی جس کا اختتام ایک ہموار جگہ ہوا لیکن ایک اور مشکل پیش آئی۔ یہاں درخت اتنے گھنے اور ایک دوسرے میں پیوست تھے کہ گھوڑوں کو ان کے درمیان سے گزارنا ممکن نہیں تھا' بحالت مجبوری یہ فیصلہ کیا گیا یہ گھوڑے یہیں چھوڑ دیئے جائیں' فوری طور پر تو ان لوگوں سے بچنا ضروری تھا چنانچہ گھوڑوں سے نجات حاصل کر لی اور انہیں کھلا چھوڑ دیا چونکہ اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ہم گھنے درختوں کے درمیان اُگی ہوئی جھاڑیوں اور اونچی گھاس میں راستہ بناتے ہوئے آگے چلتے رہے اور آخر کار ایک ایسی جگہ آگئے جہاں درختوں کا سلسلہ کافی حد تک ختم ہو گیا تھا اور سیاہ رنگ کی ہیبت ناک چٹانیں ایک دوسرے کے درمیان ایک جگہ ہمیں ایک غار کا دہانہ نظر آیا تو الکا نے کہا۔

"شازل جی' مشکل آپڑی ہے ہم پر' مجھے اس مشکل کی پہلے سے امید تھی' مجبوری ہے' یہ غار ہی ہمارے لئے عارضی پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں کیوں نہ ہم ان میں پناہ لیں۔"

"کوئی ہرج نہیں ہے' یہ یقین کر لیا جائے کہ ہمارا تعاقب کرنے والے ہماری طرف تو نہیں آرہے اور ہمیں پانے میں ناکام رہے ہیں تو ہم یہاں سے آگے نکلیں گے۔" میں نے کہا۔

غار کا دہانہ جنگلی جھاڑیوں کی بڑے بڑے پتوں والی شاخوں نے ڈھانپ رکھا تھا لیکن بہرحال ہم اس میں داخل ہو گئے۔ اندر گہری تاریکی اور ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی یہاں داخل ہو کر ایک بار پھر میرے ذہن کی خلش بیدار ہو گئی کیونکہ الکا بڑے اطمینان سے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اتنی معصوم شکل و صورت والی لڑکی ضرورت سے زیادہ نڈر پن کا مظاہرہ کر رہی تھی اور یہی بات باعثِ تشویش تھی لیکن بہرحال اس لمبے غار میں ہم دور تک آگے بڑھتے چلے گئے' غار کی تاریکی اتنی تھی کہ الکا مجھے نظر نہیں آرہی تھی پھر شاید

ہوا کے وہ تازہ جھونکے غار کے دوسرے سرے سے آئے تھے' ہم یہاں رکے تو الکا نے کہا۔

"ہم غار کے دوسرے دہانے تک پہنچ گئے ہیں لیکن ابھی ہمیں باہر نہیں نکلنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا پھر نہ جانے کب تک ہم غار کے اس دہانے کے پاس بیٹھے رہے' دن کافی ڈھل چکا تھا اور بادلوں کی وجہ سے ویسے بھی روشنی مدہم تھی' غار کے دہانے کے پاس بیٹھے ہوئے الکا نے کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ ہم اپنا وقت یہاں گزاریں کہ ان لوگوں کا کوئی خطرہ نہ رہے' غار کا یہ دوسرا دہانہ بھی باہر جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ہے' ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے' کوئی آسانی سے اس طرف نہیں آئے گا۔"

میں نے اس وقت بھی اس سے تعاون کیا تھا' آہستہ آہستہ رات ہو گئی اور ہم دونوں پر ہی سستی سی طاری ہونے لگی' غار جیسا بھی تھا لیکن اندر سے صاف ستھرا تھا۔ الکا نے کہا۔

"شازل جی' کبھی اس طرح کی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے' آج کی رات بھوکے پیاسے ہی گزارنی پڑے گی' لیکن میں سمجھتی ہوں کہ گزرنے والی یہ رات ہمارے لئے نجات کی رات ثابت ہو گی اور ہمیں تلاش کرنے والے مایوس ہو کر چلے جائیں گے' آپ آرام کریں میں ذرا پیچھے ہٹ کر لیٹ جاتی ہوں۔"

میں نے کوئی تردد نہیں کیا اور اللہ کا نام لے کر غار کے فرش پر دراز ہو گیا۔ نیند بھی کمال کی چیز ہوتی ہے' بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود مجھے نیند نے مایوس نہیں کیا اور میں سو گیا لیکن رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ ایک عجیب سناٹے اور خاموشی کا احساس ہو رہا تھا۔ میرے ہوش و حواس جاگ رہے تھے اور انہی جاگتے ہوئے حواس نے یہ احساس دلایا کہ میں غار میں تنہا ہوں۔ نہ جانے کیوں میری کس حس نے مجھے ہوشیار کر دیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایسی خاموشی اور سناٹے میں سانسوں کی آواز بھی بہت بڑی محسوس ہوتی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ غار میں کوئی آواز نہیں ہے الکا کی موجودگی کا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ بے چین ہو کر میں نے اسے آوازیں دیں میری آواز غار میں اس طرح گونجی تھی کہ اگر غار کے آخری سرے پر بھی کوئی ہوتا تو اسے سن کر میری طرف دوڑا چلا آتا جبکہ الکا مجھ سے تھوڑے ہی فاصلے پر فرش پر لیٹی تھی اور اس کا مطلب صرف ایک ہی تھا وہ یہ کہ الکا غائب ہے' میرے پورے بدن میں ایک شدید سنسنی

دوڑ گئی' کیا واقعی الکا غائب ہے؟ وہ خود گئی ہے' یا پھر کوئی اس تک پہنچ گیا ہے؟ میں بے چینی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆=========☆=========☆

میرے ذہن میں شدید سنسنی پیدا ہو گئی تھی۔ اصولی طور پر مجھے الکا کی حفاظت کے لئے جاگنا چاہئے تھا لیکن نیند ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کسی بھی عالم میں ہو' اس کی آغوش میں جا سوتا ہے۔ حالانکہ یہ پہاڑی غار اس قابل نہیں تھے کہ یہاں بے فکر ہو کر سویا جائے۔ الکا سے میرا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن بہرحال میں اسے تحفظ کا دلاسا دے کر اس کے گھر پہنچانے جا رہا تھا۔ ذمہ داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اسے اگر میری وجہ سے کوئی نقصان پہنچ گیا تو میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ مجھے ہوشیار رہنا چاہئے تھا۔ میں غار سے باہر آ گیا۔ تاحدِ نظر خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہندو پجاری اگر اسے تلاش کرنے بھی آئے تھے تو کم از کم یہاں موجود نہیں تھے لیکن یہ نیند کے عالم کی سوچ تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ الکا کو پا گئے ہوں گے تو اب ان کے یہاں موجود ہونے کا کیا جواز ہے لیکن..... ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ تاروں کی مدھم چھاؤں میں' میں نے الکا کو دیکھا۔ وہ تیز دوڑتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی اور اس کے پیچھے کچھ لوگ لگے ہوئے تھے۔ میں جنگ و جدل کا انسان نہیں تھا لیکن بہرحال الکا کا تحفظ اپنی ذمہ داری کے طور پر قبول کیا تھا چنانچہ جیسے ہی الکا میرے قریب پہنچی' میں اسے اپنے عقب میں لے کر سینہ تان کر سامنے آ کھڑا ہوا اور وہ جو دوڑتے ہوئے اس کے عقب میں چلے آ رہے تھے رک گئے لیکن..... دوسرے لمحے مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ جو شخص میرے سامنے سب سے پہلے کھڑا تھا۔ وہ غلام سمبان تھا اور اس کے پیچھے پانچ اور افراد جن کے چہرے میرے لئے اجنبی تھے۔ غلام سمبان نے خونی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ انہوں نے صرف مجھے اس طرح اپنے باوؤں اور جسموں کے حلقوں میں لے لیا ہے جیسے وہ مجھے گرفتار کر چکے ہوں لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان میں سے کسی نے مجھ پر تشدد نہیں کیا تھا۔ البتہ اظہار ایسا ہی کر رہے تھے۔ تبھی الکا جو میرے عقب سے ہوتے ہوئے آگے دوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنی جگہ رکی اور پھر واپس پلٹ پڑی۔

غلام سمبان کو دیکھ کر میری حیرت عروج کو پہنچ گئی تھی اور میرا ذہن کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ یہ یہاں کیسے آگیا.....؟ میں نے حیرت سے سوچا۔ غلام سمبان کے حکم پر میرے ہاتھوں میں رسیاں باندھ دی گئیں اور ان لوگوں نے مجھے اپنی تحویل میں لے لیا۔ تب الکا میرے قریب پہنچ گئی اور اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"سمبان..... چھوڑ دو اسے..... اسے چھوڑ دو سمبان..... میں تمہیں حکم دیتی ہوں۔" میری آنکھیں حیرت سے بند ہونے لگیں کیونکہ اب میرے کانوں میں جو آواز گونجی تھی وہ الکا کی نہیں شعاع کی تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے الکا کو دیکھا۔ حسین لڑکی شعلہ جوالہ بنی سمبان کو گھور رہی تھی۔ سمبان نے کہا۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا آقا زادی۔"

"کبھی نہیں جاؤں گی سمجھے..... چھوڑ دو میں کہتی ہوں فوراً چھوڑ دو اسے....."

"مجھے حکم ملا ہے کہ میں اس شخص کا قصہ ہی پاک کر دوں تاکہ سارا جھگڑا ختم ہو جائے۔" غلام سمبان نے کہا لیکن میں اپنا قصہ پاک ہی سمجھ رہا تھا۔ کیونکہ حیرت سے میرے ہوش و حواس گم ہوتے جا رہے تھے۔ مندروں میں ملنے والی الکا کا شعاع سے کیا تعلق ہے اور اگر وہ شعاع ہے تو اب تک کی یہ ساری کہانی کیا ہے۔ پتا نہیں میرے ذہن کی بات شعاع کو کیسے معلوم ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو شازل..... میں شعاع ہی ہوں اور میں نے جو یہ جسم اپنایا ہے تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ اب میں نے یہ قوت حاصل کر لی ہے اور سمبان مجھے تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ دیکھو شازل..... خیر سمبان ابھی میں کچھ نہیں کہوں گی۔ یہ بتا کہ تو یہاں سے جاتا ہے کہ نہیں....."

"آقا زادی..... آقا کا حکم ہے کہ....."

دفعتاً الکا پیچھے ہٹی اس نے جھک کر پتھر کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور وہیں ایک چٹانی زمین کے ٹکڑے پر ایک چوکور نشان بنا دیا اور پھر تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اس چوکور نشان پر پھینکی۔ دوسرے لمحے آگ کے شعلے فضا میں بلند ہو گئے اور چوکور دائرہ آگ میں روپوش ہو گیا۔ شعاع نے کہا۔

"اگر چھ تک گنتے گنتے تو نے شازل کے ہاتھ نہ کھولے تو میں اس آگ میں داخل ہو جاؤں گی۔ ذمہ داری تجھ پر ہو گی غلام سمبان۔"

"آقا زادی..... ہاتھ جوڑتا ہوں۔" سمبان عاجزی سے بولا۔

پھر شعاع ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ایک.....

"میں آپ کے قدموں میں سر رکھتا ہوں آقا زادی..... میری مشکل پہچانئے۔"

"دو....." شعاع نے کہا اور سمبان نے جلدی سے اپنے آدمی کو اشارہ کیا۔ کچھ لمحوں کے بعد میرے ہاتھ آزاد ہو گئے تو سمبان بولا۔

"لیکن آقا زادی..... آقا نے کہا ہے کہ اسے اور آپ کو لے کر آیا جائے۔"

"تین۔"

"کھول دیئے۔ کھول دیئے میں نے ہاتھ..... کھول تو دیئے ہیں۔ اب آپ کیا چاہتی ہیں.....؟"

"تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"گویا آپ....."

"جاؤ....." شعاع بولی اور سمبان دانت پیستا ہوا واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میں دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا لیکن حیرانی اب بھی آسمان کو چھو رہی تھی۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے رہے۔ شعاع کے لئے یہ سب کچھ مشکل نہیں تھا لیکن میری حیرتوں کا عروج اب بھی وہی تھا۔ جب غلام سمبان نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے پلٹ کر الکا یا شعاع کو دیکھا۔ وہ خاموش کھڑی سرد نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"بے شک تم نے مجھے آزاد کرا دیا شعاع..... لیکن کیا تم میرے دماغ کی رگوں کو پھٹتے ہوئے دیکھنا پسند کرو گی۔"

"بہت برا سلوک کر رہے ہو تم میرے ساتھ شازل..... اتنے برے سلوک کی امید نہیں تھی تم سے....."

"برا سلوک.....؟" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں..... شازل صرف اپنے آپ کو پاکباز نہ سمجھو۔ میرے دل میں بھی تمہاری طلب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ میں ان واضح الفاظ میں گفتگو نہیں کر سکتی جن سے میرے مفہوم کی وضاحت ہو۔ بات صرف بچپن کی محبت کی ہے۔ میں بچپن سے تمہیں چاہتی ہوں۔ تمہاری قربت کی طلب گار ہوں۔ بس اس شکل میں کہ ہم ساری زندگی پاکیزگی میں گزاریں لیکن یکجا رہ کر..... تم انسان ہو اور میں جن زادی..... لیکن یہ بتاؤ کہ مخلوق کی حیثیت سے ہماری شکل و صورتیں ہماری جسمانی ساخت

ہمارے اندر کی تمام چیزیں احساسات دل یہ یکساں کیوں ہیں.....؟ اگر ان میں یکسانیت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان مفاہمت اور قربت کا تصور موجود ہے۔ یہ تصور ہم سے کیوں چھینا جا رہا ہے۔ ہم وہ سب کچھ تو نہیں چاہتے جو طلب کی منزل کو تاریک کر دیتا ہے۔ پھر یہ ضد کیوں ہے.....؟ میں اسی ضد کے خلاف جنگ کر رہی ہوں۔ مگر تم میرا ساتھ نہیں دے رہے۔ میرا مقصد تم سمجھ گئے ہو گے۔ تم نے اب تک جس ثابت قدمی سے میرے لئے قدم جمائے رکھے ہیں شازل..... میں اس کی دل سے قدر دان ہوں..... بہت عزت کرتی ہوں میں..... تمہارے ان جذبوں کی لیکن دیکھو تو سہی..... وہ صرف ہمارے راستے روکنے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کبھی ہمارے جذبات پر غور نہیں کیا۔ وہ ہمارے بارے میں روایتی انداز میں سوچ کر ہماری توہین کر رہے ہیں۔ ہم وہ نہیں ہیں جس کی توہین کی جائے۔ وہ ہمیں سمجھتے کیوں نہیں ہیں یہ میرا مؤقف ہے شازل..... مگر افسوس تم بھی میرے ہمنوا نہیں ہو۔"

"شعاع..... پہلے میں تم سے وہ سوالات کروں گا جو ضروری سمجھتا ہوں۔"

"سوالات ہی کرتے رہو گے زندگی بھر..... کبھی میرے سوالوں کا جواب بھی بن جاؤ۔"

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب ہوں..... شعاع۔ اتنا چاہتا ہوں تمہیں کہ اب شاید میری چاہت الفاظ کی گرفت میں نہیں آسکے گی لیکن اتنا ہی پاکباز بھی ہوں میں۔ اپنے مؤقف پر سختی سے کاربند..... اس میں لچک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ تم الکا کی حیثیت سے اس مندر میں کیسے نظر آئیں؟"

"وہاں کوئی الکا نہیں تھی۔ تم وہاں پہنچے تھے۔ میں تمہارے سامنے آئی۔ یہی چاہا میں نے کہ کہیں بھی کسی حیثیت سے میرا تاثر تو قبول کرو۔ انہوں نے تو مجھ سے میرا جسم بھی چھین لیا ہے۔ میری شکل و صورت بھی چھین لی ہے لیکن میں اب بغاوت کی منزل میں ہوں۔ ٹھیک ہے وہ اپنا عمل کریں میں اپنا عمل کروں گی لیکن افسوس تنہا ہوں اس عمل میں..... تم میرا ساتھ نہیں دے پا رہے۔ سب کچھ کھیل کھیلا تھا میں نے..... وہاں الکا نام کا کوئی وجود تھا ہی نہیں..... سارے جھوٹ میں نے تمہارے لئے بولے تھے۔ جرم سمجھتے ہو تو سزا دے لو..... یہ جرم میں کرتی رہوں گی۔ ایسے ایسے روپ میں نظر آؤں گی تمہیں کہ تم خود شرمندہ ہو جاؤ۔ سمجھ رہے ہو نا ایسی غلاظتوں میں داخل ہو جاؤں گی میں کہ تم اپنی آنکھیں پھوڑ لو۔ سب مجبور کر

رہے ہیں مجھے..... کوئی مجھے سمجھ ہی نہیں رہا۔ میرے بارے میں کوئی سوچ ہی نہیں رہا۔"

"تو وہ ساری کہانیاں جھوٹی تھیں۔"

"ہاں..... ہاں..... ہاں..... صرف تمہاری قربت حاصل کرنے کے لئے میں الکا بنی تھی۔ میرے دل میں یہی تھا کہ تمہیں متاثر کرلوں گی اس دوران' اور تم کسی نہ کسی طرح میری قربت حاصل کرلو گے اور انہیں شکست ہو جائے گی۔ جو اپنی انا کا علم ہاتھ میں لئے سینہ تانے ایک کمزور اور بے بس لڑکی کے سامنے کھڑے ہیں۔ اسے یہ بتانے کے لئے کہ وہ اس سے برتر ہیں۔ اسے یہ بتانے کیلئے کہ وہ اس کے جسم و جان کے مالک ہیں۔ نہیں ہیں وہ میرے جسم و جان کے مالک اور اگر ہیں تو میرا جسم ان کے قبضے میں ہے۔ جان بھی چاہے لے لیں۔ میں نے منع نہیں کیا انہیں لیکن تمہیں چاہتی رہوں گی۔"

"تمہارے سوچنے کا انداز غلط ہے..... شعاع جس پاکیزگی کا تم ذکر کرتی ہو' وہ قربت میں نہیں دوری میں ہے۔ مجھے دیکھو کیا میں اس دنیا کا انسان رہا ہوں۔ شعاع..... ہم زمین پر بسنے والے..... جھونپڑوں اور مکانوں میں رہنے والے کبھی کبھی بہت کچے کردار کے مالک ثابت ہوتے ہیں۔ یہ الزام ہم پر ہمیشہ ہی لگتا رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے شازل پر الزام نہ لگے اور میں یہ بھی چاہتا ہوں شعاع کہ انتہا پسندی میں تم اپنے آپ کو اتنا ہلکا نہ کردو کہ کوئی تمہیں ہلکی نگاہ سے دیکھے۔"

"مت کرو مجھے نصیحتیں..... نفرت ہو گئی ہے مجھے نصیحتوں سے..... لیکن میں تمہیں یہ بتائے دے رہی ہوں' پہلے تو میرا جھگڑا ناظم ارسلان سے ہی چل رہا تھا لیکن اب تم بھی اس میں شریک ہو گئے ہو۔ شازل..... تم بھی اس جھگڑے میں شریک ہو گئے ہو اور میری جنگ کا آغاز آج سے تمہارے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اپنی پاکیزگی کے جھنڈے گاڑتے رہو۔ اپنی پاکیزگی کے تمغے کندھوں پر سجاتے رہو لیکن اگر شعاع سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو شعاع تمہیں وہ شکست دے گی کہ یاد رکھو گے زندگی بھر..... میری اور تمہاری ملاقات شازل اب کسی ایسی جگہ ہو گی جہاں کے بارے میں تم سوچ بھی نہ سکو۔" اور پھر وہ واپسی کے لئے پلٹی۔ آگ کا وہ چوکور دائرہ بجھ چکا تھا لیکن شعاع کی بنائی ہوئی لکیریں واضح تھیں۔ وہ اس دائرے میں داخل ہوئی چند قدم آگے بڑھی اور اس کے بعد روپوش ہو گئی۔

میں شدتِ حیرت سے کھڑا اس جگہ کو گھورتا رہا جہاں وہ گم ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا' بے اختیار آگے بڑھا اور ان لکیروں کو عبور کرکے اس چوکور نشان کے اندر داخل ہوگیا لیکن وہ میرے لئے نہیں تھا۔ شعاع ہی اس کے بارے میں بہتر جانتی تھی۔ میں نے اسے بہت سی آوازیں دیں لیکن اس کا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ میرے سامنے ایک وسیع و عریض راستہ موجود تھا اب بھلا سونے کا کیا سوال تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا۔ شعاع میرے ذہن میں جو ہلچل پیدا کرگئی تھی' اسے نظرانداز کرنا بھی تو ایک غیرانسانی ردِ عمل تھا اور بہرحال میں انسان تھا۔ شعاع تشدد پر آمادہ ہو گئی تھی' وہ مجھ سے بھی بددل ہوگئی تھی لیکن میں کیا کرتا.....؟ اگر کچھ کرسکتا تو بچپن کے اس پیار کو کبھی نظرانداز نہ کرتا۔ مجبور تھا' بہت مجبور تھا۔ نہ جانے اپنی دھن میں کب تک چلتا رہا۔ رات تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔ پھر یہ طویل ترین سفر طے کرنے کے بعد مجھے ایک بڑا سا پیپل کا درخت نظر آیا جس کے نیچے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے عقب میں ایک عمارت نظر آرہی تھی۔ جس کا گنبد یہ بتاتا تھا کہ یہ کبھی کوئی عبادت گاہ رہی ہوگی۔ قرب و جوار بالکل ویران نظر آرہے تھے۔ صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھوٹ رہا تھا۔ میرے قدم خودبخود اس عمارت کی جانب بڑھ گئے اور جب میں نے اس کے کواڑوں والے دروازے سے اندر قدم رکھا تو مجھے ایک دم احساس ہوگیا کہ زمانۂ قدیم میں یہ مسجد رہی ہوگی لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس وقت یہ بالکل صاف ستھری تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے باقاعدہ اس کی صفائی کی ہوگی۔ میں مسجد کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ نہ جانے آبادی یہاں سے کتنی دور ہے اور مجھے مزید کتنا سفر طے کرنا پڑے گا۔ یہاں تو کچھ کھانے کیلئے بھی نہیں مل سکتا۔ ایک لمحے کیلئے میں نے سوچا کہ مسجد میں زمانۂ قدیم کا کوئی کنواں یا پانی کا کوئی اور انتظام تو ہوگا لیکن ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ قدموں کی آہٹیں ابھریں اور پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنا چہرہ موٹی چادر سے ڈھکا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک بالٹی اور پانی کا لوٹا تھا۔ اس نے یہ دونوں چیزیں میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"منہ ہاتھ دھولیں۔ ناشتہ لے کر آتا ہوں۔" پھر وہ خاموشی سے واپسی کیلئے مڑ گیا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ اصل میں کسی ٹوٹی مسجد میں کس شخص کا موجود ہونا اتنے تعجب کی بات نہیں تھی۔ تعجب کی بات اس کے لہجے کا اعتماد تھا۔ جیسے اسے میرے آنے کا یقین ہو۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ پھر واپس آیا اور اس بار اس کے ہاتھ میں بڑی سی ٹرے تھی۔ ٹرے سے چائے کی خوشبو آرہی تھی۔ چائے دانی چینی کی پیالی'

بہت ہی اعلیٰ درجے کی پکی ہوئی روٹیاں' مکھن اور غالباً کسی قسم کا ساگ تھا۔ اس نے یہ سب کچھ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"بے خطر استعمال کیجئے سب کچھ حلال ہے اور ایک مسلمان کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔"

میں سمجھ گیا تھا میں نے جلدی سے کہا۔ "سنو..... میں تمہارے بارے کچھ جان سکتا ہوں۔"

"مجھے اجازت نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کسی کے مہمان ہیں اور آپ کو کچھ ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ یہ ذمہ داریاں آپ کو پوری کرنا ہوں گی' میزبان کسی مناسب وقت پر آپ سے ملاقات کریں گے۔" اس مناسب وقت میں بھی دیر نہ لگی۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ شاید اس حیرت کدے میں بھی خاصا وقت گزارنا پڑے لیکن رات کو جب وہی شخص میرے لئے کھانا وغیرہ لے کر آیا اور میں کھانے سے فارغ ہوا تو تاحدِ نظر پھیلے ہوئے ویرانے کے باوجود دو افراد مجھے آتے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں بڑی سی لالٹین تھی۔ وہ بہت دور سے آرہے تھے اور میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ ان کا رخ مسجد کی طرف ہی ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گئے اور پھر ان میں سے ایک نے لالٹین اونچی کرکے مجھے دیکھا لیکن لالٹین اونچی کرنے سے ان دونوں کے چہرے بھی میری آنکھوں میں نمایاں ہوگئے اور میں جس قدر شدید ذہنی جھٹکے سے دوچار ہوا شاید اسے الفاظ میں بیان نہ کرسکوں۔ انسان نہ جانے کیسے کیسے رشتوں میں بندھ جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقی رشتے اس کے پہلے دن کے ہوش سے شروع ہوتے ہیں لیکن بعد میں نہ جانے کیسے کیسے بندھن اسے اپنے آپ میں جکڑ لیتے ہیں۔ یہ دو افراد جو میرے سامنے تھے۔ ان سے میرا ایک انوکھا رشتہ تھا۔ ایسا رشتہ جسے میں کبھی سمجھ نہیں پاؤں گا۔ ان میں سے ایک امیر شاہ صاحب تھے اور دوسرے کمال علی صاحب..... امیر شاہ صاحب کی آواز ابھری۔

"کیسے ہو شازل میاں....." میں دوڑ کر ان کے قدموں سے لپٹ گیا تھا۔ امیر شاہ صاحب نے کہا۔ "ارے ار..... ارے..... نہیں بھئی نہیں بری بات..... بہت بری بات ہے یہ..... سلام کرو سینے سے لگو پیروں سے لپٹنا ناجائز عمل ہے' چلو ہمیں کسی مناسب جگہ بٹھالو۔ کمال علی ذرا سمجھاؤ اس بچے کو....." کمال علی نے میرا شانہ پکڑ کر مجھے اٹھایا۔ پھر دونوں نے مجھے سینے سے لگایا اور امیر علی شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے ایک گوشے میں لے گیا۔ اب مجھے اندازہ

ہو گیا تھا کہ میرے لئے کھانے پینے کا بندوبست کس نے کیا ہے اور کس طرح کیا ہے۔ وہ بیٹھ گئے میں ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"بھئی بات اصل میں یہ ہے کہ وہ ایک تحریک ہی ہوتی ہے جو انسان کو کسی راستے پر لا کر ڈال دیتی ہے اور پھر یہی تحریک اس کا مستقبل بن جاتی ہے۔ خدا تمہیں خوش رکھے کم از کم اچھے والدین کا خون ہو اور یہ تجربہ کر رہے ہیں ہم کہ ماں باپ کی شرافت اولاد میں یقیناً ہوتی ہے یا پھر سب کچھ انسان کا اپنا ہی مزاج ہوتا ہے۔ تم ہمارے لئے تجربہ بن رہے ہو۔ اچھا خیر..... مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ بہت سی باتیں کچھ ظاہر ہوتی ہیں کچھ پوشیدہ ہوتی ہیں۔ کچھ ہم ہیں اور کچھ وہ..... جو ہم پر ظاہر نہیں ہوتے اور وہ بھی احکاماتِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں۔ جیسے ہم..... جو وہ کرتے ہیں انہیں وہ کرنے دو' جو ہمیں کرنا ہے وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ کیا سمجھے..... جو بتانے کی باتیں ہوں گی وہ بتا دی جائیں گی۔ جب خاموش رہیں' وہاں ہمیں مجبور سمجھنا۔ ہاں جس کام کا تعلق تم سے ہو گا تمہیں اطلاع ضرور دی جائے گی۔ انشاء اللہ محفوظ رہو گے فکر مند مت ہونا۔ اعتماد قائم رکھنا۔"

"مجھے صرف میری غلطیوں کی نشاندہی کی جائے۔" میں نے کہا۔

"ایسا بھی ہو گا اگر ضرورت پیش آئی۔ مختصر سن لو جیسا کہ میں نے کہا کہ کبھی کبھی بعض لوگوں کے شانوں پر وہ ذمہ داریاں عائد کر دی جاتی ہیں جو ان کا منصب نہیں ہوتیں لیکن بات وہی ہے کہ اگر کچھ کر لیا جائے تو آسمانوں تک لے جانے کے لئے کچھ اثاثے بن جاتے ہیں۔ چلو چھوڑو..... اس جگہ کا نام قلعہ حیدر سنگھ ہے۔ حیرت تو ہوئی ہو گی یہ نام سن کر تمہیں۔ حیدر اور پھر سنگھ..... لیکن یہاں رہنے والے غیر مسلم بھی تھے اور مسلم بھی۔ غیر مسلم اسے قلعہ رانا سنگھ کہتے ہیں اور مسلمان قلعہ حیدر بخش..... چنانچہ باہر کے لوگوں نے اسے قلعہ حیدر سنگھ کہنا شروع کر دیا ہے اور اسی نام سے یہ زیادہ مشہور ہے۔ اس تنازعے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں رہنے والے بھی آپس میں ایک دوسرے سے اتنا ہی اختلاف رکھتے ہیں جتنا یہاں کا نام۔ کیا سمجھے.....؟ مزید یہ کہ اس سلسلے میں یہاں زبردست جھگڑا چل رہا ہے اور یوں سمجھ لو کہ خون خرابہ بھی کافی ہوا ہے۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی نہ کوئی مشکل کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ جس دروازے سے تمہیں اندر داخل کیا گیا ہے' وہ کیوں کھولا گیا تھا۔ یہاں آئے ہو کچھ ذمہ داریاں انجام دینی ہوں گی۔ ہمت اور بھروسے کے ساتھ۔ کیونکہ ہر برائی کا ایک پس منظر ہوتا ہے اور یہاں جو برائی پیدا ہوئی

ہے اس کے پس منظر میں بھی کوئی ہے بس..... اس سے تمہارا جھگڑا ہے۔ باقی معصوم لوگ تو آلہ کار بنتے ہیں۔ ان کا اپنا زیادہ عمل دخل نہیں ہوتا کیا سمجھے.....؟ ذرا انہیں دیکھنا اور سنبھالنے کی کوشش کرنا اور سنو ایک بات اور کہوں..... کوئی بھی کام یکطرفہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے پس منظر میں کچھ برے اور سخت مزاج لوگ ہوتے ہیں۔ محنت کا کام ہے لیکن کرنا تو ہے نا..... وہ لوگ خود تم سے ملاقات کریں گے جو تمہارے کام آسکتے ہیں۔ اجازت دو گے۔"

"آپ مجھے اتنے عرصے کے بعد ملے ہیں..... امیر شاہ صاحب! دل تو یہ چاہتا ہے....."

"بس..... بس..... بس بہت سی باتوں کو دل چاہتا ہے لیکن پھر بھی ایسا کرو کہ دل کے چکر میں مت پڑو۔ یہ جگہ اچھی ہے۔ فی الحال اسے اپنی قیام گاہ بنا لو۔ لوگ آتے جاتے رہیں گے تمہارے پاس۔ کچھ ہمارے ساتھی ہوں گے اور کچھ اِدھر اُدھر کے لوگ..... اور اگر کوئی خاص مسئلہ ہوا تو جیسا کہ تم سے کہہ دیا گیا ہے تمہیں بتا دیا جائے گا اور راہنمائی بھی کر دی جائے گی تمہاری..... اب اجازت دو گے یا اور کوئی سوال باقی رہ گیا ہے۔"

میرے سارے وجود میں تشنگی تھی۔ نہ جانے کیا کیا سوال کرنا چاہتا تھا' لیکن..... وہ لوگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور اس کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے میں انہیں مسجد کے دروازے تک چھوڑنے آیا تھا' نہ جانے کتنا وقت گزر گیا اور میں وہیں کھڑا ہوا تاریک خلا میں نظریں جمائے رہا۔ دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بزرگوں کا منظورِ نظر ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا اپنا مستقبل کیا ہے کس طرح زندگی گزارنی ہے۔ ابھی کچھ وقت پہلے جو کچھ ہوا تھا۔ وہ الگ سوچوں کا حامل تھا۔ شعاع اپنی محبت میں دیوانی ہو رہی تھی۔ وہ نہ جانے کیا کیا کرنا چاہتی تھی.....؟ کیا کیا کر رہی تھی..... کیا کہہ گئی تھی مجھ سے.....؟ بڑا دل دکھتا تھا اس کے لئے لیکن جو کچھ وہ چاہتی تھی وہ تو نہیں کر سکتا تھا میں..... دیکھوں گا میں..... دیکھوں گا اسے..... بہرحال بعد میں واپس آگیا اور اس کے بعد نہ جانے کتنی دیر تک یہ سوچتا رہا تھا کہ کمال علی صاحب اور امیر شاہ صاحب کیا کہہ گئے ہیں.....؟ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن دوسرے دن میں مسجد کے دروازے میں کھڑا ہوا تھا کہ کچھ افراد گھوڑوں پر سوار جاتے ہوئے نظر آئے اور پھر انہوں نے مجھے دیکھ لیا۔ گھوڑوں کا رخ میری جانب ہو گیا تھا۔ سات آدمی

تھے..... اور ان میں ایک شخص بڑی اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ بڑی بڑی نوکیلی مونچھیں بڑی سی پگڑی..... ماتھے پر تلک لگا ہوا تھا' چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ میرے قریب آیا۔ شاندار گھوڑے پر سوار تھا۔ مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کون ہو..... اور یہاں کیا کر رہے ہو.....؟"

تمہاری بستی کا مہمان ہوں۔ بستی تک تو نہیں پہنچ سکا۔ میں نے سوچا کہ یہیں رہوں اور ویسے بھی سنا ہے کہ بستی میں مسلم اور غیر مسلم کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ تمہارے ماتھے کا تلک بتاتا ہے کہ تم غیر مسلم ہو اور میرے بارے میں تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسجد میں رہنے والا کون ہو گا.....؟"

"چلے جاؤ یہاں سے..... اگر اس بستی کے ہوتے اور اس مسجد میں نظر آتے تو ٹھاکر کرجے سنگھ تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔ ویسے قلعہ حیدر سنگھ کے بارے میں کیا جانتے ہو.....؟"

"جو لوگ گھوڑوں کی پشت پر بیٹھ کر مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں ان سے دوستی نہیں کی جا سکتی اور سوالوں کے جواب دوستوں ہی کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں..... اگر زبردستی کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو زبردستی کرو۔"

ٹھاکر جے سنگھ نے مجھے غور سے دیکھا پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "گھوڑے پیچھے لے جاؤ اور میرا انتظار کرو۔" پھر وہ گھوڑے کی پشت سے نیچے اتر آیا۔ اس کا گھوڑا بھی اس کے ایک ساتھی نے سنبھال لیا تھا کہنے لگا۔

"جے سنگھ ہے میرا نام..... ماتھے کے تلک سے تم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مسلمان نہیں ہوں۔ اب تو مہمان نہیں رہے تم۔ انسان بن کر بات کرو۔ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو.....؟ آنے کا کوئی خاص مقصد ہے یا ایسے ہی نکل آئے ہو۔ اگر ایسے ہو تو جاؤ..... یہاں سے چلے جاؤ یہاں سے..... یہاں کی فضا اچھی نہیں ہے۔"

"ٹھاکر صاحب! شازل ہے میرا نام..... مذہب کے بارے میں اس نام سے ہی پتا چل گیا ہو گا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ قصہ کیا ہے یہاں کا.....؟"

"بس..... دو خاندانوں نے قلعہ حیدر سنگھ کے حالات خراب کر رکھے ہیں۔ ایک میرا خاندان ہے دوسرا حیدر بخش کا۔ جس کے موجودہ سربراہ کنور فاروق علی ہیں۔ اپنے خاندان کی منہ بولتی تصویر..... کبھی انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ دین دیانت بھی ہو۔ مال دولت کتنی بھی کسی کے پاس ہو لیکن انسان تو انسان ہی

ہوتا ہے نا..... اگر کنور صاحب انسان بن جائیں تو ٹھاکر جے سنگھ بھی کسی بنئے کی اولاد نہیں ہے۔ کتنی بار محبت کی پیشکش کی جا چکی ہے۔ جواب میں بندوق کی گولی چلائی جاتی ہے۔ یہ ہیں تمہارے دین کے پیروکار۔"

"ہوں ٹھاکر صاحب! میں بہت معمولی سی شخصیت کا مالک ہوں لیکن کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ قلعہ حیدر سنگھ کے حالات ٹھیک کرنے میں آپ کی مدد کروں۔"

"اگر اس سطح کے انسان ہو تو ضرور کوشش کرو' تم سے تعاون کیا جائے گا۔ قلعہ حیدر سنگھ میں داخل ہو گے تو ٹھاکر جے سنگھ کی حویلی سب سے پہلے نظر آئے گی۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے لیکن آج کے بعد..... بس اب ہم چلتے ہیں۔" اس کے بعد ٹھاکر جے سنگھ نے وہیں سے تالی بجائی اور اس کے جو ساتھی تھوڑے فاصلے پر تھے' اس کے قریب پہنچ گئے۔ ٹھاکر جے سنگھ..... گھوڑے پر بیٹھ کر چل پڑا تھا اور میں اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر میری پیشانی پر لاتعداد شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ یہ مسئلہ قابلِ غور تو ہے..... اور پھر ذمہ داری دو بہت بڑی شخصیتوں نے میرے سپرد کی تھی۔ شاید ان کی مدد سے میں اس ذمہ داری کو بھی نبھا سکوں۔ چنانچہ اپنے طور پر سوچ میں مصروف ہو گیا تھا۔ جے سنگھ کی شخصیت تو میرے سامنے آ چکی تھی۔ نرمی تھی..... لچک تھی..... شرافت تھی دیکھنا یہ تھا کہ کنور فاروق علی کس مزاج کے انسان ہیں۔

ٹھاکر جے سنگھ نے جو کچھ ان کے بارے میں کہا تھا ہو سکتا ہے وہ اس کی نفرت پر مبنی ہو۔ کنور صاحب کے ذہن میں کچھ اور ہی خیال ہو۔ بہرحال میں یہ طے کر چکا تھا کہ ہوشیاری اور ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام سرانجام دوں اور اس سارے مسئلے کی چھان بین کروں۔ کیونکہ بہرطور یہ ذمہ داری میرے سپرد کی گئی تھی۔ میں نے ٹھاکر جے سنگھ کی دعوت قبول کر لی تھی اور یہ طے کر لیا تھا کہ اب ذرا قلعہ حیدر سنگھ میں جا کر وہاں کی صورتِ حال کا اپنی آنکھوں سے جائزہ لوں۔ جیسا کہ مجھے ہدایت کی گئی تھی اور دوسرے دن میں نے اپنی اس بات پر عمل کیا اور بستی کی جانب چل پڑا۔ بستی کی سمت کا اندازہ میں نے اس راستے سے لگا لیا تھا جس سے ٹھاکر جے سنگھ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرف نکل آیا تھا۔ اصل میں بستی بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھی بلکہ اسے ایک دلچسپ بات کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس جگہ سے سیدھا وسیع و عریض میدان نظر آتا تھا لیکن ایک جگہ سے یہ میدان اچانک ڈھلانوں میں اتر جاتا تھا اور ڈھلانوں کے اختتام پر قلعہ حیدر سنگھ واقع تھا۔ یہ جگہ اتنی اونچی تھی کہ دور سے

دیکھنے والوں کو قلعہ حیدر سنگھ بستی نظر نہیں آسکتی تھی۔ جب میں کنارے پر پہنچا تو میں نے یہ خوبصورت بستی آباد دیکھی اور بلندی سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ اچھی صاف ستھری بستی تھی۔ بہترین' سڑکیں اچھے مکانات اور آبادی مختصر تھی۔ راستے بڑی خوبصورتی سے باہر نکلتے تھے اور شاید کہیں کہیں سرنگیں بھی بنائی گئی تھیں۔ ایک انتہائی حسین بستی آباد تھی اور اس بستی میں جو سب سے پہلی حویلی نظر آتی تھی وہ پیلی مٹی اور پتھر کی سلوں کے حسین امتزاج سے بنائی گئی تھی اور اس کا اسٹائل کچھ ہندو طرز کا تھا۔ شاید کچھ ایسا بندوبست کیا گیا تھا کہ اگر کوئی بستی میں اس طرح سے داخل ہو تو اسے دور ہی سے دیکھ لیا جائے اور ٹھاکر جے سنگھ نے بھی شاید مجھے دیکھ لیا تھا یا پھر ممکن ہے کہ اس کے آدمیوں نے اسے یہ اطلاع دے دی ہو۔ چنانچہ جب میں ڈھلانیں عبور کر کے نیچے پہنچا تو حویلی کے بڑے دروازے سے چار گھوڑ سوار باہر نکلے۔ ان کے ساتھ پانچواں گھوڑا خالی پشت کا تھا۔ ان کا رخ میری طرف تھا۔ حالانکہ حویلی کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن وہ میرے قریب پہنچے اور انہوں نے اپنے گھوڑوں سے اتر کر کہا۔

"ٹھاکر مہاراج نے آپ کیلئے گھوڑا بھیجا ہے۔ آیئے وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" گھوڑے پر بیٹھ کر میں نے دل میں سوچا کہ بات تو بڑی عجیب سی ہے۔ ایسے اچھے لوگ آپس میں دشمنی رکھتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے۔ یہ دشمنی کیوں ہے.....؟ دیکھنا ہو گا۔ بہرحال گھوڑے پر بیٹھ کر حویلی کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوا تھا اور اندر قدم رکھنے کے بعد یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ٹھاکر جے سنگھ مالی طور پر معمولی حیثیت کا مالک نہیں ہے۔ حویلی بہت شاندار اور مخصوص طرز کی بنی ہوئی تھی اور حویلی کی سولہ سیڑھیوں کے بعد بنے ہوئے سنگی چبوترے پر ٹھاکر جے سنگھ میرے انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے پاؤں چھوئے اور بولا۔

"میرے باپ دادا نے مجھے بتایا تھا کہ مہمان سے بڑا اوتار اور کوئی نہیں ہوتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا بھگوان کس بھیس میں تم تک پہنچے۔ اگر کوئی اجنبی مہمان بنے تو اسے دیوتا کا درجہ دو۔ آپ مسلمان ہیں شازل صاحب! لیکن ٹھاکر جے سنگھ اپنے معزز ترین مہمان کی حیثیت سے آپ کا سواگت کرتا ہے۔ آیئے۔" اس چبوترے کے داہنی سمت بہت خوبصورت عمارت بنی ہوئی تھی سامنے بھی حسین عمارت تھی جو یقیناً حویلی کا زنان خانہ تھی اور بائیں سمت بھی گھر بنے ہوئے تھے جو حویلی کے ملازموں کیلئے تھے۔ بہت حسین ترتیب تھی۔ ٹھاکر جے سنگھ مجھے مہمان خانے میں لے گیا۔ اس نے مہمان خانے کے ایک وسیع و عریض کمرے میں میرے قیام کا بندوبست کیا اور بولا۔

"شازل بتایا تھا آپ نے اپنا نام..... مہاراج' دیکھئے بات اصل میں یہ ہے کہ ہم نے آپ کو ٹوٹی مسجد میں پایا تھا۔ مندر ہو یا مسجد..... سارے گھروں میں بھگوان کی بات کی جاتی ہے۔ بھگوان کے مہمان انسان کے لئے عزت کا باعث ہوتے ہیں۔ آپ آرام سے رہو جب تک آپ کا دل چاہے رہو..... اگر دل میں یہ خیال آئے کہ ہندو کے گھر میں ہو' تب جو من چاہے کرنا' ہاں اگر کوئی تکلیف ہو تو ہمیں بتا دینا اور جب قلعہ حیدر سنگھ سے واپس جاؤ تو ایک بار کنور فاروق علی سے مل کر یہ بتا دینا کہ ایک ہندو کے گھر میں مسلمان کی اتنی ہی عزت ہو سکتی ہے جتنی مسلمان کے گھر میں مسلمان کی' اس لئے دین دھرم کے نام پر خون مت بہاؤ' خون کا تو ایک ہی رنگ ہوتا ہے دھرم کے کتنے ہی رنگ بنالو' بس اتنا ضرور کہتے جانا۔ ہم سے کوئی کام ہو تو ہمیں ضرور بتا دینا' ہم تمہارے پاس اپنا ایک خاص ملازم بھیج دیتے ہیں جو تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گا۔" پھر اس کے بعد ٹھاکر جے سنگھ نے میرے لئے قیام کا بندوبست کر دیا' میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اس ہندو کے ہاں قیام کرنا چاہئے کہ نہیں' لیکن اندر کی بات یہ تھی کہ یہاں قیام کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا' بات وہی تھی کہ کمال علی اور امیر شاہ صاحب نے براہِ راست مجھے اس طرف متوجہ کیا تھا اور مجھے پورا اعتماد تھا اس بات پر کہ یہ بزرگ میرے ہر قدم پر نگاہ رکھ رہے ہوں گے' کہیں بھی راستے غلط ہوئے تو میری راہنمائی کر دی جائے گی' پھر ملازم کی حیثیت سے جو شخص میرے پاس آیا' وہ اچھی شکل و صورت کا مالک' ایک پختہ کار آدمی تھا' دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنے مخصوص انداز میں سلام کر کے اس نے کہا۔

"ہمارا نام گنگادھر ہے مہاراج' آپ کے سیوک کی حیثیت سے ٹھاکر صاحب نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے' باقی باتیں بھی کی ہیں انہوں نے ہم سے' صاحب لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم بولتے بہت ہیں' پر آپ ایک بات بتایئے؟ انسان اگر بولے گا ہی نہیں تو جیئے گا کیسے' جینے کے لئے بولنا تو پڑتا ہی ہے' اب ہم کیا کہیں آپ سے' آپ یہ سمجھ لو صاحب کہ جو بات ہمارے دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ مسلمان ہو صاحب' مسلمان ہو کر ٹھاکر صاحب کے مہمان ہو' جبکہ بستی کے لوگوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ٹھاکر صاحب مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں' ایسا نہیں ہے صاحب جی' ارے ہندو مسلمان تو انسان بعد میں ہوتا ہے' ہندو کے گھر پیدا ہو گیا ہندو ہو گیا' مسلمان کے گھر پیدا ہو گیا' مسلمان ہو گیا' سب سے پہلے تو وہ جیتا جاگتا انسان ہے آپ خود بتاؤ صاحب ہے کہ نہیں....."

"بالکل گنگا جی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"صاحب زیادہ تو نہیں بول رہا میں؟" وہ رازداری سے بولا۔

"بالکل نہیں..... بالکل نہیں، تم نے ابھی بولا ہی کہاں ہے۔"

"خیر، بولا تو ہے ہم نے، ہم تو یہ کہہ رہے تھے صاحب، کہ آپ خود بتاؤ سارے کے سارے ایک ساتھ رہتے ہیں کون ہندو ہے؟ کون مسلمان، یہ تو بعد کی باتیں ہیں، ارے ہم مسلمانوں کے ساتھ پل کر جوان ہوئے۔ اتنے دوست ہیں ہمارے کہ آپ کو بتا نہیں سکتے۔ اس بستی میں پیدا ہوئے ہیں، اسی بستی میں جیتے ہیں اور آج دشمن ہیں ایک دوسرے کے، ارے بھائی اپنا کھاؤ، اپنا پہنو، بھگوان نے جو کچھ تمہیں دیا ہے وہ تمہارا، جو دوسرے کو دیا ہے وہ اس کا، پھر کیسا ہندو، کیسا مسلمان؟ اپنے اپنے کئے کا پھل پاؤ گے، میں زیادہ تو نہیں بول رہا ہوں؟"

"نہیں..... بالکل نہیں گنگادھر ابھی تم بولے ہی کہاں ہو۔" میں نے بمشکل تمام مسکراہٹ روکتے ہوئے کہا۔

"اب اتنا بول لئے ہیں کافی ہے، بعد میں بولیں گے، کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں ٹھیک ہے۔" گنگادھر واقعی زبردست چیز تھا کھانے پینے کی اشیاء لے کر آیا، پھل تھے، دودھ تھا، کہنے لگا۔

"دیکھو صاحب، مٹی کے یہ برتن کمہار نے بنائے ہیں ٹھاکر جے سنگھ کی حویلی میں آپ کو سونے کے برتنوں میں بھوجن دیا جاسکتا ہے مگر ٹھاکر صاحب نے خاص طور سے کہا کہ کمہار کے پاس جاؤ مٹی کے برتن لاؤ، گائے کا دودھ نکلواؤ اور مٹی کے برتن میں ڈال کر مہمان کو پیش کرو، پھلوں کے لئے بھی صاحب جی مٹی کے برتن ہی لائے گئے ہیں اور پھل جو ہیں نا وہ درختوں سے توڑے گئے ہیں، گائے نہ ہندو نہ مسلمان، آپ چاہے تو گائے سے پوچھ لو صاحب، پتہ ہے کیا کہے گی وہ!"

"مجھے نہیں پتہ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"بھیں..... بھیں۔ اس کا الگ ہی دھرم ہے صاحب اور اس کے دھرم کا نام کیا ہے آپ جانتے ہیں۔"

"وہ بھی نہیں جانتا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"بھیں۔" گنگادھر بولا اور خود ہی ہنس پڑا۔

بڑا دلچسپ آدمی تھا وہ، میں نے کچھ پھل کھائے، دودھ بھی پی لیا، گنگا دھر میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔

"بہت دلچسپ آدمی ہو گنگادھر تم..... بہت ہی دلچسپ آدمی ہو، میں تو تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں۔"

"ارے صاحب بس، کیا دلچسپ آدمی ہیں آپ یوں سمجھ لو تقدیر نے مار دیا ہے صاحب، یہ جو گنگادھر آپ کو ہنستا بولتا نظر آتا ہے نا آپ سمجھ لو یہ ہنسی نہیں آنسو ہیں، رونے کی آوازیں ہیں جو دل سے نکلتی ہیں، صاحب بڑے دکھی ہیں ہم اندر سے۔ اب آپ پوچھیں گے کیوں؟ اور ہم بتانے بیٹھ جائیں گے، پھر آپ کہیں گے کہ گنگادھر تو بہت ہی بولتا ہے۔"

"نہیں گنگادھر میں تو تم سے یہ بات معلوم کرنا چاہتا ہوں تم جیسا آدمی اتنا ہنسنے بولنے والا اندر سے دکھی کیوں ہے۔"

"قلعہ حیدر سنگھ کی بری حالت پر صاحب، اپنے گھر کے لٹ جانے پر۔"

"گھر کے لٹ جانے پر.....؟"

"تو اور کیا، سارا قلعہ حیدر سنگھ ہمارا گھر ہے صاحب، سارے ہندو، مسلمان آپس میں دوست تھے، بگاڑ دیا اس نے جو دیو سنگھ نہیں خالی دیو ہے دیو، راکشش ہے، اپنے آپ کو مہادیو کہتا ہے لوگ اس کا نام لیتے ہوئے ڈرتے ہیں، پر ہم نہیں ڈرتے، ہم کیا ڈریں گے صاحب، ہمارا تو سب کچھ چھین لیا ہے اس نے، ہماری دھرم پتنی چھین لی ہے، ہم کیا ڈریں گے اس سے، وہ تو بس صاحب ہمارے پاس گیان دھیان نہیں ہے ورنہ سارا کھیل ہم خود ختم کر دیتے۔ آپ کو پتہ نہیں پہلے قلعہ حیدر سنگھ کی یہ حالت نہیں تھی، کنور صاحب بھی اتنے برے آدمی نہیں ہیں یہ ہم بتا رہے ہیں، پر وہ دیو سنگھ، بس، اسی نے قلعہ حیدر سنگھ کی تقدیر بگاڑ دی ہے۔"

"مجھے دیو سنگھ کے بارے میں بتاؤ گنگادھر، یہ تو تم نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے۔"

"بتانے بیٹھ جائیں گے تو آپ کہو گے کہ بہت زیادہ بولتا ہے گنگادھر۔"

"میں نے ایک بار بھی یہ بات نہیں کہی ہے گنگادھر، کیوں سوچتے ہو کہ میں تم سے یہ بات کہوں گا۔"

"بھگوان آپ کا بھلا کرے، ذرا کاموں سے نمٹ آئیں اس کے بعد آپ کو بتائیں گے۔"

گنگادھر نے کہا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے دلچسپی سے اس کے بارے میں سوچا، واقعی گنگادھر

تو بہت کام کا آدمی ہے اور اب رفتہ رفتہ مجھ پر سارے حالات منکشف ہو رہے تھے۔ گویا امیر شاہ صاحب نے اسی طرف رہنمائی کی تھی' بہرحال مجھے گنگادھر کی آمد کا انتظار تھا پھر وہ آیا اور اس نے اپنی کہانی کا آغاز کیا' کہنے لگا۔

"یہ تو ہم آپ کو بتا چکے ہیں مہاراج کہ زیادہ عرصے پرانی بات نہیں ہے کہ ہماری اس آبادی میں کوئی جھگڑا کوئی مصیبت نہیں تھی۔ پھر دیو سنگھ یہاں آگیا۔ اس نے آبادی سے کچھ فاصلے پر اپنا استھان بنالیا۔ وہ خود کو مہادیو کہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہی ہے مہاراج کہ اس نے نہ جانے کس کس طرح یہاں اپنے بہت سارے ساتھی بنالئے جو اس کے اشارے پر دنگا فساد کرتے ہیں۔ اسی نے دلوں کے اندر نفرت کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ تو اس بستی کا معاملہ ہے پر مہاراج' خود ہمارے ساتھ جو ہوئی ہے وہ بہت بری ہوئی ہے' مہاراج ہماری دھرم پتنی سروجنی بڑی پتی ورتا عورت تھی اور کبھی ہم سے الگ نہیں سوچتی تھی پر نہ جانے کیا ہوگیا اسے اور کیسے ہوگیا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس پاپی مہادیو نے ہمارے گھر پر بھی اپنا منحوس سایہ ڈال دیا' سروجنی ایک سیدھی سادی عورت تھی' بالکل گھریلو' اس نے میری آنکھوں کے اشاروں کے بغیر کبھی کچھ نہیں کیا تھا لیکن آہستہ آہستہ میں نے محسوس کیا کہ وہ بدلتی جارہی ہے۔ وہ چوری چوری کوئی جاپ کر رہی تھی۔ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی رہتی تھی اور پھر ایک دن جب میں نے اس سے یہ بات کہی تو وہ بری طرح بگڑ گئی' مہاراج اس نے تو کام ہی دوسرا کر دیا' میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس بارے میں' پاگل ہوگئی وہ' اس نے میرے گھر کی بہت سی چیزیں توڑ دیں۔ میں غصے میں آنے کے بجائے اس کا جائزہ لینے لگا اور پھر ایک دن مہاراج جب اس کا کمرہ اندر سے بند تھا لیکن اس کے علاوہ ایک مرد کی آواز بھی اس کے کمرے میں سنائی دے رہی تھی تو میں غصے سے دیوانہ ہو گیا' میں نے کلہاڑی ہاتھ میں لی' دروازہ توڑ دیا مگر وہ اکیلی تھی' مہاراج آپ یہ سمجھ لیں کہ کمرے کا ایک ایک سوراخ دیکھ ڈالا میں نے' پر کوئی نہیں تھا۔ میں خاموش ہوگیا اب بھلا میں کیا کہہ سکتا تھا' سروج کے رنگ ڈھنگ مسلسل بدلتے جارہے تھے وہ سولہ سنگھار کرنے لگی تھی اور مجھے اس کے چال چلن بڑے خراب لگنے لگے تھے پر مہاراج ایک بار بھی میں اسے کسی برے حال میں نہ پکڑ پایا۔ اب میں کیا کرتا آپ خود بتایئے مجھے تو یہ لگنے لگا تھا کہ جیسے وہ پاگل ہوگئی ہو' اس وقت تک مہاراج میری سمجھ میں اس کی کوئی بات نہیں آرہی تھی' پھر ایک شام وہ اپنے کمرے میں بند ہوگئی' میں نے اسے آواز دی تو اس نے میرے کہنے پر بھی دروازہ نہیں کھولا' اصل میں میری سمجھ میں کچھ

آہی نہیں رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ بات بہت بگڑ گئی ہے اب کچھ کرنا چاہئے۔ پھر میں انتظار کرتا رہا' جب سارے لوگ سو گئے اور چاند نکل آیا تو میں خاموشی سے اپنی جگہ سے باہر نکل آیا اور مہاراج بڑا صحیح وقت تھا یہ' میں نے دیکھا کہ سروجنی بنی سنوری باہر نکل رہی تھی اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ پانی حد سے گزر گیا تھا میرے غصے کی انتہا نہیں تھی' میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور پھر مہاراج جب وہ دیو سنگھ کے کٹیا کے پاس رکی تو میں حیران رہ گیا۔ وہ چھن چھن کرتی آگے کی طرف قدم بڑھا رہی تھی' میں دیکھتا رہا وہ اندر داخل ہوگئی اور میرے من میں آگ سلگ اٹھی۔ تو یہ مقصد ہے۔ حالانکہ دیو سنگھ کی باتیں سارے قلعہ حیدر سنگھ میں پھیلی ہوئی تھیں اور لوگ نہ جانے اس کے بارے میں کیا کیا کہتے تھے۔ مہاراج' میں آگے بڑھا تو دروازہ بند ہوگیا' میں نے لاکھ اس دروازے پر ٹکریں ماریں مگر دروازہ نہیں کھلا پھر مجھے تھوڑے فاصلے پر روشنی نظر آئی اور میں اس طرف بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کہ ذرا دیکھوں تو سہی اس سے یہاں پر کون لوگ ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ اگر میرے جاننے والے ہیں تو میں انہیں بتاؤں گا دیکھو کیا ہو رہا ہے اس بستی میں' جب میں اس جگہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت تخت پر دیو سنگھ بیٹھا ہوا ہے اور سروجنی اس کے سامنے ایک بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس بیٹھی ہوئی ہے' اور بھی بہت سے لوگ وہاں موجود ہیں۔ شاید آپ میری بات کو کہانی سمجھو گے' لیکن ایک ایک لفظ سچ کہہ رہا ہوں میں' ایک بھی جھوٹی نہیں ہے۔" گنگادھر کا سانس بری طرح پھول رہا تھا اس سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ شدید جذباتی ہو رہا ہے' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "پھر کیا ہوا گنگادھر.....؟"

"وہ دیکھا میں نے مہاراج' جس کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا' لیکن....." گنگادھر رک کر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"لیکن کیا گنگادھر.....؟"

"مہاراج' جب میں واپس آیا تو..... تو میں نے دیکھا کہ وہ آرام سے اپنے بستر پر سو رہی ہے۔ وہ گھر میں موجود تھی۔"

"اوہ..... پھر.....؟" میں حیرت سے بولا۔

"پھر ہر رات یہی ہونے لگا۔ رات گئے وہ باہر نکلتی' پھر نہ جانے کب واپس آتی۔ مگر میں نے دوبارہ اس کا پیچھا نہیں کیا۔"

"ایک بات بتاؤ گنگادھر!"

"جی مہاراج!"

"تم کہہ رہے تھے کہ جس رات تم نے اس کا پیچھا کیا تھا اور وہاں اسے دیکھا تھا مگر جب واپس آئے تو اس گھر میں اسی طرح دیکھا تھا جیسے وہ کہیں گئی ہی نہ ہو۔"

"جی مہاراج!"

"اس کے بعد جب تم نے اسے دوبارہ جاتے ہوئے دیکھا' تو کیا اس کے کمرے میں اسے تلاش کیا۔"

"جی مہاراج' تلاش کیا تھا۔"

"وہ موجود تھی۔"

"نہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے وہ گئی تھی؟"

"ہاں مہاراج' وہ گئی تھی اور جاتی رہتی ہے۔ دیو سنگھ شیطان ہے۔ لوگ اس کے بارے میں اتنا نہیں کہتے جتنا ہم کہہ رہے ہیں' مگر کیا کریں' سنسار لٹ گیا ہے ہمارا' برباد ہو گئے ہیں ہم' بس جیون گزار رہے ہیں' من تو چاہتا ہے کہ..... کہ..... کہ....."

"نہیں گنگا دھر' ہمت نہ ہارو۔ تم سچے ہو' جھوٹ کا منہ ضرور کالا ہو گا۔"

"نہ جانے کب ہو گا مہاراج.....!" گنگا دھر مایوسی سے بولا۔

"ہو گا..... جلد ہو گا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ پھر اسے سے پوچھا۔ "قلعہ حیدر سنگھ کے رہنے والے دوسرے لوگوں کے خیالات دیو سنگھ کے بارے میں کیسے ہیں؟"

"بس مہاراج..... بتا چکا ہوں آپ کو..... یہ سب اس کے بہکا ہوئے ہیں۔ ورنہ پہلے سب مل جل کر رہتے تھے۔"

گنگا دھر کی سنائی ہوئی اس کہانی سے مجھے اتنا احساس تو ضرور ہو گیا تھا کہ امیر شا صاحب اور کمال علی صاحب نے میرے لئے یہ دروازہ کیوں کھولا ہے۔ بات ضرور بڑوں کی انا کی نہیں ہے بلکہ ان نفرتوں کے پیچھے ایک شیطان ہے اور جس طرح گجرا کا خاتمہ میرے ہاتھوں کرایا گیا اسی طرح شاید اب میرا سامنا دیو سنگھ سے ہو..... شاید ایسا ہی ہو۔ بہرحال اب خاموشی سے آگے کے لئے کام شروع کرنا تھا۔ یہ فیصلہ بھی کرنا تھا کہ کام کا آغاز کیسے ہو۔ دو نام سامنے تھے' ٹھاکر جے سنگھ اور کنور فاروق علی۔ جے سنگھ تو میرا میزبان بن گیا تھا۔ اب ذرا فاروق علی کو بھی دیکھنا تھا۔ یہ بھی دیکھ

تھا کہ دونوں میں کس کا پلہ بھاری ہے۔ البتہ یہ بات خود میرے علم میں آ گئی تھی کہ اصل معاملہ نہ ٹھاکر جے سنگھ کا ہے نہ کنور صاحب کا بلکہ ان نفرتوں کو دلوں میں سجانے والی ہستی دیو سنگھ کی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ تھوڑا سا وقت ٹھاکر کے ساتھ گزاروں اس کے بعد کنور صاحب کو دیکھوں..... اور پھر..... دیو سنگھ سے ملاقات کروں اس فیصلے سے میں مطمئن ہو گیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تمام معاملات سے میرا ذرہ برابر تعلق نہیں تھا لیکن بہرحال..... یہ ذمہ داریاں مجھے جن شخصیتوں کی جانب سے سونپی گئی تھیں' وہی میری مستقبل گر تھیں اور میں جو کچھ کر رہا تھا' انہی کے ایماء پر کر رہا تھا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ان کی راہنمائی ہی میرے لئے بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ اب قلعہ حیدر سنگھ میں جو دلچسپ واقعات تھے' وہ معمولی نوعیت کے حامل تو نہیں تھے۔ مجھے بہرحال..... امیر شاہ صاحب اور کمال علی کے حکم سے یہاں کے معاملات میں مداخلت کرنی تھی۔ یہ مداخلت کس حد تک ممکن ہے اس کا جائزہ لینا تھا۔ پھر اس وقت میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بات کس جگہ سے آگے بڑھاؤں کہ تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو واقعات میں۔ یہاں جے سنگھ نے میرے لئے بڑے انتظامات کر دیئے تھے۔ میرا جہاں تک اندازہ تھا' جے سنگھ مجھ پر اپنے اچھے اخلاق کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا کیونکہ اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ میں مسلمان ہوں۔ یہ بھی ایک اچھی کوشش تھی۔ اگر وہ گندی طبیعت کا انسان ہوتا تو بھلا اسے کیا پڑی تھی کہ مجھے کوئی حیثیت دیتا جبکہ اسے صحیح معنوں میں یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ میں ہوں کون.....؟ تو بات تبدیلی کی ہو رہی تھی۔ جو ملازمہ میرے لئے پھل وغیرہ لے کر آئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ایسی عجیب و غریب کیفیت تھی کہ اپنے تمام اخلاق اور شرافت کے باوجود میری نگاہیں اس کا جائزہ لئے بغیر نہ رہ سکیں۔ آنکھوں میں حیا اور چہرے پر ایسی نرمی کہ انسان کا دل کھینچ لے۔ پھل وغیرہ میرے سامنے رکھ کر اس نے کہا۔ "ہم برتن میں دودھ نکال دیں؟"

"نہیں شکریہ میں لے لوں گا..... تمہارا کیا نام ہے لڑکی.....؟"

"حمیدہ....." اس نے جواب دیا اور میں چونک پڑا۔

"کیا نام بتایا تم نے.....؟" میں نے دوبارہ پوچھا تو اس نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولی "حمیدہ....."

"مسلمان ہو؟"

"ہاں۔"

"حمیدہ..... معاف کرنا میرا مقصد تمہیں زیادہ دیر یہاں روکنا نہیں ہے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمان ہو تو جے سنگھ کے ہاں ملازمت کیوں کر رہی ہو؟"

"اس لئے کہ میرے بابا نے کہا ہے۔"

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"تو پھر کیسے سمجھائیں.....؟" اس کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ جس سے مجھے حوصلہ ہوا۔

"تمہارے بابا نے تمہیں یہاں نوکری کرنے کے لئے کہا ہے۔ کیا جے سنگھ یہ بات جانتا ہے کہ تم مسلمان لڑکی ہو؟"

"نہیں....." وہ بولی تو میں چونک پڑا۔ میں نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے یہاں ہندو بن کر نوکری حاصل کی ہے؟"

"ہاں۔"

"مگر کیوں.....؟"

"اس لئے کہ جے سنگھ جو کچھ کر رہا ہے۔ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں اور بابا کو اس کی خبر کرتے رہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ میں پھر اچھل پڑا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ بڑی سنگین نوعیت کا حامل تھا۔ میں نے سوال کیا۔

"گویا تم جے سنگھ کے گھر کی خبریں اپنے بابا کو دیتی ہو۔"

"ہاں....."

"اور بابا وہ خبریں کہاں پہنچاتا ہے؟"

"یہ ہمیں نہیں معلوم..... بابا ہی کو معلوم ہو گا۔"

"تو کیا تمہارے بابا نے یہ نہیں کہا تم سے کہ یہ بات کسی کو نہیں بتانی ہے۔"

"کہا تھا۔"

"تو پھر تم نے مجھے کیوں بتا دی یہ بات.....؟"

میں نے کہا اور اسی وقت باہر سے قدموں کی آوازیں ابھریں تو وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔ میں شدتِ حیرت سے گنگ دروازے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ لڑکی نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں' اس کا باپ یقینی طور پر کنور فاروق علی کا آدمی ہو گا لیکن ایسی معصوم سی لڑکی کی زندگی اس نے خطرے میں ڈال دی تھی۔ جو ساری باتیں بڑے

آرام سے مجھے بتا گئی تھی۔ ایک اجنبی شخص کو..... بڑے تعجب کی بات تھی۔ میں جے سنگھ کے ہاں مہمان تھا۔ جے سنگھ کو تفصیل بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ پتا نہیں..... کیا قصہ ہے۔ بہرحال دیر تک دماغ چکراتا رہا تھا۔ یہاں کسی سے کوئی ایسا تعلق نہیں تھا کہ کوئی ذاتی سوال پوچھ سکوں۔ یہ تجسس سینے میں دبا کر ہی رہ جانا پڑا۔ غرضیکہ کافی وقت گزرا اور اس کے بعد گنگا دھر میرے پاس آ گیا۔ گنگا دھر بہت اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ خود بھی دیو سنگھ کا شکار ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کے خلاف بڑی نفرت دل میں رکھتا تھا۔ میں نے گنگا دھر سے کہا۔

"حیرانی کی بات ہے گنگا دھر..... ٹھاکر جے سنگھ تو بہت اچھا انسان ہے۔ کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ جے سنگھ اور کنور فاروق علی کے درمیان دوستی کرائی جا سکے۔"

"ہو سکتی ہے مہاراج۔" گنگا دھر کے الفاظ پر میں چونک پڑا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"دیو سنگھ کا پٹڑا کر دیا جائے۔"

"کیا یہ آسان ہے؟"

"بالکل نہیں۔" گنگا دھر بولا اور میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔

"ٹھاکر جے سنگھ کے ہاں کیا مسلمان نوکر بھی ہیں؟"

"تھے..... لیکن یہ بھی کنور فاروق علی نے کیا کہ ان سارے نوکروں کو ہٹا لیا اور اپنے ہاں نوکری دے دی۔"

"کوئی بھی مسلمان نوکر نہیں ہے یہاں مردوں اور عورتوں میں؟"

"نہیں جی..... اب کیا امکان ہے اس بات کا۔" مجھے فوراً ہی یاد آ گیا کہ میں یہ سوال بے مقصد کر رہا ہوں کیونکہ حمیدہ نے بھی یہی بتایا تھا کہ جے سنگھ نہیں جانتا کہ وہ مسلمان لڑکی ہے۔ پھر وہ مجھے کیوں بتا گئی۔ بس..... اس سوال پر الجھا رہا۔ حمیدہ دوبارہ نظر نہیں آئی تھی اور ویسے بھی یہاں کسی کو تلاش کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ البتہ ٹھاکر جے سنگھ سے اس رات ملاقات ہوئی تو اس نے کہا۔

"کہیں شازل جی مہاراج! کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو یہاں؟"

"نہیں ٹھاکر صاحب! بس ایک تکلیف ہے وہ بھی دل میں اور وہ تکلیف یہ ہے کہ اتنے اچھے لوگ دلوں میں دشمنیاں بھی رکھتے ہیں۔"

"پہلے بھی تمہیں بتایا تھا اور اب بھی بتا رہا ہوں کہ میں دشمن نہیں ہوں۔ کنور فاروق علی نے ہی یہ بنیاد ڈالی ہے اور اسے مضبوط کرتے جا رہے ہیں۔"

"ٹھاکر صاحب! ایک اجازت چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں کہو۔"

"آپ کا مہمان ہوں۔ کیا کنور فاروق علی سے ملاقات کر سکتا ہوں؟"

"بھئی مہمان ہو غلام تو نہیں ہو..... اور پھر انسان انسان سے ملتا ہی ہے۔ اس میں اجازت کی کیا بات ہے۔"

"ٹھیک ہے بہت، بہت شکریہ۔" میں نے کہا۔

ساری باتیں اپنی جگہ لیکن وہ لڑکی حمیدہ میرے ذہن پر بری طرح مسلط ہو گئی تھی۔ اس کے بارے میں صحیح طور پر کوئی اندازہ نہیں لگ پا رہا تھا اور خاصی الجھن کا شکار تھا۔ بہرحال میں تیاریاں کرنے لگا۔ جے سنگھ نے اجازت دے دی تھی تو گنگا دھر بھلا کیوں نہ ساتھ جاتا۔ چنانچہ میں تیاریاں کرنے کے بعد چل پڑا۔ گنگا دھر نے میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے ایک بات کہیں آپ سے..... برا تو نہیں مانیں گے۔"

"نہیں برا نہیں مانوں گا کہو....."

"جے سنگھ مہاراج زیادہ اچھی طبیعت کے انسان ہیں۔ کنور صاحب سے مل کر آپ کو ذرا کوفت بھی ہو سکتی ہے۔"

"کیوں؟"

"بس جی..... ویسے میرا جہاں تک خیال ہے کنور صاحب کو آپ کی قلعہ حیدر سنگھ میں آمد کے بارے میں علم تو ہو چکا ہو گا یا ممکن ہے نہ ہوا ہو لیکن امکان اسی بات کے ہیں کہ انہیں پتا چل گیا ہو گا..... اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہو گی انہیں کہ آپ مسلمان ہیں اور ایک مسلمان اگر جے سنگھ کے ہاں قیام کرتا ہے تو کنور صاحب سے زیادہ اور کسی کو اس کا دکھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس بات کا خیال رکھیں۔"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔" میں اب اس راستے پر آ گیا جو جے سنگھ نے بتایا تھا۔ سڑکوں پر اکا دکا لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ کنور صاحب کی حویلی بھی بڑی شاندار تھی۔ دروازے پر مسلح پہرے دار موجود تھے لیکن دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں سامنے پہنچا تو ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا بات ہے.....؟"

"کنور صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیوں؟"

"کیا تمہیں بتانا ضروری ہے۔ یہ ملاقات خالص ذاتی نوعیت کی ہے۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟"

"شازل۔" میں نے جواب دیا۔

تلاشی دینا پڑے گی آپ کو۔" دوسرے پہرے دار نے کہا۔

"تلاشی؟"

"ہاں۔ آپ کے پاس ہتھیار وغیرہ تو نہیں ہیں۔"

میں نے بیزاری سے منہ بنا لیا۔ تلاشی لینے کے بعد وہ پہرے دار مجھے ساتھ لے کر اندر چل پڑا۔ سامنے کی وسیع روش سے گزر کر اندرونی حصے میں داخل ہوا اور ایک خوبصورت صحن جیسا حصہ نظر آیا۔ جہاں سنگِ مرمر کے ٹائل لگے ہوئے تھے۔ گملے سجے ہوئے تھے بہت ہی خوبصورت پھولوں سے ان گملوں کو سجایا گیا تھا۔ کنور صاحب وہیں موجود تھے۔ لکھنوی انداز کا لباس پہنا ہوا تھا۔ سرخ و سفید چہرہ اچھی صحت..... آس پاس بہت سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جن پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے باقی خالی تھیں۔ ویسے یہاں اچھی خاصی رونق نظر آتی تھی اور بہت سے مسلح افراد اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ میں نے کنور صاحب کو ایک لمحے میں پہچان لیا۔ شان و شوکت ہی سے اندازہ ہوتا تھا۔ کنور صاحب نے مجھے بغور دیکھا تو میں نے انہیں سلام کیا وہ بولے۔

"آیئے تشریف رکھئے..... کیسے مزاج ہیں آپ کے..... ویسے اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ جے سنگھ کے مہمان ہیں۔"

"جی..... یہاں داخل ہوا تو جے سنگھ ہی سے رابطہ قائم ہوا اور انہوں نے اپنے ہاں قیام کی پیشکش کر دی۔"

"کھاپی بھی رہے ہوں گے آپ اس کے گھر کا۔ اس کا مطلب ہے وہ ذرا ماڈرن قسم کے آدمی ہیں خیر..... یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ کہئے..... ہمارے لئے کیا خدمت ہے؟"

"بات اصل میں یہ ہے جناب کہ میں قلعہ حیدر سنگھ کے حالات دیکھ کر بڑا دلبرداشتہ ہوا ہوں۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ میرا تعلق کچھ لکھنے لکھانے سے ہے۔ آوارہ گرد ہوں۔ جگہ جگہ گھومتا پھرتا رہتا ہوں۔ انسانوں کے درمیان انسانیت کے رشتے و

سب سے مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہاں کے حالات معلوم کر کے دلی دکھ ہوا۔ جے سنگھ صاحب سے بھی کچھ معلومات حاصل ہوئیں آپ کے پاس بھی اسی مقصد سے حاصل ہوا ہوں۔"

"خوب..... اور اس کے بعد تم ایک کتاب لکھو گے اس میں انسانوں کے لیے نصیحتیں ہوں گی۔ لہو کے سرخ رنگ کا تذکرہ ہو گا بلکہ کتاب کا نام بھی کچھ ایسا ہی رکھ دینا۔ دیکھو عزیزم! تم صرف ادیب ہو۔ حالات کو سرسری نگاہ سے دیکھتے ہو اور اس میں اپنی کہانی شامل کر دیتے ہو لیکن حقیقت بہت گہری چیز ہوتی ہے گہرائیوں میں اتر کر اگر حقیقتوں کو تلاش کرو تو حقیقتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ ورنہ کہانیاں کتنی ہی لکھ لو۔"

"آپ نے لہو کے سرخ رنگ کی بات کی..... حقیقت یہ ہے کہ یہی رنگ دل میں تڑپ پیدا کرتا ہے اور یہیں سے احساس ہوتا ہے کہ تخلیق تو یکساں تھی لیکن تفریق شیطانی عمل ہے۔ ہر دین دھرم..... مذہب محبت کا درس دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ خون جس بدن میں بھی ہو سرخ ہی ہوتا ہے اور عقائد کا تعلق انسان کی اپنی ذات پر ہوتا ہے۔ اس کے لیے خون کو زمین پر بہانا مناسب نہیں ہوتا۔"

"بس..... بس..... بس فضول باتوں سے گریز کرو۔ مجھے بتاؤ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"مجھ سے تعاون کیجئے جو جھگڑے یہاں پھیلے ہوئے ہیں انہیں ختم کرنے کیلئے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔"

"میاں ہو کس کھیت کی مولی..... کیا سمجھ رہے ہو اپنے آپ کو..... ذرا دیکھو تو سہی کہ نہ گھوڑا دور ہے نہ میدان..... ہوا کھسک رہی ہے جے سنگھ کی۔ اب دیکھنا حالات کیا ہوں گے۔ بلکہ ہم تو ایک بات کہیں تم سے..... یہاں پھنس گئے ہو تو ہمیں بتاؤ..... بال بچے ساتھ ہیں کیا؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر بھی اگر ہیں تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیتے ہیں۔ ابھی تو دیکھنا ذرا تماشا۔"

"خون کا کھیل تماشا نہیں ہوتا۔ کنور صاحب آپ اس مضبوط حویلی میں اپنے آدمیوں کے درمیان محفوظ ہیں لیکن وہ جو آپ کی حویلی سے باہر ہیں راتوں کو جاگ رہے ہیں فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ ان کے بچے بھوکے مر رہے ہیں۔"

"تو ہم کیا کریں بھائی..... سب کو تو کھلا پلا نہیں سکتے۔ تم خود سوچو کیا میدان

چھوڑ کر بھاگ جائیں۔"

"نہیں..... بلکہ میدان کو محبت کے درختوں سے سجا دیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نفرت کا یہ کھیل آپ کے درمیان شروع نہیں ہوا بلکہ شروع کرانے والا دیو سنگھ ہے۔"

"دیو سنگھ کو مار دیں۔ انہی کی ذات کا تو ہے وہ۔ ہم نے نہیں پیدا کیا اسے..... وہ نفرت کا کھیل کھیل رہا ہے یا لوگوں کو کھلا رہا ہے تو یہ ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ اسے ختم کر دیں۔ اگر وہ دیو سنگھ کے بجائے بدرالدین خان ہوتا تو ہم آپ کو تماشا دکھاتے۔ مگر جے سنگھ صاحب تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ دیو سنگھ کے ذریعے وہ بھوت پریتوں کی پوری فوج بلا لیں گے۔ مسلمان ہیں ہم مسلمان۔ ہمیشہ سربلند کر کے رہے ہیں۔ بولو..... پندرہ سو سال کی تاریخ میں سر جھکا ہے کبھی ہمارا۔ اللہ مالک ہے اپنی ذمہ داریاں اللہ کو سونپ دیتے ہیں اور اللہ نیک کاموں میں ہماری مدد کرتا ہے۔ یہ تو دین دھرم کا جھگڑا ہے ذاتی جھگڑا تو شروع نہیں کیا ہے ہم نے۔"

"آپ یہ بات جانتے ہیں کنور صاحب! کہ یہ جھگڑا ذاتی نہیں ہے بلکہ کسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بس اتنا سا تعاون کیجئے کہ جھگڑے کی جڑ ختم ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو میرے خیال میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میاں ادیب صاحب! لکھتے لکھاتے ہو..... ٹھیک ہے۔ ہمیں اعتراض نہیں ہے مگر حقیقت اتنی آسان نہیں ہوتی جتنی تم اپنے الفاظ میں لکھ دیا کرتے ہو۔ چلو ایسا کرو تم خود کوشش کر ڈالو کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔"

"میں یہی کہنا چاہتا تھا آپ سے..... کنور صاحب میں آیا ہوں یہاں اور میرا دل چاہتا ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان یہ ہنگامہ آرائی ختم ہو جائے کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"کیا مدد چاہتے ہو ہم سے.....؟" کنور صاحب نے پوچھا۔

"آپ کے دائرہ اختیار میں جتنے لوگ ہیں آپ انہیں ہنگامہ آرائی سے روکیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہی ذمہ داری جے سنگھ پوری کرے اور اس کے بعد ہم دیو سنگھ کو دیکھتے ہیں۔"

"یعنی تم!" کنور فاروق علی نے کسی قدر مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے کنور صاحب....."

"کر لو..... کر لو..... ویسے ایک بات کہیں ہم تم سے۔"

"جی فرمائیے۔"

"لٹیا ڈبو دی ہے مسلمان ہو کر ایک ہندو کے ہاں قیام کر کے۔"

"اس کا جواب میں پیش کروں آپ کو۔"

"چھوڑو..... کیا جواب دو گے..... وہی ادبی زبان استعمال کرو گے۔"

"نہیں ایک حقیقت بیان کروں اگر آپ تسلیم کرلیں تو۔"

"چلو ٹھیک ہے بیان کرو۔"

"میں وہاں اس لئے ٹھہرا ہوں کہ آپ کے لیے کام کروں۔ یہ دیکھوں کہ جے سنگھ کے اندر کیا ہے۔ وہ آپ سے کتنا متاثر ہے اور آپ کے خلاف کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا مطلب.....؟" فاروق علی نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بات کی اتنی ہی وضاحت رہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ آپ زیادہ وضاحت نہ کرائیے۔"

"اٹھو' میرے ساتھ آؤ۔" کنور صاحب اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ باقی لوگوں کو انہوں نے وہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ مجھے لے کر ایک الگ تھلگ گوشے میں آگئے بولے۔

"دیکھو..... اب تک جو بات چیت ہوئی ہے وہ الگ نوعیت رکھتی ہے۔ مجھے خود احساس ہے کہ لوگ اس ہنگامہ آرائی سے پریشان ہیں۔ وہ جھگڑے نہیں روزی کمانا چاہتے ہیں مگر کیا کیا جائے جو ہو رہا ہے اس کا تمہیں اندازہ ہے۔ سمجھ رہے ہو نا۔"

"میں بس یہ چاہتا ہوں کہ عارضی طور پر آپ اپنے حلقے میں لوگوں کو روکیں۔ جے سنگھ بھی اگر خلوص سے یہ سب کچھ کرتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم ذرا دیو سنگھ کو دیکھ لیتے ہیں۔"

"دیو سنگھ ایک شیطان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک وہ قلعہ حیدر سنگھ میں نہیں آیا تھا یہ سب کچھ نہیں ہوا تھا۔"

"بالکل سیدھی سی بات ہے۔ آپ کو خود اندازہ ہے اس بات کا۔"

"تو اب بتاؤ کیا کریں؟"

"بس صرف اتنا کہ کوئی نیا جھگڑا کھڑا نہ کیا جائے۔"

"کتنے دن کی مہلت چاہتے ہو۔"

"ایک ہفتہ۔"

"مگر ایک بات سوچ لو۔"

"جی جی فرمائیے۔"

"ایسا نہ ہو کہ مہلت سے فائدہ اٹھا کر جے سنگھ کوئی عمل کر ڈالے۔ ہم نے سرحدی ناکہ بندی کرلی ہے۔ باہر سے اگر کوئی اندر آیا اسلحہ وغیرہ لے کر تو اسے باہر سے باہر ہی بھون دیا جائے گا۔ اندر نہیں آنے دیں گے ہم۔ خاص طور سے اس بات پر نظر رکھی ہے ہم نے۔"

"بہت مناسب آپ جیسا مناسب تصور کریں۔"

"ٹھیک ہے پھر ہمیں منظور ہے۔" کنور فاروق علی نے کہا۔ میں نے اجازت مانگی تو کہنے لگے۔

"کھانا وغیرہ کھا کر جاؤ۔ بھاجی پوری کھا رہے ہو گے۔ خیر تم نے جو مؤقف بیان کیا ہے اس نے ہمارا دماغ ٹھنڈا کر دیا ہے۔ ورنہ ہم تو تمہیں بھی انہی کا ساتھی سمجھتے اور یقین کرو کہ اگر کبھی کوئی گڑبڑ ہوتی تو تمہیں جے سنگھ کا ساتھی سمجھ کر ہی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔"

"کنور صاحب! سب سے پہلے تو دل سے یہ خیال نکال دیجئے کہ آپ کا کام صرف لوگوں کو نقصان پہنچانا ہی ہے۔ بہتری کے بارے میں سوچئے جبکہ آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ کام جے سنگھ کا نہیں ہے بلکہ ایک گندی قوتوں کا مالک یہ سب کچھ کر رہا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن بہرحال ایسا کرو خون بہہ جانے دو' قربانی دیئے بغیر دنیا کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ فیصلہ ہو جانے دو' مت پڑو ان چکروں میں۔ ہم بھی ذرا دل کی حسرتیں نکال لیں۔ چلو بس..... اس موضوع کو ختم کرو۔ طبیعت پر بوجھ پڑنے لگتا ہے غصہ آنے لگتا ہے۔"

کافی دیر تک میں کنور فاروق علی صاحب کے پاس رہا۔ بس یہی غنیمت تھا کہ انہوں نے مجھے اتنا وقت دے دیا تھا' ایک لمحے کیلئے ذرا تیور نرم ہوئے تھے لیکن پھر وہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی میں نے سوچا کہ دوبارہ کوشش کروں گا پہلے یہ معاملے ذرا بہتر ہو جائیں۔ اس کے بعد کچھ اور سوچیں گے۔ بہرحال..... وقت گزرتا رہا اور پھر میں وہاں سے واپس آگیا۔ اب میرے ذہن میں دیو سنگھ تھا۔ جے سنگھ کے بارے میں رفتہ رفتہ یہ اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ واقعی اچھا انسان ہے۔ ان سارے واقعات پر

دکھی بھی ہے اور نہیں چاہتا کہ خون خرابہ ہو بلکہ اس کی نسبت مجھے کنور صاحب کے تیور ذرا سخت نظر آئے تھے۔ پھر مجھے حمیدہ کا خیال آیا۔ حمیدہ کے بارے میں ذہن خاصا الجھ گیا تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لڑکی ایک عجیب سے انداز میں ذہن پر اثر انداز ہوئی تھی۔ پتا نہیں ..... کیا قصہ ہے؟..... دوسرے دن گنگا دھر سے ہی اس بارے میں معلومات حاصل کیں۔ میں نے کہا۔

"گنگا دھر..... یہ بتاؤ تم' کیا حال ہے تمہاری دھرم پتنی کا؟" جواب میں گنگا دھر کے ہونٹوں پر ایک نفرت خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ کہنے لگا۔

"چولہے میں جھونک دیا ہے ہم نے اب اسے۔ مہاراج وہ جو کہتے ہیں نا کہ طاقتور دشمن کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے۔ اپنی جان کھودیں گے زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا اور کر ڈالیں گے کبھی ایسا اس سسری کو ماردیں گے۔ نتیجے میں خود بھی مارے جائیں گے۔ پر دیکھ رہے ہیں جب تک برداشت کرسکتے ہیں' کر رہے ہیں۔ جب برداشت نہیں کرپائیں گے تو کچھ کر ڈالیں گے۔"

"دیکھو گنگا دھر..... اب تم بھی یہ سمجھ چکے ہو کہ تمہاری دھرم پتنی اپنے ہوش و حواس میں نہیں بلکہ شیطان کے قابو میں آگئی ہے۔ اب وہ شیطان جب اس کا پیچھا چھوڑ دے گا تب اسے احساس ہوگا کہ اس نے کیا کھو دیا۔"

"بس جی..... بھگوان ہی سب کچھ جانتا ہے۔ ہم کیا جانیں....."

"ایک بات بتاؤ گنگا دھر۔"

"جی۔"

"یہاں ایک لڑکی ملازمت کرتی ہے۔ حمیدہ ہے اس کا نام جانتے ہو اسے۔"

"کہاں ملازمت کرتی ہے؟"

"یہیں جے سنگھ کی حویلی میں۔"

"کیا نام بتایا آپ نے مہاراج!"

"حمیدہ۔"

"کیا یہ مسلمانوں کا نام نہیں ہے۔"

"وہ لڑکی مسلمان ہی ہے۔"

"مسلمان اور جے سنگھ مہاراج کے گھر میں' کون کہہ رہا تھا آپ سے مہاراج!"

"پتا نہیں کون کہہ رہا تھا.....؟ مجھے یاد نہیں ہے۔ میں تمہیں اس لڑکی کا حلیہ بتاتا ہوں ہوسکتا ہے اس کا نام حمیدہ نہ ہو۔ کوئی اور نام ہو۔"

"خیر..... کوئی مسلمان لڑکی تو یہاں ہو ہی نہیں سکتی۔" پھر میں نے جیسے ہی گنگا دھر کو جو حلیہ بتایا اسے سن کر گنگا دھر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں مہاراج..... نہ اس شکل و صورت کی کوئی لڑکی یہاں نوکری کرتی ہے اور نہ ہم نے اسے دیکھا ہے۔"

میں سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ بات تو خیر میرے علم میں تھی کہ حمیدہ یہاں حمیدہ کی حیثیت سے تو نہ ہوگی لیکن حلئے کا معاملہ بھی تھا اور اس سلسلے میں گنگا دھر نے کوئی صحیح جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ میں نے حمیدہ کا کافی انتظار کیا شاید دوبارہ ملے پتا نہیں کون تھی اور کیوں اس سے لگاؤ پیدا ہوگیا تھا.....؟ دوسرے دن میں نے گنگا دھر سے کہا۔

"گنگا دھر..... حالات کے بارے میں تو تمہیں اندازہ ہو ہی گیا ہے۔ کنور فاروق علی بھی کوئی تعاون کرنے کو تیار نہیں ہے۔ خون خرابہ ہو رہا ہے ایک کام اگر کر سکتے ہو تو کرو۔"

"کیا.....؟"

"میں ذرا دیو سنگھ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم ہمت کرسکتے ہو؟"

"ساری باتیں جاننے کے بعد بھی آپ ہم سے یہ پوچھ رہے ہیں مہاراج..... رات کو نکل چلیں گے اس اندر سبھا میں..... جہاں دیو سنگھ اپنی دیو داسیوں کے ساتھ بیٹھا ہوگا۔ اس نے جو کھیل رچا رکھا ہے مہاراج' آپ بھی اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ لوگوں کی تو شرم و غیرت بھی مرگئی ہے جو عورتیں اس کے پاس ہوتی ہیں وہ ساری کی ساری کسی نہ کسی کی ماں بہنیں ہیں لیکن اس کے بدلے میں انہیں دھن دولت ملتی ہے. ..... اور دھن دولت سے بڑا دھرم اور کون سا ہوسکتا ہے۔ کیا کہیں مہاراج..... چھوڑیں' من جلتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان سے اس کا سب کچھ چھن جاتا ہے۔ پر وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

میں خاموش ہوگیا تھا۔ گنگا دھر کو بہرحال میں نے تیار کرلیا تھا اور پھر اسی رات گنگا دھر نے خاموشی کے ساتھ مجھے ساتھ لیا اور چل پڑا۔ اس نے ایک طرف اشارہ کیا تو میں نے اس عورت کو دیکھا جو گنگا دھر کی بیوی تھی اور سولہ سنگھار کئے ہوئے بقول گنگا دھر کے اندر سبھا میں جا رہی تھی۔ ایسے کالے علم والے شہر سے دور ویرانوں میں اپنا مسکن بناتے ہیں۔ چنانچہ گنگا دھر کے ساتھ میں نے بھی طویل فاصلہ طے کیا اور پھر مجھے کسی پرانی عمارت کے کھنڈر نظر آئے۔ ایک ایسی دیوار نگاہوں کے

سامنے تھی جیسی قلعوں کی فصیلوں کی دیوار ہوتی ہے۔ دیوار کے بیچوں بیچ ایک راستہ تھا۔ اس دروازے سے روشنی باہر آرہی تھی خاصی تیز روشنی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی لیکن گنگا دھر اس دروازے سے اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ دیوار کی لمبائی چوڑائی بہرحال بہت زیادہ نہیں تھی اور ہم دیوار کے بائیں سمت سے دوسری طرف پہنچے تھے گنگا دھر کا کہنا بالکل درست تھا۔ منظر ہی بدلا ہوا تھا ادھر کا..... خوب روشنی ہو رہی تھی۔ سرسبز و شاداب اور ترشی ہوئی گھاس کا فرش..... سامنے ہی ایک بڑا سا تخت۔ روشنیاں درختوں سے چھن رہی تھیں جبکہ دور دور تک بجلی کے تار نہیں تھے لیکن یہ روشنیاں ایسی تھیں جیسے بہت سے بلب جل رہے ہوں۔ مجھے اب ایسے واقعات پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ میری زندگی کے رخ بدلے ہوئے تھے اور میں زندگی کے عام انداز سے بہت دور ہٹا ہوا تھا چنانچہ کیا فائدہ ایسی چیزوں کے بارے میں سوچنے کا..... بس جس انداز میں بسر ہو رہی ہے ٹھیک ہے۔ میں نے وہاں کے ماحول کو دیکھا۔ کچھ سازندے ساز سجائے ہوئے بیٹھے تھے' سامنے کا تخت خالی تھا۔ البتہ اس کے ارد گرد بہت سی خوبصورت لڑکیاں سجی سجائی ہوئی بیٹھی تھیں اور آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ گنگا دھر کی بیوی بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ گنگا دھر کا سانس پھول رہا تھا۔ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"راجہ اندر کا اکھاڑہ سج رہا ہے۔ اپسرائیں آگئی ہیں۔ ویسے میں ایک بات بتاؤں مہاراج..... کسی بھی دن میں اس عورت کو سوتے میں قتل کر دوں گا۔ بس ذرا ہمت کر رہا ہوں اور یہ فیصلہ کر رہا ہوں کہ ایک بے وفا عورت کے لیے جان دی جا سکتی یا نہیں..... یا پھر اسے بھاڑ میں جھونکوں جہاں جانا چاہے چلی جائے۔ صاف صاف کہہ دوں کہ میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

میں نے گنگا دھر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "دیکھو گنگا دھر' بات اصل میں یہ ہے کہ کرنے کو تو تم کچھ بھی کر سکتے ہو تھوڑا سا توقف کر لو تو زیادہ اچھا ہے۔ اتنا تو تم جانتے ہو اور میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمہاری بیوی اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ جان بوجھ کر وہ یہ سب کچھ نہیں کر رہی۔ اس شیطان نے....." ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ عقب سے کوئی آتا ہوا محسوس ہوا اور میرے ساتھ ساتھ گنگا دھر بھی پلٹ پڑا۔ تبھی میں نے دیوتاؤں جیسی شکل بنائے ہوئے بڑی بڑی مونچھوں اور صاف چہرے والے اس شخص کو دیکھا جس نے نچلے بدن پر ایک زرنگار لباس پہنا ہوا تھا اور اس کا اوپری بدن بن مانس جیسے لمبے لمبے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھوں میں تیز

تھی۔ اس کے پیچھے پانچ چھ افراد اور بھی تھے۔ اتنا قریب آگیا تھا وہ کہ اگر ہم چھپنا چاہتے تو نہیں چھپ سکتے تھے۔ میں بھی ایک لمحے کے لئے بوکھلا گیا تھا لیکن اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"مہمان چور نہیں ہوتے کہ چھپ چھپ کر آئیں۔ ہماری راج دھانی میں آئے ہو تو آؤ..... دیو سنگھ تمہیں خوش آمدید کہتا ہے۔ لے کر آؤ ان دونوں کو....." اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

اسے دیکھتے ہی وہاں موجود ہر شخص مرد عورت کھڑے ہو گئے تھے۔ دیو سنگھ بڑی شاہانہ چال چلتا ہوا اس تخت کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں سے آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"آیئے مہاراج..... آپ ہمارے دیوتا کے مہمان ہیں آیئے۔" گنگا دھر کی کیفیت تو خیر خاصی خراب ہو گئی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور ان کے ساتھ آگے چل پڑا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں تخت کے پاس پہنچ گئے۔ گنگا دھر خونی نگاہوں سے اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے بھی ایک نگاہ سروجنی پر ڈالی۔ سروجنی نے بھی گنگا دھر کو دیکھا تھا لیکن یوں لگا جیسے وہ اپنے پتی کو پہچان ہی نہ سکی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں لگاوٹ جو سو فیصد دیو سنگھ کے لئے تھی۔ مجھے بھی نفرت کا احساس ہوا۔ بہرحال دیکھنا یہ تھا کہ دیو سنگھ کا رویہ میرے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔ اس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھائے اور سازندے جو مدھم مدھم سُروں میں سازوں کو چھیڑنے لگے تھے رک گئے۔ تب دیو سنگھ نے میری طرف انگلی اٹھائی اور مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ تو دیو سنگھ بولا۔

"بیٹھئے مہاراج..... حالانکہ آپ چوروں کی طرح چھپ کر آئے ہیں۔ پر آپ نے یہ نہیں سوچا کہ ایک ہوشیار راجہ وہی ہوتا ہے جو اپنی راجدھانی کی پوری پوری نگرانی کرے۔ ہم کون ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ یہ بات ہم نے ابھی اپنوں کو نہیں بتائی تو آپ کو بھی نہیں بتائیں گے۔ البتہ ایک بات کہیں گے آپ سے..... آپ دوسرے دھرم کے انسان ہیں اور آپ کو پتا ہے کہ یہاں قلعہ حیدر سنگھ میں فیصلے ہو رہے ہیں کہ کس کا پلہ بھاری رہے گا۔ کون اونچا ہو گا کون نیچا رہے گا.....؟ مہاراج میں نہیں جانتا کہ آپ کس مقصد کے تحت یہاں آئے ہیں' اگر کوئی بات آپ کے دل میں ہے تو مجھے بتایئے۔"

"دیو سنگھ..... میرے دل میں بس اتنی سی بات ہے کہ یہاں انسانوں کا جو

خون بہہ رہا ہے وہ بہنا بند ہو جائے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا میں۔"

"یہی تو سب سے بُری بات ہے۔ بہتا ہوا خون کسے پسند ہے۔ یہ آپ نہیں جانیں گے۔ مہاراج کا دھرم کچھ اور ہے ہمارا کچھ اور..... باقی جہاں تک بات رہی، یہاں امن کی تو یہاں ایک قوم رہ سکتی ہے اور وہ ہیں ہم..... آپ یہاں رہنے والوں سے کہیں کہ ہمارا دھرم مان لیں۔ بات ختم ہو جائے گی۔ ہم کر سکتے ہیں یہ کوشش، ہمارا ہے یہ قلعہ حیدر سنگھ۔ یہ قلعہ جے سنگھ بن سکتا ہے۔ قلعہ دیو سنگھ بن سکتا ہے۔ پر ایک کانٹا ہے جو کھٹک رہا ہے ہماری آنکھوں میں..... اور وہ ہے..... کنور۔ پُرکھوں کا دیا ہوا ایک تعویذ گلے میں ڈال رکھا ہے اس نے..... اور بس اس کے بل پر جی رہا ہے ابھی تک۔ ایک بار وہ تعویذ اس کے گلے میں سے اتر جائے پھر کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔ مہاراج..... آپ اگر یہ چاہتے ہیں نا کہ یہاں انسانوں کا خون بہنا بند ہو جائے تو بس اتنا سا کام کر ڈالئے، آپ تو اس کے دھرم والے ہیں جیسے ہی موقع ملے اس کی گردن سے وہ تعویذ اتار دیجئے۔"

"تم اس تعویذ سے ڈرتے ہو دیو سنگھ!" میں نے سوال کیا۔

"ہاں..... ہاں..... منع کیسے کریں گے..... بھائی منع کیسے کریں گے..... ڈرتے ہیں..... سچ مچ ڈرتے ہیں اس تعویذ سے..... ارے اسی نے تو روک رکھا ہے سارا کھیل۔ کنور کے گلے سے تعویذ اتر آئے تو کنور کی چھٹی کر دیں ہم..... بس اس کے بعد سب کی چھٹی پھر کوئی جھگڑا نہیں رہے گا یہاں پر....."

"کیا ہے اس تعویذ میں اور کیا تمہاری ساری قوتیں اس کے سامنے بے کار ہیں۔ تم اس تعویذ کو خود کیوں نہیں اتار سکتے؟"

"دیکھو..... ساری باتیں سچ سچ بتا رہے ہیں تمہیں، کوئی دوسرے دھرم والا اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ مسلمان ہو تم اسے ہاتھ لگا سکتے ہو۔ کیا سمجھے.....؟ اور تمہیں وہ تعویذ اس کے گلے سے اتارنا ہے۔ اسے اتارنا اور جو جگہ ہم بتا رہے ہیں وہاں ڈال دینا۔ باقی سب ٹھیک ہے کیا سمجھے.....؟"

"نہیں دیو سنگھ اس کے علاوہ کوئی بات کرو۔" میں نے کہا اور دیو سنگھ نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا بالکل ایسا لگا جیسے تیز روشنی کی دو لکیریں اس کی آنکھوں سے نکل کر میری پیشانی سے ٹکرائی ہوں۔ میرا سر جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا تھا اور میری آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ آ گئی تھی۔ میں نے آنکھیں بھینچ کر ان دھندلاہٹوں کو دور کرنے کی

کوشش کی اور اس کے بعد آنکھیں کھولیں تو دنگ رہ گیا۔ منظر بدلا ہوا تھا، میں وہاں تھا ہی نہیں..... جہاں میں نے ابھی ابھی آنکھیں بند کی تھیں بلکہ یہ ایک عجیب سی جگہ تھی۔ ایک ویران سی جگہ جہاں ایک کالا جوہڑ نظر آ رہا تھا۔ اس جوہڑ سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ اتنی شدید بُو تھی کہ طبیعت متلا رہی تھی۔ میں نے حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا تو دیو سنگھ مجھے قریب ہی کھڑا نظر آیا۔

"ادھر ہی ہوں..... ادھر ہی ہوں۔ وہ جگہ بتانے آیا ہوں جہاں تمہیں کنور کے گلے سے تعویذ نکال کر ڈالنا ہے۔ تعویذ کو گردن سے اتار لو گے تو سیدھے اس طرف چلے آنا۔ راستہ بتانے والے بہت سے ہوں گے تمہیں..... بس ان کے پیچھے پیچھے چلے آنا اور تعویذ اس جوہڑ میں ڈال دینا اور اس کے بعد یہ دیکھ رہے تھے جو ابھی تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا تم نے، اس میں تمہارا بھی حصہ ہو گا۔ اس سبھا کے ممبر بن جاؤ گے تم اور یہ تو دیکھ لیا تھا تم نے کہ کتنی ساری داسیاں وہاں موجود تھیں۔ منور نجن ہی منور نجن..... کیا سمجھے.....؟" وہ ایک آنکھ دبا کر بولا اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مجھے مسکراتا دیکھ کر کہا۔

"لگتا ہے بات سمجھ میں آ گئی ہے پوری کی پوری۔"

"ہاں مہاراج..... بات میری سمجھ میں آ گئی ہے اور پوری کی پوری آ گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر جاؤ..... آرام کرو۔" ایک بار پھر مجھے اس کی آنکھوں سے شعاعیں نکلتی محسوس ہوئیں جو میری پیشانی سے ٹکرائیں مگر اس بار جو ہوا وہ میرے لئے مزید حیران کن تھا۔ گزرے ہوئے سارے واقعات کا ایک ایک لمحہ مجھے یاد تھا لیکن اس وقت میں گنگا دھر کے ساتھ دیو سنگھ کے ٹھکانے پر نہیں تھا بلکہ جے سنگھ کی حویلی میں اپنی آرام گاہ میں تھا اور اپنے بستر پر تھا۔ سارے واقعات مجھے خواب جیسے محسوس ہو رہے تھے لیکن یہ سب خواب نہیں تھا مکمل احساس تھا اس بات کا کہ یہ عالمِ خواب میں نہیں ہوا ہے بلکہ مکمل ہوش و حواس کے عالم میں ہوا ہے۔ اب یہ نہیں معلوم کہ گنگا دھرم پر کیا گزری..... اسے کیا ہوا۔ یہ تو اس سے معلوم کرنا پڑے گا۔ البتہ وہ تعویذ بھی یاد آیا جس کے بارے میں دیو سنگھ نے مجھ سے کہا تھا۔ پہلے واقعی میں نے اس تعویذ پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اب مجھے یاد آیا کہ جب میں کنور صاحب سے ملا تھا تو ایک تعویذ ان کے گلے میں موجود تھا بلکہ ان کے خوبصورت لباس اور ان کی خوبصورت شخصیت کے باوجود وہ تعویذ ان کی گردن میں نمایاں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی

تھی۔

بہرحال بہت سے لوگ تعویذ پہنتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ تعویذ حاصل کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہئے جس سے وہ تعویذ میرے ہاتھ لگ جائے۔ اچانک ہی میرے اندر ایک سوال ابھرا کہ وہ تعویذ میں دیو سنگھ کے لئے کیوں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ دیو سنگھ کے ارادے تو بہت برے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ تعویذ کے حصول کے بعد کنور فاروق علی کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یہاں رہنے والے ایک دھرم قبول کرلیں گے..... دیو سنگھ کا دھرم..... اس کا مطلب ہے کہ دیو سنگھ اس تعویذ سے ڈرتا ہے اور اس تعویذ کی وجہ سے ہی اب تک دیو سنگھ کے منصوبوں کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ میں وہ تعویذ کیوں حاصل کروں؟ یہ تو بری بات ہے لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ مجھے ایسا کرنا ہے' یقینی طور پر مجھے ایسا کرنا ہے۔ اسی کشمکش میں مجھے نیند آگئی اور پھر دوسری صبح میں رات کے واقعات کو تقریباً بھول چکا تھا۔ وہ لڑکی حمیدہ مجھے دوبارہ نظر نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں اس کا کیا قصہ تھا۔ دوپہر کو البتہ مجھے گنگا دھر نظر آیا۔ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ میں نے اسے بغور دیکھا تو وہ بولا۔

"مہاراج..... مرواہی دیا تھا آپ نے تو ہمیں۔"

"آؤ گنگا دھر..... ادھر آؤ ذرا میرے ساتھ۔" میں نے کہا اور گنگا دھر میرے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ میں اسے ایک گوشے میں لے گیا اور کہا۔

"گنگا دھر ایک بات بتاؤ رات کو تم میرے ساتھ گئے تھے نا۔"

"تو اور کیا ہوا تھا۔ مگر آپ تو عجیب طرح سے پوچھ رہے ہو۔ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ ہم گئے تھے یا نہیں گئے تھے۔"

"یاد ہے مگر یہ بتاؤ..... کیا ہوا تھا اس کے بعد..... سارے واقعات بتاؤ کیا کیا ہوا تھا۔"

"کمال ہے مہاراج..... کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ..... آپ تو خود وہاں سے غائب ہو گئے تھے' خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے تھے جبکہ وہاں اندر سبھا جمی رہی تھی۔"

دیکھو گنگا دھر..... میں تم سے جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ..... کل رات کو ہم دیو سنگھ کے ٹھکانے پر گئے تھے؟"

"گئے تھے مہاراج..... اس کمینی کا پیچھا کر کے جو ایسی ٹھمک ٹھمک کر ناچی

تھی کہ آپ دیکھتے تو حیران رہ جاتے۔"

"سروجنی کی بات کر رہے ہو؟"

"نام مت لیں اس کا میرے سامنے۔ ہم نے اس کا نام لینا چھوڑ دیا ہے۔"

"اچھا پھر ٹھیک ہے..... میں وہاں گیا تھا پھر کیا ہوا.....؟"

"اس نے دیکھ لیا تھا ہم دونوں کو۔"

"ہاں مجھے یاد ہے..... اس کے بعد کیا ہوا تھا۔"

"مہاراج..... وہ ہمیں وہاں اپنے پاس تخت تک لے گیا تھا۔ پھر آپ ایک طرف اٹھ کر چل دیئے تھے اور آپ کا پتا ہی نہیں چلا تھا کہ آپ کہاں گئے.....؟ ہماری تو جان ہی نکل گئی۔"

"میرے ساتھ دیو سنگھ نہیں تھا؟"

"وہ کہاں سے ہوتا وہ تو بیٹھا ناچ رنگ دیکھ رہا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں وہاں سے غائب ہو گیا تھا اور وہ وہاں سے نہیں ہٹا تھا؟"

"بالکل نہیں مہاراج..... ہم تو پریشان تھے۔ بہت دیر تک بیٹھے رہے کہ شاید واپس آجاؤ۔ پر ناچ رنگ ہوتے رہے۔ سروجنی بھی ناچی تو ہم سے برداشت نہیں ہو سکا اور ہم اٹھ کر وہاں سے چلے آئے۔"

"اور اس دوران دیو سنگھ ایک لمحے کے لئے بھی وہاں سے غائب نہیں ہوا؟"

"بالکل نہیں..... پر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"نہیں بس ایسے ہی۔" میں نے کہا اور گنگا دھر شانے ہلا کر خاموش ہو گیا پھر اس نے کہا۔

"واپس آنے کے بعد ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ ہماری تو جان ہی مصیبت میں آجائے گی۔ اگر جے سنگھ مہاراج نے پوچھ لیا ہم سے تو کیا جواب دیں گے ہم اس کا' بس اس بات سے ہماری جان نکلی جا رہی تھی۔"

"صبح سے کہاں چلے گئے تھے تم.....؟"

"جے سنگھ مہاراج نے کام سے بھیج دیا تھا ہمیں۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ بہرحال اس کے بعد جیسا بھی دن گزرا وہ الگ رہا' سارے معاملات روزانہ کے معمولات کے مطابق تھے..... اور ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو الجھا الجھا سا محسوس کر رہا تھا۔ بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے

کوئی احساس کھو گیا ہو لیکن جب رات کے کھانے کے بعد آرام کرنے کے لیے لیٹا تو اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پورے کمرے میں دھواں بھرتا جا رہا ہو۔ میں نے حیرانی سے اس دھویں کو دیکھا وہ میرے ارد گرد پھیل گیا تھا اور اس کے بعد مجھے دو آنکھیں..... وہ خوفناک آنکھیں نظر آئیں جو دیو سنگھ کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھیں۔ دیو سنگھ کے ہونٹ ہلے اور میرے کانوں میں آواز ابھری۔

"اٹھو..... اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ۔" میں پورے ہوش و حواس کے عالم میں تھا اور یہ الفاظ سن رہا تھا لیکن میرے اعضاء شاید دیو سنگھ کے احکامات کے تابع تھے' میں اٹھ کر بیٹھ گیا تو دیو سنگھ نے کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ..... بھول گئے کہ تمہیں کیا کرنا تھا.....؟ مجھے وہ تعویذ چاہئے ہر قیمت پر۔ جاؤ بھرپور کوشش کرو۔ تعویذ نکالو اور اس کے بارے میں' میں نے جو کچھ کہا ہے وہی کرو۔ تمہیں یہ کرنا ہے..... تمہیں یہ کرنا ہے..... تمہیں کرنا ہے۔" اور میں اپنے کمرے کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ اس وقت میں دیو سنگھ کے قبضے میں تھا اور میرے..... قدم جے سنگھ کی حویلی سے باہر نکل آئے تھے۔ میں یہ سفر کرتا رہا۔ مجھے اس سفر کے دوران ایک باغ سے گزرنا تھا۔ چنانچہ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں اس باغ میں داخل ہو گیا۔ ابھی چند ہی قدم آگے بڑھا ہوں گا کہ ایک عجیب سی آواز سنائی دی اور میرے قدم ٹھٹک گئے' میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو سامنے ہی ایک درخت کی نچلی شاخ پر مجھے دو چمکدار روشنیاں نظر آئیں۔ اتنی تیز روشنیاں تھیں کہ ان سے نگاہیں ملتے ہی مجھے اپنی آنکھوں میں چکاچوند محسوس ہوئی۔ میں نے آنکھوں کو زور سے بھینچ کر کھولا تو مجھے اندازہ ہوا کہ درخت کی شاخ پر کوئی بلی بیٹھی ہوئی ہے۔ نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر میرے رگ و پے میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی۔ بلی نے پھر ایک غراہٹ نکالی۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی آنکھیں مجھ پر ہی جمی ہوئی ہیں۔ میں تھوڑا سا پیچھے ہٹا اور راستہ کاٹ کر وہاں سے آگے بڑھنے لگا لیکن میں نے یہ بھی دیکھا کہ بلی جو عام بلیوں کے سائز سے کافی بڑھی تھی۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اور دوسری سے تیسری شاخ پر کودی اور اس کے بعد زمین پر کود گئی۔ اب وہ بالکل میرے سامنے تھی اور اس کا فاصلہ مجھ سے کوئی دس یا بارہ فٹ تھا۔ میرے پورے وجود میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑنے لگیں۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بلی کے حلق سے مسلسل غراہٹیں نکل رہی تھیں اور وہ پینترے بدل رہی تھی۔ میں نے منہ سے ہش ہش کی آوازیں نکالیں لیکن بلی ان سے خوفزدہ نہیں ہوئی اور مسلسل غراتی

رہی۔ وہ میرا راستہ روک رہی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر پریشانی سے دیکھا اور پھر پہلے والے راستے کی طرف قدم بڑھا کر دوڑ لگا دی لیکن بلی کے حلق سے نکلنے والی غراہٹ بہت طویل تھی وہ خوفناک غراہٹ کے ساتھ میرے اوپر سے گزر گئی۔ اس نے اپنے پاؤں میرے سر اور کندھے پر جمائے تھے اور آگے بڑھ کر ایک درخت کی شاخ پر پہنچ گئی تھی۔ میں گرتے گرتے بچا۔ بلی نے وہاں سے پھر چھلانگ لگائی اور میرے چہرے کی جانب لپکی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور جھک گیا۔ بلی اس بار پھر میری گردن پر پاؤں جما کر پیچھے والے درخت پر چڑھ گئی۔ وہ مسلسل مجھ پر حملے کر رہی تھی اور میں اس سے اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ پتا نہیں وہ جان بوجھ کر میرے جسم کے کسی حصے پر وار نہیں کر رہی تھی یا پھر اسے موقع نہیں ملا یا پھر میں محفوظ بچاؤ کر رہا تھا کہ ایک نشان بھی ابھی تک میرے چہرے پر' کھلی ہوئی کلائیوں یا گردن پر نہیں لگا تھا۔ بلی کے حملے خوفناک غراہٹوں کے ساتھ جاری تھے اور چند لمحوں کے بعد میرے ہوش و حواس جواب دے گئے۔ میں پلٹ کر بھاگا تھا اور اس طرح بھاگا کہ مجھے خود بھی حیرت ہونے لگی۔ اتنا تیز زندگی میں کبھی نہیں بھاگا تھا۔ بری طرح دوڑتا ہوا میں حویلی کے پاس پہنچ گیا اور جے سنگھ کی حویلی کو دیکھ کر مجھے ایک دم ہوش آیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا بلی موجود نہیں تھی لیکن میرے ہوش و حواس میرا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے اور میں اب بالکل آگے بڑھنے کی سکت نہیں پا رہا تھا چنانچہ میں واپس پلٹا اور خاموشی کے ساتھ حویلی کے اس حصے میں داخل ہو گیا جس حصے سے نکل کر گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا لیکن کیفیت یہ تھی کہ میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور پورے بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ میں شدید خوف اور پریشانی کے عالم میں تھا۔ اس وقت سچی بات یہ ہے کہ میرے..... ذہن سے دیو سنگھ کے وہ ہدایت بھی نکل گئی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے میں دیو سنگھ کی ٹرانس میں تھا اور اسی ارادے سے نکلا تھا کہ کنور فاروق علی کی گردن سے جس طرح بھی بن پڑے گا تعویذ اتار لاؤں گا۔ حالانکہ یہ انتہائی خطرناک کام تھا لیکن کوئی خطرہ میرے ذہن میں نہیں تھا البتہ اب میں پوری طرح ہوش و حواس کے عالم میں تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس کالی بلی نے کیا میرا راستہ روکا ہے یا یہ صرف اتفاق ہے۔ میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ میرے کمرے کے بالکل اوپری حصے پر بنے ہوئے روشن دان پر کچھ آہٹیں سی ابھریں اور میں اچھل پڑا۔ میں نے پلٹ کر ادھر دیکھا تو وہی خوفناک آنکھیں..... وہی چمکدار آنکھیں جو لازمی طور پر اس سیاہ بلی کی تھیں۔ وہاں سے

مجھے گھور رہی تھیں۔ میں نے خوفزدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس وقت کچھ زیادہ ہی ڈر گیا تھا اس سے' لیکن پھر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ بلی وہاں موجود نہیں تھی۔ میں نے دہشت بھرے انداز میں سوچا کہ کیا وہ میرا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔ ایک بلی کے لئے حویلی میں داخل ہو جانا کوئی مشکل کام نہیں تھا وہاں' لیکن کیوں..... آخر کیوں..... وہ میرا پیچھا کرتی ہوئی یہاں آئی ہے.....؟ کچھ ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ میں نے سوچا کسی کو جگاؤں؟ گنگا دھر ہی ذہن میں آیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ گنگا دھر کہاں ملے گا۔ چنانچہ میں اس راہداری میں آگے بڑھا جو باہر جا کر نیچے اتر جاتی تھی اور سامنے ملازموں کے کوارٹر تھے۔ میں گنگا دھر کے کوارٹر کی جانب جانا چاہتا تھا لیکن میں نے ابھی راہداری کا موڑ مڑا ہی تھا کہ عقبی حصے میں کوئی دبے قدموں آتا ہوا نظر آیا اور میں ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ آہ..... نہ جانے کیا ہو رہا ہے' یہ نہ جانے کیا ہو رہا ہے.....؟ میں نے برق رفتاری سے اپنے آپ کو ایک ستون کی اوٹ میں چھپا لیا۔ راہداری میں روشنی تھی' جو کوئی بھی اس طرف آ رہا تھا اس کے قدموں کی چاپ واضح سنائی دے رہی تھی اور پھر میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ..... وہ چہرہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا لیکن اسے دیکھ کر میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

میں نے ایک لمحے میں پہچان لیا۔ وہ حمیدہ ہی تھی وہی حسین لڑکی' جس کا وجود میرے لئے بے حد پُراسرار ہو گیا تھا اور میں اس کے بارے میں شدید تجسس کا شکار تھا کہ جب وہ جے سنگھ کی حویلی میں کام نہیں کرتی تو آخر کون ہے.....؟ ایک لمحہ صرف ایک لمحہ..... اور اس کے بعد میں نے اس کی طرف چھلانگ لگا دی۔ رات کی اس تاریکی اور خاموشی اور سناٹے میں اسے آواز دینا غلط بات تھی۔ بس میں دوڑا تھا اس کے پیچھے اور اس طرح کہ قدموں کی تیز آواز بھی نہ ہو۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ مجھے دیکھ کر بھاگی تھی لیکن آگے چل کر وہ ایک طرف مڑی تھی حالانکہ میں صرف ایک لمحے میں اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں سے وہ مڑی تھی لیکن اب وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ نظر کی حد تک کہیں بھی نہیں تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا ہر اس طرف نگاہ دوڑائی جہاں اگر کوئی پوشیدہ بھی ہونا چاہئے تو نگاہوں سے نہ چھپ سکے لیکن اس کا وجود جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ وہ مجھے پھر نظر نہیں آئی اور میں حیران و ششدر اسے تلاش کرتا رہا۔ کیا ہے یہ سب کچھ..... کیا ہے.....؟ ایک طرف دیو سنگھ تھا جو میرے اوپر حاوی ہو گیا تھا۔ دوسری طرف یہ

لڑکی' ایک انوکھا اور پُراسرار وجود جس سے میں قطعی ناواقف تھا کہ آخر رہ ہے کون.....؟ پاگلوں کی طرح دیر تک وہاں کھڑا رہا اور اس کے بعد واپس اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر پڑا۔ خوفزدہ تو خیر میں بالکل نہیں تھا۔ کیونکہ اب خوف و دہشت جیسے الفاظ میرے ذہن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل چکے تھے لیکن حیران ضرور تھا۔ میں کنور فاروق علی کے گلے کا تعویذ لینے کے لئے نکلا تھا اور وہ بھی دیو سنگھ کے حکم پر..... کیا مجھے یہ کام کرنا چاہئے۔ پہلی بات تو یہی تھی کہ بات ایک ایسے تعویذ کی تھی جو دیو سنگھ کے لئے تکلیف دہ بنا ہوا تھا اور دیو سنگھ اس سے خوفزدہ تھا۔ ایسا تعویذ ایک مسلمان کے ہاتھوں برباد ہونا چاہئے۔ یہ سوال ہی بڑا اذیت ناک تھا لیکن مجھ پر دیو سنگھ کا سحر طاری ہو گیا تھا اور میں اس بارے میں نہیں سوچ سکا تھا۔ کتنی خوفناک بات تھی یہ..... خدا نہ کرے کہ اگر میں ایسا کر لیتا تو کیا یہ بہتر ہوتا..... بڑی دہشت سی محسوس ہوئی اور مجھے یوں لگا جیسے میں جو اب تک دیو سنگھ کے ٹرانس میں تھا' اب اس سحر سے آزاد ہو گیا ہوں۔ واقعی بڑا خوفناک کام کرنے جا رہا تھا میں لیکن پھر اس کے ساتھ ایک دوسرا خیال بھی آیا۔ وہ کالی بلی جس نے میرا راستہ روکا تھا۔ کیا میرا راستہ روکنے کے لئے ہی میرے سامنے آئی تھی..... سو فیصد ایسا ہی تھا۔ خدا کی پناہ..... اس کا مطلب ہے کہ میری محافظ قوتیں یہاں بھی میری حفاظت کر رہی ہیں۔ کمال ہے شازل..... اس قدر اہمیت اختیار کر جاؤ گے تم' کبھی تصور میں بھی نہیں سوچا تھا اور ایک بار پھر دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ جن حالات کا بھی شکار ہوا ہوں وہ اپنی جگہ ہیں لیکن میری شعاع نے میرے لئے تحفظ کی ایک ایسی دیوار قائم کی ہے جسے میرے دشمن کسی بھی طرح عبور نہیں کر پاتے۔ اب دل میں شعاع کا تصور آ گیا تھا اور میں ایک غم کی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔ شعاع سے ذہن نے ایک بار پھر حمیدہ کی طرف چھلانگ لگائی۔ یہ پُراسرار وجود آخر کون ہے..... کون ہو سکتا ہے یہ.....؟ وہ اس وقت یہاں کیا کر رہی تھی۔ دفعتاً میں چونک پڑا۔ مجھے کسی جال میں گرفتار کرنے کے لئے سروجنی کو آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سروجنی پوری طرح دیو سنگھ کی کارکن بن چکی تھی۔ ایک اور خیال بھی دل میں پیدا ہوا۔ کالی بلی کے روپ میں کہیں سروجنی ہی تو نہیں تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سروجنی نے میرا راستہ کیوں روکا تھا میں تو دیو سنگھ کا ہی کام کرنے جا رہا تھا۔ ارے باپ رے باپ..... میرا دشمن تو میری شہ رگ کے قریب ہے۔ وہ آسانی سے مجھ پر اپنا جال ڈال سکتا ہے۔ جے سنگھ کی حویلی تو میرے لئے ایک خطرناک جگہ ہے۔ کیونکہ یہاں مجھے

ہر جگہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مجھے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ قلعہ حیدر سنگھ کوئی چھوٹی موٹی جگہ نہیں تھی۔ میں اگر چاہوں تو یہاں رُوپوش ہو سکتا ہوں اور یہی میرے لیے مناسب بھی ہے۔ حالات تھوڑے تھوڑے میرے علم میں آتے جا رہے ہیں۔ کنور فاروق علی یا جے سنگھ میرے کام کے لوگ نہیں ہیں۔ دیو سنگھ کا وجود مٹا کر مجھے اپنا فرض اسی طرح سرانجام دینا ہے' جس طرح گجراج تیلی کو راستے سے ہٹا کر میں نے سرانجام دیا تھا لیکن ابھی تک میں نے کوئی ایسا مؤثر عمل نہیں کیا تھا جسے کار آمد تصور کیا جائے اور اس کی وجہ جے سنگھ کی حویلی میں میرا قیام تھا۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے مجھے یہ حویلی چھوڑ دینی چاہئے۔ چنانچہ اسی وقت خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور خفیہ راستوں کی طرف بڑھ گیا جہاں سے حویلی سے باہر نکل سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں حویلی سے باہر تھا لیکن ایسی جگہ کی تلاش میں جہاں میں قیام کر کے دیو سنگھ کے خلاف کام کر سکوں اور پھر رات کی تاریکیوں میں میرے قدم کسی ایسی ہی نامعلوم منزل کی تلاش میں آگے بڑھ گئے۔ کوئی سہارا تو تھا نہیں..... کسی خاص جگہ کا خیال نہیں تھا۔ بس یونہی..... چلا جا رہا تھا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک جگہ رکا۔ ایک چوڑی سی پگڈنڈی تھی جو کچی تھی اور یقینی طور پر بستی کے کسی سرے کی طرف جا رہی ہو گی۔ مجھے اس کے بارے میں اندازہ نہیں تھا لیکن بڑی عجیب صورتِ حال تھی۔ کنور فاروق علی کی طرف بھی رخ کر سکتا تھا لیکن یہ خوف بھی دل میں تھا کہ وہاں جا کر کہیں دیو سنگھ مجھ پر حاوی نہ ہو جائے اور میں اس تعویذ کے حصول کے لئے دوبارہ کوشش شروع کر دوں۔ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر ایک درخت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جو اس پگڈنڈی کے بالکل کنارے پر تھا نیچے کی جگہ صاف ستھری تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح کا اجالا نمودار ہو گیا اور اس سے پہلے کہ میری آنکھوں کا بوجھ مجھے پلکیں بند کرنے پر مجبور کر دیتا کہ دور سے ایک گھوڑا گاڑی آتی ہوئی نظر آئی اور میں چونک پڑا۔ گزرگاہ تھی..... لیکن گھوڑا گاڑی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے حیرت ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد وہ میرے قریب آ گئی۔ گھوڑا گاڑی میں کوچوان کے علاوہ ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا۔ کالا رنگ..... بڑی بڑی مونچھیں' کالی ٹوپی پہنے ہوئے واسکٹ اور چوڑی دار پاجامہ..... ہونٹ پان سے رنگے ہوئے' سامنے کے دانت سونے کے بنے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر نیچے اتر آیا۔ دیکھتا رہا۔ پھر جھک کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔

"ارے..... ارے یہ کیا کر رہے ہیں آپ.....؟"

"حضور..... اب بھی آپ یہی کہیں گے کہ ہم نے آپ کو نہیں پہچانا۔ خوابوں میں دیکھتے رہے ہیں آپ کو۔ کہا گیا ہے کہ ہماری مشکل کا حل آپ کے ہی پاس ہے۔ حضور..... تشریف لے آئے ہیں یقین کیجئے۔ دل کو بڑی ڈھارس ہوئی ہے۔ بس ہماری مدد کیجئے گا۔ آپ کا بڑا احسان ہو گا۔"

"مگر بھائی آپ کو شاید غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"اچھا ایک بات بتا دیجئے..... بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں یعنی چھوٹا منہ اور بڑی بات..... شازل ہے نا آپ کا نام!"

میرا دل دھک سے رہ گیا میں نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا۔ کہیں سے شناسائی کی جھلک نہیں ملتی تھی۔ میں نے تعجب سے کہا۔ "نام تو یہی ہے میرا....."

"تو فدوی کو دولت بیگ کہتے ہیں۔"

"مگر بھائی..... آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہو گیا۔"

"تین دن سے مسلسل یہ خواب دیکھ رہے ہیں ہم کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور پگڈنڈی پر اس درخت کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں۔ شکل و صورت اور نام تک یاد ہے ہمیں آپ کا..... تین دن سے آپ یوں سمجھ لیجئے..... مگر ٹھہریئے ہمارے کوچوان سے پوچھ لیجئے کہ ہم غلط تو نہیں کہہ رہے۔"

"نہیں..... سرکار ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" کوچوان نے جواب دیا۔

"لیکن دولت بیگ صاحب..... آپ کی مشکل کیا ہے.....؟"

"جناب من' ویسے تو یہاں بہت بڑی بڑی حیثیت کے مالک لوگ موجود ہیں۔ کنور فاروق علی صاحب ہیں جے سنگھ ہیں..... ان لوگوں نے آئندہ الیکشن میں جیتنے کے لئے ہندو اور مسلمانوں میں جھگڑا کھڑا کر دیا ہے لیکن سچ بتائیں آپ کو یہ نچلے خاندان کے لوگ ہیں اور جو اونچے خاندان ہیں وہ ان غنڈا گروپوں کے سامنے گردن خم کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ جیسے ہم..... یہ ہم تو نہیں جانتے کہ قصہ کیا ہے۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم کسی کی دشمنی کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ تو آپ کو پتا ہی ہے کہ اپنے ہی سب سے بڑے دشمن ہوتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ اپنوں کی دشمنی کا شکار ہیں۔ ہمارے اوپر جادو کرا دیا گیا ہے۔ بیوی ہے..... بچے ہیں..... طرح طرح سے ستایا جاتا ہے دہشت سے سوکھتے جا رہے ہیں۔ ایک نوجوان بیٹی ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ کیا کہیں آپ سے..... حضور اگر ہم پر عنایت ہو جائے بڑی مہربانی ہو گی۔"

میں حیرت سے دولت بیگ کو دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔ "بھائی..... آپ کا

معاملہ بڑا عجیب ہے لیکن بہرحال آپ اگر ہمیں یہی سمجھتے ہیں تو چلئے ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے قدرت نے ہماری تقدیر میں آپ کی مدد کر کے ہمیں سرخرو رہنا لکھا ہو۔"

"آپ نے گویا مجھے نئی زندگی عطا فرما دی ہے۔ آیئے چلئے۔" اس شخص نے کہا۔ بات اس قدر حیران کن تھی۔ اگر وہ میرا نام نہ لیتا تو شاید میں اس بات پر تیار نہ ہوتا لیکن اس نے تین دن کے خواب کا تذکرہ کیا تھا۔ میرا نام لیا تھا..... اپنی مشکل بتائی تھی۔ ممکن ہے یہاں بھی دیو سنگھ کی کارفرمائی ہو اور مجھے اس کے خلاف کام کرنے کے لئے موقع عطا کیا گیا ہو۔ بہرحال اس طرف چلنا بڑا ضروری تھا۔ چنانچہ میں دولت بیگ کے ساتھ گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گیا اچھا خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ قلعہ حیدر سنگھ کے حالات کی وجہ سے یہاں کے معاملات ذرا ڈھیلے ڈھالے سے تھے لیکن جتنا بھی میں نے شہر کو دیکھا تھا مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اچھا خاصا شہر ہے۔ دولت بیگ کی حویلی وسیع و عریض تھی لیکن بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوتے ہی یہ احساس ہو گیا کہ حویلی آسیب زدہ ہے۔ اس کی ویرانی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ یہاں غیر انسانی مخلوق کا قبضہ ہے۔ حویلی کے احاطے میں بے شمار درخت تھے لیکن ان کے پتے سوکھے ہوئے تھے۔ گھاس کے بڑے بڑے لان تھے لیکن پیلی اور جلی ہوئی گھاس چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ حویلی کا بیرونی حصہ بھی ویران تھا۔ کوچوان نے گھوڑا گاڑی روک دی اور دولت بیگ نیچے اتر آیا۔ پھر مجھ سے بولا۔ "آیئے حضور..... آپ دیکھ رہے ہیں یہ سارا ماحول..... کچھ عرصہ قبل یہ درخت سرسبز تھے۔ یہ گھاس آنکھوں کو بہار دیتی تھی لیکن اب یہاں خزاں ہی خزاں ہے۔ درخت سوکھ گئے ہیں۔ گھاس جھلس گئی ہے حالانکہ مالی نے اس پر کیا محنت نہیں کی۔ آپ عمارت کا یہ بیرونی حصہ دیکھ رہے ہیں۔ اس پر کوئی تین ماہ قبل رنگ کروایا ہے میں نے..... لیکن یہ پھر ایسا ہو گیا۔ اب ذرا آیئے..... اندر تشریف لے چلئے۔" دولت بیگ آگے بڑھ گیا۔ میں حیران پریشان اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا لیکن اندر کا ماحول دیکھ کر ایک عجیب سا احساس ہوا۔ بہت وسیع و عریض ہال تھا۔ بہترین فرنیچر سے آراستہ..... زمین پر قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے دولت بیگ کو دیکھا اور کہا۔ "یہ ساری ہنگامہ آرائی باہر ہی باہر ہے۔"

"جی..... لیکن حضور ایک بات عرض کئے دے رہے ہیں۔ یہ ہنگامہ آرائی ابھی باہر ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ اندر کا ماحول بھی محفوظ نہیں ہے۔ آپ سے بڑی

آس ہے۔ یہاں قیام فرمایئے اور ہماری مشکل کا حل تلاش کیجئے۔ آیئے..... لاتعداد کمرے ہیں یہاں' آپ کے قیام کا بندوبست کر دیا جائے گا آیئے تشریف لایئے۔" اور پھر وہ ہال کے ایک دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ میرے قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں دل کو ایک قرار سا تھا۔ یہاں آمد میں میرے کسی ارادے کو دخل نہیں ہے اور شاید مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں اندر داخل ہوا۔ یہ ایک لمبی چوڑی راہداری تھی۔ جس کی داہنی سمت کمرے بنے ہوئے تھے۔ دولت بیگ نے ایک دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوتے ہوا بولا۔

"آپ کے لئے نہایت موزوں ہے۔ ذرا جائزہ لے لیجئے۔ کسی شے کی کمی ہو تو آپ کسی بھی ملازم کو طلب کر سکتے ہیں۔ یہاں کئی ملازم ہیں۔"

"لیکن آپ کی مشکل کیا ہے.....؟"

"ذرا توقف فرمایئے..... اہلِ خانہ کو یہ بتا دوں کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مدد آ گئی ہے اس کے بعد آپ کو ساری تفصیل سے آگاہ کریں گے۔"

دولت بیگ چلا گیا اور میں حیران پریشان ایک کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ سارا ڈرامہ ہے کیا.....؟ اور دولت بیگ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ کہاں تک سچ ہے.....؟ اور میرا کردار اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے۔ پھر وہی اعتماد دل کے اندر ابھر آیا۔ میں نے اس کمرے کا جائزہ لیا فرش پر قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ بے حد شاندار مسہری تھی۔ کمرے میں بہت سے ڈیکوریشن پیس بھی رکھے ہوئے تھے اور یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ دولت بیگ کسی بھی طرح مالی طور پر کنور فاروق علی یا جے سنگھ سے کم نہیں ہے۔ بہرحال..... کمرے میں رکھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ کر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا لیکن ذہن آزادی ملنے کے بعد کیا سوچتا ہے۔ اس کے لئے ذہن کو تو اپنے قبضے میں نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے جے سنگھ کی حویلی صرف اس لئے چھوڑ دی تھی کہ وہاں دیو سنگھ میرا شناسا ہو گیا تھا لیکن اگر یہاں بھی میرا واسطہ براہِ راست دیو سنگھ سے ہوا تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دل میں اب بھی خوف و دہشت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ بس متردد تھا' کہ صحیح راستہ منتخب کر لوں اور اس راستے پر قدم آگے بڑھاؤں۔ ویسے اس بات کا یقین تو اس عمارت میں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا کہ یہاں کی صورتِ حال کافی سنگین ہے۔ کیسا انوکھا اور دلچسپ اتفاق تھا کہ جس دہشت ناک ماحول سے نکل کر بھاگا تھا اسی دہشت ناک ماحول نے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا

کہ اس سے کہیں زیادہ سنسنی خیز ماحول نے یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ ایک ذمہ داری عائد ہو گئی تھی مجھ پر۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ دولت بیگ مجھے اپنے مقصد کے لئے یہاں لایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے تین دن تک مجھے اپنے خوابوں میں دیکھا ہے۔ اگر میری ذمہ داریاں یہاں بھی کچھ رکھی گئی ہیں تو بہتر یہ ہو تا کہ مجھے ان سے آگاہ کر دیا جائے۔ میں اتنا ذہین یا صاحبِ عقل نہیں ہوں کہ بہت سی مشکل باتوں کو آسانی سے سمجھ لوں۔ بہرحال..... مجھے اب یہ سوچنا تھا کہ اس اجنبی جگہ میں ان ناپاک روحوں کے خلاف کیا عمل کروں۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے اس میں کامیابی حاصل نہ ہو لیکن اس کے باوجود میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر اسی طرح گزر گئی اور پھر دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر کہا۔

"کون ہے آجاؤ.....؟" آنے والا ایک اجنبی سا شخص تھا۔ ہاتھوں میں چائے کے برتن اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ برتن اس نے خاموشی سے میرے سامنے رکھ دیئے تو میں نے کہا۔ "دولت بیگ صاحب کہاں ہیں.....؟"

"کون.....؟" ملازم حیرت سے بولا۔

"دولت بیگ..... اس عمارت کے مالک....." میں نے ملازم کی حیرت پر خود بھی حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"دولت بیگ..... اس عمارت کے مالک۔" ملازم اس انداز میں بولا کہ میں حیرت سے اسے گھور کر رہ گیا۔ میں نے بڑی پریشانی سے اس کی صورت دیکھی اور کہا۔ "کیا یہ دولت بیگ کا گھر نہیں ہے۔"

"پتا نہیں..... کیا بکے جا رہے ہو.....؟ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا بھائی جان۔ ہم تو چلے....." ملازم دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں نے برق رفتاری سے اس کے پیچھے چھلانگ لگائی تھی لیکن باہر نکلا تو یوں محسوس ہوا جیسے تا حدِ نظر کسی انسان کا وجود یہاں نہ ہو۔ ہر طرف خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ میں کافی آگے مختلف گوشوں میں اس ملازم کو تلاش کرنے لگا لیکن اس کا نام و نشان بھی نہیں ملا۔ بہرحال..... پھر میں واپس اندر آگیا۔ بہت ہی عجیب، بہت ہی پُراسرار واقعات تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ میری نظر اتفاقیہ طور پر چائے کے برتنوں پر پڑی تو میں ششدر رہ گیا۔ چائے دانی، شکر دانی اور دودھ کا برتن تھا لیکن چائے نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ ایک بار پھر شدت سے پریشانی کا شکار ہو گیا لیکن زیادہ نہیں سوچا تھا کہ دوبارہ دروازے پر آہٹ سنائی دی اور میں چونک کر

دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

"حاضری دے سکتا ہوں۔" دروازے سے سنائی دینے والی آواز دولت بیگ کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔ میں نے خود کو سنبھال کر جلدی سے کہا۔ "تشریف لائیے۔"

"عزیزہ کو بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ سے ملانا مقصود تھا۔" دولت بیگ نے کہا اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ پھر حقیقت ہے کہ انسان کی حسن پرستی شاید اس کی زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ وہ اس قدر حسین لڑکی تھی کہ ایک لمحے کے لئے انسان اسے دیکھ کر سب کچھ بھول جائے۔ اس قدر جاذب نظر نقوش اور اتنی حسین جسامت..... بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدرت کے شاہکاروں میں شامل تھی۔ وہ شرمائی لجائی سی اندر آگئی۔ دولت بیگ نے کہا۔ "میں نے عرض کیا تھا نا کہ بچے بھی ہیں میرے ساتھ اور انہیں بھی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ میں یہ جگہ چھوڑ دیتا لیکن کچھ عجیب سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اس بچی کا نام حور شمائل ہے۔ میں نے سوچا کہ اسے آپ سے ملا دوں۔"

"ہاں..... مجھے افسوس ہے واقعی..... آپ بڑی پریشانی کا شکار ہیں۔" میں نے کچھ بے تکے الفاظ اپنے منہ سے ادا کئے۔ جس کا مجھے خود احساس تھا۔ اسی وقت دولت بیگ نے چائے کے برتنوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چائے پی لی آپ نے.....؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے..... آپ کا ایک ملازم چائے کے برتن لے کر آیا تھا۔ مگر اس میں چائے نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"ارے....." دولت بیگ نے آگے بڑھ کر ایک قدم اٹھایا اور چائے کے برتنوں کو جھانکنے لگا پھر افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"یہاں تو دن رات ایسے ہی واقعات پیش آتے ہیں..... کیا کہا جا سکتا ہے۔ چلئے اچھا ہوا۔ آپ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ان بچوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ آپ تو دل کے مضبوط ہیں۔ مگر یہ بچے..... یہ تو ڈرتے ہیں۔ کیوں حور شمائل.....؟" دولت بیگ نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور میری نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ان باتوں سے بے نیاز مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک حسین چمک تھی اور اس کا چہرہ آگ کی طرح تمتما رہا تھا۔ نہ جانے کیا کیفیت تھی اس کے چہرے پر..... میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ایک عجیب سا جذبہ

دیکھا اور نہ جانے کیوں میرا دل دھک سے رہ گیا تو اسی وقت دولت بیگ نے کہا۔
"میں خود آپ کے لئے چائے لے کر آتا ہوں۔"

"ارے نہیں بیگ صاحب..... اس کی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔ آپ براہ کرم....."

"نہیں جناب..... میں خود یہ کام کر سکتا ہوں اور کوئی نہیں..... میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہاں کے حالات بڑے سنسنی خیز ہیں۔ آپ نے ابھی تک چائے بھی نہیں پی..... کم از کم تھوڑی سی مہمان داری تو کر لینے دیجئے۔ اس کے بعد آپ کو اپنی ذمہ داریوں سے گزرنا ہو گا۔ بس ..... کیا عرض کروں میری بیوی..... میری بچی ہر لمحے خوف کا شکار رہتی ہیں لیکن میں یہاں رہنے پر مجبور ہوں۔ زندگی مسلسل عذاب بن کر گزر رہی ہے۔" دولت بیگ کی آواز بھرا گئی پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔ "چائے لاتا ہوں....."

اس نے میرے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ میں نے ایک نگاہ لڑکی پر ڈالی اور کچھ عجیب سا احساس ہوا' دوبارہ مجھے..... اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی جو مجھے اندر سے بے کل کر رہی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ بہت خوفزدہ رہتے ہیں اس گھر میں.....؟"

"نہیں تو....." وہ تو جیسے میرے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور کہا۔

"کیا کہا آپ نے۔"

"آپ نے یہ پوچھا تھا کہ کیا ہم لوگ خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"تو میں نے اس کا جواب دے دیا۔"

"لیکن دولت بیگ صاحب تو کہہ رہے تھے کہ آپ سب اس گھر میں بہت خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"کون دولت بیگ.....؟" وہ تعجب سے بولی اور میری کھوپڑی گھوم گئی۔

"آپ کے والد دولت بیگ صاحب....."

"میرے والد دولت بیگ صاحب..... میرے تو کوئی والد نہیں ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہیں آپ.....؟" میں واقعی بوکھلا گیا تھا۔

"جو مجھ سے پوچھ رہے ہو کیا سمجھے....."

"آپ..... دولت بیگ صاحب کی بیٹی نہیں ہیں؟ آپ کا نام حور شمائل نہیں ہے؟"

"سنو..... میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ میں کون ہوں..... کیا ہوں..... رات کو بارہ بجے حویلی کے دوسرے حصے میں آجانا۔ تمہارا انتظار کروں گی اور اس وقت تمہیں بتاؤں گی میں کون ہوں..... سمجھے..... آنا ضرور..... انتظار کروں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آنکھیں پتھر کی ہو جائیں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ حیرت کا ایک اور جھٹکا..... یہ جھٹکے تو میرا ہی جھٹکا کر ڈالیں گے۔ میں چکرا کر رہ گیا۔ یہ سب کچھ مجھے بہت عجیب لگا تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں خوب ہنگامہ آرائیاں ہو رہی ہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے بھی سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ان ہنگامہ آرائیوں کا تعلق کس سے ہے۔ کیا دیو سنگھ سے۔ ابھی اس بات کے بارے میں..... مکمل طور سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دولت بیگ واپس آگیا۔ چائے کے برتن اس نے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ برتن اس نے میرے سامنے رکھے اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "ارے یہ حور شمائل کہاں چلی گئی؟"

"پتا نہیں..... بس اٹھ کر چلی گئی۔" میں نے کہا اور دولت بیگ ایک گہری سانس لے کر آہستہ سے بولا۔ "یہ سب آسیب زدہ ہیں۔ یہ گھر مکمل طور پر آسیب زدہ ہے۔ ہم یہاں سے کہیں جاتے ہیں تو بیماریاں شروع ہو جاتی ہیں جسمانی طور پر ہم اسی گھر میں تندرست رہتے ہیں اور باہر جسمانی طور پر..... بتائیے کیا کیا جائے.....؟ اچھا خیر چھوڑیئے..... آپ چائے پیجئے۔"

"ضرورت نہیں محسوس ہو رہی..... بیگ صاحب میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا۔ ویسے میں آپ کے اس گھر کا جائزہ لوں گا۔ ذرا رات گہری ہو جائے' آپ براہِ کرم اپنے مشاغل جاری رکھئے۔ اب اگر آپ مجھے یہ سمجھ کر یہاں لائے ہیں کہ میں آپ کی اس مشکل کا کوئی حل نکالوں تو براہِ کرم میری بات مانئے..... خاطر مدارات کا چکر چھوڑیئے۔ آپ کے اہلِ خاندان سے بھی ملاقات کروں گا اور ان سے بھی جو آپ کو یہاں پریشان کئے ہوئے ہیں۔"

"آپ یوں سمجھ لیجئے جناب کہ چند انسانی زندگیاں آپ کے رحم و کرم پر ہیں۔ ہم نیم جان ہو چکے ہیں۔ آپ چائے پی لیتے تو اچھا تھا۔ حالانکہ وقت واقعی کافی ہو گیا

ہے۔ رات کے کھانے میں بھی دیر نہیں ہے۔ آپ فرمائیے آپ کب سے کام شروع کریں گے؟"

"آج ہی سے۔"

"میرے لائق خدمت بتائیے۔"

"بس..... آپ اپنے کمروں میں محدود ہو جائیں اگر یہاں کچھ ملازمین بھی ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میری کارروائیوں میں روک ٹوک نہ کریں۔"

"جی بہت بہتر ہے..... جیسا آپ کا حکم..... آپ اطمینان سے اپنا کام کیجئے۔ ٹھیک ہے آپ مطمئن رہیں....." پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چائے کے برتن لے کر چلا گیا۔ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر ایک گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ بہت دیر تک میں اس پریشانی میں ڈوبا رہا اور سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

بہرحال خوب رات ہو گئی۔ وقت کا صحیح اندازہ نہیں کر پایا تھا۔ دروازے پر ایک بار پر دستک ہوئی تو میں نے چونک کر دیکھا۔ اس بار وہ ایک ملازم کے ساتھ آیا۔ یہ ملازم بھی وہ والا ملازم نہیں تھا جو پہلے چائے کے خالی برتن رکھ کر بھاگ گیا تھا بلکہ کوئی دوسرا تھا۔ اس نے ہاتھوں میں ٹرے پکڑی ہوئی تھی اور دولت بیگ کے ہاتھوں میں پانی کا جگ اور گلاس تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کیوں زحمت کر رہے ہیں بیگ صاحب!"

"رہنے دیجئے جناب..... شرمندگی کی آخری حد کو پہنچا ہوا ہوں۔ اگر اس گھر کا ماحول اتنا غیر یقینی نہ ہوتا تو کیا ایک معزز مہمان کے ساتھ یکجا بیٹھ کر کھانا نہ کھایا جاتا مگر کیا کروں..... میرے بس کی بات نہیں ہے۔ براہِ کرم جو دال دلیہ مہیا کر سکا ہوں قبول فرمائیے۔ شکر گزار ہوں گا۔"

"بہتر ہے..... رکھ دیجئے۔" میں نے کہا اور ملازم نے ٹرے میز پر رکھ دی۔ بیگ صاحب نے کہا۔ "تو پھر اجازت..... میں چلتا ہوں۔ ہاں اگر کسی اور شے کی حاجت ہو تو براہِ کرم آکر..... کسی کو آواز دیجئے گا۔ اچھا چلتا ہوں۔" بیگ صاحب نے کہا اور ملازم کو اشارہ کر کے باہر نکل گئے۔

میں نے ایک نظر اس خوان پر ڈالی جس پر ایک خوان پوش ڈھکا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا۔ مسلمان کا گھر تھا۔ میں نے سوچا کہ کھانا کھا لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ حالانکہ ویسے تو سارے معاملات بڑے سنسنی خیز تھے لیکن لڑکی کا معاملہ سب سے زیادہ حیران کن تھا۔ بہرحال پانی سے ہاتھ دھوئے اور کھانے کی طرف متوجہ ہو

گیا۔ سالن کے برتن سے ڈھکن ہٹایا تو میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ طبیعت پر ایک شدید بوجھ طاری ہو گیا۔ سالن کے شوربے میں چھ سات مردہ چھپکلیاں تیر رہی تھیں۔ ان کے نچلے بدن اوپر تھے اور پیلے پیلے نظر آ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے برتن ڈھک دیا۔ حالانکہ قاب کا ڈھکن اٹھاتے ہی ایسی عمدہ خوشبو پھیلی تھی کہ اگر انسان بھوکا بھی نہ ہو تب بھی اسے بھوک لگنے لگے لیکن اندر جو کچھ تھا وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ حویلی کے مکینوں نے میرا زبردست استقبال کیا تھا اور بیچارہ دولت بیگ واقعی پریشان آدمی تھا۔ بہرحال..... یہ دلچسپ شرارتیں تھیں اور مجھے ان سے واسطہ پڑتا رہا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نئے کھیل کے لئے میری راہ نمائی کیوں نہیں ہوئی۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ درحقیقت اس بھیانک ماحول میں جہاں اتنی سی دیر میں اتنے سارے واقعات پیش آ چکے تھے ذہنی توازن قائم رکھنا اور صورتِ حال کو سنبھالنا ایک مشکل کام تھا۔ یہ لوگ واقعی پریشان زندگی گزار رہے ہوں گے۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اکتاہٹ طاری ہوئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ کھلی کھڑکی بند کی اور پھر دروازے سے باہر نکل آیا۔ حویلی پر ایسی ہولناک خاموشی طاری تھی جیسے کوئی ویران قبرستان ہو۔ جس میں زندگی کے آثار نہ ہوں۔ قدموں کی ہلکی سی چاپ بھی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ سناٹے چیخ رہے تھے۔ دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ پے در پے راستوں اور کمروں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بند دروازوں سے مدھم روشنی چھن رہی تھی۔ میں دبے قدموں آگے بڑھا اور چوڑی راہداری میں کسی آوارہ روح کی مانند بھٹکنے لگا۔ اِدھر سے اُدھر..... اُدھر سے اِدھر..... کمروں کی روشنیاں جل رہی تھیں لیکن اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ روشنیاں بجھ گئی ہوں۔ ہو سکتا ہے کمروں میں رہنے والوں نے میرے قدموں کی آواز سن لی ہو اور خوفزدہ ہو کر روشنیاں بجھا دی ہوں لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ اس ہولناک ماحول کے باوجود یہاں زندگی گزار رہے تھے۔ یہ لوگ اگر اس ماحول کے عادی نہ ہوں گئے ہوتے تو ان کا کلیجہ پھٹ جاتا۔ کوئی پندرہ سے لے کر بیس منٹ تک میں اس حویلی کے مختلف گوشوں چکراتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ کچھ ہو گا لیکن ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا تھا۔ پھر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اچانک ہی تیز روشنی کا طوفان راہداری میں آ گیا اور میں ٹھٹک کر رک گیا۔ کمرے کے دروازے میں دولت بیگ کھڑا تھا۔ غالباً وہ قدموں کی چاپ سن

کر باہر نکلا تھا۔ بڑی ہمت کی بات تھی۔ اس کی آواز ابھری اور اس نے کہا۔

"آپ نے شاید اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ کیا آپ مجھ سے کچھ باتیں کرنا پسند کریں گے۔" میں دولت بیگ کو دیکھ کر کسی قدر پُرسکون ہوا کہ چلو کچھ تو ہوا چنانچہ میں اس کے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے مجھے اندر آنے کا راستہ دے دیا تھا۔ میں اندر داخل ہو گیا جبکہ دولت بیگ دروازے کے پاس ہی رہ گیا تھا لیکن اس حویلی کا جائزہ لینے کے بعد اس کمرے کا جائزہ لے کر میں حیران رہ گیا۔ کمرے میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو کسی کے بیٹھنے یا آرام کرنے کے لئے ہو۔ زمین پر قالین تو کیا دری تک نہیں بچھی ہوئی تھی۔ فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ دیواریں بھدی اور بغیر پلستر کے تھیں۔ میں نے اس سارے ماحول کو دیکھ کر عقب میں کھڑے ہوئے دولت بیگ پر نگاہیں جمائیں اور دوسرے لمحے میرا کلیجہ حلق میں آ کر اٹک گیا۔ وہ دولت بیگ نہیں تھا بلکہ..... بلکہ دیو سنگھ تھا۔ ہاں..... وہی منحوس صورت دیو سنگھ..... جو اپنی داسیوں کی اندر سبھا میں بیٹھ کر کیا سے کیا ہو جاتا تھا لیکن اس وقت وہ یہاں اپنی تمام تر شیطانی خباثتوں کے ساتھ موجود تھا۔ میرے دل میں ایک لمحے کے لئے ایک خوف نے کروٹیں بدلی تھیں لیکن پھر میں فوراً ہی سنبھل گیا۔ میں نے حیرانی سے دیو سنگھ کو دیکھا اور کہا۔ "تو تم آ گئے دیو سنگھ!"

"آ گئے.....؟ گئے کہاں تھے مہاراج.....؟ ہم تو یہیں تھے۔ بالکل یہیں کے یہیں۔"

"لیکن یہ گھر تو....."

"ہمارا ہی ہے۔ گھیر کر لائے تھے آپ کو یہاں۔ کیا سمجھے..... اور گھر گئے آپ..... اب بتائیے کیا کہتے ہیں اس بارے میں.....؟"

"کس بارے میں دیو سنگھ۔"

"ہم چاہیں تو یہیں آپ کے جیون کا خاتمہ کر دیں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ مگر ہم تو بانسری بجانا چاہتے ہیں۔ عجب ہے یہ سنسار..... کسی کو کچھ دینا چاہو تو وہ لینے سے انکار کر دے۔ ویسے بھکاریوں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے رہیں کہ یہ دے دو مہاراج..... وہ دے دو مہاراج..... ارے بھائی اتنی سی بات کہی تھی تم سے کہ کنور فاروق علی کی گردن سے وہ تعویذ اتار کر لے آؤ۔ مگر نہ سنی تم نے..... تمہیں پتا ہے کہ اگر ہم کسی سے کچھ کہہ دیں تو وہ ہماری خواہش پوری کرنے کے لئے جیون کی بازی لگا دیتا ہے۔ پر تم سے اتنا سا کام نہیں ہو سکا۔"

"دیو سنگھ..... تم کیوں یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کسی سے کہو گے، وہ تمہاری خواہش کی تکمیل کر دے گا۔ سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو....."

"ایں....." دیو سنگھ نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر بولا۔ "اپنے کو جو کچھ سمجھتے ہیں مُورکھ..... اگر تمہیں سمجھا دیں تو تیرے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ تُو یہ بتا کہ تُو خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ایک معمولی سا کام ہم نے تجھے دیا۔ صرف اس لئے کہ مسلمان ہے۔ اس تعویذ پر ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ تُو نے سمجھا کہ کوئی بہت بڑا کام کرنے جا رہا ہے تُو..... ارے انعام بھی تو دیتے تجھے..... وہ داسی کیسی تھی تمہاری کہاں ہے ری..... نرمانتا کہاں ہے آ..... دیکھ یہ کیا کہہ رہا ہے پاپی....." دیو سنگھ نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ حسین لڑکی کمرے میں داخل ہو گئی۔ جس نے اپنا نام حور شمائل بتایا تھا۔ دیو سنگھ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سمجھتا کیا ہے خود کو نرمانتا..... تیری دعوت بھی قبول نہیں کی اس نے..... اور ہم سے کہتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں۔ اب یہ بتائیں تجھ کو ہم کیا سمجھتے ہیں۔" اسی وقت لڑکی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "دیو مہاراج..... پاپی ناسمجھ ہے۔ سمجھتا نہیں ہے حالات کو میں سمجھا دوں گی اسے آپ چنتا نہ کریں۔"

"ابھی ہمارے سامنے بات کر اس سے..... ہمارے سامنے..... ارے دیکھ رہا ہے تُو کمینے، یہ داسی ہے ہماری..... ہمارا کام کر دیتا تو ایسی ہزاروں داسیاں تیرے چرنوں کی دھول ہوتیں۔ آگے پیچھے پھرتیں تیرے..... اور تُو ہم سے پوچھتا ہے کہ ہم کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو..... ارے کمینے جو ہم ہیں اگر ہم سمجھانے پر آ جائیں تو سمجھ لے کہ تیری عقل ٹھکانے آ جائے۔ کھوپڑی خراب کر دی ہے تُو نے ہماری ارے..... نرمانتا سمجھا اس کمینے کو....." لڑکی میرے پاس آ گئی اور بولی۔

"سنو..... مہاراج جو کہتے ہیں انہیں وچن دے دو کہ تم ان کی مانگ پوری کر دو گے۔ میں تمہیں بعد میں سب کچھ سمجھا دوں گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"بے وقوف لڑکی اس وقت میں نے تجھے ہمدردی کی نگاہ سے دیکھا تھا جب تُو دولت بیگ کی بیٹی بن کر میرے سامنے آئی تھی۔ مگر اس وقت بھی تیری آنکھوں پر مجھے شک تھا۔ کیا سمجھتی ہے تُو اپنے آپ کو.....؟ بہت حسین ہے تُو..... بہت زیادہ حسین ہے..... میں تھوکتا ہوں تیری صورت پر۔ تُو نہیں جانتی کہ ساری دنیا

کا حسن میرے لئے ایک بے مقصد چیز ہے۔ میں جوتے کی نوک پر نہیں مارتا تیرے جیسی لڑکیوں کو..... سمجھی..... جا چلی جا میرے سامنے سے اور اس بے وقوف کو بھی لے جا یہاں سے جو اپنے آپ کو اس کائنات کا حکمراں سمجھتا ہے۔"

"بے وقوف کہا اس نے مجھے نرمانتا..... اس کے ہوش ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔ تُو نے بے وقوف کہا ہے نا مجھے..... یہ دیکھ کتنا بے وقوف ہوں میں..... کتنا بے وقوف ہوں میں۔" اس نے اپنے ہونٹ گول کئے اور اس کے منہ سے آگ کی پھواریں نکلنے لگیں۔ اس نے سامنے کی دیوار پر اپنے منہ سے نکلنے والی ہوا منتقل کی اور دیوار سرخ ہو گئی۔ اس کی تپش سے بدن جلنے لگا اور اس نے دوسری دیوار بھی اسی طرح سرخ کر دی۔ میں اب ذرا خوفزدہ ہو گیا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان دہکتی ہوئی دیواروں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے تھے اور دیو سنگھ نے نرمانتا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آ..... اب اسے پتا چل جائے گا کہ میں کیا سمجھتا ہوں اپنے آپ کو۔"

لیکن اسی وقت ایک عجیب سا دھماکہ ہوا اور سامنے کی دیوار تڑخ گئی۔ پھٹی ہوئی دیوار سے ایک انتہائی خوفناک سیاہ وجود نمودار ہوا۔ وہ کالے رنگ کی ایک بہت بڑے سائز کی بلی تھی۔ جس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور نوکیلے دانت جھانک رہے تھے۔ دیو سنگھ ابھی اس دھماکے اور پھٹنے والی دیوار پر غور بھی نہیں کر پایا تھا کہ دفعتاً بلی نے ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ دیو سنگھ پر چھلانگ لگائی اور اس کی گردن میں پنجے گاڑھ دیئے۔ دیو سنگھ کی کھلی ہوئی گردن کے حصے میں خون کی لکیریں بن گئیں اور اس کے حلق سے ایک دھاڑ سی نکلی لیکن بلی اس کے کندھے پر پاؤں جما کر لڑکی پر جھپٹی اور دوسرے لمحے لڑکی کی بھیانک چیخ گونج اٹھی۔ بلی نے اس کے چہرے پر جھپٹے مارے تھے اور لڑکی کے داہنے گال پر ایک گہرا زخم بن گیا تھا۔ لڑکی بری طرح وحشت زدہ ہو کر وہاں سے بھاگی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ بلی نے دوبارہ دیو سنگھ پر حملہ کیا تھا اور دیو سنگھ کے حلق سے غراہٹ نکلی تھی۔

"تیرا ستیاناس..... پاپن ہتھیاری....." لیکن پاپن ہتھیاری نے اس بار کان کے پاس گردن پر کئی گہرے زخم لگائے تھے اور اس کے بعد جلتی ہوئی دیوار کے اندر داخل ہوئی تھی۔ ایسا بھیانک منظر شاید ہی کسی انسان نے دیکھا ہو۔ یا اگر کوئی دیکھ لیتا تو اس کے دل کی حرکت بند نہ ہوتی تو اسے انسان کہا ہی نہ جا سکتا۔ بلی آتشی دیوار میں غائب ہوئی لیکن چند ہی لمحوں کے بعد وہ دوسری دیوار سے نمودار ہوئی اور دیو

سنگھ پر جھپٹی۔ اب غالباً دیو سنگھ کے ہوش و حواس جواب دے گئے تھے۔ چنانچہ وہ دروازے کی طرف بھاگا۔ دیوار سے ٹکرایا..... نیچے گرا۔ پھر دوبارہ اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔ بلی اس دوران کئی بار اس پر حملے کر چکی تھی اور دیو سنگھ اس سے بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔ پھر بلی دیو سنگھ کے پیچھے ہی پیچھے باہر نکل گئی۔ میں جو سکتے کے عالم میں کھڑا تھا اور یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا ہوش میں آیا اور دوسرے لمحے میں نے بھی باہر چھلانگ لگا دی لیکن ظاہر ہے جو ہونا تھا وہی ہوا..... باہر کا ماحول بالکل خاموش اور سنسان تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس انوکھے کمرے میں جو کچھ ہوا ہے' باہر سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ نکل کر بھاگنے والے رات کی تاریکیوں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔ میں راہداریوں سے دوڑتا ہوا اس عمارت سے باہر نکل آیا۔ باہر کا ماحول بھی حویلی کی طرح پُرسکون تھا۔ آدم نہ آدم زاد..... بہت دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر واپس پلٹا اور میں نے چیخ چیخ کر دولت بیگ کو آوازیں دیں۔ بس ذہن میں خیال آیا تھا کہ ممکن ہے کہ دیو سنگھ اور دولت بیگ الگ الگ شخصیتیں ہوں۔ حالانکہ ایک خیال اندر سے یہ بھی آ رہا تھا کہ دولت بیگ نے اس لڑکی کو حور شمائل کہہ کر مجھ سے متعارف کرایا تھا جو بعد میں نرمانتا نکلی۔ اسی طرح ممکن ہے کہ دولت بیگ بھی دولت بیگ نہ ہو بلکہ دیو سنگھ مجھے دھوکا دے کر یہاں لایا ہو تاکہ مجھے اپنے کام کے لئے مجبور کر دے۔ یا پھر اپنا کام نہ کرنے کی سزا دے لیکن وہ کالی بلی..... کالی بلی کون تھی.....؟ میں اس عمارت سے باہر نکل آیا کچھ بھی ہے' اب اس میں رکنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں تیز تیز قدموں سے چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو اسی پگڈنڈی پہ پایا جہاں سے دولت بیگ مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا لیکن اب رکنا مناسب نہ تھا۔ ذہن میں بہت سے خیالات تھے بے شمار احساسات تھے۔ اب مجھے اور بھی بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ اس تصور کی تکمیل ہو گئی تھی کہ وہ کالی بلی اس وقت میرے راستے میں بلاوجہ نہیں آئی تھی جب میں کنور فاروق علی کی گردن سے تعویذ اتارنے کے لئے جا رہا تھا۔ یقینی طور پر میرا راستہ روکا گیا تھا اور اس وقت بھی دیو سنگھ کو اس کالی بلی نے شکست دی تھی ورنہ دیو سنگھ میرے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کے لئے تیار تھا اور اس نے اپنا داؤ چلا دیا تھا نہ جانے کیا قصہ ہے.....؟ وہ کالی بلی..... اس کا مطلب ہے کہ وہ دیو سنگھ پر حاوی تھی۔ کون ہو سکتی ہے وہ؟ میں سوچتا رہا اور کوئی بات سمجھ نہیں آئی۔ کچھ سمجھ میں آیا ہی نہ آیا تھا۔ بہرحال نہ جانے کتنا سفر طے کر لیا اور اس کے بعد انتہائی تھکن ہو گئی۔ اندازہ تو نہیں ہوا تھا کہ

آس پاس کیا ہے۔ کیونکہ قرب و جوار میں مکمل تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور کوئی چیز سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ درختوں کے سائے لمبے لمبے تھے اور بس یہی لگتا تھا جیسے قرب و جوار میں صرف درخت ہی درخت ہوں۔ یہاں تک کہ صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی اور مدھم اجالے میں' میں نے اپنے آپ کو ایک جنگل جیسی جگہ میں پایا۔ دور دور تک کسی آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ ذرا اونچی جگہ چڑھ کر دیکھوں' تھک تو گیا ہوں اگر کوئی بستی آس پاس نظر آ جائے تو ٹھیک رہے گا ورنہ پھر یہیں آرام کر لوں گا۔ ایک ایسی جگہ تلاش کی جو ذرا بلند تھی چنانچہ اس طرف چل پڑا۔

بلندی پر پہنچ کر دور دور تک نگاہیں دوڑائیں اور کافی فاصلے پر خدا کی قدرت کا تماشا نظر آیا۔ بے آب و گیاہ چٹانوں میں انسان سے اللہ کی محبت کا جیتا جاگتا ثبوت نظر آ رہا تھا۔ ایک چٹان تھی جس سے چشمہ رِس رہا تھا اور پتھریلی شفاف گہرائیوں میں ننھی سی جھیل ہلکورے لے رہی تھی۔ پانی اتنا شفاف تھا کہ دور سے دیکھنے سے ہی اندازہ ہوتا تھا۔ بہرحال..... اس سے اچھی جگہ اور کون سی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا اور کافی تیزی سے سفر کرتا ہوا آخر کار وہاں پہنچ گیا لیکن بات یہیں تک محدود نہیں تھی۔ بڑی سی چٹان کے عقب میں ایک عمارت بنی ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے کسی دنیا ترک کر دینے والے نے اپنے لئے رہائش گاہ بنائی ہے۔ پہاڑی پتھروں کو چن کر ایک بلند و بالا کمرہ جیسا بنایا گیا تھا۔ سامنے ہی ایک احاطہ تھا۔ جس کی حد بندی پتھروں ہی سے کی گئی تھی۔ جس کسی نے بھی بنائی تھی اس نے واقعی کمال کیا تھا۔ کیونکہ یہاں تقریباً ساری ہی چیزیں بنا دی گئی تھیں۔ پینے کے پانی کے لئے مٹکے رکھے ہوئے تھے احاطے کی وسعتوں میں درخت لگے ہوئے تھے جن کی چھاؤں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کمرہ جو پتھروں کو چن کر بنایا گیا تھا خاصا وسیع و عریض تھا بہرحال..... یہاں پہنچنے کے بعد کسی نہ کسی کو پکارنا ضروری تھا۔ کیونکہ یہ بات تو طے تھی کہ کوئی نہ کوئی یہاں موجود تھا۔ میں نے زور سے آواز دی۔

"کوئی ہے..... یہاں کوئی ہے.....؟" چند لمحوں تک میری آواز کی بازگشت گونجتی رہی۔ پھر کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک بزرگ شخصیت باہر نکل آئی۔ یہ اچھے خاصے عمر رسیدہ بزرگ تھے۔ لمبی سی داڑھی..... سفید لباس پہنے ہوئے سر پر ٹوپی اور ہاتھ میں ایک چھڑی جسے ٹیکتے ہوئے وہ باہر آئے تھے۔ میں نے انہیں دیکھا اور بزرگ کی آواز گونج اٹھی۔

"اسلام علیکم!" میں نے سلام کا جواب دیا۔ اس سلام کے بعد دل کو کچھ

ڈھارس ہو گئی تھی اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بزرگ بہرحال مسلمان ہیں۔ میں نے کہا۔

"حضور..... مسافر ہوں راستے کی تھکن ادھر لے آئی ہے۔ اگر کچھ وقت آرام کے لئے مل جائے تو....."

"درخت کے نیچے چارپائی موجود ہے' وہاں آرام کرو۔"

"بہت بہت شکریہ....." میں نے جواب دیا۔ جس درخت کی طرف بزرگ نے اشارہ کیا تھا' وہاں چارپائی پر چادر اور تکیہ موجود تھا۔ اس وقت کچھ اور سوچنے سمجھنے کی سکت نہ تھی۔ چنانچہ چارپائی کی جانب بڑھ گیا اور چادر تان کر ایسا سویا کہ شام کو ہی آنکھ کھلی۔ سورج ڈھل رہا تھا۔ ذہن میں ایک عجیب سی سنسناہٹ تھی۔ بزرگ نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں خود ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک بار پھر بزرگ کو آواز دی لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ البتہ جب میں اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھا تو بزرگ مجھے سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ میرے قریب پہنچ کر رکے سلام کیا اور کہنے لگے۔

"میاں ایسے سوئے کہ شام ہی کی خبر لی۔ ہم تو چاہتے تھے کہ کچھ کھاتے پیتے لیکن لگتا ہے کہ رات بھر سفر کرتے رہے ہو۔"

"جی ایسی ہی بات تھی۔"

"جاؤ..... وہ ننھی سی جھیل تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ نہالو اور اس کے بعد اندر آ جانا ہماری اجازت ہے۔"

میں جھیل پر پہنچا واقعی قدرتی پانی سے نہانا ایک عجیب و غریب تجربے کا حامل تھا۔ یوں لگا جیسے دل و دماغ کی تمام تھکن دور ہو گئی ہو۔ بدن بھی تر و تازہ محسوس ہو رہا تھا۔ بہرحال لباس وغیرہ درست کر کے دوبارہ احاطے سے اندر داخل ہوا اور کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا' تھوڑی دیر کے بعد مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بزرگ شاید کھانا لے کر آ رہے تھے لیکن جیسے ہی آنے والا میرے سامنے آیا میرے بدن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ساری رگیں کھنچنے لگیں۔ یہ حمیدہ تھی میری جانی پہچانی صورت..... وہ پُراسرار اور انوکھی لڑکی جس نے میری عقل و ہوش چھین لئے تھے۔ وہ نظریں جھکائے سر پر دوپٹہ لئے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے لئے ہوئے میرے قریب پہنچی اور اس نے کھانا نیچے رکھ دیا۔ میرے منہ سے لرزتی آواز نکلی۔

"حمیدہ....."

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کھانا رکھا اور خاموشی سے واپسی کے لئے مڑ گئی۔

"حمیدہ میری بات تو سنو..... میری بات سنو حمیدہ..... دیکھو..... دیکھو حمیدہ میں..... میں....." لیکن وہ دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو گئی جو اس کمرے کے اندر ہی بنا ہوا تھا۔ میں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔ چند لمحوں کے بعد اسی دروازے سے وہی بزرگ نمودار ہوئے اور مجھے دیکھ کر بولے۔ "خیریت تو ہے صاحبزادے..... کیا ہو گیا.....؟ کوئی مشکل در پیش ہے؟"

"جناب من..... ابھی جو خاتون اندر گئی ہیں میں ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ براہ کرم....."

"اس کے بارے میں پوچھنے کی وجہ بتانا پسند کرو گے؟"

"جی..... ویسے تو واقعات بے حد طویل ہیں لیکن آپ یوں سمجھ لیجئے کہ قلعہ حیدر سنگھ میں یہ خاتون ایک ہندو کے گھر میں ملیں جس کا نام جے سنگھ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ وہاں ملازمت کرتی ہیں اور ان کا حمیدہ ہے۔ مجھے حیرت ہوئی جب بعد میں، میں نے تصدیق کی تو پتا چلا کہ اس گھر میں حمیدہ نام کی کوئی ملازمہ نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ ایک ہندو کا گھر تھا۔ اس کے بعد یہ مجھے دوبارہ نظر آئیں لیکن اس طرح کہ میں ان سے ان کے بارے میں نہیں معلوم کر سکا۔ اب خود دیکھ لیجئے کہ دو دفعہ ایک ایسی شخصیت اگر کسی کے سامنے آئے تو اس کے دل میں تجسس پیدا ہو جانا ضروری ہے۔"

"دو دفعہ نہیں عزیزم..... چار دفعہ کہو۔" بزرگ نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"نہیں..... صرف دو دفعہ ہی ملی تھیں مجھے ایک دفعہ اُس وقت جب میں جے سنگھ کے گھر میں تھا۔"

"دوسری دفعہ اس وقت جب تم کنور فاروق علی کے گلے سے وہ تعویذ لینے جا رہے تھے۔" بزرگ نے کہا اور میری آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

"جی!"

"ہاں..... تم اس کالی بلی کو بھول گئے نا جس نے تمہارا راستہ روک کر اس خطرے میں پڑنے سے منع کیا تھا بلکہ وہاں سے واپس کر دیا تھا۔" میرے رگ و پے میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ بزرگ نے پھر کہا۔ "اور اب سے کچھ پہلے تیسری دفعہ ملی یہ چوتھی دفعہ..... جب وہ کمینہ دیو سنگھ تمہیں قید کرنا چاہ رہا تھا۔ اس وقت بھی

عزیزہ نے تمہارا تحفظ کیا اور تمہیں وہاں سے نکال دیا۔" میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے بزرگ کو دیکھ رہا تھا تو بزرگ نے کہا۔ "ہاں..... کسی وہم کی ضرورت نہیں، میں اس کالی بلی کی بات کر رہا ہوں۔ اصل میں بیٹے میں انسان ہوں..... آدم زاد۔ ان ویرانوں میں بس یادِ الٰہی میں وقت گزار رہا ہوں۔ کچھ شناسائی ہے میری..... یہ بچی میرے پاس پہنچی۔ مجھ سے مدد کی درخواست کی۔ میں کیا اور میری بساط کیا۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ آتش زادی ہے تم سے محبت کرتی ہے تمہارے حصول کی خواہش مند ہے۔ اگر تم مجھے سرخروئی بخشنا چاہو تو اس سے نکاح کر لو۔ میں اس کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ بہت چاہتی ہے یہ تمہیں..... تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے اس نے بڑے غم اٹھائے ہیں۔ بولو کیا کہتے ہو.....؟ یہ سب رضامندی کے سودے ہیں۔ میں تم سے اس بارے میں کچھ جلدی گفتگو کر بیٹھا لیکن کیا کرتا.....؟ تم ہی نے اس کا آغاز کیا تھا۔"

"یہ..... یہ..... یہ حمیدہ..... حمیدہ....." میرے منہ سے بمشکل تمام نکلا۔

"نہیں اس کا اصل نام شعاع ہے۔" بزرگ نے جواب دیا۔

اب تو حیران ہونے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔ واقعات نے کچھ اس طرح اپنے جال میں جکڑا تھا کہ اب شاید دنیا کی کسی بات پر بھی حیرت نہ ہو۔ میرے دل میں غم کا ایک طوفان جاگ اٹھا، کیا نہیں کر رہی وہ میرے لئے، شعاع نے تو مجھے اپنے آپ سے شرمندہ کر دیا تھا۔ دنیا کی کوئی مجبوری ہوتی میں اسے اہمیت نہ دیتا اور شعاع کو اپنا لیتا، یہ اسی کی خواہش تھی کہ وہ میری زندگی کا ایک حصہ بن جائے۔

میری زندگی کا حصہ تو وہ تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کا ایک احترام بھی تھا۔ میرا اپنا ایک مقام تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ناظم ارسلان مجھے ایک ہوس پرست انسان سمجھیں۔ یہ تو ایک کھیل تھا محبت کا جسے جاری رکھنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ درحقیقت ناظم ارسلان کا اور میرا کوئی جوڑ ہی نہیں تھا۔ میں ایک معمولی سا انسان اور وہ بے پناہ قوتوں کے مالک۔ بس شعاع کی وجہ سے میری اپنی ایک حیثیت بن گئی تھی ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔ میرے بھائیوں نے جو کچھ مجھ سے چھین لیا تھا میں نے تو اس کے حصول کے لئے کبھی نہیں سوچا تھا، تو اتنی بڑی شخصیت کو حاصل کرنے کے بارے میں کیا سوچتا۔ بس حیران رہ گیا تھا۔ میری شعاع جگہ جگہ میری مدد کر رہی تھی اور اب اسے مجھ پر بھی اعتبار نہیں رہا تھا وہ اپنے دل کی داستان مجھ سے

کہنے کے بجائے دوسروں سے کہہ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آگئی۔ میں نے بزرگ سے کہا۔

"محترم اس بات کا جواب آپ کو دینے کے بجائے میں آپ سے خود یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ مناسب ہے۔ کیا آپ وہ سب کچھ نہیں جانتے جو ہماری مشکل ہے؟"

"جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں' لیکن بیٹے کوئی حل تو ہو اس مشکل کا' تمہارے سامنے کیا حل ہے؟"

"محترم! وہ ایک نیک انسان کی نیک سیرت لڑکی ہے۔ اپنی معصومیت میں وہ الٹے سیدھے فیصلے کر رہی ہے۔ وہ تو اتنی عظیم ہے میرے لئے کہ میں شاید الفاظ میں بیان نہ کر سکوں۔ آسمان کی بلندیوں پر نظر آنے والا ایک ایسا حسین ستارہ ہے وہ کہ جسے پانے کی بس حسرت ہی کی جاسکے۔ پانے کا تصور بھی ممکن نہ ہو اور میں نے ایسا کوئی تصور کبھی نہیں کیا۔ ہاں آسمان کے ستارے کو چاہا ضرور ہے' میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ میں اس کی چمک کو داغدار نہیں ہونے دوں گا۔ یہ چمک اس کی اپنی تنہا ذات ہی نہیں بلکہ اس کے اہلِ خاندان بھی میرے لئے اتنے ہی محترم ہیں جتنی وہ' میں ڈرتا نہیں ہوں' یہ بات ناظم ارسلان جانتے ہیں' کوئی غیبت نہیں کروں گا ان کی' اس لئے اس جملے کے ساتھ ہی اپنی زبان بند کر رہا ہوں۔ کہاں ہے حمیدہ' میرا مطلب ہے شعاع۔ ایک بار پھر آپ کے سامنے اس سے بات کرتا ہوں اور اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ نہ کرے' اس کی اپنی شخصیت بہت بڑی ہے۔ میں اسے اس کی شخصیت میں ہی دیکھنا چاہتا ہوں' چاہے جیسی بھی ہو وہ۔"

بزرگ گردن جھکائے کچھ سوچتے رہے پھر انہوں نے نگاہیں اٹھائیں مجھے دیکھا اور بولے۔

"حق ہی جانتا ہے' حق ہی جانتا ہے کہ زندگی بھر کی عبادت و ریاضت اس کے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہے اور ایک تصور خیال' ایک انسانی عمل کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آؤ..... آؤ....."

انہوں نے کہا اور میں ان کے ساتھ چل پڑا' جب واپسی کے لئے قدم اٹھائے تو بزرگ مجھ سے ایک قدم پیچھے رہ گئے' میں نے رک کر ان کا انتظار کیا تو وہ بولے۔

"مجھ سے ایک قدم آگے رہو۔ میں تمہیں خود سے بہت آگے تصور کرتا ہوں۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔"

بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن میں نے کوئی ضد نہ کی اور ہم وہاں سے نکل کر دوسری جگہوں پر حمیدہ کو تلاش کرنے لگے۔ بزرگ نے اسے "شعاع شعاع" کہہ کر کئی بار پکارا' لیکن اس کی کوئی آواز نہیں سنائی دی' تب بزرگ نے حیرانی سے کہا۔

"پتہ نہیں کہاں نکل گئی' شعاع' شعاع بیٹی۔" وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایک پتھر کے چنے ہوئے کمرے میں پہنچ گئے وہ یہاں بھی نہیں تھی۔ بزرگ نے کہا۔

"لگتا ہے یہاں موجود نہیں ہے' تم آرام کرو جیسے ہی وہ مجھے ملے گی میں اسے تلاش کر کے تم تک پہنچا دوں گا یہیں آرام کرو یہ ایک بہتر جگہ ہے۔"

بزرگ کمرے سے باہر نکل گئے اور میں سامنے نظر آنے والی اس چارپائی پر جا بیٹھا' جس پر گدا اور چادر بچھی ہوئی تھی۔ تکیہ بھی موجود تھا۔ دل میں دکھ امڈ رہا تھا۔ شعاع واقعی اب مجھ پر بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ آہ کاش میں اسے اپنا سینہ کھول کر دکھا سکوں یہ بتا سکوں میں اسے کہ' شعاع! تو بہت بڑی ہستی ہے میرے لئے' کسی اور کی سفارش کیا معنی رکھتی ہے' زندگی مانگ لے ایک بار زندگی مانگ لے' اندازہ ہو جائے گا تجھے کہ تیرا مقام میرے دل میں کیا ہے۔ ہزار زندگیاں بھی قربان کر دوں تجھ پر تو اپنے آپ کو کسی قابل نہیں سمجھوں گا۔ شعاع! کسی اور سے تو یہ سب کچھ نہ کہہ' میں ہوں نا' بس میری بات مان لے۔ ناظم ارسلان' تیرے راستے میرے بزرگوں میں شامل ہوئے ہیں۔ میں انہیں کسی بھی طور مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ میں نہیں چاہتا شعاع کہ تیرے اور میرے بارے میں وہ دکھ سے سوچیں۔ میرا تو خیر جو بھی حشر ہو تیری وجہ سے مجھے ہزار بار قبول ہے۔ مگر تو خود کو اس طرح رسوا نہ کر۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور میں ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔ آنسو بھی دل کی میراث ہوتے ہیں۔ بہہ جائیں تو پتہ نہیں کیسی کیسی کیفیتیں مسلط ہو جاتی ہیں۔ بہت دیر تک روتا رہا۔ پھر نیند آگئی' سو گیا اور نہ جانے کب جاگا۔

گہرا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس کمرے میں ایک لالٹین روشن تھی جس کی روشنی کافی تیز تھی اور اس سے پورا کمرہ روشن ہو رہا تھا۔ میرے ذہن میں سناٹے سے پھیل رہے تھے۔ ایک عجیب سی کیفیت دل و دماغ پر سوار ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اپنی ذات پر غصہ آرہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کچھ کر ڈالوں لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ایک عجیب سی الجھن دل و دماغ پر طاری تھی۔ باہر نکل آیا۔ تاحدِ نظر گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بزرگ یاد آئے حمیدہ یاد آئی' پتہ

نہیں حمیدہ یہاں ہے یا نہیں۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر میں نے زور سے آواز دی۔

"کوئی ہے..... یہاں کوئی ہے..... محترم بزرگ آپ کہاں ہیں..... کوئی ہے یہاں....." لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

میں ہر جگہ چیختا پھرا۔ کہیں سے کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ مایوس ہو کر واپس اسی کمرے میں آگیا لگتا تھا بزرگ بھی کہیں چلے گئے ہیں لیکن کمرے میں داخل ہوا تو چونکنا پڑا۔ ایک ایسی شخصیت یہاں موجود تھی جس کی یہاں موجودگی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہاں موجود تھا اور یہ دیو سنگھ تھا۔ وہی مکروہ شکل والا دیو سنگھ جسے دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ میں حمیدہ کی وجہ سے پریشان تھا۔ وہ یہاں موجود نہیں تھی نہ بزرگ یہاں موجود تھے' اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کس سے رابطہ قائم کروں۔ دیو سنگھ نے مجھے بغور دیکھا پھر غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تُو تو بڑا ہی کمینہ نکلا رے۔ سانپ کا بچہ ہے تُو سانپ کا' کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے۔ اب تو تجھ سے اس بارے میں پوچھنا پڑے گا۔ انوکھا جال پھیلایا ہے تُو نے ہماری بستی میں۔ ہمارا کام ہو رہا تھا وہ ایک سسرا بھلا ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اگر تعویذ ہمارے ہاتھ آجاتا تو ہم اسے بھی ٹھکانے لگا دیتے۔ بجائے اس کے کہ تُو ہمارے حکم کی تعمیل کرتا اپنے کھیل کھیلتا پھر رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے تُو یہاں اور تُو نے ہمارے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی' جانتا ہے ہم یہاں اپنی شکتی کے علاوہ کسی اور کی کوئی قوت برداشت نہیں کر سکتے۔"

"بکواس کر چکا تُو یا اور بھی کچھ کہنا ہے تجھے؟" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور دیو سنگھ چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑی تھیں۔ منہ تعجب سے کھل گیا تھا۔ کچھ لمحے وہ اسی طرح مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"ارے واہ رے واہ! اس سنسار میں کوئی ایسا بھی ہے جو دیو سنگھ سے اس طرح بات کر سکتا ہے۔ تُو نے تو ہمارے ہوش ٹھکانے کر دیئے ہیں' جانتا ہے ہمیں' ہماری شکتی کے بارے میں جانتا ہے تو؟"

"دیو سنگھ' میں نے آج تک ذاتی طور پر کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی' تُو شیطان صف ہے' تُو نے دولت بیگ کی حیثیت سے بھی مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ سزا دینی چاہی تھی تُو نے مجھے' لیکن تیری سزا کارگر نہیں ہوئی اور اب اچھا ہے تُو یہاں آگیا۔ میں سمجھتا ہوں تیرا اور میرا حساب ہو جانا چاہئے۔"

"پاگل کے بچے! میں نے تجھے کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ تیرا مقابلہ خود کر سکوں' دولت بیگ کی حیثیت سے جو تیرے سامنے آیا تھا وہ میں نہیں تھا' یقین نہیں آتا تو دیکھ۔" دیو سنگھ نے کہا اور پھر اس نے ایک عجیب سی حرکت کی اس نے اپنے بدن کو جنبش دی اور میں نے دنیا کا سب سے حیرت انگیز منظر دیکھا۔ اس کے بدن کے بہت سے حصے ہو گئے اور ہر حصہ اسی کی شکل کا تھا' بالکل ایسا لگا جیسے کسی فلم میں ایک تصویر کے بہت سے حصے لینس لگا کر کر دیئے جاتے ہیں۔ دیو سنگھ پورے کمرے میں بکھر گیا تھا اور وہ سارے کے سارے حصے ہنس رہے تھے۔ میں ایک لمحے کے لئے تو اس انوکھے ڈرامے پر حیران رہا' لیکن پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس وقت واقعی میرے ذہن میں کسی کی مدد کا تصور نہیں تھا بلکہ میں یہی سوچ رہا تھا کہ دیو سنگھ کو اچھی طرح ذلیل کروں۔ وہ غالباً میرے چہرے سے میری کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"اور کچھ دیو سنگھ! کوئی اور تماشہ دکھانا چاہتے ہو تم؟"

"میرا تماشہ اگر دیکھے گا تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے تیرے۔ میں تجھے اس حالت کو پہنچا دوں گا کہ پھر تُو میرے پاؤں چاٹے گا' سمجھا۔ جلا کر خاکستر کر دوں گا تجھے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور بڑے اعتماد اور یقین کے ساتھ بسم اللہ پڑھی۔ ادھر دیو سنگھ نے اپنا منہ کھول دیا تھا اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل پڑے۔ ایک لمحے کے اندر اندر ان شعلوں نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس ایک لمحے کے لئے سب کچھ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں شعلوں میں گھر گیا اور پورا کمرہ جہنم زار ہو گیا لیکن جو عطیہ مجھے عطا ہوا تھا وہ اس شعبدہ گری سے کہیں زیادہ عظیم تھا۔ میرے بدن پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ میرا لباس میرے بال' سب کچھ جوں کا توں تھا۔ شعلوں کی یہ تپش مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی تھی اور شاید دیو سنگھ کو بھی میں نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ اس کے قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔ چند لمحات کے بعد جب شعلے ختم ہوئے تو وہ سامنے موجود تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک فخریہ مسکراہٹ تھی' لیکن مجھے زندہ دیکھ کر وہ ایک بار پھر بُری طرح چونک پڑا' اس نے کہا۔

"ارے تُو زندہ ہے؟"

"ہاں دیو سنگھ میں زندہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے' اور دیکھ۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیئے اور زمین پر سنسناہٹ سنائی دینے لگی۔ پھر زمین کے سوتوں سے گرم گرم کھولتا ہوا پانی نکل

کر کمرے میں بھرنے لگا۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر آنکھیں بند کر لیں اور دفعتاً ہی میں نے محسوس کیا کہ میرا بدن فضا میں بلند ہو گیا ہے۔ میں بلندیوں پر اُڑتا چلا جا رہا ہوں۔ اونچا بہت اونچا اور بہت اوپر جا کر میں نے دیو سنگھ کو دیکھا وہ فاتحانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا' لیکن بے سود اور اس کا یہ وار بھی ناکام ہوا تو اس نے پریشانی سے مجھے دیکھا اور دوسرے لمحے وہ پلٹ کر دروازے سے باہر نکل بھاگا۔ میں اس کے ساتھ دوڑنے لگا لیکن میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ بس مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوت مجھے اس کے تعاقب میں لے جا رہی ہو اور ماحول بدلتا چلا جا رہا تھا۔ بہت فاصلہ طے ہوا اور ایک بار پھر میں نے اسی علاقے کو دیکھا جہاں دیو سنگھ رہتا تھا۔

وہی کھنڈرات جن میں' میں آیا تھا اور جہاں میں نے سروجنی کو دیکھا تھا' لیکن دیو سنگھ کا دربار اس وقت وہاں نہیں لگا ہوا تھا۔ وہ تو ان چٹانوں اور کھنڈروں میں پناہ لینے آیا تھا۔ جب وہ ایک چٹان کی آڑ میں رکا تو اس کا سینہ بری طرح پھول رہا تھا اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ پورے بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ خوفزدہ بھی ہے۔ میں اس کے سامنے گیا اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا تو اس کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ اب وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا اور اس کے چہرے پر خوف کے نقوش تھے۔ دفعتاً ہی وہ جھکا اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور ایک دم سے اپنے چاروں طرف بکھیر دی۔ مٹی اس کے چاروں طرف دائرے کی شکل میں بکھر گئی تھی۔ اس دائرے میں کھڑے ہو کر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میں اس دائرے سے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

"دیکھ اس کنڈ کے اندر مت آنا ورنہ جل کر خاک ہو جائے گا' یہ میری آخری شکتی ہے' اس کے بعد میری کوئی شکتی نہیں ہے' سمجھا' یا تو میں ختم ہو جاؤں گا یا تو' سوچ لے۔"

"دیو سنگھ! میرے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ اگر ہے تو بس ایمان کی طاقت ہے' اور ایمان کی اس طاقت سے میں نے گجراج تیلی کو بھی ختم کیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے آج تو زندگی سے محروم ہو رہا ہے۔ قدرت نے' میرے بزرگوں نے میرے سپرد یہ چند کام کئے تھے وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے مجھے یہ سب کچھ کیوں دیا' لیکن تو قلعہ حیدر سنگھ میں جو کچھ کر رہا ہے وہ لاتعداد انسانوں کے لئے خطرے کا باعث ہے۔ ارے بے وقوف! تو نہیں جانتا کہ یہ انسان کتنی کمزور چیز ہے۔ انہیں محبت سے رہنا چاہئے' لیکن تیرے جیسے شیطان ان کے درمیان جھگڑا کراتے رہتے ہیں۔ میں اس وقت ایک

انسان کی حیثیت سے تیری اس سازش کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ سمجھ رہا ہے! ہم کون ہوتے ہیں انسان کو تکلیف پہنچانے والے۔ ہاں ہمارا ایک فرض ضرور ہے۔ وہ یہ کہ انسانوں کو تکلیف پہنچانے والوں کا خاتمہ کر دیں۔ بس میں خدا کی دی ہوئی قوت سے تیرا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اب ایک بات سن لے تو' شکتی کی جنگ میں میں ہار گیا ہوں اور پناہ لینے پر مجبور ہو گیا ہوں' لیکن اگر بدن کی جنگ ہوئی تو تیرے کام نہیں آ سکے گی' میں بہت طاقتور ہوں۔" جواب میں مجھے ہنسی آ گئی' میں نے کہا۔

"ہاں! واقعی میں جنگ و جدل کا انسان نہیں ہوں لیکن اس وقت جو جذبہ میرے سینے میں پل رہا ہے اس کے نام پر تجھے بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا دیو سنگھ۔"

"تو پھر کھا وہ بڑی قسم جو تجھے اس بات کو یاد دلا سکے کہ تو نے کسی کو کوئی وچن دیا ہے۔ آ' ہم دونوں کھلے میدان میں مقابلہ کر لیتے ہیں' جسمانی طور پر جو بھی ایک دوسرے پر حاوی ہو جائے وہ اپنی ہار مان لے۔"

"واہ دیو سنگھ واہ' بہت چالاک ہے تو' تو کیا سمجھتا ہے کیا میں اس دائرے میں داخل نہیں ہو سکتا؟"

"پاگل' ایسا نہیں کر سکتا تو' تو نہیں جانتا یہ دائرہ کیا چیز ہے' یہ مہاشکتی کا دیا ہوا آخری وردان ہے۔ یہ میری طاقت نہیں ہے' بلکہ مہاشکتی' مہاکالی کی طاقت ہے۔ اس دائرے میں مَیں نہیں ہوں مہاکالی ہے۔ اگر اس کے اندر قدم رکھا تو اپنے نقصان کا ذمے دار خود ہو گا۔"

"اور جیسے تو اب تک میرے فائدے ہی کے لئے کام کرتا رہا ہے کیوں؟"

"تو پھر ٹھیک ہے تیری مرضی میں تو چاہتا ہوں کہ اب تو میری بجائے اس مہان شکتی کے سامنے مقابلے پر آ جائے جس سے مقابلہ کر کے تجھے مزہ ہی آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے میں نے بسم اللہ پڑھی۔

امیر شاہ صاحب اور کمال علی نے مجھے بہت کچھ عطا کیا تھا اور میں بسم اللہ کا ورد کر کے اپنی ذات کی طرف سے بالکل بے فکر ہو جاتا تھا' اور پھر زندگی تو ہے ہی کسی کی امانت' وہ جانے اور اس کا کام۔ چنانچہ میں نے دائرے کی جانب قدم بڑھا دیئے اور بغیر کسی دقت کے میں اس دائرے میں داخل ہو گیا۔ دیو سنگھ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا تھا۔ میں نے اس کا گریبان پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا دائرے سے باہر لے آیا۔

"ہاں دیو سنگھ' اب بول کیا کہتا ہے' اپنی اس کالی طاقت کے بارے میں۔" دیو سنگھ کے چہرے پر شکست کے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ مجھے بغور دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"پاپی' کالی دیوی کا اپمان کر رہا ہے تُو' دیکھنا تو سہی تیرا حشر کیا ہوتا ہے اور اب میرے ہاتھوں تُو مارا جائے گا۔ ٹھیک ہے۔ تیری اپنی کوششوں سے کالی دیوی کا یہ دائرہ ٹوٹ گیا۔ پر تُو میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے مجھ پر چھلانگ لگا دی اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت چونکہ میں اس کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے وہ مجھے رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔ پھر اس نے دیسی داؤ لگا کر میری کمر میں دونوں ہاتھوں سے قینچی ڈالی اور مجھے نیچے گرا لیا۔ میں واقعی اس طرح کے جنگ و جدل سے واقف نہیں تھا' لیکن ایک جوش ایک جذبہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی کمر پکڑ لی اور اسے دبانے لگا۔

میں پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت میرے اندر پیدا ہو جانے والی جسمانی قوتیں میری اپنی نہیں تھیں بلکہ بس جذبۂ ایمانی یا پھر اس کے ساتھ ساتھ میری ہمیشہ کی جانے والی امداد اس وقت بھی میرا ساتھ دے رہی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی میں نے اس کی کمر پکڑ کر اسے موڑا۔ دیو سنگھ کے مضبوط درختوں کی شاخوں کی مانند لمبے لمبے بازو میری کمر سے لپٹ گئے اور ہم دونوں ایک دوسرے پر قوت آزمائی کرنے لگے۔ ایک لمحے کے لئے مجھے یوں لگا جیسے میری پسلیاں ٹوٹ رہی ہوں لیکن دوسرے لمحے میں نے اپنا گھٹنا اس کے پیٹ میں مارا اور اسے اٹھا کر نیچے دے مارا۔ البتہ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس طاقتور اور خوفناک داؤ کے باوجود دیو سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کیسے گیا۔ غالباً یہ بھی اس کی کوئی طلسمی قوت تھی۔ اب وہ ہوشیاری کے ساتھ آہستہ آہستہ پینترے بدل رہا تھا۔ یہ اندازہ تو مجھے ایک لمحے کے اندر ہو چکا تھا کہ دیو سنگھ کسی بھینسے کی طرح طاقتور ہے اور میں اگر اس کی گرفت میں پھنس گیا تو نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ میں اس کی گرفت میں نہ آ سکوں۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک بار پھر اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اتنی طاقتور اور بھرپور چھلانگ تھی کہ اگر میں اس کی گرفت میں آ جاتا تو میرا بچنا مشکل ہو جاتا لیکن میں نے فوراً ہی بائیں طرف کھسک کر اس کا یہ حملہ ناکام بنایا اور وہ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل زمین پر آیا۔ میں نے پوری قوت سے پاؤں کی ٹھوکر اس کے پیٹ پر رسید کی۔ اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ

نکلی اور وہ الٹ کر نیچے جا گرا۔ پھر میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر اسے اٹھنے کا موقع مل گیا تو وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو گا چنانچہ اب میں تاک تاک کر اس کے ہاتھوں اور پیروں کو نشانہ بنا رہا تھا جیسے ہی وہ ہاتھ جما کر اٹھنے کی کوشش کرتا میری ٹھوکر اس کی کہنی پر پڑتی پاؤں جما کر اٹھنا چاہتا تو میرے پاؤں کی ضرب اس کی ران گھٹنے یا پنڈلی پر پڑتی۔ اب وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے زمین پر تڑپ رہا تھا لیکن پتھریلی زمین پر اس کی کہنی' ناک اور پیشانی شدید زخمی ہو چکی تھی اور ایک لمحے کے اندر اندر اس کی حالت انتہائی خراب ہو گئی۔ میں اب بے دریغ ٹھوکریں لگا رہا تھا اور وہ گردن کٹے ہوئے جانور کی طرح زمین پر تڑپ رہا تھا' چیخ رہا تھا۔ پھر میں نے اس پر آخری ضرب لگائی اور وہ چت ہو گیا۔ اس کی آنکھیں چڑھ رہی تھیں۔ میں نے اس کے سینے پر پاؤں رکھ کر کہا۔

ہاں دیو سنگھ! کیا کہتا ہے؟" وہ جیسے میرے الفاظ سے چونک پڑا' اس نے مجھے دیکھا اور کربناک لہجے میں بولا۔

"تُو جیت گیا ہے' تُو جیت گیا ہے اور میں اب اس سنسار سے جا رہا ہوں' آہ میں اس سنسار سے جا رہا ہوں۔ ایک کام کر سکتا ہے' ایک ہارے ہوئے انسان پر احسان کر سکتا ہے تو کر دے۔"

"بول کیا کہتا ہے؟"

"مجھے زمین سے اٹھا کر کھڑا کر دے۔ اس طرح زمین پر لیٹ کر میں مرنا نہیں چاہتا کہ موت کے بعد بھی مجھے شکست کا احساس رہے۔" میں اسے دیکھنے لگا' ساری باتیں اپنی جگہ ایک شکست کھائے ہوئے انسان کو میں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے لئے مجھے کوئی نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ بس خوف یہ تھا کہ اب بھی کہیں کوئی چال نہ چل رہا ہو اور میرا یہ اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ میں نے صرف انسانی رشتوں کا خیال کرتے ہوئے اسے سہارا دے کر اٹھایا وہ کراہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسے زمین سے اٹھاتے ہوئے میرا چہرہ اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ اچانک ہی اس نے میرے چہرے پر زوردار پھونک ماری اور کوئی غلیظ سیال میرے چہرے پر آ گرا۔ میری آنکھوں میں ایک شدید جلن پیدا ہو گئی' اور مجھے اس کا بھیانک قہقہہ سنائی دیا۔

"پاپی! کیا سمجھتا ہے تُو خود کو' اب مرتا رہ ان پہاڑوں میں۔" مجھے اس کی آواز سنائی دی۔ میری آنکھوں میں ایسی شدید جلن تھی کہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا' میرا دل چاہ رہا تھا کہ زمین سے سر پھوڑ کر بے ہوش ہو جاؤں یا خود کو ہلاک کر لوں۔ ایسی

ہی شدت کی تکلیف تھی۔ میں دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر ٹکریں مارتا پھر رہا تھا اور اب مجھے اس کی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ چل گیا چال کمبخت' چال چل گیا' میں نے دل میں سوچا لیکن اس وقت سوچنے سمجھنے کی قوتیں ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ شدتِ کرب دیوانہ کئے دے رہی تھی اور میں بری طرح آنکھیں مسل رہا تھا۔ بس یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آنکھیں پانی بن کر بہہ جائیں گی۔ آہ کیا کروں' وہ بدبخت تو نکل گیا ہو گا۔ جب وہ یہ حرکت کر سکتا ہے تو ظاہر ہے بھاگ جانے کی ہمت بھی ہو گی اس میں' لیکن لیکن میری آنکھیں' میری آنکھیں۔

"دفعتاً ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرا لباس پکڑ کر مجھے کھینچا ہو' میں اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا' لیکن میرے ہاتھ کوئی نہیں آیا تھا۔

"کون ہے..... کون ہے..... میں پوچھتا ہوں کون ہے۔ دیو سنگھ..... دیو سنگھ....." میرے حلق سے عراہٹیں نکلنے لگیں۔ پھر اچانک ہی میرے منہ پر کسی نے بہت سارا پانی پھینک دیا۔ میں ایک دم پیچھے ہٹا تو دوسری بار پانی میرے منہ پر پھینکا گیا۔

"مار ڈالوں گا' زندہ نہیں چھوڑوں گا' دیو سنگھ' کمینے زندہ نہیں چھوڑوں گا تجھے۔" میں دھاڑنے لگا اور پھر تیسری بار میرے منہ پر پانی پڑا' لیکن پانی ڈالنے والا میرے ہاتھ نہیں آیا' البتہ چند لمحوں میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آنکھوں میں جلنے والی آگ کچھ کم ہوتی جا رہی ہے اور بہت ہی برق رفتاری کے ساتھ یہ آگ کم ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ میری آنکھیں کھل گئیں۔ ایک لمحے تک تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھایا رہا' دوسرے لمحے روشنی واپس آگئی۔ آنکھوں میں ٹھنڈک بھی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے بالکل سامنے دیکھا۔ سفید لباس میں ملبوس کوئی لڑکی سامنے والے کمرے کے دروازے کے اندر داخل ہوئی تھی۔ میں کچھ بول نہ سکا۔ لڑکی نے دروازے کے پاس پلٹ کر دیکھا' اور ایک بار پھر میرے منہ سے نکل گیا۔

"حمیدہ' شعاع....." وہ برق رفتاری سے دروازے سے اندر داخل ہو گئی اور میں نے اس کی طرف دوڑ لگا دی۔ یہ طلسم ناقابلِ فہم تھا' لیکن تھا' اور جو کچھ تھا سامنے نظر آ رہا تھا۔ تیزی سے دوڑ لگاتا ہوا میں پتھروں سے بنے ہوئے اس کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ پھر اس نیم تاریک ماحول میں آنکھیں پھاڑنے لگا لیکن حمیدہ یا شعاع یہاں موجود نہیں تھی۔ البتہ میں نے دیو سنگھ کو زمین پر پڑے ہوئے تھا دیکھا اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ وہ پھٹی

پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی میں اس کی طرف بڑھا اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"معاف کر دے' معاف کر دے' تجھے اپنے دھرم کا واسطہ۔" اس کے ساتھ ہی وہ ہاتھوں کے بل پیچھے کھسکنے لگا' میں حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بس ایک بار معاف کر دے' ایک بار..... تجھے اپنے ایمان دھرم کا واسطہ' ایک بار مجھے معاف کر دے۔" میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی' دیو سنگھ دیوار سے جا ٹکا تھا۔ پھر وہ وحشت کے عالم میں اپنے ہاتھوں کے بل اٹھا اور دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گیا۔

"بس..... بس..... معاف..... معاف....." اچانک ہی اس کے منہ سے خون کا فوارہ سا نکلا اور اس کی آنکھیں پھیل کر رہ گئیں۔ پھر میں نے اس کے سینے سے بھی خون کا فوارہ بہتے ہوئے دیکھا۔ آہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے سینے کے پاس جہاں سے خون بہا تھا ایک نیزے جیسی انی نظر آ رہی تھی جو یقینی طور پر دیوار میں لگی ہو گی یا پھر پیچھے سے کسی نے اس کی کمر میں بھونکی ہو گی اور اس کے سینے سے نکل آئی ہو گی لیکن اس سب کا ذمے دار میں نہیں تھا۔ دیو سنگھ کے بجائے میں حمیدہ شعاع کو تلاش کر رہا تھا لیکن وہ یہاں موجود نہیں تھی' تب میری رندھی ہوئی آواز ابھری۔

"شعاع! تم جس رنگ میں بھی ہو' جس روپ میں بھی ہو میرے سامنے تو آؤ۔ آ سکتی ہو تو میرے سامنے آؤ شعاع۔ حمیدہ کی شکل میں ہی سہی۔ شعاع میرے سامنے آؤ میرے صبر کا امتحان نہ لو' جو کچھ کر رہی ہو تم میرے لئے شعاع' وہ بہت بڑا احسان ہے۔ مان لو میری بات۔ میرے سامنے آؤ۔ مجھ سے بات کرو۔ جس رنگ میں بھی ہو۔ آؤ تو سہی' کیا مجھ سے زیادہ بھی کوئی تمہارے لئے ہو سکتا ہے۔ شعاع' میں تمہارا شازل ہوں۔ آؤ تو سہی۔" میری آواز رندھ گئی اور میں زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ میرے دل کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ دیو سنگھ نے جو کچھ میرے خلاف کیا ہے شعاع بھرپور طریقے سے اس کی مدافعت کرتی رہی ہے۔ دیو سنگھ کی آخری کوشش بھی اس نے ناکام بنا دی ہے۔ میرے چہرے پر پانی ڈالنے والی وہی تھی' اور اس پانی میں کوئی ایسی صفت تھی جس سے میری آنکھوں کو فوری آرام ملا تھا اور اس کے بعد میں نے دیو سنگھ کی ٹانگیں نہیں توڑی تھیں۔ یہ کام بھی کسی اور ذریعے سے ہی ہوا ہے۔ وہ مجھے یہاں تک کا راستہ دکھا کر پھر چلی گئی ہے۔ میں نے پھر اسے پکارا۔

"آ جاؤ شعاع' اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ کسی بھی طور میں تم سے منحرف ہوں تو شعاع یہ خیال دل سے نکال دو' ہمیشہ ہی میں نے تمہیں سمجھایا ہے' دیکھو شعاع! اگر ہم ہوس کے راستے پر چل پڑے تو کیا ہم اپنے آپ کو محبت کرنے والا کہہ سکتے ہیں۔ شعاع! پالینا تو کچھ بھی نہیں ہوتا' سب سے بڑی چیز انسان کی انا' انسان کا وقار ہوتا ہے۔ انسان کا معیار ہوتا ہے' میری بات سن لو کم از کم' میرے سامنے تو آؤ۔" میں بلکتا رہا۔ اس وقت دل کے سارے سوتے کھل گئے تھے اور آنسوؤں کا آبشار بہہ رہا تھا۔ بہرحال آنسوؤں کا یہ آبشار کم از کم دل کو ہلکا کرنے کا باعث ضرور بن گیا تھا' شعاع یا تو میرے سامنے آنا ہی نہیں چاہتی تھی' یا پھر وہ اپنا کام انجام دے کر چلی گئی تھی۔

نہ جانے کب تک میں یہاں خاموش بیٹھا رہا۔ پھر میرا دل یہاں سے اچاٹ ہو گیا۔ مجھے نہ دیو سنگھ کی لاش سے دلچسپی تھی اور نہ ہی یہاں موجود کسی اور چیز سے۔ ان بزرگ کا بھی کہیں پتہ نہیں تھا' میرے لئے تو کچھ بھی نہیں ہے' میں کیا کروں۔ چنانچہ وہاں سے واپس پلٹ پڑا اور پھر اس کے بعد نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ بھوکا پیاسا' حال سے بے حال اس وقت اسی پگڈنڈی پر جا رہا تھا جس پر ایک بار دیو سنگھ دولت بیگ کی شکل میں ملا تھا کہ عقب سے ایک گھوڑا گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ میں پگڈنڈی سے ہٹ گیا' گھوڑا گاڑی میرے قریب آ کر رک گئی' اس میں بیٹھے ہوئے شخص نے مجھے دیکھا اور پھر جلدی سے نیچے اتر آیا۔

"ارے' آپ تو' آپ تو..... اوہو آپ کہاں ہیں۔ آیئے..... آیئے ..... براہ کرم شازل ہیں نا آپ؟" میں نے چندھیائی ہوئی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور پہچان لیا۔ یہ کنور فاروق علی تھا۔ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کہئے کنور صاحب کیسے ہیں آپ؟"

"یہ آپ نے حلیہ کیسا بنا رکھا ہے' کہاں چلے گئے تھے آپ قلعہ حیدر سنگھ سے' میں نے کئی بار جے سنگھ سے آپ کے بارے میں پوچھا' آپ کو ایک بات کا علم ہے؟"

"کیا؟"

"آیئے براہ کرم آیئے' تھوڑا سا وقت دیجئے مجھے۔ آپ کی عنایت ہو گی۔" میں کنور فاروق علی کے ساتھ اس کی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گیا اور اس نے کوچوان کو گھر چلنے کا حکم دیا' لیکن میرے ذہن میں کئی بار یہ خیال آیا تھا کہ یہ جو کچھ ہے سچ ہے یا پھر دولت بیگ جیسا ہی کوئی کھیل دوبارہ شروع ہوا ہے' لیکن جب گھوڑا گاڑی کنور

فاروق علی کی شاندار حویلی کے بڑے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو مجھے یقین آ گیا کہ مجھے اندر لانے والا کنور فاروق علی ہی ہے۔ راستے میں اس نے بھی خاموشی اختیار کی تھی۔ اندر آنے کے بعد اس نے کہا۔

"شازل صاحب میری گزارش ہے کہ ذرا اپنا حلیہ درست کر لیجئے' میں آپ کے لئے لباس وغیرہ بھجوا دیتا ہوں۔ براہ کرم میری اس درخواست کو ٹھکرایئے نہیں۔"

"آپ کی مرضی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد میں نے ایک بڑے غسل خانے میں جا کر اپنا حلیہ درست کیا۔ کنور فاروق علی صاحب نے میرے لئے جو لباس بھجوایا تھا وہ میرے جسم پر مکمل اور مناسب تھا۔ نہانے دھونے سے حلیہ بھی درست ہو گیا تھا اور طبیعت بھی کچھ بہتر ہوئی تھی۔ ورنہ دماغ پر ایک دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ کنور صاحب میرا انتظار کر رہے تھے۔ فوراً ہی چائے کے ساتھ بے شمار لوازمات لگا دیئے گئے اور کنور صاحب بڑے احترام کے ساتھ میری خاطر مدارات کرنے لگے میں نے کہا۔

"آپ کچھ بتاتے بتاتے رک گئے تھے کنور صاحب۔"

"جناب بات یہ ہے کہ انسان بڑا کور دیدہ ہے' بھلا عقل سے کسی کی شناخت کرنا آسان کام تو نہیں ہے' میں بھی آپ کی شناخت نہ کر سکا۔ وہ تو ساری تفصیلات مجھے بعد میں معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بلند مرتبہ عطا فرمائے۔ آپ نے قلعہ حیدر سنگھ کو ایک بڑے شیطان سے نجات دلا دی ہے۔ میری مراد دیو سنگھ سے ہے' محترم! دیو سنگھ واقعی قلعہ حیدر سنگھ کے لئے ایک شیطان تھا اور اب اس کی موت کے بعد یوں لگ رہا ہے جیسے یہاں کے لوگوں کے ذہن شیطان کی گرفت سے نکل آئے ہوں۔ سب کے درمیان اخوت و محبت کا کھیل شروع ہو گیا ہے۔ دیکھنے والے مناظر ہیں' میں جے سنگھ کو اطلاع کرتا ہوں' آپ دیکھئے ذرا' جے سنگھ سے پوچھئے کیا ہوا ہے۔"

میں سناٹے کے عالم میں یہ سب کچھ سن رہا تھا' لیکن میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ چائے وغیرہ اور کچھ کھانے پینے سے طبیعت بحال ہو گئی تھی' میں نے کہا۔

"کنور صاحب جہاں اتنی عنایات کی ہیں تھوڑی سی زحمت اور دینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں فرمایئے۔"

"کچھ دیر آرام کے لئے مل جائے تو بڑا شکر گزار ہوں گا۔"

"کمال کرتے ہیں صاحب' آپ مکمل آرام کیجئے' اب جب تک آپ بالکل بہتر حالت میں نہ آ جائیں گے' آپ کو کوئی زحمت نہیں دی جائے گی۔" آرام کے لئے مجھے

ایک کمرے میں جگہ دے دی گئی تھی۔ بستر پر لیٹ گیا۔ بدن اس طرح ہلکا ہو رہا تھا جیسے بے وزن ہو گیا ہو۔ دیو سنگھ کی موت تو خیر ہو گئی تھی لیکن اتنا فاصلہ' اتنی دوریاں' اس کے بعد ان لوگوں کو اس کا علم کیسے ہوا' یہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔

پھر نیند آ گئی۔ نہ جانے کب تک سویا رہا' جب جاگا تو شام ہو چکی تھی اور ایک ملازمہ قسم کی لڑکی میرے کمرے میں جھانک رہی تھی۔ مجھے جاگتا ہوا دیکھ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر دروازے کو دستک دی اور میری اجازت لے کر اندر آ گئی۔

"کہو' کیا بات ہے؟"

"ہمیں کنور صاحب نے بھیجا ہے صاحب جی' کہا ہے آپ جاگ گئے ہیں یا نہیں اور اگر جاگ گئے ہوں تو آپ سے کہیں کہ ہمارے ساتھ باہر چلیں۔ مہمان آئے ہوئے ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' منہ ہاتھ دھو لوں۔"

"ہاں صاحب جی ہم باہر دروازے پر کھڑے ہیں۔"

میں نے اپنا حلیہ سنوارا' باہر نکلا تو لڑکی انتظار کر رہی تھی' پھر وہ مؤدب انداز میں میرے ساتھ ساتھ چل پڑی اور پھر اس نے مجھے حویلی کے ایک گوشے میں پہنچا دیا۔ خاص طور سے نشست گاہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہاں پر میں نے جے سنگھ کو دیکھا جو مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ کنور فاروق علی بھی موجود تھے۔ دونوں کے درمیان بڑی دوستی نظر آ رہی تھی۔ جے سنگھ نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ جوڑے۔ ماتھے سے لگائے پھر آگے بڑھ کر بولا۔

"اس قابل تو نہیں ہیں مہاراج کہ آپ کے سینے سے لگیں' چرن چھوئے لیتے ہیں' من شانت ہو جائے گا۔" وہ نیچے جھکا تو میں پیچھے ہٹ گیا' میں نے کہا۔

"نہیں جے سنگھ صاحب! معافی چاہتا ہوں' میرے دین میں ایسا نہیں ہوتا۔ آپ میرے لئے قابلِ احترام شخصیت ہیں۔ آپ نے مجھے عزت دی۔ اس کے لئے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اللہ آپ کو عزت دے' کہئے' کیسے مزاج ہیں آپ کے۔ ویسے سچ عرض کروں آپ کو کنور فاروق علی صاحب کا مہمان دیکھ کر دل کو جس قدر فرحت کا احساس ہوا ہے' بیان سے باہر ہے۔"

"آیئے شازل صاحب' بیٹھئے۔" کنور فاروق علی نے کہا اور میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دونوں خوش نظر آ رہے تھے جے سنگھ نے کہا۔

"اور یہ آپ ہی کی کاوش ہے کہ آپ نے ہم دونوں کو ایک بار یکجا کر دیا۔"

"میں نے کیا کیا ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے' لیکن آپ لوگ یکجا ہو گئے' اب مجھے یہاں کے ذرا حالات کے بارے میں بتایئے۔"

"دیو سنگھ کی رہائش گاہ جو تھی نا' وہ جل کر خاکستر ہو گئی ہے اب وہاں آپ کو جلی ہوئی اینٹوں کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا' اور لڑکی سلسلے میں گنگا دھر نے ساری تفصیلات بتائی ہیں اور گنگا دھر کو یہ ساری تفصیلات اس کی دھرم پتنی سروجنی نے بتائی ہیں۔ ہمیں پوری طرح معلوم ہو گیا شازل صاحب کہ آپ کی کاوشوں سے دیو سنگھ جہنم رسید ہوا ہے۔ اس کی لاش کئی دن تک اس کے مٹھ میں رہی ہے اور اس کے جو پیروکار تھے وہ اسے دیکھتے رہے ہیں۔ انہوں نے کوئی منصوبہ بنایا تھا اور منصوبہ یہ تھا کہ دیو سنگھ کی لاش کو لے کر قلعہ حیدر میں آئیں گے اور ہنگامہ آرائی کریں گے۔ وہ لوگ اس مقصد کے لئے جمع ہوئے تھے کہ اچانک ہی ان کھنڈرات میں آگ بھڑک اٹھی اور ایسی آگ اٹھی کہ اس آگ میں جل کر تیئس آدمی جل کر خاکستر ہو گئے۔ بہت سے شدید زخمی ہوئے اور پھر انہیں بتایا گیا کہ دیو سنگھ شیطان تھا اور اس شیطان کو شازل نے فنا کیا ہے' بس شازل صاحب آپ کے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی آپ کو اللہ کی طرف سے یہ اعزاز بخشا گیا ہے کہ آپ کسی شیطان کو ختم کرنے کا باعث بنے۔"

میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے سوا کون ہو سکتا ہے جو کسی کو عزت سے نوازے۔ وہ آواز کس کی تھی' کیسی تھی' مجھے کچھ معلوم نہیں تھا گنگا دھر اور سروجنی کا معاملہ بھی بہرحال کسی حد تک حیثیت رکھتا تھا کیونکہ گنگا دھر کو ساری حقیقت معلوم تھی۔ پھر اس کے بعد قلعہ حیدر سنگھ کے حالات پر تبصرہ ہوتا رہا تھا' جے سنگھ نے کہا تھا۔

"مہاراج! کنور صاحب کے ہاں سے فارغ ہوں تو کچھ سے ہمیں بھی دیجئے گا' یہ نہ سمجھئے گا کہ وہاں آپ کو کوئی دقت ہو گی۔"

"دقت تو مجھے پہلے بھی کوئی نہیں تھی جے سنگھ صاحب' لیکن بہرحال دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا جو بھی حکم ہوا اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"

کنور فاروق علی نے میری خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن ظاہر ہے قلعہ حیدر سنگھ میں رہ کر خاطر مدارات کے لئے وقت نہیں گزار سکتا تھا' میری بے کلی' میری بے چینی مجھ سے کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔ اگر یہاں ان لوگوں سے جانے کی اجازت مانگتا تو جانتا تھا کہ یہ اجازت نہیں مل سکے گی۔ اس لئے اس رات

خاموشی سے کنور فاروق علی کی حویلی سے نکل آیا اور ایک نئی راہ کی تلاش میں چل پڑا۔ کوئی منزل نہیں تھی۔ ویرانوں میں بسیرے کی خواہشیں سفر کرتی رہیں۔ پھر کافی فاصلے پر پہاڑی ٹیلے نظر آئے۔ جس جگہ میں موجود تھا وہاں سے ان ٹیلوں تک راستہ بڑا طویل تھا' لیکن سوچوں نے میری ہم نشینی کی تھی اور جب سوچوں کے دائرے سمٹے تو میں ان ٹیلوں کے بہت قریب تھا آگے پیچھے پتھر کی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔ دو دیواروں کے عقب میں ایک غار کا دہانہ نظر آ رہا تھا اور قرب و جوار میں حسین خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ میں حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا' یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے' میں نے دل میں سوچا اور ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ اس کا محور وہ غار ہی ہیں جو قرب و جوار میں پھیلے ہوئے ہیں۔ دہانہ ایک ہی نہیں تھا اور بھی ٹیلوں میں کچھ دہانے نظر آ رہے تھے' لیکن میرے سامنے ایک غار کا جو دہانہ نظر آ رہا تھا خوشبو کی تحقیق کے لئے میں نے اسی کی سمت رخ کیا اور غار میں قدم رکھ دیا' لیکن قدرت کی کاریگری بھی عجیب ہوتی ہے۔ میں نے غار کے اندر خوب روشنی دیکھی' بڑا کشادہ اور ہوادار غار تھا' کیونکہ اس کے اوپری سرے پر ایک بہت بڑا سوراخ کھلا ہوا تھا جس سے روشنی اور ہوا اندر آ رہی تھی۔ غار اندر سے بالکل صاف شفاف بلکہ ایسا تھا جس میں اگر زندگی کی سہولیات مہیا کر لی جائیں تو انسان آسانی سے بسر کر سکتا ہے ہاں زندگی کی سہولیات کا معاملہ تھا جس پر غور کرنا ضروری تھا اور یہ سہولیات حاصل کرنا آسان نہیں تھا۔

بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ' میں یہ سوچ رہا تھا کہ قُرب و جوار ماحول کا جائزہ لیا جائے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے قدرت نے یہ جگہ میرے لئے ہی منتخب کی ہے پھر میں اس خوشبو کا راز پانے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا' لیکن خوشبو بدستور تھی' البتہ اس کا محور نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے یہ خوشبو در و دیوار سے پھوٹ رہی ہو۔ بہت دیر تک اس خوشبو کا سراغ لگانے کی کوشش کرتا رہا لیکن ناکامی ہوئی تو یہی سوچا کہ ممکن ہے خوشبو قُرب و جوار کے کسی غار سے آ رہی ہو۔ کچھ لمحوں کے بعد باہر نکل آیا۔ رہنے کے لئے تو یہ جگہ سب سے حسین تھی۔ اب ذرا یہ اندازہ لگایا جائے کہ ماحول کیسا ہے۔ قُرب و جوار میں کیا ہے۔ غار سے نکل کر دوسرے غاروں کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ خوشبو صرف اسی غار میں ہے' باقیوں میں نہیں۔ تھوڑا فاصلہ طے کر کے ان ٹیلوں کے عقب میں آ گیا' اور ایک عجیب سی سنسناہٹ سارے وجود میں دوڑ گئی۔ عقب میں جو کچھ دیکھا تھا اسے دیکھ کر سانس بند

ہونے لگا۔ ٹیلوں کے فوراً بعد ایک انتہائی گہری گھاٹی شروع ہو جاتی تھی جس کے ابتدائی ڈھلان ہی اس قدر خوفناک تھے کہ انسان دیکھے تو آنکھیں بند ہو جائیں۔ نیچے جانے کا راستہ تھا' لیکن ٹیلوں کے عقب میں خوفناک کیفیت تھی۔ میں ایک گہرا سانس لے کر وہاں سے واپس پلٹا اور سوچنے لگا کہ زندگی گزارنے کے لئے یہ جگہ بہت اچھی ہے' لیکن باقی لوازمات کے بارے میں ذرا اور جائزہ لینا پڑے گا' میں ٹہلتا ہوئے دوسری سمت چل پڑا۔

ادھر سے گزرتے ہوئے مجھے اس غار کے دہانے کے سامنے سے بھی گزرنا تھا جس سے خوشبو آ رہی تھی۔ دفعتاً ہی مجھے یوں محسوس جیسے غار کے اندر کوئی آہٹ ہوئی ہو۔ ایک لمحے کے لئے میں ٹھٹک گیا' یہ آہٹ کیسی ہو سکتی ہے۔ خوف کا تو خیر دل میں کوئی گزر ہی نہیں تھا۔ آہٹ کا سراغ لگانے کے لئے اندر داخل ہوا۔ روشنی بھرپور تھی اور اس روشنی میں' میں نے ایک دسترخوان لگا ہوا دیکھا جس پر کھانے چنے ہوئے تھے۔ پانی بھی رکھا تھا۔ انسان کتنی ہی حیرتوں سے دوچار ہوا ہو' لیکن ہر نئی بات پر اس کے ذہن پر حیرت کا نقش ضرور ابھرتا ہے۔ میں تعجب بھرے انداز میں کھانے کی قابوں کو دیکھنے لگا جو بڑی نفاست سے دسترخوان پر چنی ہوئی تھیں۔ کوئی نیا فریب کوئی نیا جال۔ کھانوں کے قریب پہنچ کر میں نے ان کا جائزہ لیا لیکن صرف کھانے دیکھ کر جانوروں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑنا میری فطرت میں نہیں تھا۔ جب تک کہ یہ علم نہ ہو جائے کہ یہ سب کچھ جو سامنے ہے حلال ہے یا حرام ہے۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کھانا کس طرح پہنچا اور اسے یہاں پہنچانے والا کون ہے کہ غار کے دہانے پر ایک سایہ سا نظر آیا اور میں اسے محسوس کر کے فوراً ہی پلٹا۔ پھر میں دوبارہ ایک ذہنی جھٹکے سے دوچار ہوا تھا۔ سامنے حمیدہ کھڑی ہوئی تھی جو خاموش نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سی بولی۔

"میں نے لگایا ہے کھانا' کھالو۔" مگر حمیدہ کو دیکھ کر میری کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ میں دیوانوں کی طرح اس کی طرف دوڑا تو وہ پھرتی سے غار کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"حمیدہ..... حمیدہ..... سنو میری بات تو سنو..... حمیدہ میری بات سنو....." میں اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ وہ مجھے نظر آ رہی تھی۔ ٹیلوں کی آڑ لیتی ہوئی وہ کافی آگے پہنچی تو میں نے کہا۔

"حمیدہ! تمہیں قسم ہے۔ رک جاؤ۔ براہِ کرم رک جاؤ۔" وہ ٹیلوں کی دوسری طرف پہنچ چکی تھی۔ میں مسلسل اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب میں نے

اسے قسم دی تو وہ رک گئی۔ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے وہ سرد نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے کہا۔

"حمیدہ! کیوں بھاگتی ہو مجھ سے' کیوں بھاگ رہی ہو؟"

"حمیدہ نہیں شعاع' شعاع ہوں میں شازل' تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہاں میں جانتا ہوں کہ تم شعاع ہو' پھر حمیدہ کیوں بنی ہوئی ہو؟" میں نے سوال کیا اور اس کے چہرے پر رنگ کے تاثرات ابھر آئے۔

"کسی روپ میں تو مجھے قبول کر لو شازل' اپنا پسندیدہ روپ بتا دو مجھے۔ میں اس روپ میں آجاؤں گی۔ کسی طرح تم مجھے اپنی زندگی کا ایک گوشہ دے دو شازل! تھک گئی ہوں میں اب' بہت تھک گئی ہوں' اب زیادہ جدوجہد نہیں کر سکتی شازل' اب تو مجھے اپنا لو۔"

"میں کسی طرح تمہیں اپنا نہیں سکتا شعاع' یہ ادھار کے بدن تم اپنے طور پر حاصل کر رہی ہو' مجھے ان چہروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو شعاع کو چاہتا ہوں اپنی شعاع کو۔"

"وہ شعاع ختم ہو گئی ہے شازل' اسے اتنا بدنما بنا دیا گیا ہے کہ تم اسے اپنا نہیں سکتے۔"

"مجھے اتنی بڑی گالی نہ دو شعاع' مجھے شعاع کا تصور زندگی سے زیادہ عزیز ہے' اس کا کوئی چہرہ نہیں۔" میں نے کہا تو حمیدہ نے اپنا رخ تبدیل کر لیا۔

"میری طرف رخ کرو' مجھ سے نگاہیں ملا کر بات کرو۔" میں نے کہا اور وہ پلٹی لیکن اب جو کچھ میں نے دیکھا' وہ میرے لئے انتہائی دہشتناک تھا۔ شعاع کی دونوں آنکھیں بہہ گئی تھیں' پھیل کر رخسار تک آگئی تھیں۔ چہرہ انتہائی مکروہ ہو گیا تھا۔ البتہ جسم وہی کا وہی تھا اس نے سسکی لے کر کہا۔

"بولو' بولو۔ مجھے اپنا لو گے اس روپ میں۔ مجھے اس روپ میں اپنا لو گے شازل۔" میں اسے دیکھتا رہا اور پھر میں نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"قسم کھاتا ہوں اس معبود کی شعاع جس نے مجھے اس کائنات میں یہ چند سانس بخشے' قسم کھاتا ہوں اس معبود کی جو روزِ حشر مجھے حساب دینے والوں کے درمیان کھڑا کر دے گا اور مجھے اپنے سچ اور جھوٹ کا حساب دینا پڑے گا۔ قسم کھاتا ہوں اپنے اس سچ کی جو میں تم سے کہہ رہا ہوں' تمہارا یہ روپ میرے لئے اس کائنات کا سب سے

قیمتی سرمایہ ہے۔ شعاع' اس روپ کی تو بات ہی نہ کرو' میں ناظم ارسلان سے کہتا ہوں مجھے اجازت دے دے کہ آپ نے جو شاہکار تخلیق کیا ہے' میں اسے اپنے سینے پر سجا لوں' شعاع اگر ناظم ارسلان مجھے اجازت دے دیں تو میں اسی حیثیت میں تمہیں اپنانا پسند کروں گا..... اور اگر حیات کے آخری لمحے تک میری پیشانی پر کوئی شکن آجائے تو اس دن تم میرے چہرے پر تھوک دینا۔ شعاع' صرف ایک ہی حل ہے یہ' صرف ایک ہی حل ہے' پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں نے تمہیں پانے کے لئے محبت نہیں کی مجھے تمہارے وجود سے عشق ہے۔"

"تو پھر کچھ بھی نہیں ہو سکتا' شازل۔ بابا کبھی اجازت نہیں دیں گے۔"

"شعاع میرے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے' یقین کرو میں مجبور ہوں۔"

"لیکن میرے پاس اس کا حل ہے شازل۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا اور وہ میرے قریب آنے لگی' میں خاموش کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک سنگین سی سنجیدگی طاری تھی۔

"میرے پاس اس کا حل ہے شازل اور میں یہ فیصلہ کر چکی ہوں' سمجھے یہ فیصلہ کر چکی ہوں میں۔" وہ میرے قریب آتی جا رہی تھی۔ اتنا قریب آگئی تھی کہ میں گھبرا گیا تھا اور پھر مجھے شبہ بھی نہیں تھا کہ ایسا کر ڈالے گی۔ اچانک ہی اس نے دوڑ لگائی اور میرے عقب میں اس گھاٹی میں کود گئی جس میں کودنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے حلق سے ایک دہشت بھری آواز نکل گئی تھی۔ وہ نیچے جا رہی تھی اور اس کے بعد وہ پتھر کی ایک چٹان پر بکھر گئی۔ میں وحشت سے دیوانہ ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو میرا دل چاہا کہ میں بھی اس گھاٹی میں کود جاؤں' لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ میں اتنا دلیر نہیں تھا۔ میں ان ڈھلانوں کی طرف دوڑا جہاں سے میں نیچے جا سکتا تھا۔ ڈھلان یہاں سے کافی فاصلے پر تھے۔ ان پر پہنچ کر میں نے نیچے اترنے لگا میرے سامنے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ ڈھلانوں پر بمشکل دوڑتا ہوا میں نیچے تک پہنچا اور پھر اس چٹان کی جانب دوڑنے لگا جس پر شعاع گری تھی۔ میرے دل کی کیفیت اس وقت ناقابلِ بیان تھی' لیکن جب میں چٹانوں کے پاس پہنچا تو میں نے وہاں ناظم ارسلان کو' غلام سمبان کو' امیر شاہ صاحب کو' کمال علی کو شعاع کے گرد کھڑے ہوئے دیکھا۔ شعاع کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا' اس کے پورے بدن کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور چٹان پر اس کا خون بکھرا ہوا تھا۔ ناظم ارسلان ساکت کھڑا ہوا تھا۔ غلام سمبان بھی اس کے قریب ہی موجود تھا۔ ناظم ارسلان نے تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کی پھر کمال علی صاحب کی

طرف دیکھا اور مدہم لہجے میں بولا۔

"مجبوری تھی استاد محترم! مجبوری تھی' بڑی مجبوری تھی آپ غور فرمالیجئے' میں اس مجبوری کو ٹال نہیں سکتا تھا۔" اس کی نگاہیں میری جانب اٹھیں اور اس نے کہا۔

"تم عظیم ہو شازل' بہت بڑے ہو تم' میں اعتراف کرتا ہوں۔" اس کے بعد ناظم ارسلان نے غلام سمبان کو اشارہ کیا اور سمبان نے آگے بڑھ کر شعاع کی لاش پر ایک چادر ڈال دی۔ پھر ناظم ارسلان نے امیر شاہ صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شاہ جی اجازت چاہتا ہوں۔ کچھ انتظامات کرنے ہیں۔"

امیر شاہ صاحب کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا انہوں نے ٹٹول کر کمال علی کا بازو پکڑا اور غرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"قسم کھاتا ہوں' بہت بڑی قسم کھاتا ہوں کہ اب اگر میرے علم میں یہ آیا کہ کسی جن زاد نے کسی آدم زادی کو اپنی زندگی میں شامل کیا ہے' تو اسے معاف نہیں کروں گا' اسے یہ سب کچھ نہیں کرنے دوں گا۔ آؤ کمال علی' آؤ شازل' آجاؤ' فرق نمایاں ہے' فرق نمایاں ہے۔" یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے پلٹ گئے۔

انسان کو اگر کچھ حاصل ہو جائے تو ضروری نہیں ہے کہ وہ بس اسی کو اپنا ذریعہ بنالے' شعاع تو پہلے بھی میری زندگی میں ایک روشن شعاع کی مانند تھی' میں نے اس کے حصول کے لئے کبھی کوشش نہیں کی تھی' آج بھی وہ میری زندگی میں چاند کی ایک حسین کرن کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے' وہ دو آنکھیں جن کا میں پرستار ہوں اور تھا آج بھی میرے خیال کی دسترس میں ہیں۔ جب بھی چاند نکلتا ہے' آسمان پر ستارے چمکتے ہیں' راوی کی لہروں میں کہکشاں اتر آتی ہے تو میں ان دو آنکھوں کو اپنے سامنے پاتا ہوں۔ خاص طور سے چاند کی چودہ تاریخ کو دریائے راوی کے کنارے اپنی محبوبہ سے ملاقات کرتا ہوں' آج کل کیا کر رہا ہوں۔ کیسے زندگی گزار رہا ہوں' یہ اس لئے صیغہ راز میں رکھنا چاہتا ہوں کہ دنیا سے علیحدگی زیادہ مناسب ہے۔

======== ختم شد ========